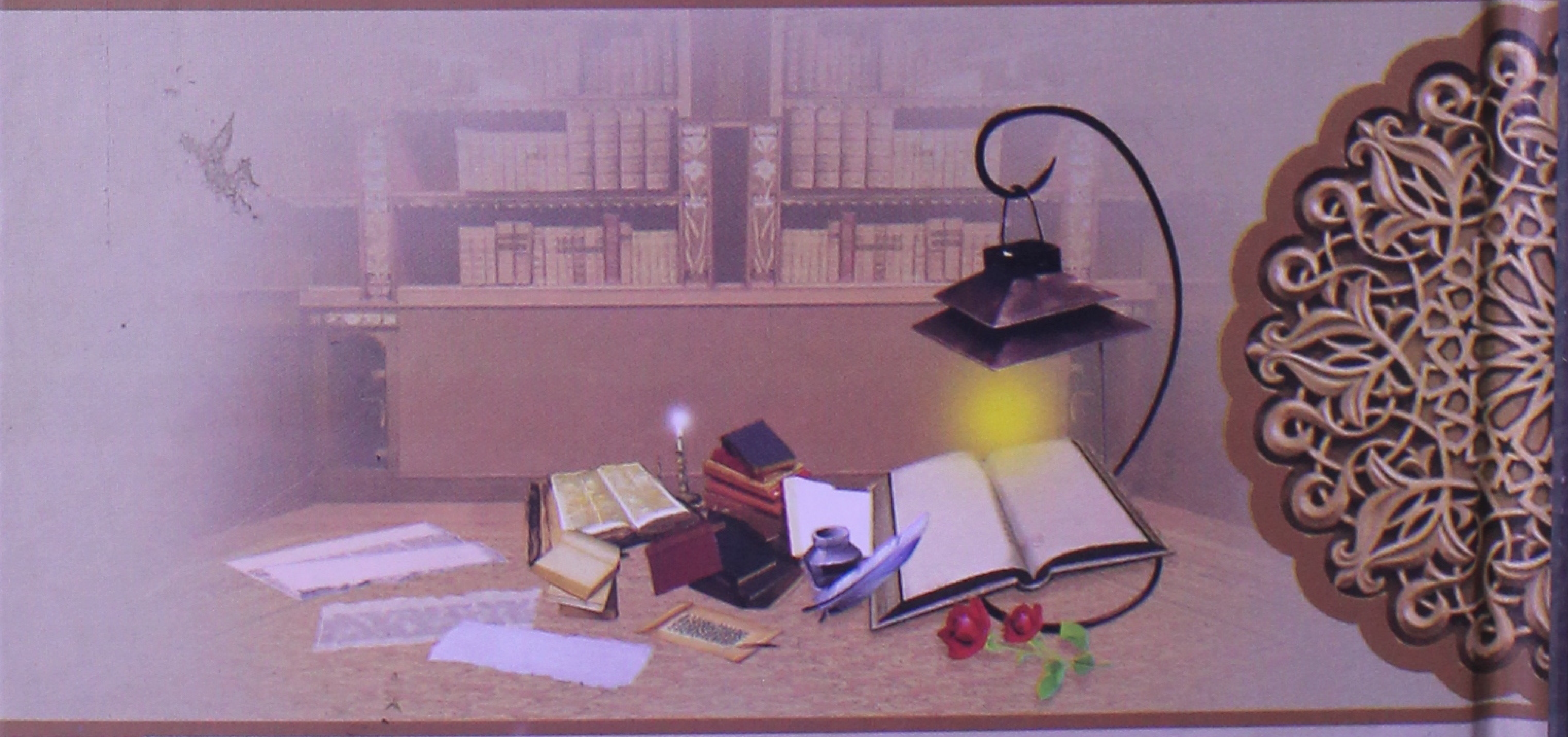
ذرا سی دیر کے لیے میری کتاب دیکھیے
جو وقت ہو تو میرا حسنِ انتخاب دیکھیے

کارآمد تراشے

مصنف غلام نصیر الدین
ناظم تعلیمات جامعہ نعیمیہ لاہور



حامد اینڈ کمپنی ۳۸۔ اردو بازار لاہور

آنکہ ذاتِ خویش را مطلق مقید ساختہ　　رنگہائے مختلف صورتِ خود ساختہ

بے صورت ظاہر صورت تھیں!　　بے رنگ دسے اس مورت تھیں!

کار آمد تراشے

سینکڑوں کتابوں کے مطالعے سے منتخب دل چسپ چھوٹے چھوٹے واقعات، سبق آموز اور بصیرت افروز معلومات پر مشتمل ایک ایسی کتاب جو کبھی ہنساتی تو کبھی رلاتی ہے سفر و حضر کی بہترین ساتھی کتاب حُسنِ انتخاب شگفتہ اور مفید کار آمد تراشوں کا گلدستہ

تصنیف و مرتب

غلام نصیر الدین

ناظم تعلیمات جامعہ نعیمیہ لاہور

ناشر

حامد اینڈ کمپنی ۳۸۔ اردو بازار لاہور

تصحیح : حافظ محمد اکرم ساجد
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاول : رمضان 1437ھ / جون 2016ء
قیمت : روپے

تقسیم کار
فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

حامد اینڈ کمپنی مدینہ منزل ۳۸۔ اردو بازار لاہور

HAMID & COMPANY
Publishers & Booksellers
Madina Manzil, 38-Urdu Bazar, Lahore. Pakisatan

Phone No:092-42-37312173-37123435
Fax No.092-42-37224899

فہرست

کارآمد تراشے

تمغۂ حسنِ عمل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ. (التوبہ:۱۰۵)

اور تم فرماؤ: کام کرو اب تمہارے کام دیکھے گا' اللہ اور اس کے رسول اور مسلمان۔

سراپا اخلاص مجسم صبر و رضا' منبع جود و سخا' کانِ مہر و وفا عالی جاہ

حضرت پیر سیّد محمد اسماعیل شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز'

سابق سجادہ نشین آستانہ عالیہ علی پور شریف'

بانی و مؤسس شاہِ لاثانی اسلامک یونی ورسٹی (نارووال)

کی خدمت عالیہ میں

عظیم الشان اسلامی یونی ورسٹی قائم کرنے پر ہدیہ کیا جاتا ہے' وصول فرماتے ہیں

حضرت علامہ پیر سیّد کرامت علی حسین شاہ صاحب

سجادہ نشین علی پور شریف' حفظہ اللہ تعالیٰ گر قبول افتد زہے عزّ و شرف قبول گر افتد زہے

شہیدِ پاکستان ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی انسٹیٹیوٹ' لاہور

شعبہ تحقیق و تصنیف زیر سرپرستی ڈاکٹر محمد راغب حسین نعیمی صاحب کی طرف سے

سب سے پہلی چھپنے والی کتاب ''کارآمد تراشے''

﴿غلام نصیر الدین' ناظم تعلیمات' جامعہ نعیمیہ' لاہور﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے کائنات کی تخلیق میں اختلاف اور تنوع رکھا ہے۔ انسان، حیوان، چرند پرند، جمادات و نباتات ہر نوع میں تنوع اور امتیاز اور رنگارنگی عیاں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۝ (فاطر: 27-28)

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا، تو ہم نے اس سے پھل نکالے رنگ برنگ اور پہاڑوں میں راستے ہیں سفید اور سرخ رنگ رنگ کے اور کچھ کالے بھجنگ ۝ اور آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں کے رنگ یونہی طرح طرح کے ہیں اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں بے شک اللہ بخشنے والا عزت والا ہے ۝ (کنزالایمان)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ضیاء الامت قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بُوقلمونیوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے، ایک زمین ہے اور ایک ہی پانی، لیکن...... پھلوں کی قسمیں گنی نہیں جاسکتیں۔ رنگ، ذائقہ اور مہک سب کی الگ الگ خصوصیات ہیں اور اثرات بھی ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں...... مختلف پہاڑوں کو دیکھو

ان کی بناوٹ' ان کی بلندی و پستی' ان کے مختلف رنگ' ان کی گھاٹیوں سے جو راستے گزرتے ہیں' ان کی رنگتیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ پھر قدرت کی قدرت آفرینیاں یہاں ختم نہیں ہو جاتیں' مصورِ فطرت کا قلم انسانوں' چوپایوں اور جانوروں کو مختلف رنگ آمیزیوں سے آراستہ و پیراستہ کر رہا ہے کہ دل کھچے چلے جاتے ہیں' آنکھیں ہزار بار دیکھنے کے باوجود سیر نہیں ہوتیں اور یک بار دیگر بینم کی آرزو کبھی ختم نہیں ہوتی۔

خصوصاً انسان اپنے قد و قامت' خد و خال اور صباحت و ملاحت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں' صرف اتنا ہی نہیں اپنی باطنی قوتوں' ذہنی صلاحیتوں اور فطری استعدادوں میں بھی ایک حیرت انگیز تنوع پیش کرتی ہیں' اور یہ تنوع اور رنگا رنگی اور بوقلمونی حکمت ربانی کی عظیم دلیل ہے۔ (ضیاء القرآن)

کسی شاعر نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے' وہ کہتا ہے:

آنکہ ذاتِ خویش را مطلق مقید ساختہ　　رنگ ہائے مختلف را صورتِ خود ساختہ

(نغمہ توحید)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک مُشت (خاک) سے تخلیق فرمایا جو تمام روئے زمین سے لی گئی' لہٰذا اولادِ آدم زمین کے اندر سے آئی' ان میں سرخ' سفید اور کالے اور درمیانے اور نرم و سخت اور پلید و پاک ہے۔ (مشکوۃ شریف' باب القدر)

نمطیّت یکسانیت اور یک رنگی میں تو نری بوریت ہے جبکہ کائنات کی بوقلمونی' اختلاف و تنوع اور رنگ برنگ صورت پر ہونا کتنا حسین اور خوبصورت لگتا ہے اور یہ اختلافِ کائنات اور اس کا تنوع' حسن قدرت کا مظہر اور آئینہ دار ہے' اسی حکمت سے تخلیق خداوندی سراسر تنوع سے عبارت ہے۔

بیدل علیہ الرحمۃ کا شعر ہے:

جہاں جوشِ بہارِ بے نیازیست　　بیک صورت دو گُل کم آفریدند

یعنی...... ''جو بھی صاحب جمال آتا ہے...... آپ اپنی مثال آتا ہے''۔

بیدل صغیر سیّد نصیر الدین گیلانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں:

ہر قطرہ بہ بحر چوں گہر کے بالد؟ خاکستر صورتِ شرر کے بالد؟
فرق است در ارتقائے ہر موجودے موئے مژگاں چوں موئے سر کے بالد؟
(آغوش حیرت)

انسانوں کی بولیاں' زبانیں اور لغات میں اختلاف لہجہ اور تنوع کی وجہ سے جو حسن اور چاشنی اور مٹھاس ہے' اس کا کیا کہنا؟ فارسی زبان میں سُبکی اور لطافت ہے' ہندی زبان میں شیرینی اور گھلاوٹ ہے' سنسکرت میں قواعد کی پختگی اور الفاظ کی وسعت ہے (وقس علی هذا) لیکن عربی زبان جو سب زبانوں میں متعدد وجوہ سے محبوب ترین زبان ہے' اس میں یہ سب رنگ' سب مزے اور اس کے سوا بھی بہت کچھ ہے۔ عربی زبان کا تو عالم یہ ہے کہ جیسا کسی نے کہا:

رُو رکھتا ہے خورشید پہ ابرو نہیں رکھتا ابرو مہہ نو نور رکھتا ہے پہ رُو نہیں رکھتا
قد رکھتا ہے شمشاد پہ گیسو نہیں رکھتا سُنبل کو ہیں گیسو قدِ دل جو نہیں رکھتا
نرگس کی ہیں آنکھیں پہ یہ بینائی کہاں ہے غنچہ کو ہے دہن پہ یہ گویائی کہاں ہے
اور...... آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(تنوّع......اور......یکسانیت' رمضان و النمطیۃ......اَز نعمان عبدالرزاق السامرائی ''الدعوۃ'' شمارہ نمبر 1624' یکم جنوری 1998ء سعودی عرب)

جب زندگی ایک ہی طریقہ پر چلتی ہے تو انسان بور (Bore) ہو جاتا ہے' اُکتا جاتا ہے' اور گھٹن محسوس کرنے لگتا ہے۔ اسی لیے وہ تغییر پسند واقع ہوا ہے' شہر کا رہنے والا جنگل اور صحرا کی طرف چلا جاتا ہے اور صحرا نشین شہر کی طرف سیر کرنے آ جاتا ہے' دولت مند آدمی بعض اوقات قدرتی اور طبعی مناظر کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے اور سادہ لباس اور سادہ کھانوں اور سادہ دیہاتی اور دیسی اشیاء میں سکون اور لطف محسوس کرتا ہے اور فقیر اغنیاء اور روساء کی طرح عیش عشرت کی زندگی گزارنے کی خاطر بسا اوقات بظاہر ناممکن اور انتہائی مشکل کاموں کو انجام دینے کی بھرپور کوشش کرنے لگتا ہے اور اس راستے میں کئی مرتبہ وہ ناجائز اور حرام ذرائع سے دولت کمانے سے بھی باز نہیں آتا اور کئی مرتبہ خطرناک اور مہلک کام کرنے کا رسک (Risk) لیتا ہے' یہ نمطیت اور یکسانیت تن درست آدمی میں بگاڑ اور فساد کا سبب بنتی ہے اور جب وہ بیمار پڑتا ہے تو پھر اسے تن درستی اور عافیت کی قدر معلوم ہوتی ہے' اب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے'

عافیت مانگتا ہے' دن رات اللہ کو پکارتا ہے اور ہر قیمت پر وہ عافیت اور کھوئی ہوئی صحت کی بحالی کا سوال کرتا ہے۔ سردی میں آدمی گرمی کی تمام سختی کو بھول کر اس کی تمنا کرنے لگتا ہے اور گرمی کے موسم میں سردی اور جسم پر کپکپی طاری کر دینے والی ٹھنڈک مانگنے لگتا ہے' انسان تبدیلی کا محب بلکہ عاشق' دیوانہ' شیدا اور دل دادہ ہے' کبھی میں دیکھتا ہوں اور عبادات کے بارے میں سوچتا ہوں کہ دن کی نماز میں حرکت اور شور وشغب ہے تو وہ سری طور پر ادا کی جاتی ہے اور یہ نمطیّت سے خارج ہے اور اس کے برعکس رات کی نماز میں جہاں سکون اور ٹھہراؤ ہوتا ہے وہاں اس کو جہراً قراءت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔

مال کی محبت اور اس کا جمع کرنا' انسان کی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے ''وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا'' (اس پر شاہد عادل ہے) تو اس نمطیّت اور یکسانیت کو توڑنے کے لیے زکوٰۃ کی ادائیگی کا اَمر آ گیا کہ زکوٰۃ دو اور صدقات نکالو تا کہ تم ایک ہی طرح کے چلن اور روش سے نکل سکو' تو انسان اپنے بھائی کے لیے زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور دونوں اپنی اپنی حالت میں تغیر و تبدل پا کر ایک سی چال چلن سے نکل کر سکون پاتے ہیں۔

انسان کا اپنے وطن اور اپنے گھر میں استقرار اور ٹھہرا رہنا اور اپنے وطن کی محبت اور اپنے ماں باپ' بیوی اور اَولاد کی محبت اور پیار' یہ سب اُمور طبعی اور فطری ہیں۔ اس نمطیّت اور یکسایئت کو توڑنے کے لیے حج بیت اللہ کا اَمر آتا ہے اور انسان اپنا وطن' اپنا گھر بار چھوڑ کر کچھ دنوں کے لیے پردیس چلا جاتا ہے اور کچھ عرصہ غریب الوطنی میں گزار کر اپنے وطن لوٹتا ہے۔ اچھے اچھے کھانے پینے اور جسمانی ونفسانی خواہشات کو پورا کرنا انسان کو مرغوب اور پسندیدہ ہے' پھر رمضان المبارک آتا ہے تو ایک قسم کا ارادی طور پر اِن مطلوبہ خواہشات کو چھوڑنا اور ضبطِ نفس پر اس کو آمادہ کرتا ہے تا کہ اپنے قصد سے اپنے مرغوبات اور پسندیدہ خواہشات کو چھوڑ کر انسان اَجر وثواب حاصل کرے اور دونوں جہاں کی ظاہری اور روحانی راحتوں اور سعادتوں کو سمیٹ سکے' گویا کائنات کے ہر حرکت وسکون اور عمل وفعل میں تنوع اور تغیر وتبدل اور حدوث وتجدد' رنگارنگی' خالقِ کائنات کی عظیم قدرت اور حکمت کا مظہر اور آئینہ دار ہے۔

پریشانِ پھول افسردہ شگوفے منتشر کلیاں بہار آئے تو رنگ گلستان ایسا بھی ہوتا ہے
پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ افسوس! تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

اوراب!

ذرا سی دیر کے لیے میری کتاب دیکھیے　　جو وقت ہو تو میرا حُسنِ انتخاب دیکھیے

غلام نصیرالدین......خادم طلبہ: دارالعلوم جامعہ نعیمیہ، لاہور

4 جون 2015ء / 18 شعبان 1436ھ

پیش لفظ

مطالعہ کتب کے دوران بعض ایسے نثر پارے' حکیمانہ اشعار اور اقوالِ زرّیں نظر سے گزرتے ہیں جو ضخیم کتابوں پر بھاری اور طویل خطبوں اور لیکچروں پر حاوی ہوتے ہیں۔ دل کرتا ہے آدمی انہیں پڑھتا ہی جائے اور جتنی بار پڑھا جائے اتنی بار نیا لطف' نیا مزا دیتے ہیں۔

جیسے ماہر القادری کا ایک شعر ہے:

حسن والو تمہاری بھی کیا بات ہے ہر ملاقات پہلی ملاقات ہے

ایک اور شاعر کہتا ہے:

چہ حسنت آنکہ گر یک دم رخت را صد نظر بینم ہنوزم آرزو باشد کہ یک بارے دگر بینم

تو لیجئے! ایک نثر پارہ پیش خدمت ہے پڑھئے اور لطف اٹھایئے:

ارباب علم و فضل اور اصحاب فن کو جو سیرابی اور ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے وہ اہل ثروت دنیا داروں' نوابوں اور شاہوں کے مقدر میں کہاں؟ اس سلسلے میں ایران کے مشہور شاعر حکیم حبیب اللہ قاآنی کا ایک واقعہ قابل توجہ ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ قاآنی فارسی کا نامور قادر الکلام اور طباع شاعر تھا' کم عمری میں اس کے علم و فضل اور سخن کا یہ مقام تھا کہ سن رسیدہ اور منتہی ارباب علم و فن اس کے ساتھ مشاعرہ پڑھنے سے کتراتے اور حسد کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ کسی مجلس میں گیا تو بادشاہ کے ملک الشعراء اور دیگر نامور اساتذہ سخن نے اس کی ذرا آؤ بھگت نہ کی' چنانچہ وہ جوتیوں میں ہی بیٹھ گیا' اس پر اس کے شاگرد تلملائے کہ ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ (بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال) کے مطابق اگر آپ عمر میں ان سے کم ہیں تو کیا ہوا' علم و فضل' ذہانت اور قادر الکلامی میں ان سب سے بڑھ کر ہیں' لہٰذا آپ کو صدر مجلس ہونا چاہیے' جوتیوں میں کیوں بیٹھے ہیں' آپ یا تو آگے چل کر اپنے شایان شان مقام پر بیٹھیں یا پھر واپس تشریف لے جائیں۔ شاگردوں کی یہ تلخ نوائی سن کر قاآنی نے فی البدیہہ ایک قطعہ کہا۔ اندازا لگانا دیدنی ہے کہ اس ظالم کا ذہن اس دلیل کے لیے آناً فاناً کہاں پہنچ گیا۔ لیجئے وہ قطعہ حاضر ہے' آپ بھی پڑھ لیجئے:

گر فرو تر نشست است قاآنی نے ترا ننگ ونے مرا ادب است
قل هو الله که وصف خالق ما است زیر ''تَبَّتْ يَدَا اَبِىْ لَهَبْ'' است

ترجمہ وتشریح

اگر قاآنی پست مقام پر بیٹھ گیا تو یہ بات نہ آپ کے لیے باعث شرم وعذر ہے اور نہ وہ کسی کے پاس ادب کے لیے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔ سورہ اخلاص جس میں خالق کائنات کی تعریف اور اس کا ذکر ہے قرآنی ترتیب تلاوت کے مطابق سورۃ لھب کے نیچے لکھی گئی ہے کہ کسی صاحب علم وفضل یا قابل عزت وتکریم کے نیچے بیٹھ جانے سے اس کے مرتبہ ومقام میں فرق نہیں پڑتا۔ اگر حاسدین دانستہ ایسے لوگوں کو نچلے مقام پر بٹھادیں تب بھی باشعور حاضرین مجلس کی نگاہوں کا مرکز وہی اصحاب فضل وکمال رہا کرتے ہیں، بقول شاعر:

ہزار مجمع خوبانِ ماہ رُو ہو گا نگاہ جس پر ٹھہر جائے گی وہ تو ہو گا
نگاہیں کاملوں پہ پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی کہیں رہتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہوکر

اگر ایسے لوگوں کو نچلے مقام پر بٹھانے سے ان کا مرتبہ کم ہو جاتا ہے تو پھر سورۃ اخلاص کا مرتبہ ضرور کم ہوتا کہ وہ سورۃ لھب کے نیچے ہے مگر سب جانتے ہیں کہ سورۃ لھب سورۃ اخلاص کے اوپر ہونے کے باوجود اس کی عظمت وجلالت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ کہاں رب قدوس کی ذات وصفات کا ذکر اور کہاں ابولہب کا تذکرہ۔ اتنی بات ضرور ہے کہ نچلے مقامات پر بیٹھنے کا حوصلہ وہی رکھتے ہیں جو علم وفضل اور کمالات ذہنی کی بلندیوں پر براجماں ہوں، یہ عام لوگوں کے بس کی بات نہیں اس لیے ایسا کرنے سے انہیں شرم دامن گیر ہوتی ہے گویا عام ذہن کے لوگوں کو مسند صدارت کے سہاروں اور بیساکھیوں کا محتاج ہونا پڑتا ہے اور باکمال لوگ جہاں بھی بیٹھ جائیں اس جگہ کو مسند کا درجہ مل جاتا ہے گویا ایسے اصحاب فضل وکمال درج ذیل شعر کے مصداق ہوا کرتے ہیں:

خلوص دل سے جو سجدہ ہو اس سجدے کا کیا کہنا وہیں کعبہ سرک آیا جبیں ہم نے جہاں رکھ دی

(سیماب اکبرآبادی) (نام ونسب سید نصیرالدین گیلانی)

دوسرا نثر پارہ، مثبت سوچ فکر پیدا کرنے کے اصول اور طریقے کا بیان

✻ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ نے غنیۃ الطالبین میں بیان فرمایا: کہ دوسروں کو حقیر اور خود کو

افضل سمجھنے کے شیطانی حملہ سے بچنے کے لیے انسان یہ سوچ اپنا لے کہ اگر کسی اپنے سے عمر میں چھوٹے کو دیکھے تو اسے یہ خیال کر کے افضل سمجھے کہ اس کی عمر تھوڑی ہے' اس کے گناہ بھی مجھ سے کم ہوں گے اس لیے مجھ سے بہتر ہے۔

* اور اگر اپنے سے کسی بڑے کو دیکھے تو اس کو بھی خود سے بہتر سمجھے اور یہ جانے کہ اس کی عمر مجھ سے زیادہ ہے۔ اس نے نیکیاں بھی مجھ سے زیادہ کی ہوں گی۔

* اور اگر ہم عمر کو دیکھے تو اس کے بارے حُسن ظن رکھے کہ اطاعت وعبادت اور نیکی میں مجھ سے بہتر ہے۔

* اور اگر اپنے سے کم علم یا جاہل کو دیکھے تو اس کو بھی اپنے سے بہتر سمجھے کے اس کا علم کم ہے اس سے حساب بھی کم ہو گا' اور اس کا مؤاخذہ بھی کم ہو گا کیونکہ اگر اس نے گناہ کیے ہیں تو وہ کم علمی کی وجہ سے کیے ہیں' اور میں گناہ کرتا ہوں تو زیادہ علم کے باوجود اس کا ادراک ہوتے ہوئے گناہ کرتا ہوں' میرا مؤاخذہ زیادہ ہو گا' وہ شاید کم علمی کی وجہ سے نہ پکڑا جائے اور معافی مل جائے۔

* اور اگر کسی کو خود سے زیادہ عالم دیکھے تو اس کو بھی خود سے بہتر جانے کہ اس کا علم زیادہ ہے' لہٰذا تقویٰ اور علم کی وجہ سے عبادات بھی زیادہ ہوں گی۔ چونکہ زیادہ علم ہے اس لیے اسے معلوم ہے کہ کس کس عبادت کا اجر وثواب زیادہ ہے۔ کون کون سے اعمال کا درجہ بلند ہے' اس نے نیکیاں بھی اپنے علم کی وجہ سے زیادہ جمع کر لی ہوں گی اور علم کی فضیلت کی وجہ سے جو بخشش عطا ہو گی وہ اس کے نصیب میں ہو گی۔

* اور کسی کافر کو دیکھے تو اسے بھی بحیثیت انسان کے خود سے حقیر اور کم تر نہ جانے۔ کافر کو دیکھ کر اپنی افضلیت کے گھمنڈ کو یوں ختم کرے کہ یہ کافر ہے اور میں مومن ہوں لیکن معلوم نہیں اس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے اور میرا خاتمہ خدا جانے کفر پر ہو جائے۔ کیا معلوم یہ توبہ کرے اور آخر وقت پر مسلمان ہو جائے اور توبہ کر کے گناہوں سے بالکل صاف ہو کر بخشش کا مستحق بن جائے اور میں ساری عمر ایمان پر گزار کر' ممکن ہے آخر عمر میں برباد ہو جاؤں' کوئی ایسی غلطی کر بیٹھوں کہ عمر بھر کا خسارہ ہو جائے۔ گویا کافر پر بھی

حسن ظن کرے۔

کچھ اس کتاب کے بارے

راقم کا مشغلہ محض تدریس رہا ہے اس لیے عام طور سے مطالعہ کا موضوع درس نظامی کی نصابی کتب اور ان کی شروحات اور حواشی ہوتے ہیں کبھی ذائقہ بدلنے کے لیے (اور جیسا کہ ہمارے اسلاف کا طریقہ کار رہا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر اندلسی (المتوفی 463ھ) جامع بیان العلم وفضلہ میں لکھتے ہیں:

* ابن شہاب زہری کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ بہت سی احادیث روایت کرنے کے بعد شاگردوں سے فرماتے: ہاں ذرا اپنے اشعار لاؤ' کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں کرو' کان تھک جاتے ہیں' دل اکتا جاتا ہے۔
* حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے: دل کو آزاد بھی چھوڑ دیا کرو' خوش کن نکتے بھی سوچا کرو کیونکہ جسم کی طرح دل بھی تھک جاتا ہے۔
* قاسم بن محمد سے بہت زیادہ سوالات کیے جاتے تو اکتا جاتے اور فرماتے: اب کچھ عرب کے قصے اور خود اپنی باتیں شروع کرو۔
* ابو خالد والبی بیان کرتے ہیں: ہم صحابہ کرام علیہم الرضوان کی صحبت میں بیٹھتے تھے وہ اشعار اور اپنے ایام جاہلیت کے قصے بھی سنایا کرتے تھے)۔

تاہم نصابی کتب کے مطالعہ کے علاوہ کبھی معلومات عامہ سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے اور کبھی ذائقہ بدلنے کے لیے جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

مجلس وعظ تو تادیر رہے گی قائم یہ رہا ہے خانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

گاہے گاہے ادبی اور تاریخی کتب' مجلات' اور اخبارات کی تحریریں اور کالم بھی نظر سے گزرتے تھے۔ دورانِ مطالعہ کوئی دل چسپ ادبی نثر پارہ' سبق آموز واقعہ' پند و نصیحت پر مشتمل جملہ' حکمت و دانائی سے لبریز اور فصاحت و بلاغت کا شاہکار کوئی قطعہ' مصرعہ' شعر' کوئی علمی لطیفہ' کوئی نکتہ' سامنے آتا تو اسے ضبط کر کے محفوظ کر لیا جاتا رہا' پھر ''ماہ نامہ عرفات'' (جامعہ نعیمیہ لاہور) میں ماہ بہ ماہ (گلستان نصیر در عرفات) بہ عنوان ''نعیم مہر و رضا'' نعیم: نسبت بنام (1) سیّد نعیم الدین مراد آبادی (2) مہر: پیر سیّد مہر علی شاہ صاحب (3) رضا: امام احمد رضا خان'

2003ء سے 2012ء تک شائع ہوتا رہا ہے۔اب بعض مخلص احباب اور باذوق اصحاب کے اصرار پر خصوصاً جانشین شیخ سعدی حضرت علامہ مولانا محمد منشاء تابش قصوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ارشاد اور تحریک وتشویق پر ان تراشوں کو ''کارآمد تراشے'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔اس مجموعہ میں جسے اہل علم حضرات کشکول' مرقع علمی' فلاں کی ڈائری' بیاض علمی' یادداشتیں' تراشے (کٹنگز) ٹوٹے بڑے چھوٹے اور دیگر ناموں سے شائع کیا کرتے ہیں۔راقم نے اس کا نام ''کارآمد تراشے'' تجویز کیا ہے' بہرحال اس مجموعہ کے اندر کسی ترتیب کا چنداں لحاظ رکھا گیا ہے اور نہ ہی اس کی تلاش کرنا' بس:

درایں کتاب پریشاں چوں بنی از ترتیب　　عجب مدار کہ چوں حال من پریشان است

بلکہ ہم تو مستقل عنوان کے فریم ورق میں یہ درج کرتے رہے ہیں:

پریشان پھول' افسردہ شگوفے' منتشر کلیاں　　بہار آئے تو رنگ گلستاں ایسا بھی ہوتا ہے

اور یہ کہ

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ　　افسوس! تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

بہرحال ؎

کچھ ہم نے بھی گہر ایسے چنے کان سخن سے　　امید ہے رکھیں گے نصیر اہل نظر یاد

تنبیہ

بعض احباب کہہ دیا کرتے ہیں (کارآمد تراشے) اچھا اچھا' اِدھر اُدھر کی باتیں' گویا ان کے نزدیک تصنیف وتالیف کے باب میں اس صنف کی کوئی اہمیت نہیں ہے' اس لیے خیال آیا کہ ذرا وضاحت کردی جائے' چنانچہ ملاحظہ فرمائیے: ابوالحسن علی ندوی شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تالیف کردہ کتاب ''صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم و التحصیل'' پر اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں: ''والاختیار مثل التالیف او اصعب منه فانه یتجلی فیه ذوق المؤلف و دقة نظره و لطف حسه'' اور انتخاب تالیف کی مثل ہے بلکہ اس سے زیادہ مشکل اور دشوار ہے' کیونکہ اس میں انتخاب کرنے والے کا ذوق' اس کی دقت نظری (باریک بینی) نیز اس کی حس ظاہری اور باطنی (یعنی بصارت وبصیرت) کی لطافت وپاکیزگی کا صاف پتا چل جاتا ہے۔

بس اب لیجئے اور ......

ذرا سی دیر کے لیے میری کتاب دیکھئے جو وقت ہو تو میرا حسن انتخاب دیکھئے

(ڈاکٹر صبیحہ صبا صاحبہ)

تصوف، ہمارا قیمتی سرمایہ

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ" (البینۃ:5) ان کو جو حکم ہے وہ یہی ہے کہ اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کریں، اور اسی اخلاص میں آدمی ترقی کرتا ہے تو اسے مرتبہ احسان حاصل ہوتا ہے، جو عبادت اور دین کا اصل جوہر ہے، اس کے حاصل ہونے کے بعد آدمی کا رُواں رُواں صدا دینے لگتا ہے کہ "اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" (الانعام:162) (ترجمہ) بے شک میری نماز، میری قربانی، بلکہ میری زندگی اور موت محض اللہ کے لیے ہے جو سارے عالم کا پروردگار ہے۔

اسی اخلاص اور احسان کو حاصل کرنے کا طریقہ اور اس تک پہنچنے کا راستہ تصوف کے نام سے معروف ہے، اب خواہ کوئی اس نام سے بھڑکے یا اسے غیر اسلامی چیز قرار دے، مگر یہ حقیقت ہے کہ اس راہ کو اپنائے بغیر اخلاص اور احسان کے نام اور اس کی علمی تشریحات کی معرفت تو ہوسکتی ہے، لیکن آدمی کا دماغ اور اس کا ریشہ ریشہ اس کی حلاوت سے سرشار ہو جائے، اس کا حصول مشائخ کی صحبت اور تصوف کی عملی مشق کے بغیر بہت دشوار ہے۔ یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے، آدمی خواہ اس سے صرف نظر کرے، مگر اس کے بغیر اسے اپنی زندگی میں خلا ضرور محسوس ہوتا ہے، بشرطیکہ حس ماؤف نہ ہو چکی ہو۔ آج دنیا میں انسان اپنے کو بہت سی لایعنی مشغولیات میں مبتلا کر کے حقائق سے فرار اختیار کرتا ہے، مگر مرض اور بڑھاپا تمام لایعنی مشغلوں کو چھڑا دیتا ہے، اس وقت بہت سے لوگوں کو اپنی کمی کا احساس ہونے لگتا ہے اور اصحاب توفیق اس پر پہلے ہی متنبہ ہو جاتے ہیں، اس سلسلے میں مشہور و معروف صاحب علم و تدریس حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کا اعتراف اور ان کی آپ بیتی ملاحظہ کر لینی چاہیے، یہ صرف انہی کے دل کی آواز نہیں ہے، بلکہ غور کریں تو بکثرت اصحاب علم و فضل کے دل کی گہرائیوں سے یہ صدا نکلتی ہوئی محسوس ہو گی، یہ اور بات ہے کہ امام غزالی نے اس صدا پر لبیک کہا اور بہت سے حضرات

اسے نظر انداز کر دیتے ہیں' امام غزالی کی تحریر کا یہ اقتباس ہم سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کی کتاب'' تاریخ دعوت وعزیمت'' حصہ اول سے نقل کرتے ہیں۔ امام صاحب علوم وفنون کی کئی برگ وگیاہ وادیوں کا جائزہ لینے کے بعد لکھتے ہیں کہ اب صرف تصوف باقی رہ گیا ہے' میں ہمہ تن تصوف کی طرف متوجہ ہوا' تصوف علمی بھی ہے اور عملی بھی۔ میرے لیے علم کا معاملہ آسان تھا' میں نے ابوطالب مکی کی'' قوت القلوب'' اور حارث محاسبی کی تصنیفات اور حضرت جنید وشبلی وبایزید بسطامی وغیرہ کے ملفوظات پڑھے اور علم کے راستے سے جو کچھ حاصل کیا جاتا تھا' وہ میں نے حاصل کر لیا' لیکن مجھے معلوم ہوا کہ اصلی حقائق تک تعلیم کے ذریعہ سے نہیں' بلکہ ذوق وحال اور حالات کی تبدیلی سے پہنچا جا سکتا ہے' جو علوم میرا سرمایہ تھے خواہ شرعی ہوں یا عقلی' ان سے مجھے وجودِ باری' نبوت اور معاد پر ایمان راسخ حاصل ہو چکا تھا' لیکن یہ بھی کسی دلیل محض سے نہیں' بلکہ ان اسباب وقرائن اور تجربوں کی بناء پر جن کی تفصیل مشکل ہے' مجھ پر یہ اچھی طرح واضح ہو چکا تھا کہ سعادتِ اُخروی کی صورت صرف یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے اور نفس کو اس کی خواہشات سے روکا جائے اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ دارِفانی سے بے رغبتی' آخرت کی طرف میلان وکشش اور پوری یکسوئی کے ساتھ توجہ الی اللہ کے ذریعہ قلب کا علاقہ دنیا سے ٹوٹ جائے لیکن یہ جاہ ومال سے اعراض اور موانع وعلائق سے فرار کے بغیر ممکن نہیں۔ میں نے اپنے حالات پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں سرتاپا دُنیوی علائق میں غرق ہوں۔ میرا سب سے افضل عمل تدریس وتعلیم کا معلوم ہوتا تھا' لیکن ٹٹولنے سے معلوم ہوا کہ میری تمام توجہ ان علوم کی طرف ہے' جو نہ اہم ہیں اور نہ آخرت کے سلسلے میں کچھ فائدہ پہنچانے والے ہیں۔ میں نے اپنی تدریس کی نیت کو دیکھا تو وہ بھی خالص لوجہ اللہ نہ تھی' بلکہ اس کا باعث ومحرک بھی محض طلب جاہ وحصول شہرت تھا' تب مجھے یقین ہو گیا کہ میں ہلاکت کے غار کے کنارے کھڑا ہوں' اگر میں نے اصلاح حال کے لیے کوشش نہ کی تو میرے لیے سخت خطرہ ہے۔

اس کے بعد امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی اندرونی کش مکش' ایمان ونفس کی آویزش' پھر اس کی وجہ سے اپنے مبتلائے امراض ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد بغداد سے نکلنے' تدریس کو چھوڑنے' لوگوں کے افسوس کرنے کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے اپنے دس سالہ

مجاہدات کا اجمالاً ذکر کرنے کے بعد انہوں نے بطور خلاصہ کے تحریر فرمایا ہے کہ ان تنہائیوں میں مجھے جو کچھ انکشافات ہوئے اور جو کچھ مجھے حاصل ہوا' اس کی تفصیل اور استقصاء تو ممکن نہیں لیکن ناظرین کے نفع کے لیے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیاء ہی اللہ کے راستے کے سالک ہیں' ان کی سیرت' ان کا طریق سب سے مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں' اگر عقلاء کی عقل' حکماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت و اخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں۔ ان کی ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نورِ نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔ (المنقذ من الضلال)

یہ عاقل ترین عالم کی شہادت ہے اور بلاشبہ صحیح اور قابل اعتماد ہے' جو لوگ تصوف کے منکر ہیں ان سے تو کچھ نہیں کہنا ہے' لیکن جو حضرات اس کے قابل و معترف ہیں انہیں عملاً اس کی طرف متوجہ ہونا چاہیے' وہ کیا زندگی ہے جو صرف دنیا اور دنیاوی متاع و اسباب کے لیے بسر ہو؟ زندگی تو وہی ہے جو صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو' اس کی رضا جوئی کی عملی مشق کا نام تصوف ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بہت سے لوگوں نے غیر مخلصانہ طریق پر تصوف میں قدم رکھا ہے اور انہوں نے اپنے اعمال و کردار سے پاک طریقہ کو بدنام کیا' لیکن کیا کچھ غلط افراد کی ناکردنی کے باعث اس ضروری عمل کو چھوڑ دیا جائے' ہرگز نہیں۔

تصوف ہمارا بہت قیمتی سرمایہ ہے' ایک لازوال دولت ہے' اس راہ سے بندہ اپنے رب سے واصل ہوتا ہے' تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے' وہ آدمی میں شریعت کے رچ بس جانے کا ایک بے بدل ذریعہ ہے۔ اس کے بنیادی ارکان پانچ ہیں (1) صحبت شیخ (2) علم شریعت (3) ذکر کی کثرت (4) فکر کا التزام (5) اور امراضِ نفسانی کا علاج۔ ان میں کون سی چیز قابل اعتراض ہے اور کون سی بات شریعت کے باہر ہے؟

(ماہنامہ "الفاروق" کراچی ربیع الثانی 1434ھ)

اظہار تشکر

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّا یَشْکُرِ النَّاسَ لَا یَشْکُرِ اللّٰهَ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔

اسلامی موضوعات پر تصنیف و تالیف، ترجمہ و تحقیق اور تخریج کا کام کرنے کے لیے پُرسکون ماحول کا میسّر آجانا جس میں آدمی یکسوئی اور پورے انہماک کے ساتھ دل جمعی سے کام کر سکے اللہ کی طرف سے بڑی نعمت ہوتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی بارگاہ میں درود وسلام پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، جو دین اسلام کا کام کرنے والے کو اپنی دعاؤں اور دواؤں میں یاد رکھتے ہوئے نیک مشوروں اور مختلف حیثیتوں سے ساز گار ماحول مہیا کرتے ہیں۔ چنانچہ والدین، اساتذہ کرام اور تمام احباب کا بہت بہت شکر گزار ہوں اور سب کے حق میں دلی طور پر دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب کو دونوں جہانوں کی سعادتیں اور برکتیں نصیب فرمائے۔ خاص طور پر اپنے نہایت ہی محترم حضرت پیر سید کرامت علی حسین دامت فیوضہم العامہ، عزیزم علامہ قاری محمد فاروق قادری نظامی (لندن) ہمارے محترم ہم حضرت محبوب الٰہی ابوعمار شاہ جمال سید محمد اشرف شاہ صاحب نارو ے حفظہ اللہ تعالیٰ، محبّ مکرم جناب محترم الحاج شوکت خان صاحب زید مجدہ، فاضل جلیل علامہ محمد نواز خان نظامی صاحب مدظلہ العالی، محترم جناب سید محسن اعجاز گیلانی شاہ صاحب اطال اللہ تعالیٰ عمرہ، محترم المقام جناب حاجی عبدالقیوم صاحب، جناب مفتی محمد عمران حنفی صاحب، ڈاکٹر مفتی محمد حسیب قادری صاحب، جناب مولانا مفتی انتخاب احمد نوری صاحب، عزیز القدر مفتی محمد عمر صاحب زید مجدہٗ

مدرس جامعہ غوثیہ گلبرگ لاہور' جناب عزیزم پروفیسر قاری امام علی صاحب مدظلہ العالی' مبلغ اسلام پیر طریقت جناب چوہدری محمد اشرف صاحب مدظلہ العالی (جرمنی)' جناب الحاج مفتی سید محسن شاہ صاحب (ننکانہ)' عزیز از جان حضرت صاحبزادہ علامہ خلیل احمد مرتضائی صاحب زید علمہ وحلمہ (ناظم اعلیٰ جامعہ مرتضائیہ قلعہ شریف) محبی فی اللہ مخلصی للہ' حضرت علامہ قاری عمر خطاب صاحب زید مجدہ (یو۔کے)' جناب ارشد جھنگوی صاحب مدظلہ العالی' جناب میاں حاجی محمد عمران صاحب' عزیزم محمد بلال فاروق صاحب' مجموعۂ محاسن علامہ قاری محمد ظہیر احمد بٹ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ' ڈاکٹر غلام مرتضیٰ خان صاحب علیہ الرحمۃ' مولانا صاحبزادہ بشیر احمد سیفی صاحب' جناب مولانا کاشف صاحب عطاری' جناب مولانا محمد ذیشان صاحب' عزیز القدر جناب وائس چیرمین مفتی قیصر صاحب' محبی فی اللہ مولانا نقاش علی زید علی زید علمہ ومولانا محمد طارق سلمہ اللہ تعالیٰ ومولانا محمد جمیل صاحب مدظلہ' جناب محترم حافظ خدا بخش چشتی صاحب علیہ الرحمۃ' برادرم محبوب علی بن محمد علی صاحب علیہ الرحمۃ اور میاں عبدالمجید صاحب علیہ الرحمۃ' الحاج میاں رحمت اللہ قدس سرہٗ العزیز' مرید حضرت سیّد مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف' اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے وسیلہ جلیلہ سے سب حضرات کو دونوں جہانوں کی سعادتوں اور برکتوں سے مالا مال فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین

اللہ

تسکین کا پیغام ہے اللہ اللہ
توحید کا اک جام ہے اللہ اللہ
قُفل حاجات کی یہ کنجی ہے نصیر
اللہ بھی کیا نام ہے اللہ اللہ

نعت شریف

سراپائے مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء درکلام خدائے وحدہ لا شریک لہ
''میں نصیر آج لایا وہ نعت نبی'' ''نعت گو منہ میرا دیکھتے رہ گئے''

علامہ عبدالرؤف مناوی متوفی 1003ء رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ کے بدن اطہر کے اعضاء مبارکہ کا ذکر الگ الگ فرمایا' مثلاً

* آپ کے چہرہ انور کے بارے میں ارشاد ہے: ''قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ''......
* آنکھوں کے بارے میں ہے: ''لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ''......
* زبان مبارک کے بارے میں ہے: ''فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ''......
* اور ہاتھ اور گردن کا ذکر ایک ساتھ فرمایا: ''وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلٰى عُنُقِكَ''
* سینہ مبارک اور پشت مبارک کا ''اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ''......
* اور قلب اطہر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ''......

(مناوی شرح شمائل علی ھامش جمع الوسائل' ص 45)

نعیم مہرو رضا

بچہ کار آیدت زِ گُل طبقے؟ از گلستان من ببر ورقے
"پھولوں کا طبق تیرے کس کام آئے گا؟" "میری گلستان کا ایک ورق (نسخہ) لے جا"

گل ہمیں پنج روزو شش باشد ویں گلستان ہمیشہ خوش باشد
"پھول تو یہی کوئی پانچ چھ روز تازہ رہتے ہیں" "اور یہ گلستان (علم وحکمت) ہمیشہ تازہ رہے گی"

(حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

* "قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ج" (البقرہ:144)...... بے شک ہم دیکھ رہے ہیں آپ کے رُخ (انور) کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا۔
* "لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ" (النحل:88)...... آپ اپنی آنکھیں اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔
* "فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ" (مریم:97)...... تو ہم نے یہ قرآن آپ کی زبان میں اسی لیے آسان کر دیا۔
* "وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ" (بنی اسرائیل:29)...... اور نہ رکھ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا۔
* "اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝" (الم نشرح:1-3)...... (اے محبوب!) کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا (مبارک) سینہ (علم وحکمت اور نورِ معرفت کے لیے) کشادہ فرمایا ۝ اور آپ سے آپ (کی اُمت کا غم) کا بوجھ اتار لیا ۝ جس نے آپ کی پشت (مبارک) کو گراں بار کر رکھا تھا ۝
* "نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰی قَلْبِكَ" (الشعراء:193-194)...... جس کو روح الامین (جبریل) لے کر نازل ہوئے ۝ آپ کے قلب (مبارک) پر۔

تراشہ نمبر 1

حمد باری تعالیٰ

اس عالم ما کان وما یکون میں اگر کوئی ذات قائم بالذات ہے' تو وہ ایک ہی ذات ہے جس نے معدومات کو موجودات اور نیست کو ہست کیا۔

بہ قول مولانا نظامی گنجوی قدس سرہ ؎

اوّل و آخر بوجود و صفات ہست کن و نیست کن کائنات

''اپنی ذات وصفات میں حق تعالیٰ ہی اوّل و آخر ہے' وہی کائنات کو زندہ کرنے والا اور فنا کرنے والا ہے''۔

اوّل او اوّل بے ابتداست آخر او آخر بے انتہا ست

''وہ ایسا اوّل ہے کہ اس سے پہلے کوئی وجود نہیں' وہ ایسا آخر ہے کہ جس کے آخر ہونے کی کوئی حد نہیں''۔

زیر نشین عَلَمَت کائنات ما بتو قائم چو تو قائم بذات

''اے مولیٰ کریم! کائنات تیرے عَلَم کے نیچے آسودہ ہے' ہم تجھ سے قائم ہیں جس طرح تو بذات خود قائم ہے''۔

ہستی تو صورت پیوند نے تو بکس و کس بتو مانند نے

''تیری ہستی سے (غیر کے) کسی رشتے کی صورت نہیں' تیری ذات کسی کے ساتھ اور کوئی تیرے مماثل نہیں''۔

آنکہ تغیر نہ پذیرد توئی وآنکہ نمردست نمیرد توئی

''تیرا وجود ہی ہے جو تغیر پذیر نہیں' نہ اسے فنا لاحق ہوئی ہے اور نہ ہی لاحق ہوگی''۔

ماہمہ فانی و بقا بس تراست ملک تعالیٰ و تقدس تراست

''ہم سب فانی ہیں اور بقا محض تیرے لیے ہے۔ بلند و بالا اور مقدس بادشاہی تجھے ہی زیبا ہے''۔

اے شرف نام نظامی بتو خواجگی اُوست غلامی بتو

''اے وہ ذاتِ برحق کہ نظامی کے نام کا شرف تجھ سے ہے' تیری غلامی اس کے لیے سرداری ہے''۔

تراشہ نمبر2

ہست کلیدِ درِ گنجِ حکیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتداء فضائل بسم اللہ

ہر عمل مین بندگان با خدا کرتے بسم اللہ سے ہیں ابتدا
نوح نے چاہی جو کشتی کی نجات پہلے بسم اللہ مجرِ یہا کہا
دیکھو بسم اللہ کو قرآن مین پہلا کلمہ ہے کلام اللہ کا
اور قلم نے لوح پر روز ازل لفظ بسم اللہ تھا اول لکھا
روضہ جنت میں بسم اللہ سے بہ رہی ہیں چار نہریں جا نفزا
جو پڑھے گا دل سے بسم اللہ کو چاروں نہروں میں وہ حصہ پائے گا
جو کرے تعظیم بسم اللہ کی ہو گا صدقین میں روز جزا
لیں گے اونیس حرف بسم اللہ کے نار کے اونیس فرشتوں سے بچا
مرتے دم اور قربان پھر حشر میں کام بسم اللہ دے گی جا بجا
کھولے لاکھوں قفل بسم اللہ نے دی ہی کنجی حق نے کیا مشکل کشا
وِرد بسم اللہ کر دیتا ہے دور ہر مرض ہر درد ہر غم ہر بلا
صدق دل سے کہکے بسم اللہ کو مانگ ہر حاجت کرے گا حق روا
کھانے اور پینے میں بسم اللہ پڑھ پائے گا تو برکت و نور و صفا
بائے الصاقی بسم اللہ سے جو ہوا ملصق وہ واصل ہو گیا
لکھی بیدل شرح بسم اللہ خوب تجھ سے راضی ہو خدا اور مصطفےٰ

تراشہ نمبر3

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے فوائد اور حکمتیں

(1) علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ کو مقدم کر کے ہمیں

یہ ادب سکھایا ہے کہ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے تمام اقوال' افعال اور مہمات کو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سے شروع کیا کریں۔ (جامع البیان' ج 1 ص 38' مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر' 1323ھ) (بحوالہ تبیان القرآن' حضرت علامہ غلام رسول سعیدی)

(2) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ کھانے پینے' ذبح کرنے' جماع کرنے' وضو کرنے' کشتی میں سوار ہونے' غرض ہر (صحیح) کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ. (الانعام:118) تم اس (ذبیحہ) سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا. (ھود:41) اور نوح نے کہا: اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور رکنا اللہ کے نام سے ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دروازہ بند کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو' چراغ گل کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو' برتن ڈھانپتے ہوئے بسم اللہ پڑھو' اور مشک کا منہ بند کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو' اور فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص عمل تزویج کے وقت کہے: بسم اللہ' اے اللہ ہم کو شیطان سے محفوظ رکھ اور جو (اولاد) ہم کو عطا کرے اس کو بھی شیطان سے محفوظ رکھ' تو اگر اس عمل میں ان کے لیے اولاد مقدر کی جائے گی تو اس کو شیطان کبھی ضرر نہیں پہنچا سکے گا' اور آپ نے عمر بن ابی سلمہ سے فرمایا: اے بیٹے! بسم اللہ پڑھو' اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ' اور اپنے سامنے سے کھاؤ' اور آپ نے فرمایا: شیطان ہر کھانے کو حلال کر لیتا ہے ماسوا اس کھانے کے جس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو' حضرت عثمان بن ابی العاص نے آپ سے شکایت کی کہ جب سے وہ اسلام لائے ہیں ان کے جسم میں درد رہتا ہے' آپ نے فرمایا: تین بار بسم اللہ پڑھو' اور سات بار یہ پڑھو: ''اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ'' یہ تمام احادیث صحیح ہیں' اور امام ابن ماجہ اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب بنو آدم بیت الخلاء میں داخل ہوں تو ان کی شرمگاہوں اور شیاطین کے درمیان بسم اللہ حجاب ہے' اور امام دار قطنی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وضو کرتے تو پہلے بسم اللہ پڑھتے' پھر اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالتے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج 1 ص 98-97 مطبوعہ انتشارات ناصر خسروایران) (بحوالہ تبیان القرآن)

(3) ہر نیک اور صحیح کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی انسان کو عادت پڑ جائے تو پھر اس کا برے کاموں سے باز رہنا زیادہ متوقع ہوگا' کیونکہ اگر وہ کسی وقت خواہش نفس سے مغلوب ہوکر برائی میں ہاتھ ڈالے گا تو عادۃً اس کے منہ سے بسم اللہ نکلے گا' اور پھر اس کا ضمیر اس کو سرزنش کرے گا۔

(4) انسان اسی کا نام بار بار لیتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے' اس لیے جو انسان ہر صحیح کام کے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے یہ اس کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے۔

(5) علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ سعید بن ابی سکینہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے ایک شخص کو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھتے دیکھا تو فرمایا: اس کو خوبصورت لکھو' کیونکہ ایک شخص نے بسم اللہ کو خوبصورت لکھا تو اس کو بخش دیا گیا۔

(6) سعید بن ابی سکینہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے ایک کاغذ کو دیکھا اس میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھی ہوئی تھی' اس نے اس کو اٹھا کر بوسہ دیا اور اس کو اپنی آنکھوں پر رکھا تو اس کو بخش دیا گیا۔

(7) بشر حافی پہلے ایک ڈاکو تھے' انہوں نے راستہ میں ایک کاغذ دیکھا جو لوگوں کے پیروں تلے آرہا تھا' انہوں نے اس کاغذ کو اٹھایا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا تھا' انہوں نے بہت قیمتی خوشبو خریدی اور اس کاغذ پر وہ خوشبو لگائی اور اس کو حفاظت کے ساتھ رکھ دیا' رات کو خواب میں انہوں نے سنا کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اے بشر! تم نے میرے نام کو خوشبو میں رکھا ہے میں تم کو دنیا اور آخرت میں خوشبودار رکھوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے توبہ کی اور ولی کامل بن گئے۔

(8) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے انیس فرشتوں سے نجات دے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے تاکہ اللہ تعالیٰ بسم اللہ کے ہر حرف کے بدلہ اس کو جہنم کے ایک فرشتہ سے محفوظ رکھے کیونکہ بسم اللہ کے انیس حرف ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن' ج 1 ص 92-91' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران)

(بحوالہ تبیان القرآن علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ)

(9) امام رازی لکھتے ہیں کہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی انگوٹھی دی اور فرمایا: اس میں ''لا الہ الا اللہ'' لکھواؤ' حضرت ابوبکر نے نقاش سے کہا: اس میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دو' جب نبی کریم ﷺ کو وہ انگوٹھی پیش کی تو اس میں لکھا ہوا تھا ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' ابوبکر صدیق'' آپ نے پوچھا: اے ابوبکر یہ زائد (کیسے لکھا ہوا ہے؟) حضرت ابوبکر نے کہا: یارسول اللہ! میں نے آپ کے نام کو اللہ تعالیٰ کے نام سے جدا کرنا پسند نہیں کیا اور باقی میں نے نہیں لکھوایا' اور حضرت ابوبکر اس پر شرمندہ تھے' تب جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا: یارسول اللہ ابوبکر کا نام میں نے لکھا ہے کیونکہ جب ابوبکر محمد ﷺ کے نام کو اللہ عزوجل کے نام سے جدا کرنے پر راضی نہ تھے تو اللہ تعالیٰ ابوبکر کے نام کو آپ کے نام سے جدا کرنے پر راضی نہ تھا' اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ سے محبت کی وجہ سے آپ کے نام کے فراق کو گوارا نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی عنایات کا مرکز بن جاتا ہے تو جو اللہ تعالیٰ سے محبت کی وجہ سے اس کے نام سے فراق گوارا نہ کرے اور ہر کام کے ساتھ اللہ کا نام لے تو وہ کب اللہ تعالیٰ کی عنایات سے محروم ہوگا؟

(10) حضرت نوح علیہ السلام نے ''بسم اللہ مجرھا و مرسھا'' کہا: تو طوفان سے نجات پائی' حالانکہ بسم اللہ' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نصف ہے تو جب ایک بار نصف بسم اللہ کے پڑھنے سے طوفان سے نجات مل گئی تو جو شخص ساری عمر پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا رہے وہ نجات سے کیسے محروم ہوگا؟

(11) قیصر روم نے حضرت عمر کی طرف لکھا کہ اس کے سر میں درد رہتا ہے جس سے افاقہ نہیں ہوتا' میرے لیے کوئی دوا بھیج دیجیے' حضرت عمر نے اس کے پاس ایک ٹوپی بھیجی' وہ اس ٹوپی کو پہن لیتا تو آرام آجاتا اور اس ٹوپی کو اتار دیتا تو پھر سر میں درد شروع ہوجاتا' وہ حیران ہوا' اور ایک دن اس نے ٹوپی کو کھول کر دیکھا تو اس میں کاغذ تھا جس میں لکھا ہوا تھا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''۔

(12) بعض کفار نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ ہمیں اسلام کی دعوت دیتے

ہیں، آپ ہمیں اسلام کی صداقت پر کوئی نشانی دکھائیے تاکہ ہم بھی اسلام لے آئیں، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے زہر منگوایا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھا لیا اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے صحیح سالم کھڑے رہے، مجوس نے کہا: واقعی یہ دین حق ہے۔

(13) حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ایک قبر کے پاس سے گزرے تو دیکھا عذاب کے فرشتے ایک مُردہ کو عذاب دے رہے ہیں، جب اپنے کام سے واپس لوٹے تو اس قبر میں رحمت کے فرشتوں کو دیکھا جن کے پاس نور کے طباق تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس سے تعجب ہوا، انہوں نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ! یہ شخص گنہگار تھا اور جب یہ مرا تو عذاب میں مبتلا ہو گیا، مرتے وقت اس کی بیوی حاملہ تھی، اس کے بچہ ہوا، اس نے اس کو پالا حتیٰ کہ وہ بڑا ہو گیا، اس نے اس کو مکتب میں داخل کیا، وہاں اس کو معلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (ان کی زبان میں) پڑھائی تو مجھے حیا آئی کہ جو بچہ زمین کے اوپر میرا نام لے رہا ہے، اس کے باپ کو میں زمین کے نیچے عذاب میں مبتلا رکھوں۔

(14) سورۂ توبہ میں قتال کا ذکر ہے، لہٰذا اس سے پہلے بسم اللہ نہیں لکھی گئی، اور ذبح سے پہلے بسم اللہ، اللہ اکبر کہا جاتا ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں کہا جاتا کیونکہ ذبح کے وقت رحمت کا ذکر مناسب نہیں ہے، تو جو شخص ہر روز سترہ مرتبہ فرض نمازوں میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھے گا وہ کب عذاب میں مبتلا ہو گا؟

(تفسیر کبیر، ج 1 ص 89۔87، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، 1398ھ) (بحوالہ تبیان القرآن علامہ غلام رسول سعیدی)

تراشہ نمبر 4

لطیفہ

ایک منکر قرآن اور ملحد (بے دین) شخص نے امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کیا کہ قرآن مجید میں آیا ہے ''کُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ'' کہ ہر ایک سیارہ ایک دائرے اور گھیرے میں تیر رہا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ ہر جِرمِ فلکی (سیارہ) سیدھا تیرتا ہے ایک ہی جانب، جبکہ

ہم دیکھتے ہیں کچھ سیارے الٹے بھی تیرتے ہیں۔ آج اِدھر سے اُدھر اور کل اُدھر سے اِدھر (قرآن مجید) نے یہ نامکمل بیان کیوں کیا ہے؟

اس پر امام غزالی نے اسے سمجھایا کہ کاغذ قلم لے آؤ' جب وہ لے آیا تو آپ نے یہ لفظ کاغذ پر قلم کے ساتھ لکھے: ''کل فی فلك'' فرمایا: ان حروف کی ترتیب یہ ہے (ک ل' ف ی' ف ل ک) ان حروف کو جدھر سے بھی پڑھو ترتیب ایک ہی ہے۔

لہٰذا اس آیت کے ان حروف کی ترتیب ہی یہ آشکار کررہی ہے کہ سیارے الٹے سیدھے جس طرح بھی چلیں اور تیریں ان کا بیان قرآن مجید میں موجود ہے۔ وہ معترض یہ جواب سن کر مبہوت وحیران رہ گیا اور قرآن حکیم کی بلاغت وجامعیت پر عش عش کر اٹھا۔

(طلوع مہر' ذی قعدہ' 1421ھ)

تراشہ نمبر 5

پولیس (POLICE)

ذرا ملاحظہ فرمایئے اور غور کیجئے کہ اس محکمے کا نام تجویز کرتے ہوئے کتنی بڑی ذمہ داری اور توقعات ذہن میں موجود تھیں:

* پولیس' کا لفظ جن حروف سے مرکب ہے ان میں پہلا حرف (پی) ہے جس سے پولائٹ (Polite) مراد لیا گیا ہے۔ یعنی شائستہ' مہذب بااخلاق اور خوش مذاق۔
* دوسرا حرف (او) ہے جس کا مطلب آرگنائزیشن (Organization) اخذ کیا گیا' معنی ہے تنظیم اور ترتیب۔
* تیسرا حرف (ایل) ہے جو لائلٹی (Loyalty) کے حوالے سے چنا گیا ہے جس کا مفہوم وفاداری' فرماں برداری' اخلاص' فرض شناسی اور نمک حلالی ہے۔
* چوتھا حرف (آئی) ہے جو انٹیلی جنس (Intelligence) کے لیے استعمال کیا گیا جس کا ترجمہ علم' واقفیت' اطلاع' شعور' دانش مندی' فہم وفراست اور ذہانت۔
* پانچواں (سی) ہے جسے کیوریج (Courage) کی علامت کے طور پر اس لفظ میں شامل کیا گیا ہے۔ یعنی حوصلہ' جرأت' شجاعت' مردانگی اور ہمت وغیرہ ایسے اوصاف۔

* چھٹا اور آخری حرف (ای) ہے جو ایفیشنسی (Efficiency) کے استعارے کے طور پر لیا گیا ہے' اس لفظ کے معنی کارکردگی' لیاقت' قابلیت اور حسن عمل ہیں۔

غور کیا جائے تو یہ اوصاف جو فقط ایک محکمہ پولیس کے لیے وضع کیے گئے ہیں اگر کسی معاشرے کو نصیب ہو جائیں تو وہ مثالی' خوبصورت اور جنت نظیر معاشرہ کہلانے کا حق دار ہے۔

شائستگی' ترتیب و تنظیم' وفاء ذہانت' جرأت اور حسن کارکردگی یہ سب کچھ انسانیت کا خلاصہ اور انسانی معاشرت کا نقطہ کمال ہے۔ دوسرے لفظوں میں پولیس کا محکمہ قائم کرتے وقت یہ ذہن تھا کہ یہ محکمہ معاشرتی اوصاف کا (سمبل) ہوگا کیونکہ اس محکمے کو اصلاح احوال' امن' عافیت' قانون کی پاسداری اور لوگوں کی جان مال اور آبرو کے تحفظ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ پولیس اگر اپنے فرائض محنت' لگن اور خلوص کے ساتھ سرانجام دے تو سوسائٹی ناشائستگی' بےترتیبی' دغابازی' وحشت' کم ہمتی اور بدعملی سے پاک ہو سکتی ہے اور دنیا کی ہر مہذب حکومت کے قیام کا جواز ان برائیوں کا خاتمہ ہے' اگر یہ برائیاں ختم نہ ہوں تو مہذب حکومتیں اپنا جواز کھو بیٹھتی ہیں کیونکہ یہ خرابیاں پیدا ہوئیں تو نوع انسانی کو ایک منظّم اور مہذب حکومت کی ضرورت محسوس ہوئی ورنہ ''جنگل لاء'' تو موجود تھا ہی۔

(ماخوذ از کالم صاحبزادہ خورشید گیلانی مرحوم' روزنامہ جنگ' 1995ء)

تراشہ نمبر 6

خاندانی ساس

چوہدری صاحب نے دو بچوں کی شادیاں کیں' ایک بیٹے اور ایک بیٹی کی' شادیاں کچھ پرانی ہو چکیں تو ایک بیگم صاحبہ چوہدرائن کے دربار میں حاضر ہوئیں۔ حال احوال کے بعد بیگم نے چوہدرائن سے اس کی بہو اور داماد کا حال پوچھنا شروع کیا۔

(سوال) آپ کی بہو کیسی ہے؟

(جواب) کسی گھٹیا خاندان سے ہے' کل چھوٹی بیٹی نے کھڑکی میں جھانک کر دیکھا تو میرے بیٹے کا بٹوا کھول کر دیکھ رہی تھی۔ کمینی ہے کہیں کی۔ چوہدرائن نے ٹھنڈی آہ بھر کر جواب

دیا۔

سوال آپ کے بیٹے نے اسے روکا نہیں؟ بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

جواب زن پرست' اس کمینی نے کوئی جادو کر دیا ہے میرے بیٹے پر۔ ہم تو برباد ہو گئے' پھنس گئے' کیا کریں' چودھرائن کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آپ بیٹے کو کچھ سمجھائیں' اس پر نظر رکھیں' بیگم صاحبہ نے مشورہ دیا۔

میں نے تو اسے کہہ دیا ہے کہ خاندان کی ناک نہ کٹوائے' اگر باز نہ آیا تو اسے گھر سے نکال دوں گی۔ ہم خاندانی لوگ ہیں' ہمارے ہاں کبھی ایسا زن مرید نہیں ہوا تھا۔

چوہدارئن نے فیصلہ سنا دیا' اور داماد کیسا ملا آپ کو؟ بیگم صاحبہ نے موضوع بدلا۔

کسی نیک ماں کا دودھ پیا ہے داماد نے۔ اللہ اس کی عمر دراز کرے۔ میری بیٹی اس کی کسی جیب میں ایک پیسہ نہیں چھوڑتی' ہر روز تلاشی لیتی ہے' سب کچھ نکال لیتی ہے' کچھ پوچھتا تک نہیں۔ چوہدرائن کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

آپ کی بیٹی بھی تو ماشاء اللہ خاندانی ہے' بیگم صاحبہ نے خوش ہو کر کہا۔ سارا گھر کی تربیت کا اثر ہوتا ہے' ہم کوئی کمینہ تھوڑے ہیں۔ اللہ پاک نے خوب جوڑی ملائی ہے۔

چوہدرائن داماد کو دعائیں دینے لگی۔ آپ بھی تو خاندانی ساس ہیں۔ بیگم صاحبہ نے اس کی کمینی بہو کی مذمت کی اور خاندانی داماد کی تعریف کرتے ہوئے کہا: اس گھر میں جو میری بیٹی کہے وہی ہوتا ہے۔ داماد نے پہلے روز ماں سے کہہ دیا تھا: اب راج اسی کا ہوگا۔ یہ گھر کی عزت ہے۔ مجال ہے کوئی بات کر سکے' وہ بھی خاندانی لوگ ہیں۔ چوہدرائن نے تفصیل بتائی۔ (روزنامہ جنگ' لاہور 1992ء' 19 جمادی الثانی 1413ھ) (جناب محمد رفیق ڈوگر صاحب)

تراشہ نمبر 7

حضرت خواجہ شمس العارفین رحمہ اللہ تعالیٰ کا ادبی ذوق

فرمایا: عارف لوگ ہر سخن سے اپنی فکر کے مطابق معانی و مطالب اخذ کرتے ہیں۔ ایک دن تونسہ شریف میں حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکان کے قریب ہی چند خانہ بدوش عورتیں یہ گانا گا رہی تھیں:

گوری نوں ونگاں چڑھادے یار!

ایک مولوی صاحب کہنے لگے: انہوں نے کیا بیہودہ رٹ لگا رکھی ہے' اور ذرا حیاء نہیں کرتیں اور ان کو بیہودہ گوئی سے شرم نہیں آتی۔

میں نے کہا: (حضرت شمس العارفین!) یہ تو درود شریف پڑھ رہی ہیں نہ کہ بیہودہ گوئی کررہی ہیں۔ مولوی صاحب کہنے لگے: وہ کیسے؟ میں نے کہا: گوری سے مراد رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات ہے اور ونگاں سے مراد ہے الصلوٰۃ والسلام (رحمت باری تعالیٰ) کے گجرے ''یار'' ذات باری تعالیٰ عزوجل' تو مطلب ہوا:

اے اللہ! حضور پر اپنی رحمت نازل فرما۔ عالم بہت حیران ہوئے اور کہنے لگے: یہ تو عجیب مطلب ہے جو آپ نے سمجھا ہے۔

تراشہ نمبر 8

ملین مارچ اور احتجاج کا اک طریقہ یہ بھی ہے

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنَا مَالِكُ الْمُلُوْكِ وَمَلِكُ الْمُلُوْكِ قُلُوْبُ الْمُلُوْكِ بِيَدِىْ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِىْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْكِهِمْ بِالرَّاْفَةِ وَالرَّحْمَةِ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِىْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَهُمْ عَلَيْهِمْ بِالسَّخَطِ وَالنَّقْمَةِ فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوْكِ وَلٰكِنِ اشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ اَكْفِكُمْ مُلُوْكَكُمْ. (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' میں بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں' بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں' بندے جب اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کی طرف بادشاہوں کے دل رحمت اور شفقت کے ساتھ متوجہ کردیتا ہوں' اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں بادشاہوں کے دلوں میں ان کے خلاف غصہ اور غضب بھر دیتا ہوں پھر وہ ان کو برا عذاب چکھاتے ہیں'

لہٰذا بادشاہوں کو بددعا نہ دو بلکہ آہ وزاری اور
ذکر میں مشغول رہو میں تم کو بادشاہوں سے
کفایت کروں گا۔

(مجمع الزوائد' ج5 ص249 ' دار الکتب العربی' بیروت' حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی 807ھ)

تراشہ نمبر 9

تقدیرات شرعیہ کی چار قسمیں ہیں

(1) مانع زیادت وغیر مانع نقصان......(زیادتی منع ہے اور کمی منع نہیں)
(2) مانع نقصان وغیر مانع زیادت......(زیادتی منع نہیں اور کمی کرنا منع ہے)
(3) غیر مانع زیادت ونقصان......(زیادتی اور کمی' دونوں منع نہیں)
(4) مانع زیادت ونقصان......(زیادتی اور کمی' دونوں منع ہیں)

اول کی مثال قول باری تعالیٰ: ''فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ'' ہے کہ نکاح میں چار آزاد عورتوں پر اضافہ جائز نہیں اور کمی جائز بلکہ مندوب ہے۔

دوم کی مثال قول نبوی ﷺ: ''لَا مَهْرَ اَقَلُّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ'' ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہیں ہو سکتا۔ ہاں زیادہ ہو سکتا ہے۔

سوم کی مثال قول نبوی ﷺ: ''اَلتُّرَابُ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ وَلَوْاِلٰى عَشَرِ حِجَجٍ'' ہے۔ (ترجمہ:) پاک مٹی مسلمان کے لیے پاک کرنے والی ہے اگرچہ دس سال تک ہو۔ کمی اور زیادتی دونوں ہو سکتی ہیں۔

چہارم کی مثال قول باری تعالیٰ: ''اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ'' ہے۔ نہ زیادتی ہو سکتی ہے اور نہ کمی' دونوں ممنوع ہیں۔

توحید

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے
قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ	آپ کہیے: اگر اللہ کے ساتھ اور معبود

إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ۝ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ (بنی اسرائیل: 42-43)

(بھی) ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ اب تک عرش والے تک کوئی راہ ڈھونڈ چکے ہوتے ۝ ان کی باتوں سے اللہ بہت پاک بلند ہے ۝

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلائل

اس آیت کی تین تقریریں ہیں' پہلی تقریر یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور متعدد خدا ہوتے تو وہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے جیسے کہ دنیا کے حکمرانوں میں ہوتا ہے اور جو جس علاقے پر غلبہ حاصل کرتا وہاں اپنا نظام جاری کر دیتا مثلاً روس جہاں جہاں غلبہ پاتا گیا وہاں اشترا کی نظام جاری کرتا رہا' امریکہ سرمایہ داری نظام جاری کرتا رہا' مسلمان جہاں غالب ہوئے انہوں نے وہاں اسلامی نظام جاری کیا' اس طرح دنیا میں مختلف نظام ہائے حیات جاری ہیں' سو اسی طرح دنیا بنانے والے اور دنیا چلانے والے بھی متعدد ہوتے تو اس کائنات کا فطری اور طبعی نظام ایک نہج اور ایک طرز پر نہ ہوتا' سورج کبھی ایک مخصوص جانب سے طلوع اور ایک مخصوص جانب میں غروب نہ ہوتا' بیر کے درخت میں ہمیشہ بیر نہ لگتا' کشش ثقل کی وجہ سے ہمیشہ چیزیں نیچے کی طرف نہ آتیں' انسان سے ہمیشہ انسان پیدا نہ ہوتا' ان فطری چیزوں کے نظام بدلتے رہتے اور جب تمام چیزیں ایک طرز اور ایک نہج پر چل رہی ہوں تو معلوم ہوا کہ اس نظام کو بنانے والا اور اس نظام کو چلانے والا بھی واحد ہے متعدد نہیں ہیں۔

اور اس آیت کی دوسری تقریر یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی متعدد خدا ہوتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ملک اور اس کی سلطنت کو مٹانے کے لیے اس تک پہنچ چکے ہوتے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف ہے' وہ ان کی شرکت کو نہیں مانتا بلکہ وہ ان کے خدا ہونے کا انکار کرتا ہے' ایسے میں ضروری تھا کہ وہ عرش پر ہلہ بول دیتے اور اس کے واحد ہونے کے دعویٰ کو باطل کر دیتے اور وہ یہ ثابت کر دیتے کہ وہ حقیقت میں اس کے شریک ہیں لیکن جبکہ فی الواقع ایسا نہیں ہوا اور اس کا کوئی مخالف اس کے عرش تک نہیں پہنچ سکا اور اس کے ملک اور اس کی سلطنت کا بال بیکا نہیں کر سکا تو پھر اب یہ تسلیم کرنے میں کیا کسر رہ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور اس کا کوئی

شریک نہیں ہے۔

اس کی تیسری تقریر یہ ہے کہ مشرکین یہ کہتے تھے کہ ہم بتوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ بت ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں گے جو عرش کا مالک ہے اور وہ سال ہا سال سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بتوں کی عبادت کر رہے ہیں تو اب تک ان کو عرش کے قریب پہنچ جانا چاہیے تھا اور جب کہ وہ عرش تک نہیں پہنچے تو ماننا پڑے گا کہ بتوں کی عبادت کر کے وہ اللہ تک نہیں پہنچ سکتے اور بتوں کی عبادت کرنا باطل ہے۔

(تبیان القرآن' علامہ غلام رسول سعیدی)

تراشہ نمبر 10

"انما هو الله واحد"

وہ (اللہ) صرف ایک ہی عبادت کا مستحق ہے

استاذیم حضرت علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ تفسیر تبیان القرآن میں فرماتے ہیں:

عام طور پر مترجمین "الہ" کا معنی معبود کرتے ہیں اور ہم نے اس کا ترجمہ ہر جگہ عبادت کا مستحق کیا ہے' کیونکہ معبود کا معنی ہے جس کی عبادت کی گئی ہو' اور اللہ تعالیٰ کے سوا بے شمار چیزوں کی عبادت کی گئی ہے اور کی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کا مستحق کوئی نہیں وہ صرف واحد ذات ہے جو عبادت کی مستحق ہے اور لا الٰہ الا اللہ کا یہ معنی نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں کیونکہ یہ معنی واقع کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ کے سوا بہت چیزوں کی عبادت کی گئی ہے اور کی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے۔

(تبیان القرآن' ج6 ص 460-461)

تراشہ نمبر 11

صاحبزادہ سید فیض الحسن آلومہار (سیالکوٹ) متولد 1911ء/ المتوفی 23 جنوری 1984ء فرمایا کرتے تھے: ماں کی گود ہی وہ درسگاہ ہے جہاں سے بچہ جملہ علوم کی اساس و بنیاد حاصل کرتا ہے' جب ماں کی جھولی مومنانہ ہے' اس میں سنتِ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے تقاضے موجود

ہیں تو اولاد یقیناً حسین صفت ہوگی' اور اگر ماں چور ہوگی تو بیٹا ڈاکو ہوگا۔ ماں جاہل ہوگی تو بیٹا احمق ہوگا' اور اگر ماں بہادر ہوگی تو بیٹا غازی ہوگا۔ اگر ماں سیاستدان ہوگی تو بیٹا حکمران ہوگا' اور اگر ماں عبادت گزار ہوگی تو بیٹا ولی ہوگا۔ ماں کنیز فاطمہ ہوگی تو کوئی وجہ نہیں کہ بیٹا خادم حسین نہ ہو۔

امیر ملت

امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت 1845ء اور وصال 26 ذوالقعدہ/31 اگست 1951ء کو ہوا۔

اساتذہ کرام

علامہ فضل حق خیر آبادی' مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی' مولانا احمد حسن کانپوری' مفتی عبداللہ ٹونکی, فیض الحسن سہارنپوری' شیخ طریقت حضرت بابا فقیر محمد چوراہی قدس سرہ' امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: نماز مومن کی معراج ہے' ہر دکھ تکلیف کا مداوا ہے' روح کی غذا ہے' دین کا ستون ہے' جنت کی کنجی ہے' قبر اور حشر میں ساتھی ہے' محشر کے روز لازمی پہلا پرچہ ہے' بے نماز مسلمانوں کی صف سے باہر ہے۔ بے نماز جنت کی خوشبو سے محروم ہے۔ بے نماز کا حشر فرعون و نمرود کے ساتھ ہوگا' نماز چھوڑنا کفر ہے' بے نماز کی ہر نیکی نامقبول ہے۔ ناکام ہے' آپ میں یہ خصوصیت تھی کہ اگر کوئی مرید ہونے کے لیے آتا تو آپ اسے ارشاد فرمایا کرتے کہ پہلے نمازی بنو پھر مرید ہونا۔ آپ نماز' روزہ اور شرعی احکام کے متعلق لوگوں کو نصیحت فرماتے اور غیر اسلامی رسموں اور رواجوں سے منع کرتے۔

آپ نے 1916ء میں مدرسہ قائم فرمایا' لائبریری قائم کی جس میں ہزاروں قیمتی اور نایاب کتب جمع ہیں اور سینکڑوں قلمی نسخے موجود ہیں۔

تراشہ نمبر 12

انسان' جن اور ملائکہ میں...... ہر ذات کے اعتبار سے کون افضل ہے؟

علامہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں:

ہر مرکب کی چار علتیں ہوتی ہیں: علت مادی' علت صوری' علت فاعلی اور علت غائی' یہ ٹھیک ہے کہ فرشتوں کا مادہ نور ہے اور جنوں کا مادہ نار ہے اور انسان کا مادہ مٹی ہے اور نور اور نار مٹی سے افضل ہیں' لیکن انسان علت صوری کے اعتبار سے افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍO (والتین:4)

بے شک ہم نے انسان کو سب سے حسین صورت میں پیدا کیاO

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

(صحیح بخاری' ج2 ص919' نور محمد اصح المطابع' کراچی 1381ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَاتَلَ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ فَلْیَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ.

(رواہ موطا امام محمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو اس کے چہرے سے اجتناب کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

نوٹ: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی طرف صورت کی اضافت تشریفاً ہے۔

علت فاعلی کے اعتبار سے انسان سب سے افضل ہے کیونکہ یوں تو ہر چیز کا اللہ تعالیٰ خالق ہے لیکن انسان کو پیدا کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ يٰاِبْلِيْسُ مَامَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ. (ص:75)

اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟

اور علت غائی کے اعتبار سے بھی انسان تمام مخلوق سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی خلافت اور نیابت کے لیے پیدا فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً. (البقرۃ:30)

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: بے شک میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ علت مادی کے اعتبار سے جن اور ملائکہ انسان سے افضل ہیں اور علت صوری اور علت فاعلی اور علت غائی کے اعتبار سے انسان نہ صرف جن اور ملائکہ بلکہ تمام مخلوقات سے افضل ہے۔ (شرح صحیح مسلم' ج ۷ 'مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور)

تراشہ نمبر 13

دکتور احمد الشرباصی

(استاذ جامعہ ازہر شریف)

ایک انٹرویو میں ایک سوال کہ "ماتجربتك مع الحياة؟" (ڈاکٹر صاحب اپنا زندگی کا کوئی ناقابل فراموش واقعہ بتائیں۔) تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے ایک واقعہ سنایا کہ مازلت اذکر یومًا وقف فيه طالب يسألني وسط الغفير من زملآئه' وقال في هيئة المتمرد:

ماالدليل على انّ الله موجود؟ فقلت له استدرجه:

ومن قال لك ان الله موجود! فاخذته المفاجاة

وقال بقلبه قبل لسانه:

فمن اذن الذى خلقنىٰ؟

فاجبتهٗ هذا هو جواب سوالك.

مجھے وہ دن برابر یاد ہے جس میں ایک طالب علم نے بھری کلاس کے درمیان کھڑے ہو کر مجھ سے بڑے شوخ اور باغیانہ انداز میں سوال کیا تھا کہ کیا دلیل ہے کہ خدا موجود ہے؟

میں نے (اس کو ڈھیل دیتے ہوئے) کہا: آپ سے کس نے کہہ دیا کہ خدا موجود ہے!

میرا یہ غیر متوقع جواب سن کر تو گویا وہ اچانک پکڑا گیا اور اس کے لیے ایک ہنگامہ ہو گیا اور اس کی زبان سے پہلے اس کے دل نے کہا اور پھر وہ بول ہی اٹھا کہ اچھا اگر اللہ موجود نہیں ہے تو پھر ہمیں کس نے پیدا کیا ہے؟ میں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہی تو تیرے اس سوال کا جواب ہے۔

اس پر وہ شوخ لڑکا شرما کر سر جھکا کر سیٹ ڈاؤن ہو گیا جیسے وہ شرارت کر رہا ہو اور ویسے پہلے ہی مانتا تھا گویا

نہیں کہہ کر نگاہیں جھک گئی ہیں تیرے انکار میں اقرار بھی ہے

استاذ موصوف کہتے ہیں: میرا دل کرتا ہے کہ میں آپ کو اسی مضمون کا ایک اور بصیرت افروز واقعہ سناؤں۔

ایک پروفیسر جو دھریہ تھا ایک دن اسکول میں اپنے چھوٹی عمر کے شاگردوں سے کہنے لگا: کیا تم نے خدا کو دیکھا ہے؟ بچوں نے کہا: نہیں! کہا: پھر جان لو کہ خدا موجود نہیں ہے کیونکہ جس چیز کو ہماری آنکھ نہیں دیکھتی تو وہ موجود نہیں ہوتی۔

وہاں کلاس میں سے ایک ذہین طالب علم کھڑا ہو گیا اور اپنے طالب علم ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: اے میرے ہم درس ساتھیو! کیا تمہیں اس ٹیچر کی عقل نظر آتی ہے؟ بچوں نے جواب دیا: نہیں! ہمیں تو دکھائی نہیں دے رہی۔ اس ذہین طالب علم نے کہا: پھر اس ٹیچر صاحب کی عقل موجود نہیں۔

تبصرہ: یہ ایسا زناٹے دار تھپڑ تھا جس سے وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا' وہ بت بنا کھڑا تھا اور بچے کی ذہانت' خداداد صلاحیت اور سعادت ازلی اس منکر خدا دہریے ٹیچر کو زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ ۔

مرا گفتی وخود بدام آمدی　　نظر پختہ ترکن کہ خام آمدی

یعنی......

کل تک جو مونڈ ھتے پھرتے تھے سب کا سر　　آج اس کوچہ میں خود ان کی حجامت ہو گئی

تراشہ نمبر 14

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ.　　بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔ (التوبہ:111)

حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک عجیب نکتہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جان کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔ بائع کے لیے مبیع (یعنی اس شئی) کی ملکیت ضروری ہے جسے وہ بیع (فروخت) کر رہا ہے' اس لیے نفس کو مجاہدہ کے ذریعے قابو میں لانا ضروری ہے۔ یہی نفس کشی کا فلسفہ ہے۔ (خیر المجالس' ص 258)

تراشہ نمبر 15

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جسم پر نقش و نگار کرنے اور جسم چھدوانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَعَنَ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ.　　حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے چھیدنے والیوں اور چھدوانے والیوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (ترمذی' باب الادب' حدیث حسن صحیح)

ایک خبر

اور جسم پر نقش و نگار کرنے والے ہیپا ٹائٹس' ایڈز اور ٹی بی میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ یورپ میں جسم چھدوانے والے متعدد افراد کے جسم میں پیپ پڑ گئی' یورپی کمیشن کا قواعد ضوابط بنانے پر زور۔ لندن (نیٹ نیوز) یورپی کمیشن نے جسم پر نقش و نگار کرنے کے لیے استعمال ہونے والے ممکنہ طور پر زہریلے کیمیاوی مادے کے سلسلے میں زیادہ قواعد و ضوابط متعارف کرانے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ کمیشن کے مطابق جسم پر نقش و نگار کے لیے استعمال کیے جانیوالے بہت سے کیمیاوی مادے ایسے ہیں۔ کمیشن نے خبردار کیا ہے کہ جسم کو چھدوانے والے آدھے سے

زیادہ افراد کے جسموں میں بعد میں پیپ پڑ گئی اور اس کا علاج کروانا پڑا' جسم چھدوانے کے باعث یورپ میں دو اموات بھی ہو چکی ہیں۔ یورپ میں جسم کی زیبائش کے لیے نقش و نگار بنوا کر یا چھدوانے کا فیشن تیزی سے پھیل رہا ہے لیکن اس کی وجہ سے ہیپاٹائٹس' ایڈز' ٹی بی اور کوڑھ جیسی متعدد قابل انتقال بیماریوں کے پھیلنے کا خطرہ بھی محسوس کیا جا رہا ہے۔

(روزنامہ جنگ' 19 جولائی 2003ء)

بچو تقلیدِ مغرب سے' سنو اے ایشیاء والو
کہ مغرب کی طرف جاتے ہی سورج ڈوب جاتا ہے

تراشہ نمبر 16

"جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ لٰکِنْ تَقَاصَرَ عَنْهَا اَفْهَامُ الرِّجَالِ"

قرآن کریم تمام علوم کی جامع کتاب ہے لیکن یہ الگ بات ہے کہ ہمارے اذہان تمام باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں

"الامریکی الذی اسلم بسبب حلیب الام!"

ایک امریکی ڈاکٹر کا واقعہ جو ماں کے دودھ کے سبب سے مسلمان ہو گیا

متحدہ ریاستہائے امریکہ کے ایک ہسپتال میں یہ واقعہ پیش آیا اور اس واقعہ کے ظہور کے بعد ایک امریکی ڈاکٹر صاحب مشرف باسلام ہوئے۔ واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ امریکہ میں ایک مصری ڈاکٹر جو اپنے شعبہ میں ایک نہایت اعلیٰ منصب پر کام کرتے تھے اور امریکن ڈاکٹروں میں انہیں ایک ممتاز مقام اپنے تجربہ اور فن میں مہارت کی وجہ سے حاصل تھا اور یہ ڈاکٹر صاحب اپنے بعض تفردات اور خصوصیات کی وجہ سے اکثر وہاں کے ڈاکٹروں کو حیران کرتے رہتے تھے اور ان کو ایک مرجع کی حیثیت حاصل تھی۔ ان میں سے ایک امریکی ڈاکٹر کی اس مصری ڈاکٹر سے گہری دوستی ہو گئی تھی اور اکثر علمی موضوعات پر ان کی بحث ہوتی رہتی اور یہ دونوں شعبہ تولید (زچہ بچہ کے شعبہ) میں کام کرتے تھے۔ ایک رات اس شعبہ کے نگران اعلیٰ ڈائریکٹر جنرل حاضر نہیں تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں دو ایسی خواتین ہسپتال لائی گئیں جن

کے ہاں اسی وقت بچوں کی ولادت ہونے والی تھی۔ جب دونوں عورتوں کے ہاں بچوں کی پیدائش ہوئی تو دونوں بچے خلط ملط ہو گئے۔ اب پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون سا بچہ کس عورت کا ہے۔ یہ یاد رہے کہ ان میں سے ایک لڑکا تھا' اور دوسری لڑکی تھی۔ یہ سب کچھ ڈیوٹی پر موجود نرس کی بے پرواہی اور غفلت کی وجہ سے ہوا تھا کہ نرس کے ذمہ لازم ہوتا ہے کہ وہ نومولود کے ہاتھ میں اس کی والدہ کے نام کا ٹوکن باندھ دے مگر اس نے ایسا نہیں کیا جس سے یہ مسئلہ پیدا ہوا۔

جس وقت اس شعبہ میں کام کرنے والے ان امریکی ڈاکٹر اور مصری ڈاکٹر کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ دونوں سخت پریشاں ہوئے کہ اب وہ کس طرح پتہ چلائیں کہ لڑکے کی ماں کون ہے اور لڑکی کی ماں کون ہے؟ امریکی ڈاکٹر صاحب مصری ڈاکٹر صاحب سے کہنے لگا: آپ کہتے رہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہر شئی کا بیان ہے اور آپ کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید میں قیامت تک کے پیش آنے والے زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ہر مسئلہ کا حل موجود ہے اب مجھے آپ اس مسئلہ کا حل قرآن مجید سے نکال کر دکھائیں' اور بتائیں کہ لڑکا کس ماں کا ہے اور لڑکی کس ماں کی ہے؟ تو میں تمہاری بات مانوں۔

مصری ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ ہاں قرآن حکیم ہر شئی پر نص ہے اور ہر شئی کا روشن بیان ہے اور میں قرآن مجید کی روشنی میں ضرور آپ کے لیے ثابت کروں گا لیکن مجھے کچھ مہلت دیجیے تاکہ میں تحقیق اور پورے اعتماد کے ساتھ بادلیل بات کرسکوں۔

پھر ڈاکٹر صاحب مصر گئے اور انہوں نے جامعہ ازھر شریف کے ایک عالم دین سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا اور سارا واقعہ بیان کیا اور اس بات کا ذکر کیا جو اس کے اور امریکی ڈاکٹر کے درمیان ہوئی۔ اس عالم دین نے کہا کہ میں طبی امور کا تو عالم نہیں ہوں کہ ان پر گفتگو کرسکوں' البتہ میں دینی اور شرعی علوم کا ڈاکٹر اور خادم ضرور ہوں' میں آپ کے لیے قرآن حکیم کی ایک آیت کریمہ پڑھتا ہوں آپ طبی اصولوں کے مطابق اس آیت کریمہ میں غور وفکر کریں گے تو ضرور ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ جل جلالہ کے اذن سے اپنے مذکورہ مسئلہ اور مشکل کا حل پالیں گے' پھر اس عالم نے آیت کریمہ پڑھی جس میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ. تو ایک مرد کا حصہ' دو عورتوں کے حصہ

(النساء:176) کے برابر ہے۔

مصری ڈاکٹر نے اس آیت مبارکہ میں گہری نظر سے غور وفکر شروع کر دیا اور پھر اس نے مسئلہ کا حل جان لیا اور وہ اپنے دوست امریکی ڈاکٹر کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ قرآن مجید نے ثابت کر دیا ہے کہ لڑکا کس عورت کے سپرد کرنا ہے اور لڑکی کس عورت کو لوٹانی ہے' امریکی ڈاکٹر نے کہا: لیکن یہ کیسے ہوگا؟ مصری ڈاکٹر نے جواب دیا: اجازت دیجیے تاکہ ہم دونوں عورتوں کا دودھ حاصل کر کے لیبارٹری میں اس دودھ کا تجزیہ کریں اور ابھی دودھ کے تجزیاتی رپورٹ سے ہم اس مسئلہ کا حل پالیں گے۔ چنانچہ جب انہوں نے دودھ کا تجزیہ کیا تو نتیجہ ظاہر ہوگیا اور مصری ڈاکٹر نے پورے وثوق اور اعتماد سے اپنے دوست سے کہہ دیا کہ لڑکا اس عورت کا ہے اور لڑکی اس عورت کی ہے۔ امریکی اپنے مصری دوست کے اس جواب پر متعجب ہوا اور اس نے سوال کیا کہ آپ کو یہ کیسے علم ہوا؟ مصری نے جواب دیا کہ جو نتیجہ نکلا ہے وہ بتاتا اور دلالت کرتا ہے کہ لڑکے (مذکر بچہ) کی ماں کے پستان سے جو دودھ لیا گیا اس دودھ کی کمیت لڑکی کی ماں کے دودھ کی بہ نسبت دوگنی ہے اور لڑکے کی ماں کے دودھ میں جو نمکیات اور وٹامنز پائے گئے ہیں وہ بھی لڑکی کی ماں کے دودھ کی بہ نسبت دوگنے ہیں پھر مصری ڈاکٹر نے اپنے امریکی دوست کے سامنے قرآن مجید کی وہ آیت کریمہ پڑھی جس سے اس نے اس مشکل کے حل کے لیے استدلال کیا اور اپنے جواب کی دلیل بنایا تھا۔ قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ جب امریکی ڈاکٹر نے سنی تو قرآن مجید کے اس اعجاز سے متاثر ہو کر وہ فوراً مسلمان ہوگیا۔ فسبحان اللّٰہ (اللہ پاک ہے)۔ (ہفت روزہ مجلّہ ''الدعوۃ'' عربی شمارہ نمبر 1846 ص 51' 2 ربیع الآخر 1423ھ بمطابق 13 جون 2002ء سعودی عرب) (اُردو ترجمہ از راقم الحروف)

تراشہ نمبر 17

طُرْفَةٌ (لطیفہ)

جَـاءَ رَجُـلٌ اِلَـى الشَّعْبِیْ وَقَالَ: اِنِّیْ تَزَوَّجْتُ اِمْرَءَةً وَجَدْتُّهَا عَرْجَاءَ فَهَـلْ لِیْ اَنْ اَرُدَّهَا' فَقَالَ لَهٗ. اِنْ كُنْتَ تُرِیْدُ اَنْ تُسَابِقَ بِهَا فَرُدَّهٗ.

ایک مرد امام شعبی کی خدمت میں آکر پوچھنے لگا کہ جناب میں نے ایک خاتون کے ساتھ شادی کی ہے اور وہ لنگڑی نکلی ہے کیا اس عیب کی بناء پر میں اس کو رد کر سکتا

ہوں؟ امام شعبی نے کہا کہ ہاں اگر تو نے اس
کے ساتھ اس لیے شادی کی ہے کہ دوڑ کے
مقابلہ میں اسی نے حصہ لیا کرنا ہے تو رد کر دو۔

تراشہ نمبر 18

سبحان اللہ (اللہ ہر عیب سے پاک ہے)

یترکب جسم الانسان من 60 ملیون خلیه' ویموت کل ثانیة 50 ملیون خلیة ویولد مکانها 50 ملیون خلیة اخری' قال تعالٰی (وفی انفسکم افلاتبصرون) (عربی مجلہ ''الدعوۃ'' شمارہ نمبر: 1611' جمادی الآخر 1418ھ/2 اکتوبر 1997ء)

انسان کا جسم 60 ملین (6 کروڑ) خلیات (Cells) سے مرکب ہے اور ہر سیکنڈ میں پانچ کروڑ سیلز ختم ہو کر ان کی جگہ نئے پانچ کروڑ سیلز پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: ''وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَO'' (الذّٰریٰت: 21) اور خود تمہارے نفسوں میں بھی (نشانیاں) ہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے؟O

تراشہ نمبر 19

حسن معاملہ یا خلق کا اعلیٰ ترین معیار یہ ہے کہ اپنے دوستوں کے ساتھ تو سب ہی اچھا سلوک کرتے ہیں' دشمنوں سے بھی' نیکی' نرمی اور رافت کا برتاؤ کیا جائے۔

چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ تعالیٰ کو بابا صاحب (بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمہ) نے پہلا سبق یہی دیا تھا کہ اپنے دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے اور حضرت محبوب الٰہی اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

ہر کہ مارا یار نبوذ ایزد او را یار باد   وانکہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد
ہر کہ او خارے نہد در راہ ما از دشمنی   ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

تراشہ نمبر20

خدایا بحق بنی فاطمہ　　کہ برقول ایماں کنم خاتمہ

(بوستان سعدی)

بعض لوگ مصرعہ ثانی میں کنم کی جگہ کنی پڑھتے ہیں ان دونوں میں سے صحیح کون سا ہے کنم یا کنی؟

جواب: حضرت قبلہ استاذ یم علامہ سید نصیر الدین نصیر گیلانی دامت برکاتہم العالیہ کا یہ اقتباس پڑھ لیں آپ کے سوال کا جواب مل جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اس دور میں گلستان بوستان پڑھ رہا تھا۔ ایک مرتبہ محبوب قوال کو میں نے کہا کہ تم سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر غلط پڑھتے ہو بلکہ جو لوگ بھی اس طرح پڑھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں' شعر یہ تھا:

خدایا　بحق　بنی　فاطمہ　　کہ برقول ایماں کنی خاتمہ

مصرعہ ثانی میں کنی کی جگہ کنم پڑھا کرو۔ اس نے مجلس میں کنم پڑھ دیا۔ دادا جان نے بلا کر پوچھا تو محبوب علی مرحوم نے میرا نام لیا کہ اس نے یوں پڑھنے کو کہا۔ اگلے روز بیٹھک پر میری طلبی ہوئی۔ مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم نے کنی کی جگہ کنم پڑھنے کو کہا ہے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں! فرمایا کہ کتابوں میں تو کنی لکھا ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں نے ایک قلمی نسخہ دیکھا تھا اس میں کنم لکھا تھا اور یہ صحیح ہے' فرمایا: وہ کیسے؟ میں نے عرض کی کہ کنی فعل مضارع ہے' جس کے معنی کرے یا کرے گا کے آتے ہیں۔ اگر اس طرح پڑھا جائے تو معنوی سقم پیدا ہوتا ہے' فرمایا: وہ کیسے؟ میں نے عرض کی کہ اس طرح یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ دعا کون کر رہا ہے اور یہ کہ کس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ یعنی مصرعہ ثانی میں ضمیر متکلم کا ہونا بے حد ضروری ہے' جیسا کہ اسی شعر کے بعد والے شعر کے مصرعہ اول میں بطور خاص ضمیر متکلم کو لایا گیا ہے:

اگر　دعوتم　رد　کنی　ور　قبول　　من و دست و داماں آل رسول

فرمایا کہ کنم تو فعل مضارع کے واحد متکلم کا صیغہ بنتا ہے اور انسان اپنا خاتمہ خود تو نہیں کر سکتا۔ میں نے عرض کی کہ یہاں کنم فعل مضارع کے واحد متکلم کا صیغہ بظاہر تو نظر آتا ہے مگر یہ ہے نہیں' فرمایا: وہ کیسے؟ میں نے عرض کی کہ یہ اصل میں کن ام تھا۔ ام ضمیر منفصل ہے' جو کن

فعل امر کے بعد لگائی گئی۔ اس طرح مصرعہ ثانی کے معنی یہ ہوئے کہ میرا خاتمہ ایمان پر کر۔
فرمایا: میں یوں نہیں مانتا' اس پر کسی استاد کی نثر یا نظم کی سند پیش کرو۔

میں نے بوستان کا یہ شعر پڑھا:

تولائے مردان آں پاک بوم — بر انگیختم خاطر از شام و روم

مزید مثالیں:

خدایا در آفاق نامی کنش — بتوفیق طاعت گرامی کش
تو بر خیر و نیکی دہم دسترس — وگرنہ چہ آیداز من بکس
(از راقم)

میں نے مزید عرض کرتے ہوئے کہا کہ یہ شعر بھی سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے' اس کے مصرعہ ثانی میں برانگیختم کا صیغہ بظاہر ماضی مطلق کے واحد متکلم کا صیغہ معلوم ہوتا ہے' مگر ایسا نہیں انگیختن مصدر کے معنی ابھارنے اور اٹھادینے کے ہوتے ہیں۔ اصل میں یہ ماضی مطلق کے واحد غائب کا صیغہ یعنی برانگیخت ہے۔ اس کے ساتھ ام ضمیر منفصل (متصل ضمیر۔ مفعول بہ) متکلم کی لگائی گئی' اصل میں یہ میم خاطر کے ساتھ لگتی ہے۔ عبارتِ شعر یوں بنی کہ خاطرم از شام وروم برانگیخت ۔ یعنی شیراز کی سرزمین کی محبت نے میرا دل شام اور روم کی زمین سے اٹھا دیا۔ دادا جان کو میری یہ تشریح پسند آئی' کیونکہ میں نے سعدی رحمۃ اللہ علیہ ہی کا دوسرا شعر سند میں پیش کر دیا تھا۔ اس کے باوجود آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا اللہ بخش صاحب جو درگاہ کی مسجد کے پیش امام اور فارسی میں کافی ماہر تھے' کو طلب کر کے پوچھا تو انہوں نے میری تشریح کی تائید فرمائی' تب جا کر آپ مطمئن ہوئے اور مجھے شاباش دی اور میرے استاذ محترم مولانا فتح محمد صاحب مرحوم کے سامنے یہ الفاظ فرمائے کہ میں نے آپ کے شاگرد کا امتحان لیا ماشاء اللہ وہ پاس ہو گیا۔

تراشہ نمبر 21

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ

ولادت مبارک: 21 صفر المظفر 1300ھ/ یکم جنوری 1883ء بہ روز پیر

وفات: 18 ذوالحجہ 1367ھ/ 23 اکتوبر 1948ء بہ روز جمعۃ المبارک

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو حضرت صدر الافاضل قدس سرہ پر اس قدر اعتماد تھا کہ جہاں کہیں مناظرہ ہوتا تو حضرت صدر الافاضل کو بھیجتے۔ آپ کو مناظرہ میں بے پناہ مہارت حاصل تھی۔ عیسائی' آریہ' روافض' خوارج' قادیانی' اور غیر مقلدین سے بارہا مناظرے کا اتفاق ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہر میدان میں غلبہ پایا۔

دورِ طالب علمی میں ایک آریہ سے گفتگو فرمائی۔ اس نے اعتراض کیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا ہوتا ہے اور تمہارے پیغمبر نے اپنے بیٹے زید کی بی بی سے نکاح کر لیا تھا۔ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے دلائل عقلیہ سے بیان کیا کہ کسی کو بیٹا کہنے سے اس کی حقیقت نہیں بدلتی۔ حقیقت میں بیٹا وہ ہوتا ہے' جو کسی کے نطفے سے پیدا ہو' لیکن پنڈت نے کہا: میں نہیں مانتا' آپ نے فرمایا: میں تمہیں ابھی منوائے دیتا ہوں' مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یہ پنڈت میرا بیٹا ہے' لہٰذا پنڈت جی کے قول کے مطابق یہ میرے حقیقی بیٹے بن گئے' حقیقی بیٹے کی بی بی باپ پر حرام اور اس کی ماں حلال ہوتی ہے' تو ان کی ماں مجھ پر حلال ہو گئی۔ پنڈت یہ سن کر بوکھلا گیا اور کہنے لگا: تم مجھے گالی دیتے ہو؟ صدر الافاضل نے فرمایا: میرا مدعا ثابت ہو گیا' تو خود اسے گالی تسلیم کرتا ہے' تو معلوم ہوا کہ منہ بولا بیٹا! حقیقت میں بیٹا نہیں ہوتا۔ پنڈت کہنے لگا: اب میں چلتا ہوں۔ (عظمتوں کے پاسبان' ص 307' علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری' مکتبہ قادریہ' جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری دروازہ' لاہور)

تراشہ نمبر 22

دو نکات

شیخ القرآن حضرت علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ فرمانے لگے:

مرد جب گھر جاتا ہے اور عورت اپنے بیٹے کی شکایت کرتی ہے کہ اس نے یہ شرارت کی

ہے' فلاں کام خراب کیا۔ مرد اگر اسے سزا دینا چاہتا ہے تو اسی وقت سزا دے ڈالتا ہے اور اگر یہ کہہ دے کہ صبح ہو لینے دو' پھر اسے پوچھوں گا' تو صبح کچھ نہیں کہتا' صرف ڈرانا مقصود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن قوموں کو سزا دینا تھی' انہیں اسی وقت الٹ پلٹ کر دیا' اس امت کو کہا: تمہارا حساب و کتاب کل روز قیامت ہوگا۔ کل اپنے حبیب کریم ﷺ کی اس امت کو بخش دے گا۔

* سایہ دیوار کو کہتا ہے کہ میں سورج کا عاشق ہوں' تو درمیان سے ہٹ جا' میں سورج کو دیکھنا چاہتا ہوں' دیوار نے کہا کہ اگر میں درمیان سے ہٹ گئی' تو تیرا وجود ہی نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے دعویدارو! حضور نبی کریم ﷺ کا واسطہ اور وسیلہ درمیان سے ہٹا دیا' تو تمہارا نام ونشان نہیں رہے گا اللہ تعالیٰ سے محبت کون کرے گا؟

(عظمتوں کے پاسبان' تصنیف علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری' ص206)

تراشہ نمبر23

لیموں

ہمارے استاذ گرامی استاذ العلماء مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے چند منٹ قبل دنیا کا آخری جو پھل استعمال فرمایا وہ لیموں تھا' اور پھر آپ اس لیموں جیسی بظاہر خوبصورت اور خوشبودار اور اندر سے کھٹی اور ترش دنیا سے دل کھٹا کر کے ہمیشہ کے لیے جنت کے میٹھے ثمرات اور شیریں چشموں کی طرف سفر کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

سَقَاكَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا اُسْتَاذَنَا مِنْ كَاسِ مُحَمَّدٍ ﷺ وَاِيَّانَا شُرْبَةً لَا نَظْمَأُ بَعْدَهٗ اَبَدًا۔ (آمین)

* لیموں بظاہر ایک چھوٹا سا کھٹے ذائقے والا پھل ہے مگر اس چھوٹے سے پھل کے بے شمار اور بے مثال فوائد ہیں۔ آم کی طرح لیموں میں بھی مختلف اقسام پائی جاتی ہیں۔

لیموں میں مندرجہ ذیل اجزاء ہوتے ہیں: حیاتین ج (وٹامن سی) 30 ملی گرام' کیلشیم 25 ملی گرام' فاسفورس 14 ملی گرام' حرارے (کیلوریز) 20 ملی گرام

یہ چھوٹا سا سنہری رنگ کا پھل جسم کی بہت سی خرابیوں کی اصلاح کر سکتا ہے' اگر منہ کا ذائقہ خراب ہو' گلا خشک ہو تو اس کیفیت کو دور کرنے کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ ایک لیموں کا

رس نچوڑ یئے' اس میں ایک موسمی یا نارنگی کا رس بھی شامل کر لیجئے اور پی جایئے۔ اس سے نہ صرف منہ کا ذائقہ درست ہوگا بلکہ یہ شربت ایک اچھے ٹانک کا کام دے گا۔ سردی کے موسم میں اسے قدرے گرم کر کے استعمال کر سکتے ہیں۔

کاغذی لیموں اپنی دلکش مہک' رس' اور پتلے چھلکے کی وجہ سے ملک بھر میں تقریباً نوے فیصد تک استعمال کیا اور پسند کیا جاتا ہے۔ لیموں میں کیلشیم' میگنیشیم' پوٹاشیم' آئرن' سوڈیم' تانبا' فاسفورس کے ساتھ ساتھ کلورین بھی خوب پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس چھوٹے سے پھل میں وٹامن بی اور سی کی خاصی مقدار ہوتی ہے۔

فوائد کے لحاظ سے لیموں میں ہاضمے اور بھوک بڑھانے کے اثرات بھی موجود ہوتے ہیں اور دوسرے کئی مختلف امراض میں بھی یہ چھوٹا سا پھل بہت کام آتا ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ سارا دن چستی اور پھرتی کے ساتھ اپنے امور انجام دیتے رہیں تو ایک گلاس ہلکے نیم گرم پانی میں ایک لیموں کا رس نچوڑ کر اس میں ایک چمچہ شہد ملا کر نوش فرمالیں سارا دن تروتازہ رہیں گے۔

لیموں نچوڑنے کے بعد اس کے چھلکوں کو بے کار سمجھ کر ضائع کر دینے کی بجائے اسے دھوپ میں خشک کر کے کوٹ کر باریک سفوف بنالیں اور ایک تہائی نمک ڈال کر اس سے دانت صاف کریں تو دانتوں کا پیلا پن ہی نہیں ہر قسم کے دانتوں پر جمے داغ دھبے چھوٹ جائیں گے۔ (روزنامہ جنگ' فائزہ یوسف' فاروق آباد)

تراشہ نمبر 24

بادشاہ کی سفارش قبول نہیں!

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مجھے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھنے کا شوق تھا' مگر آپ کی جلالت شان کی وجہ سے براہ راست درخواست کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی' اس لیے میں نے عباسی خلیفہ ہارون الرشید سے سفارشی خط لکھوایا کہ ان سے میرا تعلق قرابت تھا۔ انہوں نے مدینہ منورہ کے گورنر کے نام خط لکھا کہ مجھے بنفس خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا کر آئیں۔ میں مدینہ منورہ پہنچا اور گورنر کو امیر المؤمنین کا خط دیا۔ وہ خط پڑھ کر مجھ سے یوں مخاطب ہوئے:

اے آنے والے! اگر امیر المؤمنین مجھے مدینہ سے مکہ پیدل چل کر پہنچنے کا حکم فرمائیں تو میرے لیے اس کی تعمیل امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر پہنچنے کی بہ نسبت آسان تھی۔

میں یہ سمجھا کہ گورنر صاحب امام کے دروازے پر جانے کو اپنے منصب کے خلاف سمجھتے ہیں' اس لیے میں نے کہا: آپ امام صاحب کو اپنے پاس بلالیں۔

گورنر نے کہا: یہ کیسے ممکن ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر میں امام کے دروازے پر جا کر گھنٹوں باہر کھڑا رہوں اور پھر ملاقات کی اجازت مل جائے تو غنیمت ہے اس لیے کہ ان کی خدمت میں حاضری بہت مشکل ہے' مگر امیر المؤمنین کا حکم ہے' لہٰذا اسے ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

گورنر صاحب مجھے ساتھ لے کر امام عالی مقام کے دروازہ پر حاضر ہوئے' دستک دی' بہت انتظار کے بعد ایک حبشی باندی باہر آئی۔ گورنر نے امام کو اپنی حاضری کی اطلاع دینے کی درخواست کی۔ خادمہ اندر گئی اور غائب۔ ہم دونوں دروازے پر کھڑے انتظار کرتے رہے۔ بہت انتظار کے بعد امام کی طرف سے یہ جواب لائی: اگر کوئی ضروری مسئلہ دریافت کرنا ہے تو سوال اندر بھیج دیں' میں جواب لکھ دوں گا اور اگر کوئی دوسری غرض ہے تو واپس چلے جائیں میں نے ہفتہ میں ایک متعین دن ملاقات کی اجازت دے رکھی ہے' آپ نے اس کی خلاف ورزی کیوں کی؟

گورنر نے خادمہ سے کہا: امیر المؤمنین کا خط لے کر حاضر ہوا ہوں' باندی پھر غائب۔ بہت انتظار کے بعد ایک کرسی لائی اور باہر رکھ کر چلی گئی۔ یہ کرسی امام کے لیے تھی' اس لیے گورنر صاحب اسی طرح میرے ساتھ کھڑے رہے۔ کرسی باہر آنے کے بعد بھی حضرت امام باہر تشریف نہیں لائے' کرسی خالی رکھی ہے اور گورنر صاحب پاس کھڑے انتظار کی کٹھن گھڑیاں کاٹ رہے ہیں۔ بہت انتظار کے بعد حضرت امام مالک باہر تشریف لا کر کرسی پر جلوہ افروز ہوئے' گورنر صاحب سامنے کھڑے ہیں' امیر المؤمنین کا خط حضرت امام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ امام نے خط پڑھا تو غضب ناک ہو کر خط پھاڑ کر پھینک دیا اور فرمایا: حضور اکرم ﷺ کا علم حاصل کیا جا رہا ہے اور بادشاہ کی سفارش سے؟

گورنر صاحب پر تو سکتہ طاری ہو گیا' مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمت عطا فرمائی' میں نے

عرض کیا: مجھ سے غلطی ہوگئی' معاف فرمائیں' میں طلب حدیث کی آرزو لے کر حاضر خدمت ہوا ہوں۔

یہ سنتے ہی وہ فوراً ٹھنڈے ہوگئے اور میرے ساتھ بہت محبت وشفقت کا اظہار فرماتے ہوئے اپنی خدمت میں رہنے کی اجازت فرمائی۔ میں نے آپ سے آپ کی کتاب ''موطا'' پڑھنا شروع کی' پھر تو محبت وشفقت کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات میں آپ کے آرام ودیگر اہم مشاغل کے پیش نظر حالت درس میں عرض کرتا: بس! اتنا درس کافی ہے' مگر آپ فرماتے: ابھی نہیں' کچھ اور پڑھ لو۔ (بشکریہ اردو ڈائجسٹ' ص235' فروری2003ء)

تراشہ نمبر25

اُسْرَتُنا (ہمارا معاشرہ)

قال احد الحكماء للمرء ثلاثة اخلاء:	ایک دانش مند کا قول ہے آدمی کے تین دوست ہوتے ہیں:
(1) خليل يقول له انا معك حيًّا وميِّتًا' وهو حسن عمله.	ایک دوست اس سے کہتا ہے: میرا جینا مرنا تیرے ساتھ ہے' اور یہ اس کا حُسنِ عمل ہوتا ہے۔
(2) وخليل يقول: انا معك حتى تموت وهو ماله.	اور ایک دوست وہ ہوتا ہے جو کہتا ہے: میں تیری موت تک تیرا ساتھی ہوں' یہ اس کا مال ہوتا ہے۔
(3) وخليل يقول: له انا معك حتى باب القبر و هو قريبه.	اور تیسرا دوست وہ ہے جو کہتا ہے: میں تیرے ساتھ قبر تک اور یہ اس کا رشتہ دار ہے۔

❋ جرت مناظرة بين مؤمن فقيه وملحد حائرٍ'

الملحد: انت مؤمن بوجود الله؟

المؤمن: نعم ولاشك ولاريب.

الملحد: هل رايته؟

المؤمن : لا

الملحد: هل شممته اولمسته؟

المؤمن : لا

الملحد: هل سمعته؟

المؤمن : لا

الملحد: فكيف تؤمن به؟

المؤمن : هل رايت عقلك؟

الملحد: لا

المؤمن : هل سمعته؟

الملحد: لا

المؤمن : هل شممته او لمسته؟

الملحد: لا

المؤمن : فكيف يصدق ان فيك عقل؟

* ترجمہ: ایک مسلمان اور کافر منکر خدا کے درمیان مناظرہ ہوا جس کی تفصیل یوں ہے:

کافر : تو اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل ہے؟

مسلمان: جی ہاں! اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

کافر : کیا تو نے اللہ کو دیکھا ہے؟

مسلمان: نہیں

کافر : کیا تو نے اللہ کی خوشبو پائی ہے یا اس کو چھوا ہے؟

مسلمان: نہیں

کافر : کیا تو نے خدا کی آواز کو سنا ہے؟

مسلمان: نہیں

کافر : تو پھر تو اس کے موجود ہونے کی تصدیق کیسے کرنے والا ہے؟

مسلمان: کیا تو نے اپنی عقل کو دیکھا ہے؟

کافر : نہیں

مسلمان : کیا تو نے اس کو سنا ہے؟

کافر : نہیں

مسلمان : کیا تو نے اس کو کبھی سونگھا یا چھوا ہے؟

کافر : نہیں

مسلمان : تو پھر تیری عقل کے موجود ہونے کی تصدیق کون کرسکتا ہے؟

(عربی مجلّہ ''الدعوۃ'' شمارہ نمبر: 1842' 4 ربیع الاول 1423ھ/ 16 مئی 2002ء ص 30' مکہ مکرمہ' حجاز مقدس)

تراشہ نمبر 26

یورپ کی چار عورتوں کی چار تمنائیں

پہلی خاتون برطانیہ سے تعلق رکھتی ہے:

ایک صدی قبل برطانیہ کی ایک مشہور ادیبہ اور رائٹر آئی۔ ٹی' روڈ اپنے ایک مقالہ میں جو 1901ء میں شائع ہوا تھا لکھتی ہے کہ

ہماری بیٹیوں کو اپنے گھروں میں خادمہ کی حیثیت سے یا نوکرانیوں کی طرح گھر کے کام کاج میں مشغول رہنا' فیکٹریوں اور کارخانوں میں کام کرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور اس میں ان کو مشقت اور آزمائش بھی بہت کم برداشت کرنی پڑتی ہے جبکہ فیکٹریوں اور کارخانوں وغیرہ میں کام کرتے ہوئے ہماری بیٹیاں ایسی غلاظتوں اور گندگیوں سے ملوث اور آلودہ ہو جاتی ہیں کہ وہ میل کچیل اور آلودگی ہمیشہ کے لیے ان کی رونق حیات اور شگفتگی کو ختم کر دیتی ہے۔

اے کاش! ہمارے شہر مسلمانوں کے شہروں ایسے ہوتے جہاں ان کے شہروں میں (خواتین کے لیے) وقار ہے' آبرو ہے اور پاکیزگی ہے۔

جی ہاں! اور ادھر۔۔۔ ہمارے انگریزوں کے بلاد میں مردوں کے ساتھ خواتین اور ہماری بیٹیوں کے کثرت سے اختلاط اور گھل مل کر رہنے نے ان کو اخلاقی لحاظ سے پستیوں میں پھینکا ہے' اور رذائل اور گھٹیا عادات و خصائل سے دوچار کر دیا ہے جو انگریز کے (ننگے) اور بے

ڈھنگے شہروں ننگے دھڑ نگے لوگوں پر ننگ وعار ہے۔

ہمیں کیا ہو گیا ہے؟ ہم (انگریز لوگ) اس چیز کے پیچھے کیوں نہیں دوڑتے اور اس عمل کی کوشش کیوں نہیں کرتے جس سے ہماری بیٹی صرف اپنے گھر کے کام کرنے میں مشغول رہے' عورت کی فطرت کے بھی موافق ہے اور عورت کے لیے گھریلو کام کاج کرنا اور امور خانہ داری میں مصروف و مشغول ہونا طبعی' فطری اور نیچرل بات ہے اور ہم مردوں کے کام مردوں کے لیے چھوڑ دیں اور اپنی بیٹیوں کو امور خانہ داری کے لیے گھر کی چاردیواری میں محفوظ کر دیں تاکہ اس کی عزت وآبرو اور عفت و پاکدامنی کا شرف اور حشمت ووقار سلامت رہے۔ کاش! ہم فرنگی ایسا کر سکیں!! (کاش ہم اخلاقی لحاظ سے بے ڈھنگ اور ننگ دھڑنگ فرنگ ایسا کر سکیں)۔

دوسری خاتون جرمن سے تعلق رکھتی ہے:

جرمن خاتون اپنی تمنا کا اظہار کرتے ہوئے لکھتی ہے (جسے ہفت روزہ مجلّہ الالمانیہ نے نقل کیا): اور مجھے اپنے گھر میں رہنے میں بہت دلچسپی ہے۔

لیکن جرمن کی جدید اقتصادیات کا معاملہ بہت بڑا اعجوبہ ہے جس میں جرمن قوم کا تقریباً ہر طبقہ شامل ہے جس کی وجہ سے یہ امر یعنی عورت کا گھر سے باہر کمائی اور کسب معاش کے شغل کو چھوڑ کر خاتون خانہ ہو جانا ایک ناممکن اور محال امر ہے۔ اے افسوس!!!

تیسری خاتون اٹلی سے تعلق رکھتی ہے:

وہ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتی ہے:

مجھے مسلمان عورت پر رشک آتا ہے اور میں جب مسلم خاتون کو دیکھتی ہوں تو میرے دل میں یہ آرزو ہوتی ہے کہ اے کاش! میں تمہارے (مسلمانوں کے) شہروں میں سے کسی شہر میں پیدا ہوئی ہوتی!!

چوتھی خاتون فرانس سے تعلق رکھتی ہے:

پچھلے سال ماہ رمضان المبارک 1421ھ کو میں فرانس گیا تو فرانس میں مقیم میرے مسلمان دوست طب کے شعبہ سے منسلک ہیں' انہوں نے مجھ سے یہ بات بیان کی کہ یہاں فرانس میں ہسپتال میں میرے ساتھ ایک خاتون ڈاکٹر جو فرانس کی شہری ہیں اور مذہب کے

لحاظ سے نصرانیہ ہیں یعنی عیسائی مذہب کی پیروکار ہیں' ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ وہ کافرہ عیسائی لیڈی ڈاکٹر ایک دن مجھ سے پوچھنے لگیں کہ آپ کی وائف (بیوی) مسلمان ہونے کی وجہ سے شرعی پردہ کی سخت پابند ہیں اور وہ گھر سے باہر نہیں نکلتیں' گھر میں ان کا سارا دن کس طرح گزرتا ہوگا؟ اور آپ کی زوجہ کا دن بھر کا شیڈول اور پورے دن کی مصروفیات کیا ہوتی ہیں؟

میں نے ان کو بتایا کہ میری گھر والی صبح سویرے اٹھ کر بچوں کو سکول کے لیے تیار کرتی ہیں اور پھر نو یا دس بجے تک کے لیے سو جاتی ہیں پھر اٹھ کر گھر کے کام کاج جیسے صفائی دھلائی وغیرہ کرتی ہیں اور پھر گھر کے دوسرے امور یا اورچی خانہ میں کھانہ پکانے میں مصروف ہو جاتی ہیں' اس طرح ان کا دن گزر جاتا ہے' وہ عیسائی خاتون پوچھنے لگیں کہ ''جب وہ کہیں جاب اور نوکری نہیں کرتیں تو ان کو خرچ کون دیتا ہے؟ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ خرچ میں دیتا ہوں' وہ کہنے لگیں: اس کی ہر قسم کی ضروریات کی اشیاء کون خرید کر دیتا ہے؟ میں نے کہا: ان کو جس چیز کی بھی ضرورت ہو میں ان کے لیے خرید کر لاتا ہوں۔ وہ عیسائی خاتون بڑی حیرت اور استعجاب پر سے پوچھتی ہیں: آپ اپنی بیوی کے لیے ہر چیز خریدتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! (وہ عیسائی لیڈی ڈاکٹر) کہنے لگیں: آپ کی بیوی تو پھر ملکہ اور شہزادی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ اس عیسائی خاتون نے مجھ سے کہا: بخدا! اگر آپ مجھ سے شادی کرنے کا وعدہ کریں تو میں آج ہی اپنے شوہر سے طلاق حاصل کر کے علیٰحدگی اختیار کرلوں اور طب کے پیشہ کو بھی ہمیشہ کے لیے ترک کردوں اور ایک مسلمان خاتون کی طرح گھر میں بیٹھ کر اپنی ساری زندگی گزارنے کے لیے تیار ہوں اور صرف اتنا ہی کافی نہیں بلکہ اس نے کہا کہ میں اس پر بھی راضی ہوں کہ اگر میں ایک مسلمان مرد کی دوسری بیوی بن کر رہوں بشرطیکہ مجھے گھر کے اندر اور صرف گھر کے اندر سکون اور قرار سے رہنا نصیب ہو جائے۔

معزز قارئین!

یہ تھیں مغرب اور یورپ کی بعض خواتین کی تمنائیں اور دلی آرزوئیں جو آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے اگر میں چاہوں تو کافر ممالک کی ایک سو سے زیادہ مختلف قوموں اور مختلف مذاہب کی ایسی خواتین کی اسی قسم کی تمناؤں اور آرزوؤں کی مثالیں ذکر کرسکتا

ہوں، یہ تو صرف بطور نمونہ چند مثالیں میں نے ذکر کی ہیں۔

"ومن عجب انـنـانـری بـعـض الـمسلمات.. اومن ینتسبن للا سلام، یـحـاولن السیر علی خطی الغربیات وتقلید ھن فی کل شیء" (ترجمہ:) حیرت ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مسلمان عورتیں یا اسلام سے اپنی نسبت جوڑنے والی نام نہاد مسلمان خواتین مغرب اور یورپ کی عورتوں کے نقش قدم پر چلنے کا ارادہ کرتی ہیں اور ہر شئی میں ان کی تقلید اور ریس کرنے کی ریس میں نس نس کے ان کی ناسیں اور نسیں پھولی ہوئی ہیں اور اس نس پچھ میں ایسی رنجھی ہوئی ہیں کہ ان کے پیچھے پیچھے پچھ پچھ کے مڑ کو مڑ کی ہوئی ہوئی ہیں اور ساری پچھی ہوئی ہیں۔

تراشہ نمبر 27

تاویل قرآن پر اعتراض کا جواب

استاذی المکرّم حضرت علامہ مفتی فیض احمد فیض رحمۃ اللہ علیہ مؤلف مہر منیر لکھتے ہیں:

وزیر آباد کے ایک غیر مقلد مولوی صاحب جو نابینا تھے اور علم کا بڑا دعویٰ کرتے تھے عین اس وقت (قبلہ عالم حضرت سید پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز) کی مجلس میں حاضر ہوئے جب مولانا نظام الدین صاحب راولپنڈی کی دعوت پر بغرض ملاقات حضرت (قبلہ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز) گئے ہوئے تھے۔ غیر مقلد نابینا مولوی صاحب مجلس میں حاضر ہوکر کہنے لگے:

پیر صاحب! میرے چند سوال ہیں مگر شرط یہ ہے کہ جواب دیتے وقت قرآن کے معانی میں تاویل سے کام نہ لیں، کیونکہ میں سنتا ہوں کہ آپ اہل سنت مقلدین آیات کی تاویل کر دیا کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: مجھے منظور ہے بشرطیکہ آپ بھی اس شرط پر قائم رہیں، اور فرمایا: پہلے ذرا آیت کے معنی بیان کر دیں:

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا۝ (بنی اسرائیل:72)

جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور سخت گمراہ۝

حافظ صاحب چُپ چاپ اٹھ گئے اور اس روز سے اس نواح میں اُن کا نام ہی حافظ اعمیٰ پڑ گیا۔ (مہرِ منیر' باب 8' ص 441' طبع سوم 29' صفر المظفر' گولڑہ شریف' راولپنڈی)

تراشہ نمبر 28

حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اعتراض

ایک غیر مقلد نے اعتراض پیش کیا کہ پیغمبر صاحب (یہ وہابی بولی ہے نعوذ باللہ من ذلک) (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو زندہ کیونکر مان لیا جائے جب قرآن فرما رہا ہے کہ ''اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ'' آپ پر بھی موت آنے والی ہے اور ان لوگوں پر بھی۔

حضرت نے اس شخص پر سوال کیا کہ یہ قضیہ مطلقہ عامہ ہے یا دائمہ مطلقہ؟ مگر اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ حضرت کا مطلب یہ تھا کہ یہ جملہ مطلقہ عامہ ہے جس کے صدق کے لیے تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے اندر موت کا تحقق کافی ہے۔ دوام موت ضروری نہیں کیونکہ مناطقہ کے نزدیک دائمہ مطلقہ وہ قضیہ ہے جس کا حکم دائمی ہو' اور مطلقہ عامہ' وہ جس کا ثبوت حکم کسی زمانہ میں ہو جائے یعنی موت کی شرط تھوڑے عرصہ کے لیے پوری ہو جائے۔

(مہرِ منیر' ص 421)

تبصرہ از راقم

جیسا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے:

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے مگر ایسی کہ فقط آنی ہے

تراشہ نمبر 29

وَالْفُقَرَاءُ یَتَصَدَّقُوْنَ

جو تیرے فقیر ہوتے ہیں؟ وہ کتنے امیر ہوتے ہیں؟

اِشْتَغَلَ عَامِلٌ فِی اللَّیْلِ لِجَمَاعَةٍ یَسْقِیْ لَهُمْ اَرْضَهُمْ بِالْمَاءِ حَتّٰی اِذَا انْتَهٰی فِی الصَّبَاحِ قَبَضَ اُجْرَتَهٗ صَاعَیْنِ مِنَ الشَّعِیْرِ فَجَآءَ بِهِمَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ

ایک محنت کش نے رات بھر کسی قوم کی زمین کو پانی نکال کر سیراب کرنے کا کام کیا۔ جب صبح کو کام مکمل کر چکا تو اپنی مزدوری میں آٹھ کلو جو وصول کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذَانِ صَاعَانِ اِشْتَغَلْتُ اللَّيْلَ كُلَّهٗ فَصَاعٌ اُمْسِكُهٗ لِاَهْلِيْ وَصَاعٌ اَضَعُ بَيْنَ يَدَيْكَ لِتُعْطِيَهٗ اِلَى الْمُحْتَاجِيْنَ.

(عربی مجلہ ''الدعوۃ'' العدد 1591' محرم 1418ھ 15 مایو 1997)

کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! یہ دو صاع (آٹھ کلو) جو ہیں' جو میں نے رات بھر کام کر کے مزدوری میں حاصل کیے ہیں۔ ان میں سے ایک صاع میں اپنے گھر والوں کے لیے رکھ لیتا ہوں اور ایک صاع آپ کے پاس رکھ رہا ہوں تا کہ آپ اسے حاجت مند لوگوں کو عطا فرمائیں۔

تراشہ نمبر 30

قبر کو آخری آرام گاہ کہنا' لکھنا درست نہیں

حكم قول (دفن فی مثواه الاخير)

ماحكم قول البعض (دفن فی مثواه الآخير) لمن مات وقبر؟

الـجـواب: هذااللفظ خطا لان القبر ليس هوالمثوى الاخير' وانماهو دار البرزخ بين الدنيا والآخرة' والمثوى الاخير هو الجنة اوالنار.

قـال تـعـالٰى: (وان الآخرة هی دار القرار) فيجب ترك هذا اللفظ والنهى عنه. (''الدعوۃ'' العدد: 1581' 20 شوال 1417ھ 27 فبرایر 1997م)

سوال: بعض لوگ قبر کو آخری آرام گاہ لکھتے اور بولتے ہیں' اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: مفتی اعظم السعودیہ شیخ عبدالعزیز بن باز اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ترجمہ:) یہ لفظ ''بولنا'' یا ''لکھنا'' غلط ہیں کیونکہ قبر انسان کا آخری ٹھکانا اور منزل نہیں ہیں بلکہ یہ دنیا اور آخرت کے درمیان مقام برزخ ہے' آخری ٹھکانا جنت یا دوزخ ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: ''و ان الاخـرة هـی دارالقرار'' آخرت وہ دارالقرار ہے' لہٰذا اس لفظ کو ترک کر دینا ضروری ہے اور جو کوئی قبر کو آخری آرام گاہ کہے اس کو منع کرو۔

تراشہ نمبر 31

ایمان ماننے کا نام' نہ کہ جاننے کا!

حضرت صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی شاہ صاحب لکھتے ہیں:

یہ 1937ء یا 1936ء کا واقعہ ہے۔ ملتان کے ڈپٹی کمشنر نے تمام مکاتب فکر کے علماء کو اکٹھا کرنا چاہا' اور اس سلسلے میں حسین آگاہی ملتان میں ایک جلسہء عام منعقد کرایا۔ دیوبندی حضرات کی طرف سے نمائندگی کرنے کے لیے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے استاد مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی آئے تھے۔ اس وقت ابا جی (غزالی زمان حضرت سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ) رحمۃ اللہ علیہ کی عمر مبارک 23 یا 24 سال تھی اور ملتان میں مدت قیام ایک دو سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس کم سنی کے باوجود اہل سنت کی نمائندگی کے لیے ابا جی قبلہ کو بلایا گیا اور چونکہ اہل سنت غالب اکثریت میں تھے اس لیے سب سے آخر میں دعوت خطاب بھی ابا جی قبلہ کو دی گئی۔ ابا جی قبلہ نے 3 گھنٹے خطاب فرمایا' تقریر کا موضوع یہ تھا کہ (حضور ﷺ کی حقیقت کو رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا)' علم کا ایک بحر ناپیدا کنار تھا اور فیض کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ سارا مجمع' تمام علماء انگشت بدنداں دلائل کے انبار اور کلام و بیان کی روانی سے مسحور بیٹھے تھے' اتنے میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے مداخلت کی اور مائک پر آ کر کہا کہ (اے لوگو! یہ نوجوان بڑا عالم و فاضل ہے اور خداوند کریم نے اسے علم کی دولت سے بہت نوازا ہے' لیکن افسوس کہ اس قدر علم بھی اسے گمراہی سے نہیں بچا سکا۔ یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حقیقت کو رب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اے لوگو! اس نے تو تمہارے ایمان کا انکار کر دیا بلکہ کسی کو مومن نہیں چھوڑا سب کو کافر کہہ دیا۔ وہ اس لیے کہ مومن تو وہی ہے جو سرکار کو جانتا ہے جو نہیں جانتا وہ مومن کیسے ہوا؟ اس لیے اس کی یہ بات قابل قبول نہیں)۔

ابا جی نے حبیب الرحمٰن لدھیانوی صاحب کے مائیک سے ہٹنے پر فرمایا کہ (اے لوگو! لدھیانوی صاحب کو بہت بڑا مغالطہ ہوا ہے۔ تم بتاؤ تم خدا کو جانتے ہو۔ اس کی حقیقت' اس کی ماہیت' اس کی جسامت' اس کی کیفیت' اس کی رنگت' کسی چیز کو جانتے ہو؟ یقیناً نہیں جانتے اس کے باوجود تم مومن ہو یا نہیں۔ اے لوگو! ذرا لدھیانوی صاحب سے پوچھو! کہ اللہ اور اس کے رسول کو جاننے کا نام ایمان ہے یا ماننے کا نام ایمان ہے؟

دیکھو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ. وہ اس (نبی) کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔ (البقرۃ:146)

بلکہ اس طرح جانتے ہو جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے ہو۔ وہ اس لیے، کہ تورات اور انجیل میں ان کی نشانیاں موجود ہیں۔ ان کی آمد کی خوشخبری میرے محبوب میں موجود اور ظاہر ہیں اس لیے تم میرے محبوب کو بخوبی جانتے ہو لیکن مانتے نہیں ہو اس لیے تم مومن نہیں ہو۔ معلوم ہوا: اللہ اور اس کے رسول کو جاننے کا نہیں ماننے کا نام ایمان ہے۔

(ماہنامہ السعید، ج:2، شمارہ نمبر3 1995ء 1415ھ)

تراشہ نمبر32

حقیقت حج

دل بدست آور کہ حج اکبر است　　از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

نفلی حج سے غریبوں کی امداد بہتر ہے

اسلام کے معاشی نظام میں غربت و افلاس کے دور کرنے کی انتہائی کوشش کی گئی ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد اگر کسی کے پاس فاضل دولت موجود ہے تو اسے بھی اس انداز سے خرچ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ خرچ کرنے والا اپنا مقصد بھی حاصل کر لے اور اس سے معاشرے کے بدحال لوگوں کا بھلا بھی ہو جائے، مثلاً ایک شخص فاضل دولت سے کوئی ثواب کا کام کرنا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں نفلی حج کرنے کا خیال رکھتا ہے تاکہ اسے خدا تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل ہو، تو اسلام کے معاشی نظام کی طرف سے اسے ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ نفلی حج کے بجائے اس رقم کو معاشرہ کے بدحال لوگوں پر صرف کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کر لے۔

اس سلسلے میں ہم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان پیش کرتے ہیں:

بہت سے دولت مندوں کو حج پر روپیہ صرف کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے وہ بار بار حج کرتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو بھوکا اور (ضرورت مند) چھوڑ جاتے ہیں (ایسا حج کہاں قبول ہوگا؟)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحیح فرمایا ہے کہ قیامت کی علامت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ اخیر زمانہ میں بلاضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی' ان کو حج کا سفر بہت آسان معلوم ہوگا (کہ جہازوں پر آئیں جائیں گے) روپیہ کی ان کے پاس کمی نہ ہوگی (جبکہ معاشرہ کے بدحال اور ضرورت مند لوگ پریشانی میں مبتلا ہوں گے اور یہ نفلی حج کرتے پھرتے ہوں گے)' لیکن وہ حج کے ثواب سے محروم و تہی دست واپس آئیں گے'

ابوالنصر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص امام الاولیاء بشر بن حارث کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میرا حج کا ارادہ ہے۔ آپ نے پوچھا: تیرے پاس کتنی رقم ہے؟ اس نے کہا: دہ ہزار درہم' فرمایا: حج سے تیرا کیا مقصد ہے؟ اس نے عرض کی: اللہ کی رضا جوئی۔ فرمایا کہ میں تمہیں ایسا کام بتاتا ہوں کہ تمہارے روپے بھی خرچ ہو جائیں اور خدا کی رضا جوئی بھی حاصل ہو اور تمہیں سفر بھی نہ کرنا پڑے' اس نے عرض کی: بخوشی؟ فرمایا: اچھا جاؤ اس مال کو ایسے دس آدمیوں کو دے دو جو مقروض ہوں' وہ اس سے اپنا قرضہ ادا کریں اور اگر تمہاری طبیعت چاہے تو یہ ایک ہی مقروض یا کسی حاجت مند کو دے دو کیونکہ "فان ادخالك السرور علی قلب المسلم و اعانة اللهفان و کشف الضرر و اعانة الضعیف افضل من مائة حجة بعد حجة الاسلام" (احیاء العلوم' ج 3 ص 397) (ترجمہ) کیونکہ مسلمان کے دل کو خوش کرنا' بے کس کی امداد' ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا اور کمزور کی اعانت کرنا سو نفلی حج سے افضل ہے (اور اگر تو نے ایسا نہ کیا اور ضرورت مندوں کو چھوڑ کر حج پر چلا گیا' تو تیرا حج مقبول نہ ہوگا' کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے عہد فرمایا ہے کہ وہ صرف متقین کے عمل کو قبول فرمائے گا۔

سوچ تو دل میں لقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟ انجمن ہے پیاسی اور پیمانہ بے صہبا تیرا!!

ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا مسجد کی تعمیر سے بہتر ہے

اسی کتاب میں ایک جگہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ بعض لوگ معاشی بدحالی میں مبتلا لوگوں کو ضروریات میں صرف کرنے کی بجائے مساجد کی تعمیر وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں' حالانکہ ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا مسجد کی تعمیر سے کہیں بہتر اور اہم ہے۔

صَرْفُ الْمَالِ اِلَیْهِمْ اَهَمُّ وَ اَفْضَلُ وَاَوْلٰی مِنَ الصَّرْفِ اِلٰی بِنَاءِ الْمَسَاجِدِ

ضرورت مند مسلمانوں کی ضرورت میں مال خرچ کرنا مساجد کی تعمیر و آرائش پر

وَزِيْنَتِهَا. (احیاء العلوم' ج3' ص396) خرچ کرنے سے زیادہ ضروری اور افضل ہے۔

(معاشیات نظام مصطفیٰ' از حضرت مفتی علامہ غلام سرور قادری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات پر مشتمل ''کتاب انوار قمریہ'' میں حضرت خواجہ صاحب موصوف کا ایک ملفوظ شریف نقل ہے کہ آپ نے ایک دفعہ فرمایا کہ ''فوائد الفواد'' میں ایک روایت آتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں سویا ہوا تھا' دو شخص میرے پاس آ کر کھڑے ہو گئے' ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ اس سال کتنے آدمی حج پر آئے ہیں' دوسرے نے کہا: سات لاکھ آدمی' میرے دل میں خیال آیا! اتنے آدمیوں کا شمار کرنا ناممکن ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ دونوں فرشتے ہیں۔ سوال کرنے والے نے پوچھا: کتنے آدمیوں کا حج منظور ہوا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: کسی کا حج بھی منظور نہیں ہوا' پھر پوچھا: کتنے آدمی بخشے گئے؟ جواب ملا: تمام بخشے گئے۔ سوال کیا: حج کسی کا منظور بھی ہوا یا نہیں؟ فرمایا: صرف ایک شخص کا حج منظور ہوا جو حاضر بھی نہیں ہوا' پھر سوال کیا: یہ لوگ کس کے طفیل بخشے گئے؟ جواب دیا علی ابن طلق کے طفیل۔ سوال کیا: علی ابن طلق کون اور کہاں کے رہنے والے ہیں؟ جواب دیا: دمشق میں فلاں محلہ کے رہنے والے ہیں اور موچیوں کا کام کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں: جب میں جاگا تو ارادہ کیا جس شخص کے طفیل سات لاکھ آدمیوں کی بخشش ہوئی ہے اور اس کا حج بھی گھر بیٹھے منظور ہوا ہے اس شخص کی ضرور زیارت کروں گا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ سے فارغ ہو کر میں دمشق گیا۔ اس شخص کو نام اور مقام کی وجہ سے تلاش کیا نہ ملا لیکن تہیہ کر لیا کہ ضرور زیارت کر کے رہوں گا۔ بہت سے دن وہاں اسی تلاش میں گزارے۔ بالآخر ایک روز پہنچ گیا۔ ایک شخص موچیوں کا کام کر رہا تھا۔ اس کے پاس گیا' نام پوچھا: اس نے علی ابن طلق بتایا' وہیں بیٹھ گیا۔ اس سے کہا: میں آپ کی تلاش میں سرگرداں رہا ہوں اور بڑی مدت کے بعد مجھے آپ کی ملاقات نصیب ہوئی۔

اس سے پوچھا: اس سال آپ حج پر گئے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے جواب نہایت حسرت بھری آواز سے بلکہ آنکھوں سے پانی آنسوؤں کی شکل میں ابھر آیا اور کہا: اس سال حج پر نہیں جا سکا۔ سبب پوچھا تو بتایا کوئی عذر ہے' فرمایا: میں نے اصرار کیا وہی عذر تو پوچھنا ہے۔ جواب

دیا: میں نے حج کی تیاری کی سامان وغیرہ باندھا لیکن میرے گھر میں بچہ پیدا ہونے کا وقت آ گیا' میرے ہاں پہلے بچہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی امید تھی۔ جب اہلیہ کو زیادہ تکلیف ہوئی انہوں نے کہا: اس وقت میرا دل گوشت کھانے کو چاہتا ہے۔ میں نے سوچا بازار سے لانا اور پکانا دیر ہو جائے گی۔ گھر والوں نے بتایا مجھے معلوم ہوتا ہے شاید پڑوسیوں کے ہاں گوشت پکا ہے' میں نے وہاں جا کر پوچھا' انہوں نے بتایا: جی ہاں! گوشت ہم نے پکایا ہے' تھوڑا سا سالن مانگا' انہوں نے انکار کر دیا' میں نے کہا: پورے دنبے کی رقم دیتا ہوں لیکن نہ مانے' بالآخر انہوں نے جواب دے کر کہا کہ تو امیر آدمی ہے ہم نے بھوک کی وجہ سے حرام گوشت پکایا ہے' مسکین اور مضطرب کے لیے تو حرج نہیں۔ ہم نے جب بال بچوں کی اضطرابی (حالت) اور بھوک کی شدت دیکھی تو باہر ایک گدھا مرا پڑا تھا۔ اس سے گوشت کاٹ لائے اور پکا رہے ہیں۔ تیرے لیے تو حرام ہے تجھے کس طرح دیں۔ یہ سن کر مجھے بہت افسوس ہوا' واپس گھر آیا' جتنا سامان حج کا باندھ رکھا تھا تمام اٹھا کر انہیں دے دیا اور معافی بھی مانگی کہ گزشتہ حالات میری بے خبری اور ناواقفیت کے عالم میں ہوئے' آئندہ تمہارا لحاظ پہلے رکھوں گا اور بعد میں میرے بچے کھائیں گے' لہٰذا میں تو اس لیے حج پر حاضر نہ ہو سکا۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے شخص! تجھے مبارک ہو اس سال صرف تیرا حج منظور ہوا اور تیرے طفیل سات لاکھ آدمی (حاجی) بخشے گئے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک کے اس واقعہ پر یہ بھی آپ نے فرمایا کہ حضرت علی ابن طلق نے تو پڑوسی کا لحاظ رکھا اور اپنا حج موقوف کر دیا۔ پڑوسی کے حق کو پہچانا تو اللہ تعالیٰ نے اسے گھر بیٹھے حج کا ثواب دے دیا۔ آج کل ہم لوگ حج پر دوڑے جاتے ہیں حالانکہ پڑوسیوں کے حالات سے واقف ہوتے ہوئے پرواہ نہیں کرتے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. (آل عمران:92)

تم اپنی محبوب اشیاء سے خرچ کیے بغیر ہرگز نیکی نہ پاؤ گے۔

تراشہ نمبر 33

دہلی میں ایک بہت مشہور طوائف رہتی تھی جس کا نام شیریں تھا مگر اس کی ماں بہت بیڈول اور بڑی بدشکل تھی۔ ایک مجلس میں یہ شیریں اپنی ماں کے ساتھ مجرے کے لیے آئی۔

سرسید بھی وہاں پہلے سے موجود تھے اور ان کے برابر ان کے ایک ایرانی دوست بیٹھے ہوئے تھے' وہ شیریں کی ماں کو دیکھ کر کہنے لگے: مادرش بسیار تلخ است' اس پر سرسید نے برجستہ جواب دیا: گرچہ تلخ است ولیکن برشیریں دارد۔ (ماہنامہ بیدار' جنوری' 2004ء)

تراشہ نمبر 34

دعائے نور

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (نماز تہجد اور سجدہ میں) یہ دعا مانگتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًاوَّ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًاوَّعَنْ يَمِيْنِيْ نُوْرًاوَّعَنْ شِمَالِيْ نُوْرًا وَّخَلْفِيْ نُوْرًاوَّفَوْقِيْ نُوْرًاوَّ تَحْتِيْ نُوْرًاوَّاجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا اَوْقَالَ اِجْعَلْنِيْ نُوْرًا (وَفِيْ رِوَايَةٍ) اِعْظِمْ لِيْ نُوْرًا (وَ فِيْ رِوَايَةٍ) اَعْطِنِيْ نُوْرًا. (مسلم شریف)

یا اللہ! میرے دل میں روشنی کردے' میری آنکھوں میں نور کردے' میرے کانوں میں نور کردے' میرے دائیں نور کردے' میرے بائیں نور کردے' میرے سامنے نور کردے' میرے پیچھے نور کردے' میرے لیے نور کردے' میرے لیے عظیم نور کردے' مجھے نور عطا فرمادے۔

(ا) اس سے معلوم ہوا کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عطا فرمائی ہو اس میں ثبات و دوام اور مزید ترقی کے لیے دعا کرتے رہنا چاہیے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم فرمائی۔

(ب) نور سے مراد حسی نور یعنی روشنی اور معنوی نور یعنی علم وہدایت دونوں مراد لیے جاسکتے ہیں اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

(ج) علامہ عسقلانی حدیث نور کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نور کی نسبت ہر عضو کی طرف الگ الگ معنی کے لحاظ سے ہوگی اور اس سے مراد وہی معنی لیا جائے گا جو اس کے مناسب ہو مثلاً کان کا نور یہ ہے کہ اس میں سننے کی قوت کا بھرپور ظہور ہو' آنکھ کا نور یہ ہے کہ اس میں دیکھنے کی قوت پیدا ہو اور ثابت و برقرار رہے اور اس پر قابل دید اشیاء کا انکشاف ہو' اور دل کا نور یہ ہے کہ اس کے لیے معلومات عیاں اور آشکار ہوں اسی طرح دوسرے اعضاء کا نور یہ ہے کہ ان سے فرماں برداری کے کام

سزداور واقع ہوں۔

(د) علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اعضاء کے لیے نور کے ہونے کی دعا کرنے کا معنی یہ ہے: اعضاء عبادت اور معرفت کے انوار و تجلیات سے روشنی پائیں اور ان اعضاء میں معرفت وعبادت کے سوا کچھ نہ ہو کیونکہ شیطان وسوسہ اندازی کے لیے انسان کو چھ جہت سے گھیرا ڈالتا ہے اور چھ جہتوں اور دروں سے انسان کو وساوس میں مبتلا کرنے کے لیے حملہ آور ہوتا ہے تو اس سے حفاظت اور دفاع اس طرح ہوگا کہ ان چھ جہات اور چھ سمتوں میں (یعنی دائیں، بائیں، اوپر، نیچے، آگے اور پیچھے) انوار ہوں جو اس کو روک سکیں، علامہ طیبی نے فرمایا کہ ان انوار سے مراد تین چیزیں ہیں: (1) ہدایت (2) بیان اور (3) حق کی روشنی۔

(شرح مسلم شریف، ج7، حضرت علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ)

تراشہ نمبر 35

پگڑی نہیں فرانس چھوڑ دیں گے، سکھوں کا اعلان

(ا) امرتسر سے سکھوں کا وفد مذاکرات کے لیے فرانس پہنچ گیا، تعلیم ختم کردوں گا پگڑی نہیں، سکھ طالب علم۔ لندن (نیٹ نیوز) فرانس میں سکھوں کی تنظیم کا کہنا ہے کہ حکومت کی جانب سے پگڑی پر پابندی کے سبب وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ واضح رہے کہ صرف پیرس میں تقریباً پانچ ہزار سکھ بستے ہیں، سکھوں کا ایک وفد اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے خاص طور پر امرتسر میں واقع گولڈن ٹیمپل سے (کاش سنہری گوردوارے والوں کی طرح سنہری مسجد والوں کے دل میں بھی اپنے دین سے ایسا سچا لگاؤ پیدا ہوجائے!) مذاکرات کرنے کے لیے فرانس آیا ہے لیکن فرانس کی حکومت اپنے مؤقف پر ڈٹی دکھائی دیتی ہے۔ اس مسئلے کے بارے میں چودہ سالہ وکرم سنگھ کا کہنا تھا کہ اگر تعلیم اور مذہب دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑا تو میرا انتخاب میری مذہبی شناخت، پگڑی ہوگا۔ (روزنامہ جنگ لاہور، یکم ذوالحجہ بمطابق 24 جنوری 2004ء)

(ب) تبصرہ:

خسرواد رعشق بازی کم ہندو زن مباش ۔۔۔ کو برائے مردہ سوزد زندہ جاں خویش را

(ج) عطاء اللہ شاہ بخاری کالج میں تقریر سے فارغ ہوئے تو ایک سٹوڈنٹ کہنے لگا: شاہ جی! کالج میں ڈاڑھی رکھنا بڑا مشکل ہے۔ شاہ جی نے فرمایا: ہاں! اسلامیہ کالج میں مشکل ہے خالصہ کالج میں آسان ہے۔

(د) حضرت میاں شیر محمد شرق پوری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے زمانہ میں مسلمانوں کو سکھوں کی مثال دیا کرتے تھے کہ دیکھو وہ اپنے گھٹیا ترین گرو کا طریقہ چھوڑنے پر تیار نہیں اور تم کائنات کے ہادی اور آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتی ہو کر ان کا طریقہ چھوڑتے ہو۔ تھوڑے دن پہلے بارڈر ایریا (Border Area) میں ایک سکھ نے مسلمانوں سے کہا کہ

ساڈا گُرو کدی ٹالی تے' نئیں چڑھیا تے
تہاڈا نبی عرشاں توں ہو آیا' تے تُسی اوہدے طریقے تے نئیں چلدے

عرشوں سے ہو کر آنے والی ہستی کا ہم طریقہ چھوڑے ہوئے ہیں' جن کی شان یہ ہے:

بعد از خدا بزرگ تو ہی قصہ مختصر

جس کا طریقہ ہی فطرت ہے' دراصل سنت ہی فطرت ہے جو سنت سے ہٹ گیا وہ فطرت سے ہٹ گیا اسی پر قرآن نے کہا: ''اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اضل ''() جو فطرت اور سنت سے ہٹ کر چلتا ہے وہ چوپایوں سے بھی بدتر زندگی گزار رہا ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اپنی زندگیاں گزارنے کی توفیق بخشے۔

(علامہ محمد شہزاد مجددی سیفی' مونچھیں منڈوانے کی تحقیق' ص)

تراشہ نمبر 36

عطاء الحق قاسمی روزن دیوار سے روزنامہ جنگ' لاہور

''پیر سائیں جیکب'' کا جیکب آباد!

غاصب انگریز جنرل جیکب کو جیکب آباد کے کچھ سادہ لوح لوگ ایک روحانی شخصیت سمجھتے ہوئے اس کے مزار پر منتیں مانتے ہیں۔ اپنے قارئین کو جیکب آباد کے حوالے سے ایک بہت دلچسپ بات بتانے والی یہ ہے کہ جنرل جیکب کو جس کے نام پر یہ شہر آباد ہے یہاں پیر کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ اگرچہ انگریزوں کی غاصب فوج کا نمائندہ تھا مگر اس نے اپنے دور اقتدار میں عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کافی کام کئے اور آج ایک زمانہ گزرنے کے باوجود

لوگ نہ صرف یہ کہ اسے یاد کرتے ہیں بلکہ اسے یہاں کے سادہ لوح عوام میں روحانی حیثیت حاصل ہے۔ میں اس کی قبر پر گیا تھا جہاں تازہ پھول پڑے تھے اور منتیں ماننے والے لوگوں نے دیئے جلا رکھے تھے۔ جیکب آباد میں پیر سائیں جیکب کے بارے میں عجیب وغریب روایات مشہور ہیں' مثلاً وہ آج بھی یہاں نظر آتا ہے اور غریبوں کی مشکلیں دور کرتا ہے۔ ثابت ہوا کہ اگر کوئی غاصب بھی عوام کے مسائل حل کرے' عوام سب کچھ بھول کر اس کی پرستش کی حد تک عزت اور احترام کرنے لگتے ہیں' کیا دنیا بھر کے غاصب حضرات اس نکتے پر غور فرمائیں گے؟ختم شد

تبصرہ

طریقت بہ جز خدمت خلق نیست   بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

ہمارے استاذ مکرم علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری فرمایا کرتے تھے کہ اسی طرح یاد رکھیں ہم کہہ سکتے ہیں:

سیاست بہ جز خدمت خلق نیست   بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

تراشہ نمبر 37

روزنامہ جنگ' لاہور

(جمشید چشتی)

کسی بادشاہ کے دربار میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا'' بادشاہ سلامت! میں آپ کو ایک ایسا کرتب دکھانا چاہتا ہوں جس میں مہارت حاصل کرنے کے لیے میں نے بیس سال ریاضت کی ہے' میرا دعویٰ ہے کہ آپ وہ کرتب دیکھ کر بہت محظوظ ہوں گے اور مجھے انعام سے نوازیں گے۔ بادشاہ نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے اسے مظاہرہ کرنے کی اجازت دی۔ اس شخص نے ایک چھڑی کے سرے پر ایک سوئی لگا کر چھڑی کو یوں کھڑا کیا کہ وہ ہل نہ سکے اور خود اس نے دس فٹ کی دوری سے سوئی نشانہ لے کر یوں پھینکی کہ وہ چھڑی والی سوئی کے نکے سے باہر نکل گئی۔ دربار تالیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ بادشاہ کے منہ سے بھی بے ساختہ آفرین نکلا۔ بادشاہ نے یہ سوچ کر کہ شاید یہ اتفاق ہو' اس شخص کو دوبارہ یہ کرتب دکھانے کی فرمائش کی' حتیٰ

کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہ مظاہرہ کیا اور ہر بار نشانہ ایسا درست لگا کہ بادشاہ بے حد خوش ہوا۔ بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ اس شخص کو ایک ہزار اشرفی انعام میں دی جائے اور ساتھ ہی سو درے بھی لگائے جائیں۔ وہ شخص بڑا حیران ہوا اور بولا: بادشاہ سلامت! ہزار اشرفی کا انعام تو سمجھ میں آتا ہے لیکن یہ سو درے؟ بادشاہ نے کہا: ہزار اشرفی تمہاری اس بیس سالہ ریاضت کا انعام ہے جو تم نے مہارت حاصل کرنے کے لیے کی اور سو درے اس حماقت پر کہ بیس سال تم نے کس فضول کام میں ضائع کیے۔

تبصرہ: اللہ تعالیٰ علم نافع حاصل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

تراشہ نمبر 38

شتر مرغ

دلچسپ معلومات

صدیوں سے جنوبی افریقہ کے جنگلوں میں رہنے والے دنیا کے سب سے بڑے پرندے شتر مرغ کی فارمنگ لائیو سٹاک انڈسٹری کے میدان میں سب سے زیادہ آمدنی والی فارمنگ ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا پرندہ 20 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔ اس کا قد نو فٹ اور گوشت کی قیمت چار ڈالر فی کلو ہے جو شوگر اور دل کے مریضوں کے لیے مفید گوشت ہے۔ عالمی منڈی میں اس کے چمڑے، گوشت، پروں، تیل، چوزوں اور انڈوں کی ضرورت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ پرندہ گرم علاقوں کا رہنے والا ہے۔ نو فٹ کا قد اور ایک سو ساٹھ کلو گرام وزن کا ہوتا ہے۔ اوسط عمر ساٹھ سے ستر سال اور اس کی مادہ 42 سال تک انڈے دیتی ہے۔ ایک سال میں زیادہ سے زیادہ انڈے 120 دیتا ہے جس میں ستر اسی انڈے چوزے کے لیے کار آمد ہوتے ہیں۔ ایک انڈا ڈیڑھ کلو کا ہوتا ہے۔ ایک انڈے کی قیمت 2500 روپے ہوتی ہے۔ ناکارہ انڈے بھی ڈیکوریشن پیس کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی کھال دنیا بھر میں عمدہ ترین چمڑہ تیار کرتی ہے، جس کا آج کل ریٹ سترہ ڈالر فی مربع فٹ ہوتا ہے۔ ایک جوان شتر مرغ سے اوسطاً چودہ مربع فٹ کھال حاصل ہوتی ہے۔ گوشت سرخ رنگ کا لذیذ اور انتہائی مفید مانا گیا ہے۔ عام گوشت کے مقابلے میں کولیسٹرول نہ ہونے کے

برابر ہے۔دل کے مریضوں اور شوگر کے مریضوں کے لیے اس کا گوشت فائدہ مند ہے۔شتر مرغ اٹھارہ ماہ میں جوان ہوتا ہے۔انڈے سے چوزے نکالنے کا وقفہ بیالیس دن کا ہے۔ایک جوان شتر مرغ سے دو کلو پر سالانہ اتارے جاتے ہیں۔پر انتہائی خوبصورت ہوتے ہیں جو کہ فیشن میں استعمال ہوتے ہیں۔پروں کی قیمت پندرہ سو روپے کلو کے حساب سے ہے۔شتر مرغ کی کھال سے قیمتی پرس' جوتے' جیکٹس' اور بیلٹس تیار کیے جاتے ہیں۔شتر مرغ کی چربی سے نکالا گیا تیل قیمتی کاسمیٹکس کی تیاری میں استعمال ہوتا ہے۔اس کے فضلہ سے ناکارہ زمین بھی زرخیز ہو جاتی ہے۔(مرسلہ ناعمہ عروج)(بشکریہ بیدار ڈائجسٹ' جنوری 2004ء)

تراشہ نمبر 39

جسم اور عقل

جارج برنارڈ شا اپنی ذہانت اور اپنی شکل کے معاملہ میں متضاد شخصیت رکھتے تھے (یعنی نہایت بدصورت تھے مگر بلا کے ذہین)' کسی خوبصورت عورت نے انہیں تجویز دی کہ آپ اگر مجھ سے شادی کرلیں تو ہمارا جو بچہ ہوگا وہ آپ کی ذہانت اور میری شکل وصورت لے کر آیا تو دنیا میں یکتا ہوگا۔

لیکن جارج برنارڈ شا نے جو سدا بہار کنوارے تھے اس خاتون کو جواب دیا کہ لیکن اگر وہ میری صورت اور تمہاری عقل لے کر آیا تو پھر؟

برنارڈ شا واقعی ذہین تھے اور خود احتسابی میں اپنی مثال آپ تھے' اور انہوں نے قدرت کے توازن کو سمجھ لیا تھا اور اس پر قانع ہو کر زندگی بسر کرتے تھے۔

(بشکریہ: نوائے وقت لاہور' یکم فروری 2004' کالم محمد بدر منیر)

تراشہ نمبر 40

آپ کے رسول سچے!

"اَلنَّهْیُ عَنِ الْبَوْلِ فِی الْجُحْرِ"

سوراخ میں پیشاب کرنے کی ممانعت

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی قدس سرہ العزیز (202ھ تا 275ھ/717ء تا

789ء) روایت کرتے ہیں:

عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی اَنْ یُّبَالَ فِی الْجُحْرِ قَالَ قَالُوْا لِقَتَادَةَ مَایَكْرَهُ مِنَ الْبَوْلِ فِی الْجُحْرِ قَالَ كَانَ یُقَالُ اَنَّهَا مَسَاكِنُ الْجِنِّ. (ابوداؤد'نسائی)

قتادہ نے حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سوراخ میں پیشاب سے منع فرمایا۔ معاذ بن ہشام کا بیان ہے کہ قتادہ سے پوچھا گیا کہ سوراخ میں پیشاب کرنا کیوں مکروہ ہے؟ فرمایا: وہ جنات کے رہنے کی جگہ ہے۔

سوراخ میں پیشاب کرنا کئی وجہ سے مناسب نہیں' ممکن ہے کہ اس میں کیڑے مکوڑے رہتے ہوں تو پیشاب سے انہیں ضرر پہنچے یا کسی سانپ' بچھو' وغیرہ موذی جانور کا مسکن ہو اور پیشاب کرنے والے کو ضرر پہنچائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی سوراخ کے اندر جنات رہتے ہوں اور سانپ وغیرہ کی شکل میں اس کے اندر رہائش پذیر ہوں' اگر اس سوراخ میں پیشاب کیا گیا تو ان کی جانب سے انتقامی کاروائی کا خطرہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(اختر شاہجہانپوری رحمۃ اللہ علیہ)

جون 1994ء روزنامہ نوائے وقت میں بزرگ صحافی جناب شریف فاروق صاحب (پشاور) لکھتے ہیں:

مجھے آغا شورش کاشمیری مرحوم کا ایک واقعہ یاد آیا۔ جن دنوں لاہور کی شادمان کالونی ابھی تعمیر نہیں ہوئی تھی یعنی قیام پاکستان سے قبل اور یہاں سنٹرل جیل ہوا کرتی تھی یہ عملاً سارا علاقہ سنٹرل جیل ہی کی صورت میں ہوتا تھا۔ اس جیل میں برطانوی سامراج کے ستائے محبان ومجاہدین آزادی قید ہوتے تھے۔ ان میں کانگریسی' احراری' جمیعت علمائے ہند' کمیونسٹ' سوشلسٹ اور عدم تشدد کے مخالف دہشت پسند بھی موجود ہوتے تھے' سوشلسٹ اور کمیونسٹ تو بالعموم دہریے ہی ہوتے تھے لیکن جیل کے اندر تخصیص من وتو کا خاتمہ ہوجاتا ہے اس لیے کمیونسٹ یا غیر کمیونسٹ دہریے یا خدا پرست بقائے باہمی کے سنہرے اصول پر عمل کرتے ہوئے اکٹھے کھاتے پیتے' کھیلتے' مطالعہ کی کلاسیں بھی منعقد ہوتیں' بعض علماء قرآن کا درس

دیتے اور سوشلسٹ کمیونسٹ انہیں انگریزی پڑھاتے' بعض مسلمان ہندی سیکھتے اور بعض غیر مسلمان قرآن کریم کا درس لیتے۔

آغا شورش کاشمیری مرحوم سوشلسٹ لیڈر تلک راج چڈھا سے کارل مارکس کی تھیوری کا سھنگا (درس) لیا کرتے تھے۔ تلک راج چڈھا نہایت وضع دار اور درویش صفت انسان اور کمیونسٹوں کے دشمن تھے۔ یہی وجہ اشتراک شورش مرحوم اور تلک راج چڈھا کے درمیان تعلقات کا باعث بنی لیکن قید قید ہوتی ہے اس لیے اس مجلس میں کمیونسٹ بھی شریک ہوتے تھے۔ بہ قول شورش کاشمیری مرحوم: ایک روز وہ اپنے قیدی ساتھیوں کو احادیث رسول ﷺ سنا رہے تھے' ان میں ایک حدیث تھی کہ سوراخ میں پیشاب نہیں کرنا چاہیے۔

اس حدیث کا ان کامریڈ نے مذاق اڑایا کہ واہ تمہارے رسول بھی کیسی کیسی باتیں کرتے تھے۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ سنٹرل جیل کے کھلے میدان میں گرمیوں میں فٹ بال کی گیم بھی ہوا کرتی تھی۔ یہی کامریڈ ایک روز کھیلتے کھیلتے پسینے سے شرابور ہوگیا' اس پر ساتھ ہی پیشاب نے زور مارا۔ بے خبری کے عالم میں یا جان بوجھ کر کامریڈ نے پیشاب کی دھار اس سوراخ میں ماری جس کے نیچے بچھو تھا۔ حضرت بچھو نے آؤ دیکھا نہ تاؤ دیکھا سیدھا۔۔۔ ڈنگ مارا۔ حضرت کامریڈ کی چیخیں نکل گئیں۔ اب یہ حضرت دھاڑیں مار مار کر چیخ رہے ہے اور ساتھ ہی ساتھ نعرہ زن ہیں: آپ کے رسول سچے! آپ کے رسول سچے!

اگر یہ صاحب حضرت رسول اکرم ﷺ کے ارشاد مبارک پر عمل کرتے تو وہ یقیناً اس حادثے سے محفوظ رہتے۔

تراشہ نمبر 41

روزنامہ جنگ' لاہور

بدھ 6 شعبان المعظم 1425ھ ستمبر 2004ء کی اشاعت میں جناب نذیر ناجی صاحب اپنے کالم ''سویرے سویرے'' میں لکھتے ہیں:

مذہبی سیاست دان مسلمانوں کی معاشی آزادی کی تحریک کے آخری مرحلے میں چند نعرے لے کر آئے جن میں سے ایک یہ تھا ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ' اور پھر اقبال

اور قائداعظم کے افکار پر ملائیت چڑھادی۔

اسی کالم کے نیچے رقم ہے:

فرمان قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ

میں ان لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکتا جو دیدہ دانستہ اور شرارت سے یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابل اطلاق ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ میں ایسے لوگوں کو جو بدقسمتی سے گمراہ ہو چکے ہیں' یہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں کو' بلکہ یہاں غیر مسلموں کو بھی کوئی خوف' ڈر نہیں ہونا چاہیے۔ اسلام اور اس کے نظریات نے ہمیں جمہوریت کا سبق دے رکھا ہے۔ ہر شخص سے انصاف' رواداری اور مساوی برتاؤ اسلام کا بنیادی اصول ہے' پھر کسی کو ایسی جمہوریت' مساوات اور آزادی سے خوف کیوں لاحق ہو جو انصاف' رواداری اور مساوی برتاؤ کے بلندترین معیار پر قائم کی گئی ہو۔ ان کو کہہ لینے دیجئے ہم دستور پاکستان بنائیں گے اور دنیا کو دکھائیں گے کہ یہ رہا ایک اعلیٰ آئینی نمونہ!

(بار ایسوسی ایشن کراچی 25 جنوری 1948ء)

تراشہ نمبر 42

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

حقیقت یہ ہے کہ اہل اللہ کی پند و نصیحت میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ ان کی زبان سے نکلے ہوئے چند کلمات وہ اثر کرتے ہیں جو دوسروں کی طولانی تقاریر اور تفصیلی تحاریر بھی نہیں کرتیں اور کیوں نہ ہو؟ یہ حضرات طبیب روحانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ مخصوص بصیرت سے لوگوں کی طبیعتوں کو پہچان لیتے ہیں اور انہی کے موافق ہدایت و اصلاح کا معاملہ فرماتے ہیں اور جب دوا مزاج کے موافق دی جاتی ہے تو اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

نیز خیرخواہی کا جذبہء صادق اور دردِ دل بھی ان کے کلام میں شامل ہوتا ہے۔ کسی کا قول ہے:

اَلْكَلِمَةُ اِذَا خَرَجَتْ مِنَ الْقَلْبِ — بات جب دل سے نکلتی ہے تو دل کو لگتی

دَخَلَتْ فِي الْقَلْبِ وَاِذَا خَرَجَتْ مِنَ الِلّسَانِ لَمْ تَتَجَاوَزِ الْاٰذَانَ۔ ہے اور جب حلق اور زبان سے خارج ہوتی ہے تو کانوں سے ٹکرا کر واپس لوٹ آتی ہے۔

حکیم بوعلی سینا ایک مرتبہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت اسم ذات شریف کے فوائد اور تاثیر بیان فرما رہے تھے۔ حکیم کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ صرف الف' لام' اور ہا (اللہ) کہہ دینے میں اتنی خاصیتیں ہوں کہ بیمار اچھا ہو جائے' یا مشکل حل ہو جائے' یا کسی دوسری بات کا ظہور ہو جائے۔ اس نے اپنا شبہہ حضرت پر ظاہر کیا۔ آپ سمجھتے تھے کہ حکیم ظاہر بین ہے' اسباب وعلل پر اس کی نظر ہے اور آپ اس کی اصلاح بھی چاہتے تھے اس لیے آپ نے حکیم سے فرمایا: اے خرتو چہ دانی؟ یعنی اے گدھے! تو کیا جانے؟ اپنے لیے لفظ خر سن کر حکیم پر تو اتنا اثر ہوا کہ وہ سر سے پیر تک عرق آلود ہو گیا۔ حضرت نے جب یہ کیفیت ملاحظہ فرمائی تو فرمایا:

اے حکیم! میں نے تم کو نہ مارا اور نہ کوئی دوا دی۔ میں نے تم کو خر کہہ دیا جو صرف ''خ'' اور ''ر'' ہے۔ اس کے سننے سے تم پسینہ پسینہ ہو گئے۔ رنگت زرد پڑ گئی۔ حالانکہ یہ معمولی حیوان کا نام ہے' پھر اس ذات پاک کے نام مبارک میں جو بھی تاثیر ہو کم ہے جو سارے جہاں کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہ سن کر حکیم کو ہوش آیا۔ غفلت کے پردے ہٹے اور وہ آپ کی ولایت اور دانش کا معترف ہوا۔ (بزم خیر از زید' مصنفہ مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقی مجددی دہلوی' ص 140' بحوالہ معارف رضا شمارہ 142524ھ/2004ء)

تراشہ نمبر 43

برصغیر میں عید کارڈ کا آغاز کب' کیسے اور کیوں ہوا؟

رمضان المبارک کے آغاز سے پورے برصغیر میں عید کارڈ کی وبا تیزی سے پھیل جاتی ہے۔ یہ قبیح رسم انگریز کے دور غلامی کی یادگار ہے۔ آج یہ رسم فرنگی اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ شاید ہی کوئی مسلمان گھرانہ اس سے محفوظ و مامون ہوگا۔ اسے رسم فرنگی اس لیے کہا ہے کہ اس کا ثبوت نہ تو قرآن وحدیث میں ملتا ہے نہ فقہ میں' یہاں تک کہ اسلامی تاریخ بھی اس کے تذکرہ

سے خالی ہے۔ انگریز نے یہ رسم کس طرح شروع کی؟ اس کے بنیادی کردار کا اعتراف جرم ملاحظہ فرمائیں:

کراچی کے شام کے اخبار روزنامہ ''نئی روشنی'' کے مالک و مدیر گلزار باغ چوہدری المعروف جی اے چوہدری کے والد احمد بخش چوہدری فرماتے ہیں: مجھے اعتراف ہے کہ ایک دور تھا جب میں کسی مجبوری کے تحت حکومت برطانیہ کا آلہ کار تھا' میں برصغیر میں انگریزوں کے مفادات کے لیے مختلف امور سرانجام دیتا تھا جس کے عوض مجھے معاشی سہولتوں کے علاوہ بہت سی مراعات بھی حاصل تھیں' جیسے ہی پہلی جنگ عظیم ختم ہوئی مجھے محکمہ داخلہ کے انگریز سیکرٹری نے عید کارڈ دکھائے جو کہ بطور خاص برصغیر کے لیے انگلینڈ سے طبع ہو کر آئے تھے۔ ان پر خانہ کعبہ' مسجد نبوی' کلمہ طیبہ اور براق وغیرہ کی خوبصورت رنگین تصویریں تھیں۔ مجھے کہا گیا کہ یہ تمام عید کارڈ مفت دیئے جائیں گے لیکن مجھے یہ فی عید کارڈ ایک دھیلے میں فروخت کرنا ہوگا۔ بعد از فروخت حکومت برطانیہ مجھے ہر فروخت شدہ عید کارڈ کے عوض ایک ٹکا (دو پیسے) دے گی بشرطیکہ 5 ہزار عید کارڈ فروخت کروں۔ مزید برآں مجھے سختی سے تنبیہ کی گئی کہ کسی کو بھی عید کارڈ بلا قیمت نہ دوں ورنہ میرے حق میں یہ بہتر نہ ہوگا۔

مجھے تو بلا کرایہ پورے ملک میں بذریعہ ٹرین سفر کی سہولت حاصل تھی۔ میں نے تین اور افراد کے لیے بھی یہ سہولت حاصل کر لی۔ رمضان المبارک کے دوران میں اور میرے یہ تینوں ساتھی دہلی سے کلکتہ تک سفر کے لیے نکل گئے اور ہر بڑے سٹیشن پر اتر کر کتابوں اور سٹیشنریوں کی دکان پر جا کر عید کارڈوں کی فروخت کی اور ایک ماہ سے کم عرصے میں پانچ ہزار سے کچھ زائد کارڈ فروخت کر دیئے جس کا گوشوارہ محکمہ داخلہ کو دے کر واجبات وصول کر لیے۔

عید الاضحیٰ کی آمد سے ایک ماہ قبل پھر ہم مہم پر نکلے۔ اس مرتبہ ہم نے کراچی سے راس کماری تک عید کارڈ فروخت کئے۔ اگلے برس محکمہ داخلہ نے بیس ہزار کارڈ دیئے' اس مرتبہ مذہبی تصاویر کے ساتھ ایسے کارڈ بھی دیئے گئے جن پر خوبصورت بچوں' پھلوں اور پھولوں کی تصویریں تھیں۔ ان بچوں کو عربی لباس پہنائے گئے تھے اگرچہ ان کی شکل وصورت انگریز بچوں جیسی تھی۔ یہ بھی با آسانی فروخت ہو گئے۔

تیسرے برس جو کارڈ ملے ان میں ان بچوں بچیوں کے لباس مختصر کر دیئے گئے اور لباس

جدید فیشن کے مطابق کر دیئے گئے۔ چوتھے برس ہم نے پچاس ہزار سے زائد کارڈ فروخت کیئے۔ یوں ہم نے اچھی خاصی دولت کمائی۔ جب ہم حساب کرنے گئے تو سیکرٹری صاحب نے رقم ادا کرنے کے بعد کہا: آئندہ ہمیں کوئی کارڈ نہیں ملے گا۔ اگر ہم چاہیں تو اپنی گرہ سے کارڈ پرنٹ کرا سکتے ہیں۔ اگلے سال رمضان المبارک سے قبل ہی پورے برصغیر کے کتب فروشوں کے خطوط اور آرڈر موصول ہوئے جن کی تعمیل کے لیے ہم نے مختلف چھاپہ خانوں سے رجوع کر کے کارڈ چھپوانا شروع کر دیئے' اگرچہ ان کی طباعت انگلستان کے معیار کی نہ تھی تاہم پھر بھی خاصی تعداد میں نکاسی ہوگئی۔ اس کے بعد برسوں میں بے شمار چھاپہ خانوں نے عید کارڈ کی طباعت شروع کر دی اور یوں یہ وبا سارے ملک میں پھیل گئی۔

چوہدری صاحب نے ایک سرد آہ بھر کر کہا: مجھے کافی عرصہ کے بعد احساس ہوا کہ سرکار برطانیہ نے ایک بے حد مذموم مقصد کے لیے مجھے آلہ کار بنایا۔ میں نادم ہوں کہ میں نے ایک بری رسم کا آغاز کیا جو سراسر اسراف بے جا ہے اور آج عید کارڈوں کی وجہ سے کروڑوں مسلمان کئی کروڑ روپے اس قبیح رسم پر ضائع کر دیتے ہیں اور آج بھی میں دیکھتا ہوں کہ عید کارڈوں پر نیم عریاں تصاویر شائع ہو رہی ہیں تو میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں کہ اس فحاشی کا آغاز میرے ہاتھوں ہوا۔ میں نے سرکار برطانیہ کے لیے بڑے بڑے کام کیے لیکن اس سے بڑا اور قوم دشمن کام نہیں کیا جو گناہ پر مبنی ہے۔ آپ سب میری بخشش کے لیے دعا کریں اور یہ بھی کوشش کریں کہ زندگی کے کسی بھی مرحلے پر میری طرح ملت فروشی کے فعل قبیح میں ملوث نہ ہوں۔

یہ تمام واقعہ چوہدری صاحب نے اپنے بیٹے کے روزنامہ ''نئی روشنی'' کے تمام اسٹاف کو 1962ء کے اواخر میں اس وقت سنایا جبکہ اسٹاف نے ان کے اعزاز میں ٹی پارٹی کا اہتمام کیا تھا۔ اس تمام واقعہ کو حارث غازی صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر روزنامہ ''نئی روشنی'' نے قلمبند کیا اور آخر میں لکھا کہ میں نے یہ واقعہ سننے کے بعد 1962ء کے بعد کسی کو بھی عید کارڈ نہیں بھیجا۔

قارئین کرام!

غور کرنے کا مقام ہے کہ جس انگریز کو ہمارے اکابر نے بڑی قربانیوں کے بعد برصغیر سے نکالا' ہم آج تک اس کی رسوم اور سازشوں کو اپنے دل و دماغ اور اعمال سے نہ نکال سکے۔

انگریز کی ذہنیت ملاحظہ کیجیے کہ اس نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے پانچ سالہ منصوبہ بنایا جس کی تکمیل ہم نے صرف چار سال میں کر دی۔

اب ذرا دین اسلام کی رو سے اور عقل کو استعمال کر کے دیکھیں کہ اس رسم سے مسلمانوں کا کتنا نقصان ہے؟ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''قیامت میں آدمی کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے جب تک چار سوال نہ کر لیے جائیں:

(1) عمر کس مشغلہ میں ختم کی؟

(2) جوانی کس کام میں خرچ کی؟

(3) مال کس طرح کمایا تھا اور کس کس مصرف میں خرچ کیا تھا؟

(4) اپنے علم پر کتنا عمل کیا تھا؟

اس حدیث پاک کی روشنی میں اگر ہم جائزہ لیں تو جو کچھ ہم کماتے ہیں اس کے مالک ہم نہیں بلکہ وہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور آخرت میں وہ ہم سے اس کے خرچ کا حساب لے گا۔ اگر ہم نے اس کی امانت اس کے احکام کے مطابق خرچ کی ہوگی تو ہم امین ہوں گے۔ اسلام میں فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے' عام طور پر ایک کارڈ کو اندرون ملک خرید کر بھیجنے میں کم از کم 15 روپے خرچ ہو جاتے ہیں پھر جسے عید کارڈ بھیجا جائے وہ بھی عید کارڈ بھیجنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس طرح طرفین کے 30 روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ یہ کم قیمت والے عید کارڈ کا تخمینہ ہے ورنہ آج کل کافی قیمتی عید کارڈ بھی مارکیٹ میں موجود ہیں اور اگر یہ عید کارڈ بیرون ملک بھیجا جائے تو ڈاک خرچ بھی بڑھ جاتا ہے اور اسی پر بس نہیں گھر کا ہر فرد کئی کئی کارڈ بھیجتا ہے اور اس تمام خرچ سے طرفین کو نہ دین کا فائدہ ہوتا ہے نہ دنیا کا۔

عید کارڈ کی نسبت اور مشابہت عیسائیوں کی عید کرسمس اور نئے سال کی خوشی میں بھیجے گئے کرسمس کارڈ اور ہیپی نیو ائیر کارڈ کے ساتھ ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد کے مفہوم کے مطابق جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا حشر اسی قوم کے ساتھ ہوگا اور اس کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دوسری قوموں سے مشابہت ہونے سے بچانے کے لیے مسلمانوں کو نیک اعمال میں بھی تبدیلی کا حکم دیا۔ مثلاً عاشورہ پر دس محرم کے روزے کے ساتھ نویں یا گیارھویں محرم کا روزہ ملانے کا حکم دیا' ٹوپی کے ساتھ پگڑی باندھنے کا

حکم دیا' خالی پگڑی باندھنے سے منع فرمایا کیونکہ ان اعمال میں دوسری قوموں کے ساتھ مشابہت بنتی تھی۔

عید کارڈ پر اتنا اسراف کرنے والے گھرانے کو جب صدقۂ فطر (جو کہ واجب ہے) کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو وہ کم سے کم نصاب کے ذریعے ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کہیں زیادہ نہ چلا جائے حالانکہ صاحب حیثیت کو چاہیے کہ کھجور کا نصاب اپنائے اور کھجور اس وقت تقریباً 48 روپے کلو ہوگی اور یہ دینے کی بات تو ان کے لیے ہے جو صدقہ فطر دیتے ہیں' جو سرے سے دیتے ہی نہیں ان کا تو ذکر ہی نہیں۔

ہم مسلمان ہیں' ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہمارے تمام اعمال سو فیصد اللہ تعالیٰ کے احکام اور نبی کریم ﷺ کے طریقہ کے مطابق ہیں کہ نہیں' اگر ایسا نہیں ہے تو ہمیں محنت اور کوشش کرکے چوبیس گھنٹے کی زندگی دین اسلام کے مطابق کرنی چاہیے اسی میں ہماری دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔

عید ایک خالص مذہبی تہوار ہے۔ عیدوں کو خالص اسلامی طریقے سے سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق ہی منانا چاہیے۔ اس میں نہ تو اغیار کی نقل کی جائے نہ ہی فضول خرچی والے کام کئے جائیں۔ ایک حدیث پاک کے مفہوم کے مطابق آپس میں تحائف دینے سے محبت بڑھتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ عید کارڈ کے خرچ کے مطابق دینی کتب دوسروں کو تحفہ میں دیں۔ اس رقم سے کسی غریب کو عید کی خوشیاں مہیا کردیں۔ اس طرح آخرت میں بھی بھلا ہوگا اور کسی غریب' مستحق کی مدد کرکے آپ اپنے دل میں بھی سچی خوشی محسوس کریں گے اور انگریز کے آلہ کا ربننے سے بچ جائیں گے۔ عید پر رشتہ داروں و احباب کو خط لکھیں' اس سے تمام گھر والوں کی خیریت معلوم ہو جائے گی' سلام اور دعا سے نیکیاں بھی ملیں گی۔

(ضرب مومن' ڈاکٹر زاہد الحق قریشی)

تراشہ نمبر 44

کرنے کا کام

مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں اپنے رفقاء سے بسا اوقات اس قسم کی باتیں سنتا ہوں کہ ہمارے لیے کرنے کا کام کیا ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ کیا اپنی تمام کمزوریوں کو آپ دور کرچکے

ہیں' اور اپنے نفس کو کامل طریقے پر اللہ کا بندہ بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں؟ کیا اپنی زندگی کو جاہلیت کے ہر شائبے سے آپ پاک کر چکے ہیں؟ کیا ان تمام حقوق کی ادائیگی سے بھی آپ فارغ ہو چکے ہیں' جو اللہ اور اس کے دین کی طرف سے آپ کے دماغ پر' آپ کے دل پر' آپ کے اعضاء و جوارح پر' آپ کی ذہنی و جسمانی قوتوں پر اور آپ کے مملوکہ اموال پر عائد ہوتے ہیں؟ اور کیا آپ کے گرد و پیش کوئی انسان بھی خدا سے غافل یا گمراہ یا دین حق سے ناواقف یا اخلاقی پستیوں میں گرا ہوا نہیں رہا ہے' جس کی اصلاح کا فرض آپ پر عائد ہوتا ہو؟ اگر ایسا نہیں ہے تو آپ کے اندر یہ تخیل آ کہاں سے گیا کہ آپ کے لیے کرنے کا کوئی کام نہیں رہا ہے اور اب آپ کو کچھ اور کام بتایا جائے' جس میں آپ مشغول ہوں۔ یہ سارے کام تو اَن ہوئے پڑے ہیں جو آپ سے ہر وقت کا شدید انہاک چاہتے ہیں' اور اگر آپ ان کو اس طرح انجام دینا چاہیں جیسا کہ ان کا حق ہے تو آپ کو ایک لمحے کے لیے دم لینے کی فرصت بھی نہیں مل سکتی۔(ترجمان القرآن' جلد:23' عدد 5' 6' ذوالقعدہ' ذوالحجہ 1362' نومبر' دسمبر 1943' ص 10)

(سید ابوالاعلیٰ مودودی)

تراشہ نمبر 45

شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک دفعہ ایک غیر مقلد کی ملاقات ہوئی۔ تقلید کے موضوع پر بات چیت ہونے لگی تو آپ نے اس سے فرمایا: تم نے بذات خود قرآن و حدیث کی روشنی میں قراءت خلف الامام' آمین بالجہر' اور رفع یدین' یا آٹھ رکعات تراویح وغیرہ کے متعلق جو رائے قائم کی ہے وہ برحق ہے یا نہیں؟ اور ہم پر اس کی پیروی لازم ہے یا نہیں؟ وہ مہر بلب ہو گیا اور بالکل چپ سادھ گیا۔ آپ نے بار بار اپنے سوال کو دہرایا' لیکن ایسے معلوم ہوتا تھا کہ اس کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ حضرت علامہ ابوالحسنات قادری خطیب مسجد وزیر خان لاہور نے فرمایا: وہ بولے تو کیسے آپ نے اس کی شہ رگ پکڑ لی؟

آپ کا مقصد یہ تھا کہ تم نے جو کچھ سمجھا ہے اگر وہ برحق ہے اور اس کی پیروی دوسروں پر لازم نہیں تو پھر اس کی تبلیغ اور اس کی اشاعت کیوں کر رہے ہو اور اگر حق ہے اور ہم پر اس کی اتباع لازم ہے تو گویا تیری تقلید کرنا ہم پر لازم ہوا مگر امام اعظم ابوحنیفہ جیسی عظیم ہستی کی تقلید حرام ٹھہری اور یہی نکتہ اس نے بھانپ لیا تھا اور سمجھ گیا کہ میرے آگے کیسی دلدل آ گئی ہے' لہٰذا

مہر بلب ہو گیا اور ایک انچ بھی آگے چلنے کو تیار نہ ہوا۔

(ماہنامہ ضیائے حرم شیخ الاسلام نمبر ذوالحجہ 1401ھ اکتوبر 1981ء)

تراشہ نمبر 46

ایک مرتبہ قرطبہ کے مشہور عالم علامہ ابن رشد احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اشبیلیہ کے رئیس ابوبکر بن زہر کے درمیان یہ بحث چھڑ گئی کہ قرطبہ بہتر ہے یا اشبیلیہ۔ ابوبکر بن زہر نے اشبیلیہ کی بہت سی خوبیاں بیان کیں تو علامہ ابن رشد نے جواب دیا:

آپ جو خوبیاں بتا رہے ہیں ان کا تو مجھے علم نہیں البتہ اتنا جانتا ہوں کہ جب اشبیلیہ میں کسی عالم کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا کتب خانہ بکنے کے لیے قرطبہ آتا ہے اور جب قرطبہ میں کسی گویے کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا ساز و سامان بکنے کے لیے اشبیلیہ جاتا ہے۔

(نفح الطیب ج 2 ص 11 بحوالہ دنیا مرے آگے از مفتی تقی عثمانی)

تراشہ نمبر 47

دورِ حاضر کا معیار فضیلت

پہلے لوگ انسانوں کو ان کی ذاتی قابلیت اور علم و فن کے حوالوں سے جانتے اور عزت کرتے تھے چاہے وہ غریب اور نادار ہی کیوں نہ ہوں مگر مادہ پرستی کے اس دور نے یہ معیار بدل کر رکھ دیا ہے اب ہر طرف پیسے کی دوڑ ہے۔ ملک کے بڑے بڑے نابغہ روزگار نفوس ناقدری زمانہ کے ہاتھوں تنگ آ کر گوشہ گمنامی میں زندگی کے ایام جوں توں بسر کر رہے ہیں یہ دیکھا گیا ہے کہ معاشرہ اپنے اہل علم و فن کی قدر ان کی حیات میں نہیں کرتا چنانچہ ان کی چشم غیور بہ حسرات تمام سرد مہری زمانہ کا نظارہ کرتی رہتی ہے۔

یوں پھریں اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے اے کمال! افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

مگر جب کوئی صاحب کمال دنیا سے اٹھ جاتا ہے تو معاشرہ کے مفلوج جسم میں کچھ دیر کے لیے ضمیر نام کی خفیف سی لرزش مرحوم کے اعتراف عظمت پر چند کلمات میں تبدیل ہو کر خاموش ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ یہ بڑی قدر ناشناسی ہے اسی لیے صاحبان علم و کمال اور ارباب ہنر و فن ہمیشہ ابنائے زمانہ کی ناقدری کے گلہ مندر ہتے ہیں۔

مگر مقام افسوس ہے کہ انسان کا یہ سلوک صرف اہل کمال تک ہی محدود نہیں' بلکہ وہ اپنے خالق و مالک کا بھی قدر ناشناس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے انسان کی قدر ناشناسی کا ذکر ''مَا قَدَرُوا اللّٰہَ'' کے الفاظ کے ساتھ قرآن مجید میں تین مقامات پر فرمایا ہے۔ (دیکھئے قرآن مجید 6۔91۔74۔39۔76) ''وَ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ'' اور انہوں نے اللہ کی قدر شناسی نہیں کی جس طرح کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے' اور صوفی شاعر سید امجد حیدر آبادی علیہ الرحمہ نے اس کا مفہوم قالب رباعی میں یوں ڈھالا ہے:

دنیا نہیں عیش جاودانی کے لیے مجلس یہ نہیں مرثیہ خوانی کے لیے
جب مَا قَدَرُو اللّٰہ خدا کہتا ہے کیوں روتے ہو اپنی قدردانی کے لیے

بہر حال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ارباب فضل و کمال کے ساتھ ان کی زندگی میں یہ سلوک کیا جاتا ہے' مگر بعد از وفات چند روز کے لیے ان کی تعریف و توصیف میں یہ زبانیں کھل جاتی ہیں کہ اب یہ خلا کیسے پر ہوگا' ایسے صاحب کمال کا وجود غنیمت تھا' اب اور تشنگان علم اس وقت کس کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے' وغیرہ وغیرہ۔

حضرت علامہ اقبال نے اس روش کے پیش نظر فرمایا تھا:

پس از من شعر من خوانند و دریابند و می گویند جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

''میرے مرنے کے بعد دنیا میرے اشعار پڑھے گی' سمجھے گی اور پھر کہے گی: ایک مرد خود آگاہ نے ایک جہاں کو بدل ڈالا''۔

وہ قوم واقعی عجیب ہے کہ زندگی میں تو ارباب علم و فضل اور صاحبان کمال کا قافیہ تنگ کیے رکھتی ہے' مگر جب ارباب علم و فن میں سے کوئی دنیا سے اٹھ جاتا ہے تو محض خانہ پری کے لیے اس کی تعریف میں چند کلمات ارزانی فرما دیتی ہے۔ گویا ہماری قوم قدردانی کے سلسلے میں بجا طور پر اس شعر کی مصداق ہے۔

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہل وطن
یہ الگ بات ہے کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

(احمد ندیم قاسمی)

اے اہل وطن! کیا آپ نے ارباب فضل و کمال اور صاحبان فن کو خراج تحسین پیش

کرنے کے لیے ان کی موت کو ضروری شرط قرار دیا ہے؟

افسوس! کہ اہل وطن کی اکثریت ہوس زر' علم وفن دشمنی اور جہالت میں اس حد تک اپنے نقطہ عروج کو پہنچی ہوئی ہے کہ وہ یہ تو جانتے ہیں کہ ہمارے ملک اور علاقے کے امیر اور صاحب اقتدار کون کون لوگ ہیں اور کہاں کہاں رہتے ہیں' مگر انہوں نے کبھی یہ زحمت اٹھانے کی کوشش نہیں کی کہ ہمارے علاقے یا پڑوس میں کون فقیر' علامہ زمان' صاحب فضل وکمال اپنی زندگی کے ایام گوشہ گمنامی میں خاموشی سے گزار رہا ہے۔ مسلمان قوم کے اس انداز فکر پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ (نام ونسب' ص 292 'سید نصیر الدین نصیر گیلانی' گولڑہ شریف)

تراشہ نمبر 48

خمر (شراب) کی اصلیت

روایت ہے سب سے پہلے ابلیس (شیطان) نے قابیل اور اس کی اولاد کے لیے خمر (شراب) کشید کی تھی اور ان کی خاطر آلات ملاہی بھی (رقص وسرود کے سامان) بنائے تھے اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب انگور کی بیل کاشت کرنے کی داغ بیل ڈالی تو آپ کی لگائی ہوئی اس انگور کی بیل کی جڑوں میں شیطان نے طاؤس (مور) کو لا کر ذبح کیا اور اس کا خون انگور کی بیل کو پلایا اور جب اس بیل کے پتے نکلے تو شیطان نے اس کی جڑوں میں بندر کو لا کر اس کا گلا کاٹا اور انگور کی بیل کو اس کا خون پلایا اور جب اس پر پھل آیا تو شیطان نے وہاں شیر کو لا کر ذبح کیا اور انگور کی بیل شیر کے خون سے سیراب ہوئی اور جب پھل پک گئے تو اس پر خنزیر کو لا کر اس کا گلا کاٹا اور سور کا خون انگور کی بیل نے پیا' اسی وجہ سے شراب پینے والے شخص پر مذکورہ بالا چاروں اوصاف طاری ہوتے ہیں۔

چنانچہ جب کوئی شخص شراب پیتا ہے تو سب سے پہلے اس کے رگ وپے اور انگ انگ میں جب شراب سرایت کرتی ہے تو اس پینے والے پر رنگ وروپ آتا ہے اور وہ مور کی طرح خوبصورت ہو جاتا ہے' پھر جب نشے کے مبادیات اپنا اثر دکھاتے ہیں تو وہ بندر کی طرح اچھل کود اور رقص ولعب کی صفت کا اظہار کرنا شروع کر دیتا ہے اور جب سخت نشہ چڑھتا اور تیز ہوتا ہے تو پھر اس میں شیر کی طرح درندگی کی صفت غالب آتی ہے اور پھر وہ تباہی مچاتا ہے اور لایعنی

کام کرتا ہے اور اس کی بہیمیت کے آگے حلال و حرام کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور پھر آخر میں اس پر اضمحلال طاری ہو جاتا ہے اور وہ خنزیر کی طرح نیند کا خواہش مند ہوتا ہے اور وہ طاقت و قوت اور حیاء سے عاری ہو کر بے سدھ ہو کر سو جاتا ہے اور حتیٰ کہ اپنے ستر ڈھانپنے اور پردے کا خیال بھی نہیں رہتا۔ (عربی مجلّہ ''الکویت'' شمارہ 135' 29 رجب 1415ھ/ یکم جنوری 1995ء اردو ترجمہ: غلام نصیر الدین)

تراشہ نمبر 49

پرانی بیوی اور نئی بیوی کے درمیان مکالمہ

یحییٰ بن عبدالعزیم نے محمد بن عبدالحکیم کے واسطہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے' انہوں نے بیان فرمایا کہ ایک شخص پرانی بیوی پر نئی عورت کو بیاہ لایا' نئی بیوی پرانی بیوی کے گھر کے پاس سے گزرتے ہوئے کہتی ہے:

وَمَا تَسْتَوِی الرِّجْلَانِ رِجْلٌ صَحِیْحَةٌ   وَاُخْرٰی رَمِیٌّ فِیْهَا الزَّمَانُ فَشَلَّتْ

''وہ دو پاؤں جن میں سے ایک صحیح سلامت ہوا اور دوسرا جولنجا اور اپاہج ہو کر سوکھ گیا ہو دونوں برابر نہیں ہو سکتے''۔

اور پھر لوٹ کر آتی اور وہاں سے گزرتے ہوئے کہتی ہے:

وَمَا یَسْتَوِی الثَّوْبَانِ ثَوْبٌ بِهِ الْبَلٰی   وَثَوْبٌ بِاَیْدِی الْبَائِعِیْنَ جَدِیْدٌ

''وہ دو کپڑے جن میں سے ایک پرانا (ہنڈایا ہوا) ہوا اور دوسرا کپڑا فروشوں کے ہاتھوں میں نیا نکور ہو' دونوں برابر نہیں ہوتے''۔

ایک دن قدیم (پرانی) جب جدیدہ (نئی) کے دروازے کے پاس سے گزرتی ہے تو کہتی ہے:

نَقِّلْ فُؤَادَكَ مَا اسْتَطَعْتَ مِنَ الْهَوٰی   مَا الْحُبُّ اِلَّا لِلْحَبِیْبِ الْاَوَّلِ

''تو کوشش کر اور محبت کرنے سے اپنا دل ہٹالے کیونکہ محبت تو صرف پہلے ہی دوست سے ہوتی ہے''۔

کَمْ مَنْزِلٍ فِی الْاَرْضِ یَاْلَفُهُ الْفَتٰی   وَحَنِیْنُهٗ اَبَدًا لِاَوَّلِ مَنْزِلِ

"دنیا میں آدمی کو بہت سارے گھروں سے الفت ہوتی ہے مگر پیار اس کو ہمیشہ پہلا گھر ہی لگتا ہے"۔

تراشہ نمبر 50

عورتوں کی نفسیات

عمرو بن العلاء جو عورتوں کی نفسیات کے اسپیشلسٹ اور ماہر تھے فرماتے ہیں:

فَإِنْ تَسْأَلُوْنِي بِالنِّسَاءِ فَإِنَّنِيْ   بَصِيْرٌ بِدَوَاءِ النِّسَاءِ طَبِيْبٌ

"میں عورتوں کا معالج ہوں اور اس میں مجھے پوری بصیرت اور مہارت ہے اگر تم عورتوں کی نفسیات کے بارے میں مجھ سے سوال کرو تو میں تمہیں بتاؤں گا"۔۔۔کہ

اِذَا شَابَ رَأْسُ الْمَرْءِ أَوْ قَلَّ مَالُهُ   فَلَيْسَ لَهُ فِيْ وُدِّهِنَّ نَصِيْبٌ

"جب آدمی کا سر سفید ہو جاتا ہے یا اس کے پاس پیسہ ناپید ہو جاتا ہے تو ایسے مرد کے لیے عورتوں کی دوستی میں حصہ نہیں ہوتا اور وہ حرماں نصیب ہوتا ہے"۔

(عربی مجلہ "الکویت" العدد:135 'اعداد احسان عبید)

تراشہ نمبر 51

قیام پاکستان کے بعد پہلی سرکاری اور افواج اسلامیہ کی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر

(نواب مشتاق احمد خان)

نواب صاحب 1903ء کو دھوگڑی جالندھر (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے اور حال ہی میں 22 فروری 2005ء میں ان کا انتقال ہوا۔ نواب صاحب اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

میں 23 دسمبر 1903ء کو جالندھر مشرقی پنجاب میں پیدا ہوا لیکن میری ابتدائی تعلیم الٰہ آباد میں ہوئی کیونکہ میرے والد بحیثیت اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ جنرل وہیں تعینات تھے۔ ابتدائی تعلیم سے قبل میری رسم بسم اللہ کی تقریب منعقد ہوئی۔ اس زمانے میں زندگی کے ہر اہم کام کا آغاز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے کیا جاتا تھا اور پڑھنے لکھنے کے کام

کی ابتداء تو ''اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّـذِیْ خَلَقَ'' ہی سے ہوتی تھی۔ میری خوش نصیبی تھی کہ اس مبارک تقریب کے لیے حضرت قاضی سلطان محمود قدس سرہ خلیفہ حضرت اخوند صاحب تشریف لائے تھے اور ہمارے خاندان کی مسرتوں کو دوبالا کیا۔ مجھے یقین ہے کہ علم کی خوشہ چینی میں جو تھوڑی بہت کامیابی مجھے حاصل ہوئی وہ حضرت قاضی صاحب کی دعاؤں کی برکت ہے۔ ایک بات اور بتا تا چلوں کہ یہ تقریب جالندھر میں ہوئی تھی۔

بہرطور الہ آباد میں میری تعلیم کا آغاز ہوا' اس مقصد کے لیے میرے والد نے ایک ماسٹر صاحب مقرر کیے۔ وہ ایک نوجوان اور خوبصورت آدمی تھے۔ انہوں نے مجھے نماز' قرآن اور مروجہ کورس کی کتابیں پڑھائیں۔ چھٹی جماعت تک گھر میں ہی پڑھا۔ یہ استاد صرف پڑھاتے ہی نہیں بلکہ تربیت بھی کرتے تھے۔ چھٹی سے آٹھویں جماعت تک حیدرآباد سکول میں پڑھا' پھر نویں میں علی گڑھ کالج اسکول میں داخلہ لے لیا۔ دسویں کے بعد علی گڑھ کالج سے ایف۔اے کیا' یہ سن تھا 1922ء۔ اگلے برس میں کیمبرج یونیورسٹی چلا گیا۔ میرے مضامین معاشیات اور بین الاقوامی قانون تھے۔ (آپ بیتی نمبر اردو ڈائجسٹ' اپریل 2000ء)

ڈاکٹر عابد نظامی صاحب لکھتے ہیں:

انہوں نے علی گڑھ کالج میں تعلیم پائی' پھر وہ انگلستان چلے گئے جہاں انہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ کیمبرج میں ان کے ساتھیوں میں متحدہ پاک و ہند کے یہ اصحاب شامل تھے:

جسٹس کارنیلیس (جو پاکستان بننے کے بعد سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بنے)' میاں امین الدین (سابق گورنر سندھ اور پنجاب) ابوالحسن اصفہانی (سابق سفیر) جے۔اے رحیم (سابق سیکرٹری تعلیم)' ڈاکٹر نذیر احمد (سابق چیئر مین اٹامک انرجی کمیشن)' ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم (مدیر ثقافت اسلامیہ' پاکستان) مسٹر اکرام اللہ (سابق سیکرٹری وزارت خارجہ)' فخر الدین علی احمد (سابق صدر بھارت)۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے حیدرآباد دکن میں اپنی ملازمت کا آغاز کیا۔ 1946ء میں جب حضرت قائداعظم علیہ الرحمہ حیدرآباد دکن تشریف لائے تو وہ تحریک پاکستان کے سلسلے میں ان کی تقریروں سے بہت متاثر ہوئے' انہوں نے اپنے آپ کو اس تحریک کے لیے وقف کر دیا۔ تحریک پاکستان کے سلسلے میں ان کی نمایاں خدمات پر 14 اگست

1992ء کو انہیں تحریک پاکستان گولڈ میڈل سے نوازا گیا۔ (آپ پاکستان میں ریاست حیدر آباد دکن کے پہلے اور آخری سفیر تھے)۔

نواب صاحب ہر سال اپنی کوٹھی (واقع 108 ڈی ماڈل ٹاؤن' لاہور) میں 12 ربیع الاول کے مبارک موقع پر بڑے تزک و احتشام سے محفل میلاد منعقد کرتے تھے' طبیعت اور عقیدہ کی یہ ہم آہنگی گہری دوستی کا باعث بنی' اس دوستی کا میں نے یہ فائدہ اٹھایا کہ ایسے عام مشاہیر پر نواب صاحب سے مضامین لکھوا کر شائع کیے جن کا ذکر وہ عام طور پر گفتگو میں کرتے تھے۔ ان مشاہیر میں علامہ اقبال' قائداعظم' لیاقت علی خان' نواب بہادر یار جنگ' خواجہ ناظم الدین' سردار عبدالرب نشتر' نواب حبیب الرحمٰن شروانی' شاہ عبدالعلیم صدیقی' ڈاکٹر ضیاء الدین احمد اور مولوی عبدالحق جیسے بزرگ شامل تھے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں:

نواب صاحب کا ایک خاص وصف جس نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا وہ ان کا جذبہ عشق رسول ﷺ تھا' وہ سخت گرمیوں میں بھی ایئر کنڈیشنر محض اس لیے استعمال نہیں کرتے تھے کہ یہ ان کے آقا و مولا ﷺ نے بھی استعمال نہیں کیا۔ ٹرانسپورٹ ہاؤس میں وہ اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی ایئر کنڈیشنر بند کر دیا کرتے تھے۔ نواب صاحب کے اس عشق رسول ﷺ کی یاد آتے ہی مجھے حضرت علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ یاد آ جاتے ہیں اور ذہن میں ان کا یہ واقعہ روشنی سی بکھیرنے لگتا ہے۔ یہ واقعہ برسوں پہلے میں نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی زبانی سنا تھا کہ پنجاب کے ایک دولت مند رئیس نے کسی قانونی مشورے کے لیے انہیں اپنے ہاں بلایا اور اپنی شاندار کوٹھی میں ان کے قیام کا انتظار کیا' رات کو جب علامہ اقبال آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں گئے تو چاروں طرف عیش و آرام کے سامان دیکھ کر اور نہایت نرم اور قیمتی بستر دیکھ کر ان کے دل میں خیال آیا کہ جس رسول پاک ﷺ کے صدقے میں انہیں یہ مرتبہ ملا وہ (ﷺ) تو کبھی ایسے عیش و آرام والے بستر پر نہ سوئے تھے' یہ خیال آنا تھا کہ ان کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور دیر تک روتے رہے۔ 20 فروری 2005ء کو نواب صاحب کا کراچی میں انتقال ہو گیا اور 21 فروری کو میت ہوائی جہاز کے ذریعے لاہور پہنچی اور 22 فروری 2005ء کو ان کے والد نواب فخر یار جنگ کے پہلو میں قبرستان میانی صاحب

میں ان کی تدفین عمل میں آئی' اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

(نوائے وقت' ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی' 13 مارچ 2005ء)

خواجہ صاحب فرماتے ہیں:

نواب صاحب کی صحت جب تک اچھی رہی وہ ہر سال حج وعمرہ کے لیے حرمین شریفین میں حاضری دیتے رہے' میں نے کئی بار ان سے اس مقدس سفر کی روداد لکھوائی اور شائع کی۔ وہ ہر سال 12 ربیع الاول کو اپنے ہاں جشن میلاد مبارک کی تقریب برپا کرتے تھے اور محفل کے اختتام پر حاضرین کو موئے مبارک کی زیارت بھی کراتے تھے' رحمت عالم ﷺ کی ریش مبارک کے نورانی بال ایک مدت سے ان کے خاندان میں موجود تھے۔

1947ء قیام پاکستان اور سرکاری طور پر پہلی عید میلاد النبی ﷺ

نواب صاحب اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں: ایبٹ آباد سے واپسی پر میں نے چند روز راولپنڈی قیام کیا' اسی دوران پاکستان میں آزادی کے بعد عید میلاد النبی ﷺ کی متبرک تقریب پہلی بار منائی گئی (تو) افواج پاکستان کے چھوٹے بڑے جلوس شہر کی سڑکوں اور بازاروں میں سے گزر رہے تھے' میں بھی جلوس دیکھنے ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ میرے پاس ہی ایک سفید ریش بزرگ پھٹے پرانے کپڑے پہنے کھڑے تھے۔ جیسے ہی فوج کا ایک دستہ اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتا اور درود سلام پڑھتا پاس سے گزرا' بزرگ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ یہ سماں دیکھ کر ایک شوخ نوجوان جو پاس ہی کھڑا تھا اس سے مخاطب ہو کر بولا: یہ تو خوشی کا موقع ہے' آپ روتے کیوں ہیں؟

سفید ریش بزرگ نے امڈتے ہوئے آنسوؤں کے سیلاب میں بہتے ہوئے جواب دیا: عزیز من! یہ رنج کے آنسو نہیں یہ خوشی اور مسرت کے آنسو ہیں' ورنہ وحدہٗ لاشریک کی قسم! محمد مصطفیٰ ﷺ کے اس غلام کے پاس رنج کے آنسو بہانے کے لیے کافی جواز ہے۔ بیٹا! تم یقین مانو کہ یہ ناچیز گناہ گار جو آپ کے سامنے کھڑا ہے بھک منگا نہیں ہے۔ وہ چاندنی چوک دہلی کا ایک خوشحال سوداگر تھا' لیکن اب اس کے پاس ان چیتھڑوں کے سوا کچھ نہیں جو اس کا ستر پوشی کر رہے ہیں۔ اس کی دکان نذر آتش کر دی گئی۔ اس کے جدی مکان کو ملیا میٹ کر دیا گیا۔ ساری عمر کی پونجی لوٹ لی گئی' اس کی گھر والی کو ظالموں نے اس کے سامنے قیمہ کر

ڈالا۔ اس کی جوان بیٹی کو اس کے سامنے پکڑ کر لے گئے' اس کے دودھ پیتے بچے کا جو حشر کیا اس کو بیان کرنے کی اس میں طاقت نہیں۔

عزیز من! میں ضرورت مند ہوں' مظلوم ہوں' اللہ کی اس وسیع دنیا میں تنہا اور بے یارو مددگار ہوں' لیکن اس کے باوجود میں خوش ہوں اور خوشی کے آنسو بہا رہا ہوں۔ یہ اس لیے کہ سب کچھ کھونے کے بعد بھی میں اپنی آنکھوں سے یہ روح پرور منظر دیکھ رہا ہوں۔ اپنے کانوں سے سردار دو عالم ﷺ پر درود سلام سن رہا ہوں۔ عساکر اسلامیہ کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی ایمان افروز آوازیں سن رہا ہوں۔ الحمد للہ سب کچھ کھونے کے بعد میں راضی برضا ہوں۔ الحمد للہ! ایمان سلامت ہے اور میں اپنے آپ کو خسارے میں نہیں پاتا۔

سوال کرنے والا شوخ نوجوان یہ سن کر والہانہ انداز میں اس عمر رسیدہ صاحب ایمان بزرگ سے لپٹ گیا۔ آس پاس جتنے بھی لوگ تھے اور جس کسی نے بھی یہ دل کو تڑپا دینے والی گفتگو سنی اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

(اردو ڈائجسٹ' آپ بیتی نمبر' اپریل 2000ء' ص 328)

تراشہ نمبر 52

اَمن کی قدر و قیمت

علامہ ذہبی لکھتے ہیں: شہرستانی نے اپنی کتاب الملل والنحل میں کہا: بقراط واضع الطب کے چند اقوال حکیمانہ:

قِيْلَ لَهٗ اَيُّ الْعَيْشِ خَيْرٌ؟ قَالَ الْاَمْنُ مَعَ الْفَقْرِ خَيْرٌ مِنَ الْغِنٰى مَعَ الْخَوْفِ.

(طب نبی عربی' ص 53)

طب کے واضع اور موجد حکیم بقراط سے کسی نے سوال پوچھا کہ بہترین زندگی کون سی ہے؟ حکیم نے جواب دیا: فقر و ناداری کے ساتھ اگر امن حاصل ہو تو یہ خوف اور بدامنی کے ساتھ مالداری سے بہتر ہے۔

تراشہ نمبر 53

وَدَخَلَ عَلٰى عَلِيْلٍ فَقَالَ اَنَا وَاَنْتَ وَالْعِلَّةُ ثَلٰثَةٌ' فَاِنْ اَعَنْتَنِيْ عَلَيْهَا بِالْقَبُوْلِ

حکیم بقراط ایک بیمار کے پاس آیا اور مریض سے کہا: دیکھو بھئی (یہاں) میں

مِنِّیْ صِرْنَا اِثْنَیْنِ وَانْفَرَدَتِ الْعِلَّۃُ فَقَوِیْنَا عَلَیْھَا، وَالْاِثْنَانِ اِذَا اجْتَمَعَا عَلٰی وَاحِدٍ غَلَبْنَاہُ.

(طبیب) اور آپ (مریض) اور بیماری تین افراد ہیں' اب اگر تم نے میری تجویز اور میرے نسخہ کو قبول کر کے میری اعانت کی تو ہم اس مرض کے خلاف دو افراد ہوں گے اور وہ بیماری تنہا رہ جائے گی اور ہم دونوں اس سے قوی ہوں گے کیونکہ دو افراد ایک کے مقابلے میں غالب آجاتے ہیں' لیکن اگر تم میری بات قبول کر کے میری اعانت نہ کرو گے تو پھر میں اکیلا ہوں گا اور تم اور بیماری دو افراد' لہٰذا میں ہار جاؤں گا۔

تراشہ نمبر 54

عصا

مرزا عبدالقادر بیدل رحمۃ اللہ علیہ اپنے پاس ایک عصا رکھتے تھے۔ چھڑی' لاٹھی اس عصا کا نام شاخ نازک تھا۔ اس کا وزن 35 سیر شاہجانی تھا۔ عصا کے متعلق یہ کہتے ہیں:

سُنَّۃُ الْاَنْبِیَاءِ' زِیْنَۃُ الصُّلَحَاءِ' مُوْنِسُ الْاَعْمٰی' مُمِدُّ الضُّعَفَاءِ وَدَافِعُ الْاَعْدَاءِ.

یہ نبیوں کی سنت' نیکوں اور ولیوں کی زینت' نابینا کا غم خوار' کمزور کا مددگار' اور دشمنوں کو دفع کرنے اور ان سے بچانے والا ہے۔

تراشہ نمبر 55

تصورِ شیخ

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست ۔۔۔ دست او جز قبضہ اللہ نیست

توجہ شیخ

حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ (قاز) ایک چڑیا ہے جو انڈے دے کر اڑ جاتی ہے اور کوسوں دور رہ کر توجہ سے انڈوں کو حرارت پہنچاتی ہے۔

اس (ریموٹ کنٹرول ہیٹ) اور اس حرارت سے بچہ نکل آتا ہے۔ جب ادنیٰ مخلوق کی توجہ میں یہ اثر حق تعالیٰ جل شانہ نے رکھا ہے تو اہل اللہ میں ایسے اثرات کے متعلق کیا تعجب ہے؟

(معرفت الٰہیہ' ص150 ' از شاہ عبدالغنی پھول پوری' بحوالہ محاضرات القرآن المجید' علامہ ظہور احمد فیضی)

تراشہ نمبر 56

شیخ حضرت احمد بن حنبل صالح جیلانی بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا شیخ عبد القادر (جیلانی غوث اعظم صمدانی قدس سرہ النورانی) کے ساتھ مدرسہ نظامیہ (بغداد شریف) میں موجود تھا۔ آپ کے پاس فقراء (مشائخ) اور فقہاء کا اجتماع منعقد تھا۔ آپ اجتماع کے سامنے قضاو قدر (تقدیر) پر گفتگو فرما رہے تھے۔ دوران خطاب چھت سے ایک بہت بڑا سانپ (اژدھا) آپ کی گود میں آ کر گرا۔ آپ کے پاس جتنے لوگ بیٹھے تھے تمام کے تمام باہر بھاگ گئے اور آپ صرف اکیلے رہ گئے۔ وہ سانپ آپ کی قمیض کے نیچے گھس گیا اور جسم کے اوپر سے چلتا ہوا آپ کے گریبان سے نکل کر آپ کی گردن کے ارد گرد اس نے لپیٹا مار لیا مگر آپ نے اس کے باوجود سلسلہ گفتگو قطع کیا اور نہ ہی اپنی بیٹھنے کی ہیئت کو بدلا (یعنی اسی طرح تشریف فرما رہے اور سلسلہ گفتگو کو جاری رکھا) پھر وہ اژدھا گردن سے نیچے اتر کر اپنی دم کے بل کھڑا ہو گیا اور پھنکارنا شروع کر دیا اور پھر اس نے آپ کے ساتھ کوئی گفتگو کی جسے ہم لوگ سمجھ نہیں سکے۔ اس کے بعد جب وہ اژدھا وہاں سے چلا گیا تو لوگ دوبارہ آپ کے پاس جمع ہو گئے اور آپ سے پوچھنے لگے کہ وہ سانپ آپ سے کیا کہہ رہا تھا اور آپ نے اس کو کیا جواب ارشاد فرمایا تھا؟

آپ نے فرمایا: اژدھا نے مجھ سے کہا:

لَقَدْ اِخْتَبَرْتُ كَثِيْرًا مِنَ الْاَوْلِيَاءِ فَلَمْ اَرَ مِثْلَ شَانِكَ.	میں نے بہت سے اولیاء کا امتحان لیا ہے لیکن ان میں آپ کی شان کا مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔ (آپ بڑی شان والے ہیں آپ کی مثل نظر نہیں آتی)۔

اور میں نے اس کو جواب دیا کہ تو جب میرے اوپر آ کر گرا تو اس وقت میں قضاو قدر یعنی تقدیر کے موضوع پر گفتگو کر رہا تھا' اور میں نے اس اژدھا سے کہا:

وَ هَلْ اَنْتَ اِلَّادُوْبِیَۃٌ یُحَرِّ کُكَ وَ یُسْكِنُكَ الْقَضَاءُ وَالْقَدْرُ.

تو ایک چھوٹے سے کیڑے مکوڑے کے سوا کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور تقدیر پر ہی تیری حرکات وسکنات موقوف ہیں (خودتو تو کچھ کرنے سے رہا) اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ میرا فعل میرے قول کے منافی اور خلاف نہ ہو۔ (رضی اللہ عنہ)

(قلائد الجواہر عربی فی مناقب عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ، ص 34، مطبوعہ مصر، جلد سوم 1375ھ/1956ء)

تراشہ نمبر 57

انٹرنیٹ (INTERNET) وفیکس (FAX)

(ڈاکٹر نور احمد شاہتاز، کاروانِ قمر، کراچی)

انٹرنیٹ نے دنیا کے فاصلے ختم کر کے کرہ ارض پر رہنے والوں کو ایک دوسرے سے اس قدر قریب کر دیا ہے کہ اب گلوب (کررۂ ارض) کے کسی بھی حصہ میں پیش آنے والا کوئی بھی اہم واقعہ، تبدیلی یا پیش رفت آپ گھر بیٹھے بلا تاخیر جان سکتے ہیں۔ انٹرنیٹ کے ذریعہ دنیا بھر کے اخبارات ورسائل اب آپ کے مطالعہ کی میز پر ہیں اور دنیا آپ کی نگاہ کے سامنے۔ حضرت غوث اعظم کی مجالس وعظ انٹرنیٹ پر اور عالمی روحانی مواصلاتی نشریاتی رابطہ پر ہوتی تھیں۔

آپ ہفتے میں قریباً تین بار وعظ منعقد فرماتے تھے۔ وعظ کیا ہوتا تھا، علم وحکمت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہوتا تھا، لوگوں پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ بعض اپنے گریبان چاک کر لیتے تھے اور کپڑے پھاڑ لیتے تھے اور بعض بیہوش ہو جاتے تھے، کئی بحالت بے ہوشی واصل بحق ہو جاتے تھے۔

آپ کی مجلس میں علاوہ رجال الغیب، جنات، ملائکہ اور ارواح طیبہ کے، عام سامعین کی تعداد ستر ستر ہزار تک پہنچ جاتی تھی، اور آپ کی آواز دور نزدیک بیٹھے سب لوگ یکساں سنتے۔

رہے ہیں جس میں صفات باری تعالیٰ، روح، تصوف، توحید اور دیگر علمی موضوعات کو شعری انداز میں بیان کریں گے۔ ان کی یہ تحریر جسے ''مثنوی مولانا روم'' کا نام دیا جا رہا ہے سنجیدہ حلقوں میں پذیرائی حاصل کرے گی۔

(2) خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ وفات پا گئے

پاک پتن (1265ء۔ اسٹاف رپورٹر) برصغیر ہندوستان کے مشہور عالم دین اور ولی اللہ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ پاک پتن میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

(3) یورپ میں ریاضی کے علم میں صفر کا استعمال

یورپ (1202ء۔ نمائندہ جنگ) یورپی ممالک میں علم ریاضی کے اعداد میں صفر کا استعمال شروع ہو گیا ہے۔ اہل یورپ نے نمیریکل نظام کو اس لیے مسترد کر دیا تھا کہ عرب اپنے عددی نظام میں 0 کا استعمال کرتے تھے جبکہ گزشتہ دو سال سے صفر کو محض سرسری حیثیت حاصل تھی۔

(4) روم میں عینک کی ایجاد

روم (1299ء۔ اسٹاف رپورٹر) سائنس دانوں نے ایسے عدسے ایجاد کر لیے ہیں جن کی مدد سے چیزوں کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اسے عینک کا نام دیا جا رہا ہے۔

(5) ابن سینا نے طب کے قوانین پر کتاب مکمل کر لی ہے

ہمدان (1229ء۔۔۔ سوشل سیل) عظیم مفکر اور ماہر طب ابن سینا نے طب کے موضوع پر لکھی جانے والی کتاب ''القانون فی الطب'' مکمل کر لی ہے۔ یہ کتاب 318 صفحات اور 10 لاکھ الفاظ پر مشتمل ہے۔ یہ عربی زبان میں ہے اور ہلکے بھورے رنگ کے چمڑے پر تحریر کی گئی ہے۔ ابن سینا نے اپنی کتاب میں بیماریوں کی تشخیص اور علاج کے باقاعدہ قوانین پیش کئے ہیں۔ انہوں نے تشنج، سینے کی جلن اور تپ دق کے کئی اہم پہلوؤں پر بحث کی ہے، اور معدہ کے السر، سرطان اور دیگر خطرناک بیماریوں کو بھی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ماہرین طب اس کتاب کو علم طب میں سنگ میل کی حیثیت قرار دے رہے ہیں اور آئندہ طب کے میدان میں اس کتاب سے تحقیق اور تشخیص سے نہایت مدد ملے گی۔

(6) چین نے سمت بتانے کا آلہ قطب نما ایجاد کرلیا ہے

چین (1269ء۔۔اسٹاف رپورٹر) چین کے باشندوں نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس کی مدد سے زمین کی طنابیں کھینچی جاسکیں گی اور مختلف سمتوں کا تعین کیا جاسکے گا۔ چین کے سائنسدان اسے قطب نما کا نام دے رہے ہیں ان کا خیال ہے کہ قطب نما کی ایجاد سے سات سمندر مسخر کئے جاسکیں گے بہت سے لوگ اس ایجاد کو تاریخ کا نہایت اہم واقعہ قرار دے رہے ہیں کیونکہ نماز میں قطب نما نہایت اہم کردار ادا کرے گا۔

(رپورٹ و ترتیب: سعید صدیقی' رابعہ سمیع' (روزنامہ جنگ لاہور 5 نومبر 2000ء) تحقیق معاونت: ہما جبین' مسیحا قمر' رفیع الدین' خائستہ محمد' پاکستان سٹڈی سنٹر' جامعہ کراچی)

تراشہ نمبر 60

"الفقه فی الدین حرز من الشیطن"

شیطان کے شر سے دفاع کے لیے ڈھال ہے

ایک مرتبہ دوران سفر شدید گرمی کی وجہ سے مجھے اتنی سخت پیاس لگی کہ لگتا تھا کہ پیاس سے مر جاؤں گا' پس ایک سیاہ بادل میرے سر پر سایہ فگن ہوا اور اس سے مجھ پر ٹھنڈی ہوا چلی تو میرے خشک حلق میں رطوبت پیدا ہوگئی (جس سے مجھے تسکین مل گئی) پھر یکا یک اس کالی گھٹا کے اندر سے آواز آئی: یا عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں' میں نے اس (آواز دینے والے) سے کہا: "اَنْتَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ" تو وہی ہے کہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے؟ شیخ قدس سرہ العزیز نے ایک ایسے اسم سے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ مشترک ہے جیسے کہا جاتا ہے رب الدار (صاحب خانہ)' رب المال (مالدار) ایک دوسرے اسم کی طرف بات کو پھیر دیا جو اللہ تعالیٰ واحد کے ساتھ مختص ہے مشترک نہیں ہے۔ آپ کے اس عدول اور اعراض کے بعد دوبارہ آواز آئی: یا عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں' میں نے وہ سب کچھ تیرے لیے حلال کردیا ہے جو پہلے میں نے تجھ پر حرام کر رکھا تھا۔ میں نے کہا: تو جھوٹا ہے بلکہ تو شیطان ہے' آپ فرماتے ہیں: اس کے ساتھ ہی وہ بادل چھٹ گیا اور میں نے اس کے پیچھے سے آواز سنی کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: اے عبدالقادر! "نَجَوْتَ بِفِقْهِكَ فِي

الــدِّیْـنِ ''تو دین میں فقیہ ہونے کی وجہ سے بچ گیا۔ میں نے آپ سے پہلے اس حیلہ اور تدبیر سے ستر مردان خدا کو فتنہ میں ڈالا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا گیا کہ آپ نے یہ کیسے جان لیا کہ وہ شیطان تھا؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ جس وقت اس نے یہ کہا کہ میں نے تیرے لیے حلال کر دیا (ہر اس چیز کو جو میں نے حرام کر رکھی تھی) تو میں جان گیا (یہ شیطان ہے) کیونکہ رسول ﷺ کے بعد کسی کو اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو حلال کرے یا حرام کرے۔

پس اللہ تعالیٰ عزوجل نے ''فقه في الدين'' ایسے علم نافع کی برکت سے آپ کو نفع عطا فرمایا اور آپ شیطان کے فتنہ سے محفوظ رہے کیونکہ ارشاد مبارک ہے: ایک فقیہ ہزار عابد سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے۔ (مصائب الانسان من مکائد الشیطان' ص 95' مکہ مکرمہ' مصطفیٰ احمد الباز)

اسی لیے شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ نے یہ کہا تھا:

''مَا عَظَمْتُ عَبْدَ الْقَادِرِ اِلَّا بِكَلَامِهِ فِي الْقَدْرِ وَ حِكَايَتِهِ مَعَ الشَّيْطَانِ''میں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی عظمت وکرامت اور بزرگی کا قائل آپ کی فقاہت اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط اور بے مثل استقامت دینی کو دیکھ کر ہوا' جو آپ کے شیطان کے ساتھ پیش آمدہ واقعہ کے ضمن میں پڑھ چکے اور دوسرے تقدیر کے مسئلہ پر آپ کی گفتگو والا واقعہ آپ نے سنا ہے۔

تراشہ نمبر 61

طُرفة......لطیفہ

قَالَ رَجُلٌ لِزَوْجَتِهِ: لِمَا ذَاخُلِقَتِ النِّسَاءُ فِيْ غَايَةِ الْجَمَالِ وَفِيْ غَايَةِ الْغَبَاءِ فَقَالَتِ الْمَرْاَةُ فِيْ غَايَةِ الْجَمَالِ مِنْ اَجْلِ اَنْ تُحِبُّوْ هُنَّ وَفِيْ غَايَةِ الْغَبَاءِ مِنْ اَجْلِ اَنْ يُّحْبِبْكُمْ .

ایک مرد نے اپنی بیوی سے کہا: عورتوں کو انتہائی خوبصورت اور انتہائی غبی پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟ تو عورت نے جواب میں کہا: انتہائی خوبصورت تو اس لیے پیدا کیا تا کہ تم ان سے محبت کرو' اور انتہائی غبی اس لیے بنایا تا کہ وہ تم سے محبت کریں۔

تراشہ نمبر 62

معنی تازہ کہ جوئیم و نیابیم کجا است؟ مسجد و مکتب و مے خانہ عقیم اند ہمہ!

ہوائی جہاز کی ایجاد پر قرآنی رہنمائی

اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ O (النحل:79)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا اڑنے والوں کو کنٹرول میں رہ کر آسمان کی فضا میں پرواز کرتے ہیں اور انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں گرنے سے روکتا' بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں O

زبان رسالت سے ارشاد ہوا:

اِنَّ اللّٰہَ خَالِقُ کُلِّ صَانِعٍ وَّ صَنْعَتِہٖ. (المستدرک' رقم الحدیث:93)

بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہر صنعت کار اور اس کی صنعت کا خالق ہے۔

تبصرہ

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر جو افسوس کا اظہار کیا بجا کیا ہے آپ لکھتے ہیں:

جن ایمان والوں کے لیے پرندوں کی ہیئت ترکیبی میں آیات وعلامات (نشانیاں) تھیں وہ تو پتنگ اڑا کر ہی خوش ہوتے رہے اور دوسری قوموں نے اس رہنمائی سے فائدہ اٹھا کر طیارے اور معلوم نہیں کیا کیا بنا کر فضا کو مسخر کیا اور وہاں اپنے جھنڈے گاڑ دیئے۔

(ضیاء القرآن' ج2 ص590)

تبصرہ بر تبصرہ: گویا بہ قول جناب کرنل الیاس صاحب: (نصیر الدین)

اوہ پرے گیا' اسیں اُرے رہ گئے اسیں یار دے ڈھونڈ دے کھرے رہ گئے
منزل اونہاں دی پہنچ توں باہر ہوئی جیہڑے پئے کراہے' اوکُرے رہ گئے
جھنڈا چن اتے گڈیا گوریاں نے اسیں ٹھوکدے گڈے دے دھرے رہ گئے
کِتھے مارنی پھوک ہُن وِنجلی نوں ساڈے ہتھاں دے وِچ تے چُھرے رہ گئے

تراشہ نمبر 63

بے حسی

ایک دفعہ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم صاحب نے درس مثنوی دیتے ہوئے کہا: مولانا روم فرماتے ہیں: جب کوئی معاشرہ بے حس اور مردہ ضمیر ہو جاتا ہے تو اس کے اندر سے شرار حیات کی موت واقع ہو جاتی ہے اور یہی اس معاشرہ کی روحانی موت ہوتی ہے۔

سبحان اللہ! طالب آملی نے اس موضوع پر کتنا خوبصورت شعر کہا ہے' غور سے سنو! وہ ایک بے حس معاشرے کی عکاسی کرتے ہوئے کہتا ہے:

دیوانہ بہ را ہے رود و طفلاں بہ راہ   یاراں! مگر ایں شہر شما سنگ نہ دارد

''دیوانہ ایک راستے پر جا رہا ہے اور لڑکے دوسرے راستے پر' یارو! شاید اس شہر میں دیوانے کو مارنے کے لیے پتھر نہیں ہیں''۔

تراشہ نمبر 64

اللہ عزوجل نے امت محمد ﷺ پر پنج چیزیں کم کم رکھی ہیں

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) پر پانچ خصوصی نوازشات فرمائی ہیں:

(1) ان کو ضعیف بنایا تاکہ تکبر نہ کریں۔
(2) ان کو چھوٹے پیدا کیا تاکہ کھانے پینے اور لباس کی مشقت ان کو کم اٹھانی پڑے۔
(3) اس امت کی عمریں کم رکھیں تاکہ ان کے گناہ کم ہوں۔
(4) ان کو مفلس و نادار اور فقیر بنایا تاکہ آخرت میں ان کو حساب کم دینا پڑے۔
(5) ان کو آخری امت بنایا تاکہ قبر میں ان کو سب سے کم عرصہ رہنا پڑے۔

(ترجمہ از: عربی مجلّہ ''التقویٰ'' العدد 138 رجب 1425ھ اپریل 2004ء الکویت)

تراشہ نمبر 65

غیرت وشانِ فقر' جلال درویشی!

حضرت شاہ شرف بوعلی قلندر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متولد 602ھ سلسلہ نسب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تک' عالم تفسیر' حدیث' فقہ' منطق' ادبیات فارسی عربی' شغل درس وتدریس' مسجد قوت الاسلام دہلی وفات: 724ھ' مزار پاک پانی پت۔

سلسلہ اویسیہ بدست راست حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روح پاک سے فیض یاب۔علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تسخیر کائنات کی وضاحت کے لیے حضرت بوعلی قلندر رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایک مثالی کردار کے طور پر منتخب فرمایا۔اسرار ورموز میں آپ سے منسوب ایک واقعہ کا آغاز اس طرح ہے۔

باتومی گویم حدیث بو علی　　در سوادِ ھند نام او جلی

اس واقعہ کی تفصیل میر علی شیر قانع کے بیان کے مطابق یوں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بوعلی قلندر علیہ الرحمۃ کا ایک مُرید بازار سے گزر رہا تھا۔اتفاقاً عامل شہر کا گزر بھی خدم وحشم کے ساتھ اسی بازار سے ہوا۔حکومت کے افراد میں سے کسی نے اس درویش کو زدوکوب کیا۔وہ درویش حضرت قلندر علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں فریادی ہوا۔آپ نے اپنے خادم خاص سے فرمایا:

کاغذے بردار وفرمانے نویس　　از فقیرے سوئے سلطانے نویس

باز گیرایں عاملِ بد گوہرے　　ورنہ بخشم ملکِ تو بادیگرے

کاغذ اٹھاؤ اور فقیر کی طرف سے بادشاہ کی طرف یہ فرمان لکھو کہ اس بداصل اور کم ذات گورنر کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دو ورنہ یاد رکھو کہ میں تیرا یہ ملک کسی اور کو بخشنے لگا ہوں۔

آپ کے جلال سے علاؤ الدین خلجی لرز گیا۔اس نے فی الفور عامل دہلی کو زندان خانے میں ڈالا اور خود امیر خسرو علیہ الرحمۃ کو ساتھ لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔حضرت امیر نے چند اشعار مترنم لہجے میں سنائے' جن سے آپ کے دل میں گداز پیدا ہوا اور آخر کار بادشاہ کی جانب سے اس کی معذرت قبول کر لی گئی۔علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے اس اعتذار پر تبصرہ کرتے ہوئے شان فقر اور اس کے دردمندانہ انداز کو حیرت انگیز فنکارانہ مہارت سے بیان کیا ہے:

شوکتے کو پختہ چوں کہسار بود　قیمت یک نغمۂ گفتار بود
نیشتر برقلب درویشاں مزن　خویش را در آتشِ سوزاں مزن
(مقدمہ آغوشِ حیرت رباعیات نصیر' ص 43-44)

تراشہ نمبر 66

زیادہ بچے پیدا کریں...... پوپ بینڈکٹ کی پیروکاروں کو ہدایت

ویٹیکن سٹی (اے پی پی) عیسائیوں کے مذہبی پیشوا پوپ بینڈکٹ سولہ نے اپنے پیروکاروں کو کہا ہے کہ وہ زیادہ بچے پیدا کریں۔ اپنے ہفتہ وار خطاب میں انہوں نے کہا کہ بچے ایک ایسا تحفہ ہیں جو کسی بھی معاشرے میں زندگی اور خوشحالی کا باعث بنتے ہیں۔ 15 ہزار افراد کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ شرح پیدائش میں کمی کچھ اقوام کو تازگی' توانائی اور مستقبل کی اُمید سے محروم کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ زیادہ افراد پر مشتمل خاندان زیادہ محفوظ' مستحکم اور طاقتور ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک مستحکم معاشرے کے لیے اپنے تمام افراد کے ساتھ ساتھ خدا سے وابستگی اور اس کی مہربانی اور مدد کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ بعض معاشروں سے خدا پر ایمان کا عنصر غائب ہوتا جا رہا ہے۔ (روزنامہ جنگ' لاہور یکم ستمبر 2005ء)

تبصرہ

نگہ دارد برہمن کارِ خودرا　نمی گوید بہ کس اسرارِ خودرا
بمن گوید کہ از تسبیح بگزر　بدوشِ خود بَرَدْ زنّارِ خودرا

بلکہ یہی ذہنیت ہر کافر کی ہے عیسائی ہو یا کہ یہودی یہ کچھ ہندو کافر کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ (کافر کی نفسانیت کا مطالعہ)

مسلمانوں سے گزارش ہے کہ وہ حسب استطاعت ارشادِ نبوی کے مطابق ودود اور ولود (بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بکثرت بچے جننے والی) عورت سے نکاح کا خوب اہتمام فرمائیں۔ شکریہ

تراشہ نمبر 67

زبدۃ الکاملین حضرت مولانا غلام نبی للٰہی قدس سرہ کے ملفوظات دانش و حکمت کے بہترین جواہر پارے ہیں جن میں چشم حق بیں کے لیے راہنمائی کے زریں اصول پنہاں ہیں' فرماتے ہیں:

(1) معرفت الٰہی کی نہایت نہیں ہے' تھوڑے سے ذوق وشوق پر قانع نہیں ہونا چاہیے۔ ہر گاہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ''رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا'' فرمایا تو دوسروں کا کیا ذکر ہے؟

(2) بڑا کام یہ ہے کہ شریعت پر استقامت رکھے۔

(3) جس قدر طالب میں شکست وعاجزی زیادہ ہوتی ہے اسی قدر اس پر فیض زیادہ وارد ہوتا ہے۔

(4) سالک کو چاہیے کہ نیچی نظر کر کے چلا کرے۔

خوئے سگاں است بہ ہر سو نگاہ　　شیر سرافگندہ رود سوئے راہ

(5) سالک کو نامحرم کی طرف نظر کرنے سے احتیاط کرنی چاہیے' نامحرم پر اتفاقی نظر بھی ضرر سے خالی نہیں ہوتی۔

بہ نامحرم نظر دل را کند کور　　ز دولت خانہ قرب افگند دور

(6) بُری صحبت سے استعداد باطنی خراب ہو جاتی ہے

(7) وہابیوں کی صحبت دیوانہ کتے کی مانند ہے کہ اپنا سا کر لیتی ہے۔

(8) اصل چیز اعتقاد ہے' اگر اعتقاد درست ہے تو سب چیزیں درست ہیں اور اگر اعتقاد میں فرق ہے تو سب اعمال بیکار ہیں۔

تراشہ نمبر 68

حصولِ آزادی کا وظیفہ

رہبر طریقت حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول قدس سرہ (للہ شریف)

رہبر طریقت حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول قدس سرہ (للہ شریف) نے قیام پاکستان کی تحریک میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ مسلم لیگ کے نمائندوں کو کامیاب کرانے کے لیے

زبانی اور خطوط کے ذریعے رغبت دلاتے رہے' اگر کسی مرید نے انتخابات میں مخالف پارٹی کو ووٹ دیا تو اس پر سخت ناراض ہوئے' برصغیر کی تقسیم سے پہلے آپ نے میاں کامل دین کو بلایا اور فرمایا: قائداعظم آزادی ملک کی خاطر اپنے آرام کو چھوڑ کر ظاہری کوشش میں مصروف ہیں' ہمیں چاہیے کہ باطنی طور پر کوشش کریں' لٰہذا تم ہر روز درود پاک' استغفار' لاحول ولاقوۃ اور یا حی یاقیوم تین تین ہزار بار اور سورۂ مزمل چالیس بار پڑھ کر آزادی کے لیے دُعا کیا کرو۔ میاں کامل دین نے ایک سال تک یہ معمول جاری رکھا' بعدازاں آپ نے انہیں ایک خط لکھا کہ پاکستان کی بنیاد تحت الثریٰ تک چلی گئی ہے' اس خط کے ایک ماہ بعد پاکستان کا اعلان ہوگیا جس سے آپ بہت مسرور ہوئے لیکن ابھی چند ماہ ہی گزرنے پائے تھے کہ قائداعظم کا انتقال ہوگیا' ہندوستان نے کشمیر پر بھاری حملہ کر دیا' ادھر حیدر آباد پر ہندوستان کا تسلط ہوگیا' ان تمام واقعات سے آپ بڑے مغموم اور پریشان ہوئے لیکن یہ بات باعث اطمینان تھی کہ یہ واقعات مسلمانوں کے لیے تازیانہ عبرت ہیں' چنانچہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

قائداعظم صاحب کے انتقال سے جو مسلمانان پاکستان و مسلمانان عالم کو رنج والم ہوا وہ محتاج بیان نہیں' للہ شریف جیسے بے حس شہر میں چار چار پانچ پانچ سال کے بچوں نے بھی دو تین دن تک کچھ نہ کھایا اور دھاڑیں مار کر روئے' اس سے اندازہ ہوسکتا ہے' اوپر سے حیدر آباد کا معاملہ پیش آیا' اس سے تو مسلمانوں کی کمر ٹوٹ گئی' مگر بہ قول شخصے

خدا شرّے بر انگیزد کہ خیرِ ما دراں باشد

ان صدموں نے جو ایک ساتھ آئے ہیں مسلمانوں کی آنکھیں کھول دی ہیں' جو لوگ سستی سے کام لے رہے تھے وہ بہت چوکنے ہوگئے ہیں اور بھاری ذمہ داری محسوس کرنے لگے ہیں' گویا تازیانہ عبرت ثابت ہوا۔

تراشہ نمبر 69

مناظر جلیل' طبیب حاذق'

حضرت مولانا علامہ حکیم محمد قطب الدین جھنگوی

قدس سرہ العزیز' موضع پیر کوٹ سدانہ (ضلع جھنگ)

مناظر جلیل' طبیب حاذق' حضرت مولانا علامہ حکیم محمد قطب الدین جھنگوی قدس سرہ العزیز کا ایک دفعہ آگرہ میں ایک آریہ کے ساتھ مناظرہ ہوا' شرائط مناظرہ میں ایک بات یہ طے ہوئی کہ کوئی ایسا مسئلہ پیش نہ کیا جائے جو فریقین میں مشترک ہو۔ آریہ نے اسلام پر اعتراض کیا کہ اس مذہب میں انصاف نہیں ہے' مثلاً جب کسی مسلمان کی ہوا خارج ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا اور پھر لطف یہ کہ جہاں سے ہوا خارج ہوئی اس جگہ کو دھونے کی بجائے دوسرے اعضاء کو دھونا شروع کر دیا جاتا ہے' مولانا نے فرمایا: تم شرائط مناظرہ کی خلاف ورزی کر رہے ہو کیونکہ یہ مسئلہ فریقین میں مشترک ہے' دیکھو جب تمہارا کوئی آدمی مر جاتا ہے تو اس کے چند خاص رشتہ دار چاہے اس سے ہزار میل کے فاصلے پر ہوں خبر ملتے ہی غسل کرتے ہیں' کپڑے دھوتے ہیں' برتنوں اور کچن کی صفائی کرتے ہیں' مرنیوالا ہزاروں میل دور ہے اور اس کی پلیدی یہاں اثر کر رہی ہے' وضو کے اعضاء تو پھر قریب ہیں۔

آریہ مناظر نے دوسرا اعتراض کیا: تم چند کلمات پڑھ کر جانور کو چھری' چاقو سے ذبح کرتے ہو' میں پوچھتا ہوں وہ جانور پہلے حلال تھا یا ان کلمات کے پڑھنے سے حلال ہوا؟ اگر پہلے ہی حلال تھا تو کلمات پڑھنے کی کیا ضرورت؟ اور اگر ان کلمات کے پڑھنے سے حلال ہوا ہے تو چاہیے کہ بلی کتے پر بھی یہی کلمات پڑھ کر ذبح کر کے کھا جاؤ' مولانا نے فرمایا: پنڈت صاحب ذرا ہوش سے بات کرو' تم پھر شرائط کی خلاف ورزی کر رہے ہو' کیونکہ یہ مسئلہ بھی فریقین میں مشترک ہے' دیکھئے جب آپ نکاح پڑھاتے ہیں تو آپ کا برہمن بھوج پڑھتا ہے اور دولہا کو دلہن کے گرد چند چکر دلاتا ہے۔ اب بتائیے کہ بھوج پڑھنے اور چکر دلانے سے دلہن' دولہا پر حلال ہوئی ہے یا پہلے ہی حلال تھی؟ اگر پہلے ہی حلال تھی تو بھوج پڑھنے کی کیا ضرورت؟ اور اگر ان سے حلال ہوئی ہے تو چاہیے کہ بھوج پڑھ کر اور چکر کاٹ کر ماں بہن کو بھی حلال کر

کے نکاح میں لے آؤ! غرض مولانا کی سخت گرفت پر آریہ مناظر کو راہ فرار کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔

تراشہ نمبر 70

حضرت پیر سید محمد حسین شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ
حضرت بابا فقیر محمد قدس سرہ (چورہ شریف)

آپ کے چند ملفوظات ملاحظہ ہوں:

* حضور نبی اکرم ﷺ کی پیروی تمام کمالات کا سرچشمہ ہے۔
* حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم وتوقیر کے بغیر نجات ناممکن ہے اگر چہ کتنا عابد وزاہد ہو۔
* جو شریعت کا پابند نہیں اگر چہ اس سے خوارق عادات کا بکثرت ظہور ہو' ولی نہیں ہے' ولایت کی بناء اتباع سنت پر ہے' کرامات پر نہیں۔
* اہل سنت و جماعت کا طریق ہی طریق حق ہے۔
* صحبت صالحین اخلاق واحوال کی اصلاح کے لیے اکسیر اعظم ہے۔

(حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ تعالیٰ' تذکرہ اکابر اہل سنت)

تراشہ نمبر 71

ایمانِ حقیقی

اعلیٰ حضرت عظیم البرکتہ مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
ایمان کے حقیقی وواقعی ہونے کو دو باتیں ضروری ہیں' محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم' تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم' کتنی ہی عقیدت' کتنی ہی دوستی' کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو' جیسے تمہارے باپ' تمہارے اُستاذ' تمہارے پیر' تمہاری اولاد' تمہارے بھائی' تمہارے احباب' تمہارے بڑے' تمہارے اصحاب' تمہارے مولوی' تمہارے حافظ' تمہارے مفتی' تمہارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد' جب وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کریں اصلاً تمہارے قلب میں ان کی محبت کا نام ونشان نہ رہے فوراً ان سے الگ ہو جاؤ' ان کو دودھ سے

مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو‘ ان کی صورت‘ ان کے نام سے نفرت کھاؤ‘ پھر نہ تم اپنے رشتے علاقے‘ دوستی‘ اُلفت کا پاس کرو نہ اس کی مولویت‘ مشیخت‘ بزرگی‘ فضلیت کو خاطر میں لاؤ کہ آخر یہ جو کچھ تھا محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی غلامی کی بنا پر تھا جب یہ شخص ان ہی کی شان میں گستاخ ہوا پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ (تعلق) رہا؟ اس کے جبے عمامے پر کیا جائیں‘ کیا بہتیرے یہودی جبے نہیں پہنتے؟ اس کے نام و علم وظاہری فضل کو لے کر کیا کریں؟ کیا بہتیرے پادری‘ بکثرت فلسفی بڑے بڑے علوم وفنون نہیں جانتے اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابل تم نے اس کی بات بنانی چاہی‘ اس نے حضور سے گستاخی کی اور تم نے اس امر میں بے پروائی منائی یا تمہارے دل میں اس کی طرف سے سخت نفرت نہ آئی تو للہ اب تم ہی انصاف کرلو کہ تم ایمان کے امتحان میں کہاں پاس ہوئے۔ قرآن وحدیث نے جس پر حصول ایمان کا مدار رکھا تھا اس سے کتنی دُور نکل گئے۔ مسلمانو! کیا جس کے دل میں محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ہوگی وہ ان کے بدگو کی وقعت کر سکے گا اگرچہ اس کا پیر یا اُستاد یا پدر ہی کیوں نہ ہو‘ کیا جسے محمد رسول اللہ ﷺ تمام جہان سے زیادہ پیارے ہوں وہ ان کے گستاخ سے فوراً سخت شدید نفرت نہ کرے گا اگرچہ اس کا دوست یا برادر یا پسر ہی کیوں نہ ہو‘ واللہ اپنے حال پر رحم کرو۔ (تمہید ایمان‘ ص 7-6‘ مطبوعہ لاہور)

تراشہ نمبر 72

پہاڑ‘ مزار اور زلزلہ

(قلم کمان......حامد میر)

زلزلے سے متاثرہ علاقوں میں سب کچھ تباہ ہوگیا لیکن مظفر آباد میں سائیں سہیلی سرکار اور شاہ عنایت کی درگاہ محفوظ رہی۔ (اسی طرح دیگر جگہوں پر بھی مزارات محفوظ رہے) وہ لوگ جو حالیہ زلزلے کو صرف اور صرف سائنس کی آنکھ سے دیکھنے پر مصروف ہیں ان سے سوال ہے کہ جہاں پہاڑوں سمیت سب کچھ تباہ ہوگیا وہاں چند بزرگوں کے مزارات کیسے بچ گئے؟ اگر ہمیں انسانوں کے ساتھ ساتھ پہاڑوں کی تباہی کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں گھیرتا تو پھر مزید تباہی سے ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا‘ پہاڑوں کی دراڑیں جب گہری ہوں گی تو پہاڑ مزید

سرکیں گے اور جب پہاڑ حرکت کرینگے تو دوبارہ تباہی آئے گی' کیا سائنس ان پہاڑوں کو روک سکتی ہے؟ (روزنامہ جنگ لاہور' پیر وار رمضان المبارک 1426ھ/24 اکتوبر 2005ء)

تراشہ نمبر 73

نچلے لوگ اونچے عہدے

عاملان درزمان معزولی همه شبلی و بایزید شوند

بازچوں برسرِ عمل آیند همه چوں شمر و چوں یزید شوند

''حکمران اپنی معزولی کے زمانہ میں شرافت وغیرہ میں شبلی اور بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا مظہر بن جاتے ہیں پھر جب ان کا اقتدار دوبارہ بحال ہو جائے تو اسی طرح پھر شمر ویزید بن جاتے ہیں''۔

بشیر حسین طاہر اپنے کالم میں لکھتے ہیں:

گریڈوں کی دنیا میں انتہائی چھوٹے' بے پناہ سفلے لوگ کثرت سے دیکھے' کئی کلرک' نائب قاصد بحیثیت انسان بہت بڑے دیکھے۔

لیاقت کو کبھی عہدوں سے نہیں پرکھنا چاہیے' بہت سے ایسے لوگ میرے ماتحت رہے جو مجھ سے زیادہ قابل تھے۔

تراشہ نمبر 74

مبوس جز لب معشوق و جام مے حافظ که دستِ زُهد فروشاں خطاست بوسیدن

''اے حافظ! محبوب اور جام شراب کے لب کے سوا کسی کو بوسہ نہ دے' اس لیے کہ زُہد سیلروں کا ہاتھ چومنا گناہ ہے''۔

تراشہ نمبر 75

چلنا ہے تو چاند پر چلیے

بیجنگ (نیٹ نیوز) چینی عوام اب چاند پر جگہ خرید سکتے ہیں۔ امریکی کمپنی ''لونر ایمبیسی'' نے چاند پر زمین کی فروخت کے لیے بیجنگ میں اپنا دفتر قائم کر لیا ہے۔ چاند پر فروخت کی جانیوالی جگہ کی قیمت 37 ڈالر فی ایکٹر ہے اور خریداروں کو اس جگہ کی ملکیت کا ایک خصوصی

سرٹیفکیٹ بھی جاری کیا جائیگا۔ ''لونر ایمبیسی'' نامی کمپنی پہلے ہی ہزاروں افراد کو چاند پر جگہ فروخت کر چکی ہے تاہم کسی بھی حکومت نے اس قسم کی فروخت کو قانونی قرار نہیں دیا ہے۔ کمپنی کے مالک ڈینس ہوپ نے بیجنگ میں ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ میرے پاس 35 لاکھ خریدار ہیں جن میں جمی کارٹر اور رونلڈ ریگن جیسے امریکی صدور سمیت متعدد فلمی ستارے بھی شامل ہیں' چین آٹھواں ملک ہے جہاں دفتر کھولا گیا ہے اس سے قبل اس کمپنی کے دفاتر امریکہ' جرمنی' برطانیہ' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ اور جاپان میں قائم ہیں۔

(روزنامہ جنگ لاہور 24 اکتوبر 2005ء)

تبصرہ: تو کارے زمین رانکو ساختی! کہ برآسمان ہم بہ پرداختی!

کیا تو نے زمین کے سارے کام سنوار لیئے ہیں کہ اب آسمان کی طرف سدھارے ہو' بہ قول سعدیہ روشن صدیقی (ابوظہبی) کہ ؎

زمین کا حال ہے معلوم کس کو — خلاؤں کو مگر تسخیر کرنا
عجب ہے سعدیہ کا یہ رویہ — ہمیشہ بے سبب تاخیر کرنا

تراشہ نمبر 76

نشے کی تباہ کاریاں اور اپنے دیس کی بدنامی

برطانیہ میں مقیم اعجاز احمد اعجاز دیارِ غیر میں اپنے ہم وطنوں کو پیش آنے والے طرح طرح کے مسائل و حالات کی عکاسی کرتے ہوئے اپنی طویل نظم میں لکھتے ہیں' جس کے چند بند پیشِ خدمت ہیں:

جنھاں پیتیاں شراباں او سُتے پئے نیں — کدی منجیاں دے ہیٹھ کدی اُتے پئے نیں
راتی شیراں ہار گجّ دے سی ہُن ویکھ لو — جیویں رڑے وچ سانسیاں دے کُتے پئے نیں
کدے وجدیاں لتاں کدی گوڈے وج دے — کدے لبھ دے اچار کدی لیموں لبھ دے
پگ کھل گئی لیڑیاں دی ہوش کوئی نہ — کدی ٹک دے شریر کدی سِر ٹک دے
دھیاں پتراں والے پئے بے پتے پئے نیں — جنھاں پیتیاں شراباں او ستے پئے نیں
تہاڈے وطناں دے رانجھے رُلے انگلینڈ وچ — ہیرے کوڈیاں دے مُل تُلے انگلینڈ وچ
سارے خان سردار تے ملک چوہدری — جیویں پانی وچ لون گلے انگلینڈ وچ

وانگ سنڈیاں دے ہلاں وچ جُتے پئے نیں   جنہاں پیتیاں شراباں او سُتے پئے نیں

(اخبار اُردو،اکتوبر2005ء)

تراشہ نمبر77

فلسفہ قربانی

قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ. (الصافات:102).

(ابراہیم نے) کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔

وَالْحِكْمَةُ فِیْ ذٰلِكَ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ اتَّخَذَ اللّٰهُ تَعَالٰی خَلِیْلًا، وَالْخِلَّةُ هِیَ صَفَاءُ الْمَوَدَّةِ، وَمِنْ شَانِهَا عَدَمُ مُشَارَكَةِ الْغَیْرِ مَعَ الْخَلِیْلِ، وَكَانَ قَدْسَاَلَ رَبَّهُ الْوَلَدَ، فَلَمَّا وَهَبَهُ لَهُ، تَعَلَّقَتْ شُعْبَةٌ مِنْ قَلْبِهٖ لِمَحَبَّتِهٖ، فَجَاءَ تْ غَیْرَةُ الْخِلَّةِ تُنْزِعُهَا مِنْ قَلْبِ الْخَلِیْلِ، فَاَمَرَبِذَبْحِ الْمَحْبُوْبِ، لِتَظْهَرَ صَفَاءُ الْخِلَّةِ وَعَدَمُ الْمُشَارَكَةِ فِیْهَا حَیْثُ اِمْتَثَلَ اَمْرَرَبِّهٖ، وَقَدَّمَ مَحَبَّتَهُ عَلٰی مَحَبَّةِ وَلَدِهٖ.

(الصاوی، ج5 ص1746، مطبوعہ محلہ جنگی قصہ خوانی بازار، پشاور، پاکستان)

اور اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا اور خلت (خلیل ہونا) صاف شفاف اور خالص دوستی کا نام ہے جس کی شان سے یہ ہے کہ خلیل کے ساتھ غیر کو شریک نہ کیا جائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے بیٹا مانگا اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹا عطا فرما دیا تو ان کے دل میں ایک شعبہ (یعنی گوشہ) کا تعلق اپنے بیٹے (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) سے ہو گیا، پس خلت اور دوستی کی غیرت جوش میں آئی اور اس نے خلیل کے دل سے کسی اور کی محبت کو نکال باہر کرنے کے لیے اس کے محبوب بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم جاری فرمایا کہ ظاہر ہو جائے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی خلت اور دوستی اپنے رب کریم جل شانہ کے ساتھ خالص اور صاف و شفاف ہے اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں

ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے جب آپ کو بیٹے
کے ذبح کرنے کا امر فرمایا تو آپ نے بلا تردد
رب تعالیٰ کی محبت کو اپنے لاڈلے بیٹے حضرت
اسماعیل علیہ السلام کی محبت پر مقدم کر کے اپنے
رب کے امر کی تعمیل کی اور خواب میں ملنے
والے امر کو امر کر دیا۔

تراشہ نمبر 78

کھانے پر حساب کا فن مجھ سے سیکھو!

ایک دن ہمارے عرب دوست سید محمد یوسف عبداللہ عراقی الگیلانی صاحب نے ایک بسیار خور اور شاطر پیٹو کا قصہ سنایا۔ عربی زبان کے شائق طلباء کی ضیافت طبع کے لیے درج کیا جاتا ہے۔ پڑھیں حظ اٹھائیں اور انجوائے فرمائیں!

شیخ صاحب نے قصہ سناتے ہوئے فرمایا:

نص (زَارَ رَجُلٌ اَكِيْلٌ بَيْتَ رَجُلٍ فَجَلَبَ لَهُ وَ قَدَّمَ اِلَيْهِ دَجَاجَةً مَشْوِيَّةً، فَقَالَ لَهُ: اِقْسِمْ، فَقَالَ: اَلرَّأْسُ لِلرَّأْسِ فَقَدَّمَ لِلْاَبِ، وَالْجَنَاحَانِ لِلْجَنَاحَيْنِ فَقَدَّمَهُمَا لِلْغُلَامَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ لِلْفَتَاتَيْنِ، وَالْعِجزُ لِلْعَجُوْزِ وَ قَدَّمَ لِلْمَرْاَةِ وَقَالَ وَالْبَاقِيْ لِلضَّيْفِ، فَاَكَلَ حَتّٰى شَرِبَ الْمِرَقَ، وَهُمْ جِيَاعٌ يَنْظُرُوْنَ عَلٰى يَدَيْهِ كَيْفَ تَجُوْلُ فِي الْقَصْعَةِ.

فَقَالَ الرَّجُلُ لِزَوْجَتِهِ اِطْبَخِيْ لَهُ خَمْسَ دَجَاجَاتٍ وَسَنَنْظُرُ كَيْفَ يَصْنَعُ؟ فَطَبَخَتْ فَقَدَّمَ طَعَامَهُ لَهُ فَقَالَ لَهُ اِقْسِمْ بَيْنَ هٰؤُلَآءِ يَافَلَاحُ! فَقَالَ شَفْعًا اَمْ وِتْرًا؟ فَقَالَ لَهُ رَبُّ الْاُسْرَةِ: لَا بَلْ وِتْرًا، اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ وَيُحِبُّ الْوِتْرَ، فَقَالَ سَمْعًا وَطَاعَةً وَقَالَ:

* اَلرَّجُلُ وَزَوْجَتُهُ وَالدَّجَاجَةُ ...... ثَلَاثَةٌ
* اَلْبِنْتَانِ وَالدَّجَاجَةُ ...... ثَلَاثَةٌ
* اَلْغُلَامَانِ وَالدَّجَاجَةُ ...... ثَلَاثَةٌ
* اَنَا وَالدَّجَاجَتَانِ ...... ثَلَاثَةٌ

نَظَرَ الرَّجُلُ اِلٰی زَوْجَتِهٖ فَقَالَ لَهَا اِطْبَخِیْ لَهٗ خَمْسَ دَجَاجَاتٍ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ اِقْسِمْ شَفْعًا فَطَبَخَتْ وَقَدَّمَتْ لَهٗ وَقَالَتْ: قُلْ لَهٗ اِقْسِمْ شَفْعًا یَا ضَیْفَ الرَّحْمٰنِ! فَقَالَ:

* اَلرَّجُلُ وَالْغُلَامَانِ وَالدَّجَاجَةُ ...... اَرْبَعَةٌ
* اَلزَّوْجَةُ وَالْجَارِیَتَانِ وَالدَّجَاجَةُ ...... اَرْبَعَةٌ
* اَنَا وَثَلَاثُ دَجَاجَاتٍ ...... اَرْبَعَةٌ

''فَقَالَ' تَعَلَّمُوْا مِنِّیْ فَنَّ الْحِسَابِ'' حساب کا فن مجھ سے سیکھو!

(ترجمہ:) ایک چالاک پیٹو (بسیار خور) آدمی کسی شخص کے گھر بہ طور مہمان ملنے آیا' صاحب خانہ نے ایک سالم مرغی پکائی اور جب سب دستر خوان پر بیٹھ گئے تو مہمان سے کہا: یہ مرغی آپ تقسیم کریں' اس نے کہا: سر' سردار کے لیے دے اور باپ کو پیش کر دیا' دو بازو' دو بازوں کے لیے اور اس کے دو لڑکوں کو دے دیئے' دو ٹانگیں دونوں لڑکیوں کے لیے ہیں اور پُٹھ خاتون کے لیے ہے اور صاحب خانہ کی اہلیہ کو دے دی' اور کہا: باقی مہمان کے لیے اور باقی مرغی خود کھائی حتیٰ کہ تمام شوربا بھی پی گیا اور اہل خانہ بھوک کی حالت میں اس کو دیکھتے ہی رہ گئے کہ کس طرح اس کے ہاتھ ڈونگے کے اندر حرکت کر رہے ہیں۔

(تقسیم کا دوسرا طریقہ......ترجمہ:) میزبان نے اپنی بیوی سے کہا کہ آپ پانچ عدد مرغیاں پکائیں ان سے ہم دیکھیں گے کہ یہ شاطر مہمان کس طرح تقسیم کرتا ہے؟ چنانچہ خاتون خانہ نے پانچ عدد مرغیاں بھون کر جب کھانا دستر خوان پر پیش کر دیا تو صاحب خانہ نے مہمان سے کہا: اے بامراد ا بختاور! ان لوگوں کے درمیان اب تقسیم کر۔ اس نے پوچھا: کس طریقے سے تقسیم کرنی ہیں' جفت جفت یا طاق طاق؟ گھر کا سربراہ بولا: طاق' بے شک! اللہ یکتائی کو پسند فرماتا ہے' تو مہمان نے کہا: میں نے سنا ہے اور طاقت کی جائے گی (یعنی آپ کا حکم سر آنکھوں پر)' اور تقسیم کرتے ہوئے کہنے لگا:

* مرد + اس کی بیوی + ایک مرغی......ٹوٹل......3......ہوئے
* دونوں لڑکیاں + ایک مرغی......ٹوٹل......3......ہوئے
* دونوں لڑکے + ایک مرغی......ٹوٹل......3......ہوئے

* میں + دو سالم مرغیاں ......ٹوٹل......3......ہوئے

مرد نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا اور اس نے کہا: اب پانچ عدد مرغیاں مزید پکاؤ اور اب کی بار ہم اس جفت طریقے سے تقسیم کرنے کو کہیں گے' عورت پانچ عدد مرغیاں روسٹ کر کے لے آئی اور صاحب خانہ نے مہمان سے کہا: اے رحمٰن کے مہمان (بندۂ خدا)! تو مہمان نے کہا:

* مرد + دو لڑکے + ایک مرغی ......ٹوٹل......4......ہوئے
* عورت + دو لڑکیاں + ایک مرغی......ٹوٹل......4......ہوئے
* میں + مرغیاں تین عدد ......ٹوٹل......4......ہوئے

کہا: حساب کا فن کسی نے سیکھنا ہو تو مجھ سے سیکھے۔

تراشہ نمبر 79

سرسید احمد خان کا اپنے روحانی پسروں کے نام پیام

سوال کیا سرسید احمد خان اپنی تعلیمی روش سے مطمئن تھے؟

جواب 1894ء میں اہل پنجاب کے بلائے گئے ایک کنونشن میں سرسید احمد خان نے خود یہ رونا رویا تھا کہ یونیورسٹی کی تعلیم ہم کو صرف خچر بناتی ہے میں بھی ان ہی میں سے ہوں کیونکہ مجھ کو بھی ایک یونیورسٹی نے ایل ایل ڈی کی ڈگری دی ہے۔

سرسید فرماتے ہیں:

یونیورسٹیوں کی مثال اور ہمارے کالج کے لڑکوں کی مثال آقا اور غلام کی سی ہے۔ ہم یونیورسٹیوں کے تابع ہیں۔ اس کے ہاتھ فرنگیوں کے ہاتھوں بکے ہوئے ہیں۔ جو ٹکڑا علم کا وہ دیتی ہے اسی پر قناعت کرنا پڑتی ہے۔

اے دوستو! ہماری پوری تعلیم اس وقت ہو گی جبکہ ہماری تعلیم ہمارے ہاتھوں میں ہو گی' فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں ہوگا اور نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں اور لا الہ اللہ محمد رسول اللہ کا تاج سر پر' یونیورسٹی کی تعلیم ہم کو صرف خچر بناتی ہے میں بھی ان ہی میں سے ہوں کیونکہ مجھ کو بھی ایک یونیورسٹی نے ایل ایل ڈی کی ڈگری دی ہے۔

تراشہ نمبر 80

اَلَایَخْشٰی صَاحِبُ الْجَوَّالِ مِنْ دَعْوَةِ مُصَلٍّ

سوال: کیا موبائل والا نمازی کی بددعا سے نہیں ڈرتا؟

جواب: نِکَتُ الْجَوَّالِ...... شَرٌّ کَبِیْرٌ

موبائل سے اشاروں کنایوں سے کسی کا تمسخر اڑانا بہت بڑی برائی اور گناہ کا کام ہے۔

حُکْمُ النِّکَتِ السَّاخِرَةِ فِی الْجَوَّالِ

سوال: کسی کا تمسخر اڑانے کو پیغامات بھیجنے میں موبائل کو استعمال کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے نیز کسی معین شخص کے ساتھ استہزاء اور ٹھٹھا کرتے ہوئے اشارے کنایے کرنا اور موبائل کو اس کام کے لیے استعمال کرنا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: موبائل اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے جس کے ساتھ اللہ پاک نے اس زمانے میں ہمارے اوپر احسان عظیم فرمایا ہے۔

موبائل ایک نئی دریافت ہے لہٰذا بندہ پر واجب ہے کہ وہ اس نئی دریافت اور نعمت کے شکر میں اسے صرف انہی کاموں کے لیے استعمال کرے جن کے کرنے میں بندے کو دنیا اور آخرت میں نفع حاصل ہو کیونکہ آخرت کا نفع سب سے بڑا نفع اور آخرت کا فائدہ عظیم فائدہ ہے لیکن بعض انسان ایسے بھی موجود ہیں جو اس نعمت خداوندی کا درست استعمال نہیں کر رہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس کو ایسی اغراض اور نفسانی خواہشات و ذاتی دلچسپیوں کو پورا کرنے میں برتتے ہیں جن کا شریعت کے ترازو میں کوئی وزن نہیں ہوتا بالخصوص موبائل سے پیغامات بھیجنے اور میسجز (Messages) ارسال کرنے کا قضیہ موبائل (Mobile) کے پیغامات میں بعض اوقات تو پند و نصائح اور خیر خواہی ہوتی ہے اور انسان کو کسی ایسی چیز کی یاد دہانی کرادی جاتی ہے جسے وہ بھول گیا ہوتا ہے بلکہ کبھی تو یہ پیغامات انسان کے ایمان اور تقویٰ میں زیادتی کیفیت کا موجب بنتے ہیں اگر اس طرح کے مقاصد کے لیے موبائل کا استعمال ہو اور اس طرح کے پیغام اس سے بھیجے جائیں تو یہ نہایت اچھی بات اور کام ہے اس کو ہم گوڈے گوڈے وری گُڈ کہتے ہیں مگر۔۔۔ اسی کے ساتھ دوسری طرف بعض لوگ سادہ لوح انسانوں کے ساتھ

استہزاء کرنے اوران کا تمسخر اڑانے کے لیے ان کے نام میسجز ارسال کرتے اوران سے ٹھٹھے مسخریاں کرتے ہیں جس کا مقصد صرف ٹچریں' تعریضیں اور ہٹیں کرنا ہوتا ہے۔ بھلا ان گھٹیا قسم کی وقع دقع سے بے رنگ رنگوں سے دوسرے کے رنگ میں بھنگ ڈالنے کے سوا کیا فائدہ؟ اور یہ حرکت بلاشبہ بڑا اشر اور برائی ہے اوراس کوتاہی اور گھاٹے کے کام کا وبال خود کرنے والے پر ہی الٹا پڑتا ہے۔

اس قسم کے بیہودہ پیغام کے بارے ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت مطہرہ نے منع کیا ہے کیونکہ اس کی کئی قباحتیں ہیں' مثلاً کسی کا تمسخر اڑانے اور بے جا ہنسی مذاق کرنے سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَـٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْالَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًامِّنْهُمْ. (الحجرات:11)

اے ایمان والو! مرد مردوں کا مذاق نہ اڑائیں' ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

اسی طرح ان پیغامات میں دوسروں کی غیبت بھی کی جاتی ہے اور یہ بھی شرعاً ممنوع ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ. (الحجرات:12)

نہ غیبت کرو بعض بعض کی کیا' تم پسند کرتے ہو کہ تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ جسے تم ناپسند کرتے ہو۔

یا پھر اس سے دوسرے کی ہنسی اڑانے کا قصد ہوتا ہے' اور اس کے متعلق نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

وَيْلٌ لِمُضْحِكِ الْقَوْمِ' وَيْلٌ لِمُضْحِكِ الْقَوْمِ.

تباہی ہے لوگوں کی ہنسی اڑانے والے کے لیے' تباہی ہے لوگوں کی ہنسی اڑانے والے کے لیے۔

اسی طرح اور بھی بہت ساری شرعی قباحتیں ہیں' مثلاً یہ کہ اس طرح کے لایعنی اور بے مقصد پیغامات بھیجنے اور بے جا ہنسی مذاق کرنے میں بغیر کسی فائدے کے پیسہ برباد اور ضائع کرنے والی بات ہے' انسان اس طرح کے متعدد پیغامات بھیجتا ہے اور اگر اس سے کہا جائے

کہ بھائی تم اس قدر رقم صدقہ کر دو جس میں تمہارا دین دنیا دونوں کا فائدہ ہو یا فلاح و بہبود کے کسی منصوبے اور اسکیم میں یہ رقم لگا دو' حکومت کے کسی اچھے پراجیکٹ اور ترقیاتی پروگرام میں دے دو' ریلیف فنڈ میں حصہ ڈال دو تو پھر آپ اس کو مال خرچ کرتے اور چندہ جمع کراتے ہوئے نہیں پائیں گے' بلاشبہ یہ! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تقصیر' تفریط اور عدم رعایت ہے یعنی خدا کی نعمتوں کے استعمال میں کوتاہی' ان کی بے قدری اور ناشکری کا مجرمانہ مظاہرہ ہے' انسان سے عنقریب اس کے تمام اقوال' افعال اور ساری حرکات وسکنات کے بارے سوال ہونے والا ہے اور جب تک بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حساب نہیں دے گا اللہ تعالیٰ کے دربار سے اس کی خلاصی نہیں ہو سکے گی اور یہ وقت جو اس شخص نے ان پیغامات کے لکھنے میں برباد اور ضائع کیا جس سے کوئی استفادہ نہیں کیا جا سکتا اس وقت کے بے مقصد خرچ کرنے اور پھر مال کو برباد کرنے کا قیامت کے دن اللہ عزوجل کے حضور بندہ سے ضرور پوچھا جائے گا۔

مساجد میں موبائل کے نغمات کا شرعی حکم

سوال: بعض نمازی حضرات کے موبائلز سے صادر ہونے والے نغمات کی وجہ سے نماز کے دوران میں جو نئے نئے فتنے رونما ہو رہے ہے شرع شریف میں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا التَّوْفِيْقَ خَيْرَ رَفِيْقٍ. (آمین)

مسجد میں موبائل کا استعمال اور نماز کے دوران میں موبائل اور جوال (گشتی فون) کی جرس کے رنگنے' اڑ نگنے اور بانگ درا کی اس صدائے موسیقانہ' سوقیانہ اس کے سماع سے نمازیوں کی نماز میں جو خلل پیدا ہوتا ہے اور دل بٹتا ہے اس وجہ سے مسجد میں موبائل کا استعمال جائز نہیں ہے' اور لوگوں کا اس سے پرہیز کرنا لازم ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی اطاعت اور عبادت سے عبادت گزاروں کے دل دوسری طرف متوجہ ہوتے ہیں' حضور ﷺ نے جب دیوار پر کپڑے کا پردہ لٹکا دیکھا اور اسے محض اس وجہ سے اتار دینے کا حکم فرمایا کہ اس سے نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے اور توجہ بٹتی ہے تو پھر اندازہ کیجئے کہ ان طرح طرح کی آوازوں اور بالخصوص آج کے زمانہ میں جو موسیقی کی آوازیں ہیں یہ کیونکہ جائز قرار دی جا سکتی ہیں۔ بعض حضرات اپنے موبائل میں موسیقی کے نغمات داخل کر لیتے ہیں' یہ بہت بڑی مصیبت ہے بلکہ بعض موبائل کمپنیاں تو

موسیقی اور میوزک کے نغمات داخل کرنے میں خاص مہارت رکھتی ہیں اور یہ کام حرام ہے اور کوئی شک نہیں ہے کہ لوگ ان مزامیر اور شیطان کے باجوں کو سنتے ہیں جو کیفیت ومستی لاتے اور سفلی جذبات کو بھڑکاتے اور ان میں ہلچل مچاتے اور جب موبائل کے یہ نغمات موسیقی اور رنگ برنگ دھنوں پر مشتمل میوزک کی آوازیں عین نماز کے دوران میں اور اثناء تلاوت میں اور عبادت کے وقت عبادت کرنے والوں اور نمازیوں کے کانوں میں پڑتی ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ ڈسٹرب ہوتے ہیں' لہٰذا موبائل والوں کو ہمارا یہ مشورہ اور ہدایت ہے کہ انہیں اس بات کا خوف کرنا چاہیے کہ عبادت میں مشغول آدمی تنگ آ کر کہیں ان کو بددعا دے اور ان کا بیڑا غرق ہو جائے تو پھر؟ اس لیے ان کی بددعا سے بچو اور کسی کو اپنے ہاتھ' زبان اور موبائل کی رنگ اڑنگ سے تکلیف نہ پہنچاؤ اور لوگوں کی عبادت کو خراب کر کے اپنی عاقبت برباد نہ کرو' اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ موبائلز میں لاک کا سسٹم اور نظام موجود ہے' اس لیے مسجد میں داخل ہوتے وقت آپ جیسے ہی "اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے' پڑھیں ساتھ ہی اپنے موبائل کے دروازے بند کر دیں اور لاک لگا دیں اور اسے ایسا آف کریں کہ وہ اف بھی نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین (ترجمہ وتشریح' د عربن سعود السید' المجلہ "الدعوۃ" عربیہ العدد 1889/ 1424ھ)

تراشہ نمبر 81

لطائف الفقہ (حلال وحرام)

لطیف مسئلہ

بکری سے کتے کی شکل کا بچہ پیدا ہوا' اگر وہ بھونکتا ہے تو نہ کھایا جائے' اور اگر اس کی آواز بکری کی طرح ہے کھایا جا سکتا ہے اور اگر دونوں طرح آواز دیتا ہے تو اس کے سامنے پانی رکھیں اگر زبان سے چاٹے تو کتا ہے اور منہ سے پیئے تو بکری ہے اور اگر دونوں طرح پیئے تو اس کے سامنے گھاس اور گوشت دونوں چیزیں رکھیں' گھاس کھائے تو بکری مگر اس کا سر کاٹ کر پھینک دیا جائے کھایا نہ جائے گوشت کھائے تو کتا ہے اور اگر دونوں کھائے تو اسے ذبح کر کے دیکھیں اس کے [illegible] میں معدہ ہے تو بکری ہے اس کو کھا سکتے ہیں اور نہ ہو تو کتا ہے نہیں کھا

سکتے۔ (عالمگیری درمختار بحوالہ بہار شریعت حصہ 15 ص 105)

تراشہ نمبر 82

ذہن لڑائیے

آج رزلٹ آؤٹ ہوا۔ واجد خالد اور زاہد تین بھائیوں نے اپنی اپنی کلاس میں امتیازی پوزیشن حاصل کیں۔ ان کے ابو جان نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ انہیں نقد انعام دیں گے۔ خالد جو کہ منجلا بھائی ہے اسے پچاس روپے انعام دیئے۔ ان کے ابو نے کہا: باقی سو روپیہ بچا ہے۔ واجد اور زاہد اس طرح تقسیم کریں کہ واجد کو دس روپے زیادہ اور زاہد کو دس روپے کم ملیں۔

سوال یہ ہے کہ ایک سو روپیہ واجد اور زاہد میں اس طرح تقسیم کریں کہ چھوٹے بھائی زاہد کو دس روپے کم اور سب سے بڑے بھائی واجد کو دس روپے زادہ ملیں؟

تراشہ نمبر 83

كَمْ عُمْرُكَ الْآنَ؟ (نیا سال مبارک؟)

لیکن.......... کتنی عمر ہے آپ کی اس وقت؟

اور ہم ہجری سال 1426ھ کے اختتام پر حیات مستعار اور فانی زندگی کے سانس لے رہے ہیں (ایک بار پھر) گزشتہ سال سے اب تک زندگی اور عمر کے 360 دن گزر گئے اور ہم نہیں جانتے کہ زندگی کا یہ برس کتنا بھرپور گزرا؟

* کس قدر ضروری اور اہم ہے کہ ہم اپنے آپ سے یہ سوال کریں کہ ہم اپنی عمر کے کس حصہ میں پہنچ گئے ہیں ہم نے آگے کی زندگی کے لیےکون سے اعمال کئے ہیں؟ کیا ہم نے اس گزشتہ پورے سال میں اخروی یا دنیوی کوئی قابل ذکر کام سرانجام دیا؟

* 1426ھ کے سال میں ہمارے کیے ہوئے اعمال کے صحیفے لپیٹ دیئے گئے ہیں اور لیکن عنقریب قیامت کے دن لامحالہ ہم اپنے اعمال نامے ضرور دیکھیں گے اور اگر وہ نیکیوں سے فل ہوئے تو انہیں ہم اپنے دائیں ہاتھ میں لیں گے اور پورے فخر اور خوشی کے ساتھ ان کو اٹھائیں گے اور ہم کہیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ۝ (الحاقہ: 19) لو پڑھو اعمال نامہ۝

* یا ہم اپنے اعمال نامے اپنے بائیں ہاتھ یا پیٹھ کے پیچھے سے پکڑیں گے اور پھر بڑی ہی حسرت اور دردناک لہجے میں کہیں گے:

یَالَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتَابِیَهْO وَلَمْ اَدْرِ مَاحِسَابِیَهْO (الحاقہ:25-26)	اے کاش! مجھے نہ دیا جاتا اعمال نامہO اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہےO

بے شک یہ حقیقت ہے اور اس امر سے کوئی راہ فرار اختیار نہیں کی جاسکتی کہ ہر وہ بات جو ہمارے منہ سے نکلی اور ہر وہ لفظ جسے ہمارے ہاتھوں نے لکھا اور ہر وہ عمل جو ہم نے کیا اچھا ہو یا برا عنقریب اسے ہم اس صحیفہ میں موجود پائیں گے' اور اس دفتر میں جو نہ کسی چھوٹی بات کو چھوڑتا ہے اور نہ بڑی بات کو مگر اس میں اللہ تعالیٰ نے ہر بات کا احاطہ فرما رکھا ہے۔ کاش! مجھے کوئی بتلا دے! ہم میں سے کون ناخوش ہوگا اور کون خوش!

بے شک جو ایمان والا شخص ہے اور وہ شعور بھی رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا نگران ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نگہبانی پر یقین رکھنے والا انسان ٹھہر ٹھہر کے اور رک رک کر ہر کام کے کرنے سے قبل اور بعد' ہر لفظ زبان سے نکالنے سے قبل اور بعد اور کسی بات کو لکھنے کے لیے قلم پکڑنے سے قبل یا بعد یا دوسروں کی پر اثر تحریروں کے پڑھنے سے پہلے اور بعد میں اپنا محاسبہ ضرور کرتا ہے' پھر یہ لوگ اس امر میں تساہل اور طوطا چشمی سے کام لیتے ہیں اور اس کے خطرات کا ادراک نہیں کرتے ہیں (افسوس صد افسوس) کیونکہ یہ اہل قلم ہر وہ بات لکھ ڈالتے ہیں جو ان کی خواہشات اور ہوائے نفس ان سے املاء کرائے اور لکھوائے۔

* اور بہت سارے کارٹونسٹ اپنے ہاتھوں سے کارٹونی تصویریں وغیرہ بناتے ہیں اور اس سے لوگوں کو ہنساتے ہیں' اور بعض حضرات خواتین کی ایسی رسوا کن' فحش اور قریب الننگی لیڑے لیبڑ قسم کی تصاویر بناتے اور چھاپتے ہیں کہ جن کو کوئی دین دار آدمی تو رہا پرے کوئی عام شخص جو اخلاقی باختگی سے بچا ہوا ہو اور ذرا بھی حیاء وشرم اپنے پلے رکھتا ہو وہ بھی دیکھے تو پانی سے پانی ہو جائے۔

کوئی شک نہیں ان لوگوں کو شعور اور احساس نہیں ہے کہ فرشتے ان صحافیوں کے صحیفوں اور اعمال ناموں میں بات بات کا ریکارڈ محفوظ کرتے جا رہے ہیں لہٰذا اہل قلم کو سوچ سمجھ کر قلم کا

استعمال کرنا چاہیے اس لیے کہ

مَا مِنْ كَاتِبٍ إِلَّا سَيَفْنِي ۔۔۔ وَيَبْقَى الدَّهْرُ مَا كَتَبَتْ يَدَاهُ
فَلَا تَكْتُبْ بِكَفِّكَ غَيْرَ شَيْءٍ ۔۔۔ يَسُرُّكَ فِي الْقِيَامَةِ أَنْ تَرَاهُ

''ہر لکھنے والے نے عنقریب فنا ہو جانا ہے اور اس کی تحریریں ایک زمانہ تک باقی رہیں گی۔ سو آپ کو صرف وہی چیز لکھنی چاہیے کہ کل قیامت کے روز اس کے نتیجہ کو دیکھ کر آپ کو خوشی ہو''۔ (عربی: ھناء بنت علی' اردو: نصیرالدین چشتی' مجلہ عربی الدعوۃ' العدد 1833 سعودیہ)

تراشہ نمبر 84

اسلامی ممالک میں ذہنی کشمکش اور اس کے اسباب

(ابوالحسن علی ندوی)

غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

میں اس وقت آپ کے سامنے ایک مسئلہ رکھنا چاہتا ہوں جس پر ہماری تمام جامعات کے دانشوروں کو اور ہمارے تعلیمی پالیسی بنانے والوں کو غور کرنا چاہیے۔ ابھی دو تین سال کا واقعہ ہے کہ میں بیروت گیا' میرے ایک بڑے ذہین و صاحب علم دوست مجھے اپنی گاڑی میں بیروت کی سیر کرا رہے تھے۔ انہوں نے گاڑی چلاتے ہوئے مجھ سے کہا کہ مولانا آپ سے میں ایک سوال کرتا ہوں کہ ممالک اسلامیہ میں جو ذہنی' فکری و سیاسی بے چینی اور کشمکش پائی جاتی ہے یہ غیر اسلامی ممالک میں کیوں نہیں پائی جاتی' یہ اسلامی ممالک کے ساتھ کیوں مخصوص ہے؟ یہاں ایک صف آرائی اور قیادتوں اور عوام میں دو مقابل محاذ بنے ہوئے ہیں' اس کے نتیجے میں انقلابات کثرت سے آتے ہیں' حکومتیں تبدیل ہوتیں ہیں' عوام کو اپنے قائدوں اور حکمرانوں پر بھروسہ نہیں اور برسر اقتدار طبقہ کو عوام کی طرف سے اطمینان نہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ میں ان کے سوال کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکا' ان کو باتوں میں مشغول رکھا' مگر واقعہ یہ ہے کہ خود میرے اندر ایک سوال پیدا ہو گیا' شاید اس سے پہلے یہ سوال میرے ذہن میں نہیں تھا کہ آخر کیوں ایسا ہے اور اس بے چینی کے کیا اسباب ہیں' روز ہم سنتے ہیں کہ ان ملکوں میں مستقل ٹکراؤ ہے' وہاں تہذیبوں کا ٹکراؤ ہے' مستقل فلسفہ اخلاق کا ٹکراؤ ہے' بعد میں میرے

ذہن میں اس کا ایک جواب آیا' وہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں' جس کی وجہ سے مجھ پر اور آپ پر اوران جامعات کے ذمہ داروں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

بات یہ ہے کہ جو فلسفہ تعلیم ان غیر اسلامی ممالک میں آیا وہاں کے اقدار و بنیادی عقائد سے متصادم نہیں تھا۔ ان اقدار میں اول تو جان نہیں تھی۔ جان تھی بھی تو ان میں ہر نئے فلسفے کو قبول کرنے کی صلاحیت تھی' ان کی تو بنیاد ہی مستحکم نہیں' بہت سیال و رقیق قسم کی چیزیں ہیں' مثلاً میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ جب جواہر لال صاحب سے پوچھا گیا کہ ہندو کی کیا تعریف ہے؟ تو انہوں نے بہت سوچنے کے بعد کہا کہ جو اپنے کو ہندو کہے وہ ہندو ہے۔ ہمارے ایک دوست نے واقعہ سنایا' وہ محکمہ تعلیم کے آدمی تھے کہ ہم لوگ اسٹاف روم میں بیٹھے ہوئے تھے' میں نے اپنے ہندو پروفیسر دوست سے کہا: پروفیسر صاحب! ہم سے اگر پوچھا جائے کہ دو لفظوں میں اسلام کا خلاصہ بیان کر دو تو ہم کہیں گے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان رکھنا ہے' کسی گہرے فلسفے کی ضرورت نہیں ہے' اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ ہندو کسے کہتے ہیں اور اس کی کیا تعریف ہے تو میں کیا جواب دوں؟ تھوڑی دیر سوچتے رہے' کہنے لگے: مسٹر قدوائی! اصل بات یہ ہے کہ جو کسی چیز میں Believe نہیں کرتا وہ بھی ہندو ہے' اور جو ہر چیز میں Believe کرتا ہے' وہ بھی ہندو ہے تو ان کا نظام عقائد اگر ہے تو وہ اتنا روادار ہے کہ ہر فلسفہ کا ساتھ دے سکتا ہے' اس کا کوئی ٹکراؤ نہیں' اس لیے فرض کیجئے کہ مغرب کا نظام تعلیم جب ہندوستان میں آیا تو اس نے ہندو سوسائٹی میں کوئی بے چینی پیدا نہیں کی' کچھ پرانے لوگ تھے جو کہتے تھے کہ سمندر کا سفر نہیں کر سکتے' صبح کا نہانا ضروری ہے' اس کے بغیر کھانا نہیں کھا سکتے' اس کے اندر کیا جان ہے؟ تھوڑے دنوں کے اندر معلوم ہو گیا کہ ہم نے بے سوچے سمجھے باتیں قبول کر لی تھیں' یہ موجودہ تمدن کے ساتھ نہیں چل سکتیں' لیکن اصل مسئلہ پیش آیا ہمارے مسلم معاشرہ کو۔ وہاں توحید کا ایک مفہوم ہے' اس کے حدود معین ہیں کہ یہاں تک ایمان ہے اس کے بعد کفر کی سرحد شروع ہو جاتی ہے' ایک وقت میں آدمی کئی مذاہب کا وفادار نہیں ہو سکتا' بیک وقت آدمی توحید و شرک کو جمع نہیں کر سکتا اور یہ خیال کہ مغرب سب کچھ ہے اور وہی قیادت کا اہل ہے پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو دائمی عالمی رہنما اور معیار ماننا' وہ رسول ﷺ کو دانائے سبل' ختم الرسل' مولائے کل بھی سمجھے' سائنس کو علم کی معراج بھی سمجھے' دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں' اس لیے

بے چینی ان ملکوں میں نہیں ہو سکتی جہاں مذاہب کا کوئی مثبت معین نظام نہیں تھا۔

جس مذہب کی اور دین کی فطرت یہ ہے کہ اس پر اس کو اصرار ہے کہ تنہا وہی حق ہے' جس کو اس پر اصرار ہے کہ نور وایمان کے حدود معین ہیں' اس کو اس پر اصرار ہے کہ اسلام ایک تمدن بھی رکھتا ہے' خالی عقائد کا نام نہیں ہے' جب مغربی تہذیب اپنے پورے تصورات کے ساتھ' پورے اقدار حیات کے ساتھ' پورے مقاصد کے ساتھ آئی تو اس سے ٹکراؤ ہوا' اور خوب ہوا پھر اس کے بعد ایک دوسرا سانحہ پیش آیا کہ اس ملک وقوم کے ذہین کھاتے پیتے گھرانے کے نوجوانوں نے مغربی تعلیم حاصل کی اور عوام اپنی اسی حالت پر رہے' وہ اسی ورثہ کو سینے سے لگائے رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نیا تعلیم یافتہ طبقہ عوام کے تصورات اور عوام کے احساسات و جذبات سے اتنا بیگانہ بن گیا کہ جیسے ایک نئی قوم پیدا ہوتی ہے یعنی وہ نئی قومیں پیدا ہو گئیں اور دوسری مصیبت یہ پیش آئی کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے محسوس کیا اور تجربوں کے بعد اس کو یہ معلوم ہوا کہ اگر وہ زندگی چاہتا ہے' قیادت باقی رکھنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ عوام کے اس دینی جذبہ کو یا تو فنا کر دے یا اتنا کمزور کر دے کہ وہ اس کے راستہ میں مزاحم نہ ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے تعلیم کے ذریعہ' ذرائع ابلاغ کے ذریعہ' صحافت کے ذریعہ' ادب ولٹریچر کے ذریعہ یہاں تک کہ شاعری کے ذریعہ عوام کی اس دینی حمیت کو' اس اسلامی غیرت کو اور ان کی اس ذکاوت حس کو ختم کرنے کی کوشش شروع کی۔ اب مستقل معرکہ پیش آیا ان ملکوں کو کہ انہوں نے دیکھا کہ اگر ہمیں رہنا ہے تو عوام اگر اسی طرح رہے ان کے یہی احساسات وجذبات رہے تو کبھی یہ عوام ہمارے خلاف صف آراء ہو سکتے ہیں۔ یہ میں کہانی سنا رہا ہوں آپ کو مصر کی' شام کی' عراق کی' ترکی کی' میں نہیں کہتا کہ یہ ہر ملک کی کہانی ہے اور خدا کرے اس ملک میں یہ ڈرامہ کبھی سٹیج نہ ہو لیکن ہے یہ ترقی یافتہ مسلم ممالک کی کہانی' ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا جو اسلام سے نہ صرف یہ کہ بیگانہ تھا' بلکہ اس کو اس سے ایک طرح کا بُعد اور وحشت تھی' یہ عوام کا کیا حال ہے' یہ بالکل چھوئی موئی بن گئے ہیں' چھوئی موئی کو ہاتھ لگایا اور وہ سمٹ گئی' شرما گئی تو کیا عوام بالکل چھوئی موئی ہیں' ان کا عقیدہ اتنا کمزور ہے' ارے بھئی! اگر کچھ لوگ شراب پیتے ہیں تو پھر اس میں کون سی ایسی مصیبت آئی اور اگر ٹیلی ویژن پر یہ سب کچھ دکھلایا جاتا ہے اور اس سے لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق پر اثر پڑتا ہے تو ایسی کیا قیامت آ جاتی ہے؟ وہ کھائیں' پئیں' دوکان اور

کاروبار کریں، دولت پیدا کریں ان کو اس سے کیا تعلق ہے مذہب تو ایک پرائیوٹ معاملہ ہے، ان استادوں نے اور مغرب کی یونیورسٹیوں نے ان کے دل ودماغ میں یہ بات اتار دی ہے کہ مذہب تو ایک شخصی معاملہ ہے اور مذہب کی بقاء بھی اسی میں ہے کہ شخصی معاملہ رہے اور اب دنیا اسی طرح چل سکتی ہے کہ مذہب شخصی معاملہ سمجھا جائے۔ ان کے ذہن نے پہلے سے اس کو قبول کرلیا۔ اب یہاں وہ آئے تو دیکھا کہ عوام حکومت کے معاملہ میں دخل دیتے ہیں، تنقید کرتے ہیں، بات بات میں متاثر بلکہ مشتعل ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے ایک نیا محاذ کھول دیا۔ جمال عبدالناصر کے دور میں مصری عوام کے خلاف مصر کی ساری طاقت اور اس کی مشینری لگ گئی، فوج پولیس بن گئی، مصر کے سارے وسائل وذخائر اور مصری قوم کی ساری توانائیاں اور جو جماعت برسر حکومت تھی اس کی ساری ذہانت اس جذبہ کو کچلنے میں لگا دی گئی جوان کے لیے کسی وقت بھی آگ کی صورت اختیار کرسکتی تھی، جو دور جمال عبدالناصر کی لیڈرشپ کا گزرا یہ بجائے اسرائیل سے لڑنے کے، بجائے کمیونزم سے لڑنے کے، الحاد سے لڑنے کے یہ پرامن شہریوں سے لڑنے میں صرف ہوا، اور ان دینی اور اسلامی تحریکوں کے ختم کرنے میں خرچ ہوا، اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی، اس کے اثرات کہاں تک باقی رہے، یہ کہنا مشکل ہے لیکن یہی حقیقی جنگ تھی جو وہاں لڑی گئی، یہی حقیقی جنگ ہے جو شام وعراق اور لیبیا وتیونس، الجزائر اور مراکش میں لڑی جارہی ہے، کہیں گرم کہیں نرم، میں عرب ملکوں کے علاوہ کسی غیر عرب ملک کا نام نہیں لوں گا، یہ مصنوعی کارزار پیدا کی ہے ان دو فلسفوں نے، ان دو متوازی نظام تعلیم نے۔ ہر ایسے ملک کو جس کو اسلام کی خدمت کرنی ہے اور جس کو اسلام کا جھنڈا بلند کرنا ہے اپنے آپ کو اس ذہنی کشمکش سے بچانا چاہیے، اس لیے کہ اس ذہنی کشمکش کے شروع ہو جانے کے بعد پھر وہ ساری ذہانتیں اور قوت عمل وہ سب کی سب اس میں لگ جاتی ہیں۔ ملک کی تعمیر میں، ملک کو مستحکم کرنے میں، سالمیت کی حفاظت میں جو توانائیاں صرف ہونی چاہئیں اس میں صرف ہوتی ہیں۔ (اخبار اردو، اسلام آباد)

تراشہ نمبر 85

پروین شاکر (مرحومہ) کی ایک نظم اور ایک دعا

(ان فوجی جرنیلوں کے نام جن کو سیاست کا چسکا پڑ گیا ہے)

اے خدا!......
میرے پیارے سپاہی کی تلوار میں زنگ لگنے لگا ہے......
اذانوں سے پہلے جو بیدار ہوتے تھے......
اب دن چڑھے تک......
چھپر کھٹ سے نیچے اترتے نہیں......
دھوپ اگر سخت ہو جائے......
بارش ذرا تیز ہو جائے تو......
یہ جواں سال......
گھر سے نکلتے نہیں......
سرحدوں کے نگہبان اب کرسیوں کے طلبگار ہیں......
اپنے آقا کے دربار میں......
جنبش چشم و ابرو کی پیہم تلاوت میں مصروف ہیں......
سر خمیدہ ہیں......
شانے بھی آگے کو نکلے ہوئے......
بس نصاب تملق کی تکمیل میں منہمک!......
میرا دل رو پڑا ہے......
اے خدا!......
میرے پیارے وطن پر یہ کیسی گھڑی ہے......
تراشے ہوئے جسم......
آسائشوں میں پڑے......

اپنی رعنائیاں کھو رہے ہیں......
ذہن کی ساری یکسوئی مفقود ہے......
اہل طبل و علم......
اہل جاہ و چشم بن رہے ہیں......
اور اس بات پر......
دیکھتی ہوں کہ مغرور ہیں!......
اے خدا!......
میرے پیارے سپاہی کو سرحد کا رستہ دکھا......
عشق اموال و حب مناصب سے باہر نکال......
اس کے ہاتھوں میں......
بھولی ہوئی تیغ پھر سے تھما! آمین

اللہ اکبر اے مرد مجاہد جاگ ذرا!!!

تبصرہ: لگتا ہے پروین شاکر کی دعا قبول ہوگئی ہے جس کی واضح دلیل ہمارے بہادر سپہ سالار جنرل راحیل شریف حفظہ اللہ تعالیٰ کی ضربِ عضب کی صورت میں اندرونی و بیرونی دشمنانِ اسلام کا قلع قمع کرنا ہے۔

تراشہ نمبر 86

مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارنا اور مصیبت کے بعد اللہ تعالیٰ کو بھول جانا (نعوذ باللہ من ذالک)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اسی سے فریاد کرتے ہو۔

(النحل:53)

انسان مصیبت کے وقت رو رو کر اور چلا چلا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اس سے فریاد کرتا ہے اور جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر اس کو بھول جاتا ہے یہ کتنی بڑی جہالت، گمراہی،

احسان فراموشی اور ناشکری ہے' اسی طرح جب انسان کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو شفاء عطا فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں فلاں دوا سے ٹھیک ہو گیا یا فلاں ڈاکٹر کے علاج سے میں صحت مند ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا جو مؤثر حقیقی ہے' اسی طرح بزرگوں کا نام لیتے ہیں جو وسیلہ ہیں اور مجازی کارساز ہیں حقیقی کارساز اللہ تعالیٰ ہے' وہ اگر نہ چاہے تو کسی کا وسیلہ کام آ سکتا ہے نہ کسی کی دوا اثر کر سکتی اور نہ دعا کام آ سکتی!

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

آج یکم محرم 602ھ کو جب میں اس کتاب کے اوراق لکھ رہا تھا اس وقت صبح کا وقت تھا' اچانک بہت سخت زلزلہ آیا اور زبردست جھٹکے لگنے لگے' میں نے لوگوں کو دیکھا وہ چیخ چیخ کر دعا مانگ رہے تھے اور گڑگڑا رہے تھے' پھر جب زمین پرسکون ہوگئی اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی اور حالات معمول پر آ گئے تو میں نے دیکھا پھر اپنی حرکتوں کی طرف لوٹ گئے کہ ابھی وہ تھوڑی دیر پہلے چیخ و پکار کر رہے تھے' اللہ تعالیٰ کے نام کی دہائی دے رہے تھے اور اس سے گڑگڑا کر دعائیں کر رہے تھے۔ (تفسیر کبیر ج7 ص243 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت 1415ھ)

(تبیان القرآن' ج6 ص465 'مفسر قرآن علامہ غلام رسول سعیدی)

تراشہ نمبر 87

شجرکاری

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ معظمہ میں ایک کھجور کا پودا لگایا اور یہ آپ کی خلافت کا آخری دور تھا' فرمایا:

اسے بوتے ہوئے مجھے یہ طمع نہیں کہ میں اس کا پھل کھاؤں گا بلکہ مجھے اسے بونے پر اسدی کا شعر یاد آتا ہے:

لَیْسَ الْفَتٰی لَا یُسْتَضَاءُ بِهٖ وَلَاتَکُوْنُ لَهٗ فِی الْاَرْضِ اٰثَارٗ

''وہ جوان' مرد نہیں! جس سے کوئی روشنی پھیلتی ہے اور نہ زمین میں اس کے کاموں کی کوئی یادگار رہتی ہے''۔

صحیح مسلم میں ہے: نبی اکرم ﷺ حضرت ام مبشر انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کھجوروں کے باغ میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: مسلمان جو بھی درخت لگاتا ہے اور

کاشتکاری کرتا ہے پھر اس سے انسان، چوپائے یا کوئی اور جاندار جو کچھ کھاتا ہے اس کا اجر و ثواب شجر کاری کرنے اور کھیتی بونے والے کو ملتا ہے۔

ایک روایت میں ہے (دیکھئے مسند عمر بن عبدالعزیز) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص کوئی درخت لگاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے درختوں اور پھلوں کی تعداد کے برابر اجر عطا فرماتا ہے۔

امام الجصاص الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ ''احکام القرآن'' میں آیت کریمہ: ''هُوَ اَنْشَاَ كُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَ كُمْ فِيْهَا'' (ھود:61) اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں تمہیں آباد کیا' کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس میں زراعت، شجر کاری اور مکانات کی تعمیر سے زمین کو آباد رکھنے کے وجوب پر دلیل ہے۔ (ج3 ص165)

تراشہ نمبر 88

گلیاں ہو جان سنجیاں وچ مرزا یار پھرے

عشق رسول ﷺ تو بڑی بات ہے (عام) محبت انسان کو اپنی ذات سے بے نیاز کر دیتی ہے، خواہش وصال اس فکر کا نام بن جاتی ہے ''کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں؟ ہو تو کیونکر یہی حال اقتدار کی طلب کا ہے۔ حصول اقتدار کی لگن میں انسان اپنے خدا کی اطاعت سے غافل نہیں ہوتا اور نہ ہی گدی سنبھالنے کی خاطر بنیادی احکامات اور اصولوں پر مفاہمت کرتا ہے۔

مگر عشق جب ہوس کی صورت اختیار کر جاتا ہے تو پھر انسان دوسرے کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور ہوس کی راہ میں جو چیز بھی آئے اسے ہٹانے پر تل جاتا ہے۔ پنجابی کا لوک گیت ہے:

حجرے شاہ مقیم دے اک جٹی عرض کرے
میں بکرا دینی آں پیر دا' مرے سر دا سائیں مرے
پنج ست مرن گوانڈناں تے رہندیاں نوں تاپ چڑھے
کتی مرے فقیر دی جیڑی نت چوں چوں کرے

ہٹی سڑے کراڑ دی جتھے دیوا نت بلے
گلیاں ہو جان سنجیاں وچ مرزا یار پھرے

اس کا اردو ترجمہ یہ ہے: شاہ مقیم کے حجرے پر ایک جٹی یہ عرض کر رہی تھی کہ میرے سر کا سائیں (شوہر) اُٹھ جائے تو میں پیر کے نام پر بکرا قربان کروں۔ میرے ہمسائے مخبری کرنے والی عورتیں ہیں' ان میں سے کچھ کو خدا اٹھا لے اور باقی کسی مرض میں مبتلا ہو جائیں' اور یہ فقیر کی کتیا جو ہر وقت بھونکتی رہتی ہے اور محبوب کے آنے جانے کی خبر دیتی ہے مر جائے' وہ بنیا جو دن رات دیا جلائے اپنے حساب میں لگا رہتا ہے اس کی دکان جل جائے' جب ساری گلیاں سُونی (ویران) ہو جائیں تو میرا محبوب بے خوف وخطر گھومتا پھرے۔

اقتدار کی ہوس میں بھی انسان کی یہی حالت ہو جاتی ہے' جو چیز اس کی دسترس سے باہر رہے وہ اسے اپنی قوت کی کمی کا احساس دلاتی رہتی ہے۔ آدمی یہ بھول جاتا ہے کہ اقتدار تو اللہ کا وصف ہے اس میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا' اگر آپ ایسے مقام پر پہنچ جائیں جہاں دوسروں پر آپ کے حکم اور فیصلے کا احترام لازم ہو جائے تو حکم ایک امانت بن جاتا ہے۔ بات حکم چلانے کی نہیں ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ اس امتحان سے بہت کم قومیں اور افراد سُرخ رُو ہو کر نکلے ہیں۔ اسلامی تاریخ تو جابر سلطانوں سے بھری ہوئی ہے۔ شہروں اور بازاروں کو برباد کرتے ہوئے جب حاکم وقت شمشیر بدست منبر پر کھڑا ہو جاتا تو جوان کی اطاعت میں نہیں جھکتا تھا گردن سے جدا کر دیا جاتا تھا' نہ کوئی رشتہ قائم رہتا' نہ کوئی کاروبار نہ کوئی مخالفت کی کوئی آواز سنائی دیتی۔ ہر طرف سناٹا چھا جاتا۔ حاکم وقت جام پر جام لنڈھائے جاتا مگر اس کی اقتدار کی پیاس نہ بجھتی۔

ہمیں آزادی کی نعمت سے فیض یاب ہوئے اب اَڑسٹھ (68) برس ہو گئے ہیں۔ ذرا فرد میزان بنایئے اور دیکھئے کہ کیا کھویا کیا پایا' وہ کیا خواب تھا جو قائداعظم نے دیکھا اور وہ کیا حقیقت تھی جس نے ایک سیاہ بادل کی طرح ہمیں اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ خواب یہ تھا کہ ایک آزاد خود مختار مملکت بنے گی جس میں عدل واخوت کے اصولوں کے مطابق ہر شہری کو ترقی اور تکمیل کے برابر مواقع فراہم کیے جائیں گے۔ اس کے حقوق کی مکمل حفاظت کی جائے گی اور اس کی کسی بنیادی آزادی پر کوئی ناجائز بندش نہیں لگائی جائے گی۔ رنگ اور نسل' ذات اور

برادری، جسم اور زبان کے ہر امتیاز سے بالاتر ہو کر ہر شخص سے منصفانہ سلوک کیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم کی رحلت کے بعد جو حاکم آیا وہ حصول اقتدار کی ہوس کی نذر ہو گیا۔

اب اقتدار فلانے یا فلانی (بے نظیر) کے ہاتھ میں ہے۔مگر تمام وقت وہ اپنے اختیارات کو وسعت دینے اور اقتدار پر اپنی گرفت مستحکم کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ وزیر، مشیر اور ان کے اردگرد جتنے لوگ ہوں وہ تمام دوست انہیں حریفوں کو زیر کرنے کے گر سکھاتے رہتے ہیں، حریفوں میں چار پانچ مر جائیں تو باقی حراست کے خوف میں مبتلا ہو جائیں، تو راستہ صاف ہو جائے گا، انتظامیہ کی کتیا مر چکی ہے اور عدلیہ کی ہٹی کے دیئے بجھتے جا رہے ہیں۔صحافت کی چوں چوں بھی ختم ہو رہی ہے اور قریب ہے کہ گلیاں سونی ہو جائیں اور مرزا یار دندناتا پھرے (اللہ خیر کرے میرے پیارے دیس کی)۔

(الطاف گوہر مرحوم کے کالم سے اقتباس، بشکریہ جنگ لاہور، 1994)

تراشہ نمبر 89

رسوائے زمانہ سلمان رُشدی

بدنام زمانہ رشدی جس کی ولدیت بھی مشکوک رہی ہے (دلی میں میرے کالج کے سیکرٹری رشدی صاحب ہمارے گرلز کالج کی ایک خاتون سے مشتبہ حالات پیدا کر رہے تھے، انہیں قائداعظم نے برطرف کر دیا اور وہ دلی میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہا تو خاتون کو لے کر بمبئی چلا گیا، وہاں کسی وقت یہ ملعون سلمان ابن رشدی پیدا ہوا، اسے بے شرمانہ تعلیم دی گئی، برطانیہ میں بھی رکھا گیا اور وہاں بی بی سی سے بھی وابستہ رہا، کوئی بیس برس پہلے حضور اکرم ﷺ کے خانگی حالات پر وہ بے شرمانہ کتاب لکھی جس کے خلاف پورا عالم اسلام سر تا پا احتجاج بن گیا۔ایران کے انقلابی رہنما روحانی شخصیت آیت اللہ خمینی نے اور کئی دوسرے علماء نے اس کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ بھی دیا جو آج تک منسوخ نہیں ہوا مگر حکومت برطانیہ نے تمام تر بے شرمی کے ساتھ آزادی تحریر کے نام پر انتہائی مضبوط مسلسل و مسلح سکیورٹی میں رکھا۔اس نے کروڑوں پونڈ کمائے جن میں حکومتی کارندوں نے بھی حصہ بٹایا اور اب وہ کسی خفیہ پناہ گاہ میں رہتا ہے۔اس کے بعد اب تک مغرب میں حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارک، کردار اور خاندان کے متعلق مشرق و مغرب میں کوئی کتاب تحریر یا شائع بھی ہو تو میری یاد میں

معروف نہیں۔ (محترم جمیل الدین عالی صاحب' بشکریہ: روزنامہ جنگ لاہور' پیر 14 محرم الحرام 1427ھ' 13 فروری 2006ء)

تراشہ نمبر 90

ظالم بادشاہ

(صادق حسین شاہ)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی کے لیے ایک احمقانہ شرط رکھی کہ اگر کوئی شخص تین دن میں تین جھوٹ بادشاہ کو سنائے اور بادشاہ انہیں تسلیم کر لے تو اس کی شادی بادشاہ کی لڑکی کے ساتھ ہو جائے گی اور وہ سلطنت کا بھی حقدار ہوگا لیکن اگر کوئی شخص جھوٹ بولنے میں ناکام رہا تو اسے سزا کے طور پر عمر بھر کے لیے جیل بھیج دیا جائے گا۔ یہ بادشاہ بہت ہی چالاک اور ظالم تھا' اس نے یہ ترکیب کی کہ اپنے ساتھ دو منشی رکھ لیے اور انہیں تاکید کی دیکھو جو شخص بھی آئے اس کے دو جھوٹ تسلیم کر لینا مگر تیسرا جھوٹ چاہے کچھ بھی ہو جائے تسلیم نہ کرنا بلکہ اسے سچ مان لینا۔ بادشاہ کا اعلان سن کر بہت سے نوجوان دور دور سے دولت کے لالچ میں آئے اور انہوں نے ایک سے بڑھ کر ایک جھوٹ بولا مگر بادشاہ اور اس کے منشیوں نے اسے کسی طور پر تسلیم نہیں کیا۔ اس طرح بہت سے لوگ ناکام ہو کر جیل کی ہوا کھانے لگے۔ کہتے ہیں کہ سیر کو سوا سیر ٹکرتا ہے' سو یہاں بھی ایسا ہوا۔ ایک شخص جو عقل مند اور بہادری میں مشہور تھا بادشاہ کے پاس پہنچا اور اس نے اپنا پہلا جھوٹ شروع کیا۔ بادشاہ سلامت آج جب میں آپ کے پاس جھوٹ بولنے آ رہا تھا تو میری ماں نے کہا کہ نمک ختم ہو گیا ہے۔ جب میں نمک لینے کے لیے گھر سے نکلا تو باہر تازہ دم اپنے مرغ کو پایا۔ میں نے سوچا اس پر بیٹھ کر نمک لے آؤں ورنہ آپ کے پاس پہنچنے میں دیر ہو جائے گی۔ میں نے بوری ساتھ لی اور مرغ پر بیٹھ کر کہا کہ ذرا بیٹا نمک کے پہاڑ پر تو چل۔ یہ سنتے ہی اس نے اڑنا شروع کر دیا۔ ایک منٹ میں پچاس میل دور نمک کے پہاڑ پر پہنچ گیا۔ میں نے جلدی جلدی بوری میں نمک بھرا اور مرغ پر بیٹھ کر ایک منٹ میں واپس گھر آ گیا۔ بادشاہ جھوٹے کی بات سن کر مسکرایا اور کہنے لگا: ٹھیک ہے تمہارا پہلا جھوٹ تسلیم کیا جاتا ہے' اب تم کل دوسرا جھوٹ سنانا۔ دوسرے روز اس نے کہا:

بادشاہ سلامت آج آپ کے پاس آتے وقت میری نظر اپنے مرغے پر پڑی میں نے دیکھا کہ مرغا کچھ اداس اور سست سا کھڑا ہے' کہیں دل اور پھیپھڑے وغیرہ زخمی نہ ہو گئے ہوں۔ میں نے چاقو لیا اور مرغے کے دو ٹکڑے کر دیئے' میں نے دیکھا کہ اس کا دل ایسی حالت میں ہے کہ جیسے اس پر ہل چلایا گیا ہو' میں نے اس زرخیز زمین کو دیکھ کر سوچا کیوں نہ اس میں خربوزے بوئے جائیں۔ میں نے تھوڑے سے بیج ڈال دیئے اور پانی لینے کے لیے باہر نکلنے پر گیا' واپس آیا اور دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ خربوزے کی ایک بڑی سی بیل پورے صحن پر چھائی ہوئی ہے اور اس میں خربوزے ہی خربوزے لٹک رہے ہیں۔ میں نے خیال کیا بادشاہ سلامت کی خدمت میں ایک خربوزہ ہی لے جاؤں لیکن مجھے اندیشہ ہوا کہ کل مرغ پر نمک رکھ کر لایا تھا کہیں اس کا کڑوا پن خربوزے میں نہ آ گیا ہو۔ خربوزے کو چکھنے کے لیے میں نے چاقو نکالا مگر وہ میرے ہاتھ سے پھسل کر خربوزے کے اندر جا گرا' میں نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر بے سود' میں نے غصے میں خود خربوزے کے اندر چھلانگ لگا دی' کیا دیکھتا ہوں کہ ایک طرف سے سینکڑوں کی تعداد میں آدمی چلے آ رہے ہیں۔ قریب آنے پر ان میں سے ایک آدمی نے مجھ سے کہا: یہاں کیا تلاش کر رہے ہو؟ میں نے کہا: جناب میرا چاقو گم ہو گیا ہے اسے تلاش کر رہا ہوں۔ میری بات سن کر قہقہہ لگا کر کافی دیر تک ہنستے رہے۔ میں نے کہا کہ آخر کیا بات ہے آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟ وہی شخص کہنے لگا: بھائی جان! کیا پاگل ہو گئے ہو کل اس خربوزے میں ہمارے پانچ سو اونٹ غائب ہو گئے ہیں ہم ان کو ڈھونڈ رہے ہیں مگر ابھی تک سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہوئے اور تمہارا ذرا سا چاقو کیسے ملے گا۔ جاؤ میاں عقل کے ناخن لو۔ بادشاہ سلامت! میں اپنی بدنصیبی پر آنسو بہاتا ہوا خربوزے سے نکلا اور آپ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ اس کی بات سن کر کافی دیر تک ہنستا رہا' کہنے لگا: واہ بھئی واہ کتنا اچھا جھوٹ بولا تم نے' اپنا آخری جھوٹ کل سنانا ہو گا۔ تیسرے دن بادشاہ اور اس کے منشیوں نے دیکھا کہ وہ آدمی کافی دور سے روتا اور چیختا چلاتا اور روتا پیٹتا چلا آ رہا ہے' وہ کہہ رہا تھا کہ لٹ گیا' میں برباد ہو گیا' بادشاہ سلامت میں انصاف چاہتا ہوں' جب وہ آیا بادشاہ سے کہنے لگا: جب میں اپنے گھر گیا تو آپ کے یہ دونوں منشی رات کو میرے گھر میں داخل ہو گئے اور تمام روپے اور سونا اٹھا کر لے آئے۔ حضور خدا کے لیے میرا مال واپس دلا دیجئے میں بہت غریب آدمی ہوں' پھر وہ زور زور سے

رونے اور پیٹنے لگا۔ اس کی بات سن کر بادشاہ نے غصے سے منشیوں کی طرف دیکھا کیوں بھائی! یہ کیا کہہ رہا ہے۔ منشیوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا: حضور ہم نے تو اس کا گھر کیا محلہ بھی نہیں دیکھا ہے سونا چرانے کی بات تو دور کی ہے۔ یہ شخص بالکل جھوٹ بول رہا ہے۔ جھوٹے نے منشی کی بات سن کر خوشی سے تالیاں بجائیں اور بادشاہ سے کہنے لگا کہ جناب میرے تینوں جھوٹ پورے ہو گئے آپ اپنا وعدہ پورا کریں' بادشاہ کے پاس اب کوئی بہانہ نہیں تھا' چنانچہ اس نے اپنی لڑکی کی شادی اس شخص سے کر دی اور آدھی بادشاہت بھی اس کے نام کر دی' وہ ایک نیک اور رحمدل بادشاہ بنا اور رعایا کی خدمت کرنے لگا۔ دیکھو بچو' عقلمند آدمی نے جھوٹ بول کر بادشاہ کو کس طرح ہار دی اور خود جیت گیا تمام رعایا کو اس ظالم بادشاہ کے ظلم سے بچا لیا۔

تراشہ نمبر 91

طاقت ور کی منطق اور کمزور کی منطق

پیر رومی حضرت مولانا مولوی جلال الدین رومی کی مثنوی شریف کے دفترِ ششم صفحہ 70 اور 71 پر مندرج ایک مثالیہ حکایت جس کا عنوان ہے "حکایتِ شتر وگاؤ وقچ کہ بند گیاہ در راہ یافتند" یعنی ایک اونٹ' گائے اور مینڈھے کی حکایت جنہوں نے راستے میں گھاس کا گٹھا پایا۔ یہ حکایت قارئین کے لیے خالی از لطف و عبرت نہیں ہو گی۔

اس حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک اونٹ' گائے اور مینڈھا (بھیڑ کا مذکر) اکٹھے چلے جا رہے تھے کہ راستے میں گھاس کا ایک گٹھا پڑا ہوا ملا۔ اب کیونکہ مینڈھا ان سب میں چھوٹی قامت' چھوٹے منہ اور کم طاقت والا تھا اس نے سوچا کہ اگر اسے اکٹھا کھاتے ہیں تو میں بالکل رہ جاؤں گا' لہٰذا اس نے ایک عجیب منطق گھڑی اور کہنے لگا کہ اگر ہم تینوں نے گٹھا کھانا شروع کیا تو کوئی ایک بھی سیر نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی عمر بتائے' جو ہم میں سے بلحاظِ عمر بڑا ہو گا وہ اپنے بڑے پن' بزرگی (سینیارٹی) کی وجہ سے سارے گٹھے کا حق دار ٹھہرے گا۔ یہ الفاظ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ:

لیک عمر ہر کہ باشد بیشتر   ایں علف اوراست اولیٰ گو بخور
کہ اکابر را مقدم داشتن   آمدہ است از مصطفیٰ اندر سنن

یہ کہہ کر سب سے پہلے مینڈھے نے اپنی بزرگی اور عمر بتاتے ہوئے کہا:

گفت قچ مرج من اندر آں عموذ   با قچ قربان اسمٰعیل بوذ

میں اس مینڈھے کے ساتھ چراگاہ میں چرتا رہا ہوں' جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے قربان ہونے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ لہٰذا میں اس مقدس مینڈھے کے ساتھ چرنے کی وجہ سے متبرک بھی ہوں اور سینئر بھی۔ یہ بات سن کر گائے بولی: میں تجھ سے کہیں بزرگ اور سینئر ہوں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین میں اتارا گیا اور زراعت (کھیتی باڑی) کے لیے انہیں گائے (یا بیل) کی سہولت میسر ہوئی تو میں اس گائے کے ساتھ مل کر ہل چلانے کے کام آتی رہی' لہٰذا میں تجھ سے بڑی اور توقیر والی ہوں'...... یہ الفاظ رومی

گاؤ گفته بوده ام من سال خورد   جفت آں گاؤم کش آدم جفت کرد

جفت آں گاؤم کش آدم جد خلق   در زراعت بر زمیں می کرد فلق

جب یہ دونوں اپنی بزرگی کے دلائل دے چکے تو اونٹ نے دلیل کچھ اس طرح دی:

چوں شنید از گاؤ و قچ اشتر شگفت   سر فرود آورد و آنرا بر گرفت

بر ہوا برداشت آں بند قصیل   اشتر بختی سبک بے قال و قیل

کہ اونٹ نے سر نیچا کیا' گھاس کا گٹھا منہ میں پکڑ کر منہ اوپر اٹھایا اور یہ کہتے چل پڑا۔

که مرا خود حاجت تاریخ نیست   کایں چنیں جسمے و عالی گردنے ست

خود همه کس داند اے جان پدر   که نباشم از شما من خرد تر

کہ مجھے اپنی تاریخ پیدائش اور عمر پر دلائل کی قطعاً ضرورت نہیں کیونکہ میرے جسم کی یہ ساخت اور میری لمبی گردن بجائے خود میری زندگی کے ایسے دلائل ہیں کہ ہر دیکھنے والا دیکھتے ہی یہ نتیجہ خود اخذ کر سکتا ہے کہ کم از کم تم سے تو چھوٹا نہیں ہوں۔ اگر تم حقیقت واقعہ کو تسلیم کرتے ہوئے مجھے بڑا نہ بھی جانو ہر صاحب بصیرت و بصارت مجھے دیکھ کر یہ گواہی دینے لگے گا کہ قدرت نے بزرگی میری ہی مقدر میں لکھی ہے۔

(مثنوی رومی' دفتر ششم' صفحہ 70۔71 ' مطبع نامی گرامی حیدری واقع بمبئی' سال طباعت 1294ھ)

تراشہ نمبر 92

غصہ بجا

بعض اوقات انسان کا غصہ بالکل بجا ہوتا ہے اور وہ تادیبی حیثیت کا حامل ہوتا ہے کیونکہ

لوگوں کی درستی کردار و اخلاق اشد ضروری ہے۔ اپنے زیر اثر' زیر تربیت' زیر تعلیم افراد کی اصلاح کرنا اور ناپختہ ذہنوں کی پختگی کے لیے سختی بعض اوقات ضروری ہوتی ہے۔ ایک انسان اگر دشمنی وعداوت' بغض و کینہ اور تفاخر و اقتدار کے اظہار کے طور پر انہیں تہذیب اخلاق' تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کی حکمت کے پیش نظر اور اصلاحی ارادہ سے انسانوں سے سختی' غضب اور غصے کا سلوک روا رکھتا ہے تو یہ نہ معیوب ہے اور نہ ہی وہ عنداللہ گنہگار ہوگا اور حدیث شریف کے مطابق انسان کے ہر عمل کا دارومدار اور اس کا حکم اس کی نیت پر ہے' ایسے مشفق اور اصلاح اندیش انسان کو جو لوگ متکبر یا غصیل کہتے ہیں' انہیں ایسا کہنے سے باز رہنا چاہیے۔

فارسی کے مشہور شاعر صائب تبریزی کا درج ذیل شعر ایسی ہی بلند حوصلہ اور انسان دوست شخصیات کے لیے ہے' جن کے قلوب کبر و نخوت اور بغض و کینہ ایسی رذیل عادات سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔ شعر یہ ہے:

ظہور خشم بزرگاں' تہی زرحمت نیست　　غبار چہرہ گردوں' دلیل باران است

شعر کا مطلب یہ ہے کہ عالی نظر انسانوں کا غصہ رحمت سے خالی نہیں ہوتا' بلکہ ان کے غصے کے پردے میں عنایات کی بدلیاں جھوم رہی ہوتی ہیں' جس طرح آسمان کے چہرے کا غبار آلود ہونا' بارش کی دلیل ہے۔ یعنی بہ ظاہر دیکھا جائے تو آسمان کے گرد آلود چہرے میں بارش کے اثرات دکھائی نہیں دیتے' مگر یہ تجربہ ہے کہ فضا میں جس شدت کے دوران آسمان کا چہرہ جس قدر غبار آلود ہو جائے' اسی قدر زور سے مینہ برستا ہے اسی طرح بزرگوں کے ظاہری غصے اور ان کے شیشہ دل کے غبار کے پیچھے رحمت کی بدلیاں منڈلا رہی ہوتی ہیں' گویا خطا کار کے افق جبین سے ستارۂ ندامت کے جھلملاتے ہی مطلع قدرت سے خورشید لطف و رحمت سر اٹھانے لگتا ہے' بہ قول شاعر:

رحمت منڈلا رہی ہے پیچھے پیچھے　　اک بدلی سی چھا رہی ہے پیچھے پیچھے
اے میری بدی! ٹھہر کہاں جاتی ہے　　توبہ بھی آ رہی ہے پیچھے پیچھے

بہرحال کسی کی قبر پر مٹی کے دو چار ہاتھ ڈال دینے سے یہ بہتر ہے کہ انسان کے دل میں مرحوم کے خلاف جو غبار کدورت ہے اسے دور کر دے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

پس فنا مجھے مٹی نہ دے او آئنہ وش　　وہ پھینک دے کہ جو دل میں غبار باقی ہے

انسان کی سچائی اور صداقت کی دلیل یہ بھی ہوتی ہے کہ جب وہ اصلاح کی نیت سے کسی پر غضبناک ہوتا یا اظہار رنجش کرتا ہے تو وقتی ملال کے فوراً بعد اس کے بارے میں انسان کے سابقہ جذبات انس و محبت عود کر آتے ہیں' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں شتر کینگی نہیں۔ اس کی مثال ہم ماں کے غصے سے دے سکتے ہیں کہ وہ اولاد کو بغرض تادیب مارتی پیٹتی ہے' مگر بچہ ہے کہ پھر بھی اس سے چمٹا جاتا ہے۔

تسکین نہیں جان کو جاناں کے سوا　　مومن کو نہیں سکون ایمان کے سوا

ماں بچے کو مارتی ہے' لیکن پھر بھی　　بچے کو کہیں پناہ نہیں ماں کے سوا

اور جہاں یہ اثرات نہ ہوں وہاں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اصلاح کرنے والے کے دل میں جذبہ مادر جیسی صداقت نہیں' بلکہ اس کی اصلاح کے پس منظر میں محض کینہ پروری' حسد اور عناد ہے۔ (نام و نسب' از حضرت سید نصیر الدین نصیر گیلانی دامت برکاتہ' ص215)

تراشہ نمبر 93

مغلیہ دور میں چار قسم کی سزائیں

ابن حسن کہتے ہیں: مغلیہ دور میں چار قسم کی سزائیں رائج تھیں:

(1) قصاص (2) دیت (3) حدود (4) تعزیرات۔

قاضی اور مجسٹریٹ تمام مقدمات کے فیصلے اسلامی قوانین کے مطابق کرتے اور فوجداری مقدمات میں اسلامی سزائیں نافذ کی جاتیں[1] جہانگیر کے دور میں اسلامی قوانین کی فوجداری پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا' حدود و قصاص کے مقدمات میں سزائیں شریعت کے مطابق دی جاتی تھیں' امیر و غریب کوئی اس سے مستثنیٰ نہ تھا حتیٰ کہ ملکہ نور جہاں کے ہاتھوں ایک شخص کی موت واقع ہوگئی تو بھی بادشاہ نے مقدمہ قاضی کو بھیجا اور حکم دیا کہ فیصلہ شریعت کے مطابق کیا جائے اور کوئی رو رعایت نہ برتی جائے' علامہ شبلی نعمانی نے جہانگیر کے عدل کا یہ واقعہ دالہ د اغستانی کے حوالہ سے ریاض الشعراء سے نقل کیا ہے۔ ریاض الشعراء میں یہ واقعہ منظوم انداز میں بڑے خوبصورت پیرائے میں اس طرح بیان ہوا ہے[2]

---

(1) Ceneral Sturcture of the Mugal Empir in northern India, By Ibn-e-Hassan, P.No.328.329.

قصرِ شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گزر
ایک دن نور جہاں بام پہ تھی جلوہ فگن

کوئی شامت زدہ رہ گیر ادھر آ نکلا
گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف سے قدغن

غیرتِ حسن سے بیگم نے طمنچہ مارا
خاک کا ڈھیر تھا اک کشتۂ بے گور و کفن

ساتھ ہی شاہ جہانگیر کو پہنچی یہ خبر
غیظ سے آ گئی ابروئے عدالت پہ شکن

حکم بھیجا کہ کنیزانِ شبستانِ شہی
جا کے پوچھ آئیں کہ سچ یا کہ غلط ہے یہ سخن

نخوتِ حسن سے بیگم نے بصد ناز کہا
میری جانب سے کرو عرض بہ آئینِ حسن

ہاں مجھے واقعۂ قتل سے انکار نہیں
مجھ سے ناموسِ حیا نے کہا تھا کہ بزن

اس کی گستاخ نگاہی نے کیا اس کو ہلاک
کشورِ حسن میں جاری ہے یہی شرعِ کہن

مفتیِ دیں سے جہانگیر نے فتویٰ پوچھا
کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن

مفتیِ دین نے بے خوفِ خطر صاف کہا
شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اڑا دو گردن

لوگ دربار میں اس حکم سے تھرا اٹھے
پر جہانگیر کے ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن

ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جا کر
پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رسن

پھر اسی طرح اسے کھینچ کے باہر لائیں
اور جلاّد کو دیں حکم کہ ہاں تیغ بزن

یہ وہی نور جہاں ہے کہ حقیقت میں یہی
تھی جہانگیر کے پردہ میں شہنشاہِ زمن

اس کی پیشانیِ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ
جا کے بن جاتی تھی اوراقِ حکومت پہ شکن

اب نہ وہ نور جہاں ہے نہ وہ انداز و غرور
نہ وہ غمزے ہیں، نہ وہ عربدہ صبر شکن

اب وہی پاؤں ہر اک گام پہ تھراتے ہیں
جنکی رفتار سے پامال تھے مُرغانِ چمن

ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی نہ شفیع
ایک بیکس ہے کہ جس کا نہ کوئی گھر نہ وطن

خدمتِ شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام
خوں بہا بھی تو شریعت میں ہے اک امرِ حسن

مفتیِ شرع سے پھر شاہ نے فتویٰ پوچھا
بولے جائز ہے رضامند ہوں گر بچۂ زن

وارثوں کو دیئے لاکھ درہم بیگم نے
سب نے دربار میں کی عرض کہ اے شاہِ زمن

ہم کو مقتول کا لینا نہیں منظور قصاص
قتل کا حکم جو رک جائے تو ہے مستحسن

(2) حاشیہ صفحہ سابقہ...... شبلی نعمانی، مقالاتِ شبلی، مرتبہ سید سلیمان ندوی، (اعظم گڑھ انڈیا، مطبع معارف، 1956ء، ج4، ص108۔109) (بحوالہ: تاریخ نفاذ حدود، ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب)

تراشہ نمبر 94

ڈپٹی نذیر احمد کے پوتے مشہور ادیب شاہد دہلوی نے لکھا ہے انہوں نے اگر چہ لطیفہ کے طور پر لکھا ہے لیکن اس میں بڑی معنویت اور حقیقت کی صحیح عکاسی ہے وہ لکھتے ہیں:

مولوی نذیر احمد (ڈپٹی نذیر) کے دونواسے مشرف الحق اور اشرف الحق علی گڑھ میں پڑھتے تھے ڈاکٹر اشرف الحق نے بتایا کہ نانا ابا نے ہمیں سید صاحب کے کمرے میں بلوایا تو ہم نے دیکھا کہ ان کے پاؤں میں بوٹ ہیں اور ٹانگیں میز پر سرسید کی طرف کئے نہایت بدتمیزی سے بیٹھے ہوئے ہیں اشرف نے چپکے سے ان سے کہا: نانا ابا! پاؤں نیچے کر لیجئے! بولے: یہ انہی کی تعلیم کا نتیجہ ہے سرسید ہنس پڑے۔ (گنجینہ گوہر ص22)

ہم نے عصری نظام تعلیم کے خدوخال کو نکھارنے کے لیے مندرجہ بالا اقتباس اس لیے نقل کیا تا کہ اندازہ ہو کہ دینی مدارس کے نصاب و نظام تعلیم پر شب و روز تیر برسانے والے اپنے دامن کو بھی ذرا دیکھ لیں اس نصاب و نظام تعلیم کا بھی مشاہدہ کر لیں جس پر سرکاری خزانے سے کروڑوں روپے کی خطیر رقم خرچ کی جاتی ہے کہ وہ زیادہ اصلاح طلب ہے یا دینی مدارس کا نظام تعلیم!

تراشہ نمبر 95

دینی مدارس علامہ اقبال کی نظر میں

انگریزی تعلیم کی نشوونما پانے اور کالج و یونیورسٹی کی فضا میں پلنے بڑھنے والے مفکر پاکستان شاعر مشرق علامہ اقبال کا حکیم شجاع کے نام خط کا یہ اقتباس پڑھئے اور دیکھئے کہ اس مرد قلندر کی نگاہ کتنی دوررس اور حقیقت شناس تھی وہ دینی مدارس کی اہمیت کے متعلق لکھتے ہیں:

ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہیں مدارس میں پڑھنے دو اگر یہ ملاّ اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں اگر ہندوستانی مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس (اسپین) میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب

کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا' ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

(دینی مدارس' ابن الحسن عباسی' ص63)

تراشہ نمبر 96

برصغیر کے مسلمانوں پر ملا کا احسان عظیم

قدرت اللہ شہاب مشہور بیوروکریٹ رہا ہے' وہ صدر ایوب خان کا کافی عرصہ سیکرٹری بھی رہا ہے' وہ اپنی مشہور کتاب ''شہاب نامہ'' میں برصغیر کے مسلمانوں پر ملا کے احسان عظیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

لو سے جھلسی ہوئی گرم دوپہروں میں خس کی ٹٹیاں لگا کر پنکھوں کے نیچے اور اب ایئر کنڈیشن میں بیٹھنے والے یہ بھول گئے کہ محلے کی مسجد میں ظہر کی اذان ہر روز عین وقت پر اپنے آپ کس طرح ہوتی رہتی ہے؟ کڑکڑاتے ہوئے جاڑوں میں نرم و گرم لحافوں میں لپٹے ہوئے اجسام کو اس بات پر کبھی حیرت نہ ہوئی کہ اتنی صبح منہ اندھیرے اٹھ کر فجر کی اذان اس قدر پابندی سے کون دے جاتا ہے؟ دن ہو یا رات' آندھی ہو یا طوفان' امن ہو یا فساد' دور ہو یا نزدیک ہر زمانے میں شہر شہر' گلی گلی' قریہ قریہ' چھوٹی بڑی' کچی پکی مسجدیں اسی ایک ملا کے دم سے آباد تھیں' جو خیرات کے ٹکڑوں پر مدرسوں میں پڑھا تھا' اور در بدر کی ٹھوکریں کھا کر گھر بار سے دور کہیں اللہ کے کسی گھر میں سر چھپا کر بیٹھ رہا تھا' اس کی پشت پر نہ کوئی تنظیم تھی نہ کوئی فنڈ تھا' نہ کوئی تحریک تھی' اپنوں کی بے اعتنائی بے گانوں کی مخاصمت' ماحول کی بے حسی اور معاشرے کی کج ادائی کے باوجود اس نے نہ اپنی وضع قطع کو بدلا اور نہ اپنے لباس کی مخصوص وردی کو چھوڑا' اپنی استعداد اور دوسروں کی توفیق کے مطابق اس نے کہیں دین کا شعلہ' کہیں دین کی چنگاری روشن رکھی' یہ ملا ہی کا فیض تھا کہ کہیں کام کے مسلمان کہیں نام کے مسلمان' کہیں محض نصف نام کے مسلمان ثابت و سالم و برقرار ہیں' اور جب سیاسی میدان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان آبادی کے اعداد و شمار کی جنگ ہوئی تو ان سب کا اندراج مردم شماری کے صحیح کالم میں موجود تھا' برصغیر کے مسلمان عموماً اور پاکستان کے مسلمان خصوصاً ملا کے اس احسان عظیم سے کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتے جس نے کسی نہ کسی طرح کسی نہ کسی حد تک ان کے تشخص کی بنیاد کو

ہر دور اور ہر زمانے میں قائم رکھا۔(شہاب نامہ‘ص239۔241)

تراشہ نمبر97

خوبصورت چہرے‘ خوبصورت آواز اور خوبصورت لکھائی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بناوٹ میں اور ان کے پروں میں جس طرح چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے‘ اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی جسمانی بناوٹ میں یا اس کی خوش آوازی میں یا اس کی خوبصورت لکھائی میں یا اس کی آنکھوں یا ناک یا چہرے کی ملاحت میں یا اس کے بالوں کے گھونگریالے پن میں یا اس کی عقل کی تیزی یا اس کے علم اور ادراک میں یا اس کے پیشے میں یا اس کے نفس کی پاکیزگی میں یا اس کی گفتگو کی شیرینی میں جس طرح چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے‘ اور ان چیزوں کا بہ طور تمثیل ذکر کیا گیا ہے ان چیزوں میں منحصر کرنا مراد نہیں ہے اور آیت ان تمام چیزوں کو شامل ہے‘ بلکہ جن چیزوں کو ظاہری طور پر حسین کہا جاتا ہے اور جن چیزوں کو ظاہری طور پر قبیح کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا اضافہ کرنا ان سب کو شامل ہے‘ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو بھی بنایا ہے وہ حسین ہے خواہ ہم کو اس کے حسن کی وجہ معلوم ہو یا نہ ہو۔

آواز کے حسن کا اس حدیث میں ذکر ہے:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی آوازوں سے قرآن کو مزین کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:1468‘ سنن النسائی رقم الحدیث:1014‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:1352)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اپنی آوازوں کے حسن کے ساتھ قرآن مجید کی زینت کو ظاہر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے بہت بلند اور برتر ہے کہ مخلوق کی آوازوں سے وہ مزین ہو اور قرآن مجید کو خوش الحانی اور طرز کے ساتھ پڑھنا اس وقت تک مستحسن ہے جب تک کہ حروف کی ادائیگی میں کمی یا زیادتی سے قرآن مجید کا معنی متغیر نہ ہو۔

اور خوش خط لکھنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خوبصورت کتابت اور تحریر حق کو زیادہ واضح کرتی ہے۔ (مسند الفردوس للدیلمی ج 2 رقم الحدیث: 2816' الجامع الصغیر رقم الحدیث: 4134' حافظ سیوطی نے اس حدیث کی سند کو ضعیف فرمایا ہے)

خوبصورت لکھائی ان چیزوں میں سے ہے جس کی طرف تمام شہروں کے لوگ رغبت کرتے ہیں اور اس فن میں کمال حاصل کرنا کمالات بشریہ میں سے ہے' ہر چند کہ اس فن میں زیادہ ترقی کرنا مقاصد میں سے نہیں ہے اور کتنے درویش اپنے قلم کے ذریعہ روزی حاصل کرتے تھے' خوبصورت لکھائی سے پڑھنے والا محظوظ اور خوش ہوتا ہے' سبز پتوں میں پکے ہوئے پھل سفید کاغذوں میں خوبصورت لکھائی سے زیادہ خوش نما نہیں معلوم ہوتے' اور خوبصورت لکھائی سے لکھا ہوا مسودہ نوخیز حسیناؤں کے گلابی رخساروں سے زیادہ بھلا لگتا ہے اور علما نے کہا ہے کہ خوبصورت لکھائی بھی ایک قسم کی فصاحت ہے۔

(تبیان القرآن ج:9' علامہ غلام رسول سعیدی)

نکیرین کرتے ہیں تعظیم میری فدا ہو کے تجھ پہ یہ عزت ملی ہے

(رضا بریلوی)

تعظیم و توقیر رسول کریم ﷺ اور تحفظ رسالت ایمان کی اصل ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا:

اللہ کی سر تا بہ قدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

عزت مآب جناب صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب کا ایک جامع اور خوبصورت خطاب جو انہوں نے بنگلہ دیش میں حضرت علامہ ڈاکٹر سید ارشاد احمد بخاری صاحب کے اسلامک سنٹر کے احباب سے ارشاد فرمایا' خطاب کا متن یہ ہے......

کوئی بھی ادارہ چلانے کے لیے سب سے اہم چیز ہدف کا تعین' پھر اس کی پلاننگ پھر مالی اور افرادی وسائل کی فراہمی' پھر ان وسائل کا تدبر و فراست کے ساتھ استعمال و انتظام کہ کم سے کم وسائل سے زیادہ سے زیادہ اہداف کا حصول اور ان کے لیے انتظامیہ میں صاحب فراست اور صاحب استعداد حضرات کا چناؤ نہایت اہم ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان

میں آپس میں اتحاد و اتفاق کے ساتھ ساتھ اخلاص ہو اور عقائد ونظریات میں ہم آہنگی ہو وغیرہ۔ (سبحان اللہ! معارف رضا' شمارہ 7 جلد 26)

تراشہ نمبر 98

ہمارا تعلیمی نصاب ایک خطرناک فروگزاشت

(فضل حق)

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است　　آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

(اقبال)

یہ واقعہ 1956ء کا ہے' ایک ہفتہ ہوگیا تھا قرطبہ کے وائی ایم سی اے (ینگ مین کرسچن ایسوسی ایشن) ہاسٹل میں ٹھہرے ہوئے' سرما کا آغاز تھا' شمال مغربی یورپ کے اکثر لوگ' سرما کے شدید ہونے سے قبل سپین کے ساحلی علاقوں میں سیر اور چھٹی کے لیے آ جاتے ہیں' مجھے چونکہ چار ماہ تک سویڈن سے لے کر سپین تک تمام شہروں کی سیر کا تفریحی اور تعلیمی جنون تھا' اس لیے امریکہ میں تین ماہ کا سرکاری کورس ختم ہوتے ہی میں نے چار ماہ کی رخصت لے لی' سستا زمانہ تھا' ڈالر چار پاکستانی روپوں میں بکتا تھا' پھر وائی ایم سی اے ہاسٹل (YMCA) ہاسٹل میں رہنا خصوصی کم خرچ ہوتا تھا' یہ ہاسٹل یورپ کے ہر بڑے شہر میں اکثر چلتے تھے' میں نے وائی ایم سی اے کی رکنیت اس مغربی سفر پر رواں ہونے سے پہلے لاہور میں ہی حاصل کر لی تھی' سچی بات یہ ہے کہ یہ سب کارروائی ایک خواب ایک جنون کا شاخسانہ تھی' 1942ء میں کالج کا زمانہ تھا' تاریخ کے طالب علم ہونے کے علاوہ شاعری بھی کرتے تھے' شعر کا صحرا تھا' سمندر تھا' ایک دن پہلی بار اقبال کی مشہور نظم مسجد قرطبہ سے ٹکراؤ ہوا' جب اس شعر پر پہنچے!

عشق فقیہہ حرم عشق امیر جنود　　عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام

تو سوچا کہ اقبال تو امیر آدمی تھے' ابن السبیلی سفر کر سکتے تھے' لندن' روم' غرناطہ اور قرطبہ جاتے رہتے تھے' ہم ایک غریب طالب علم کالج کے وظیفے پر پڑھنے والے' ہمارا یہ مقدر کہاں؟ شاید وہ لمحہ قبولیت کا تھا' ہم برلن' پیرس' غرناطہ اور قرطبہ کا تمام سفر ریل پر کر آئے' دریائے کبیر کا کنارہ نہ جانے کیوں' ہمیں کھینچتا تھا' قرطبہ میں قیام سب شہروں سے لمبا ہوا'

قرطبہ کی وائی ایم سی اے کی معمولی قیام گاہ ایک بڑے اور شاندار ہوٹل کے پہلو میں واقع تھی وہاں بڑے امیر سیاح ٹھہرے ہوئے تھے۔ مسجد قرطبہ کے ایک کونے میں سرکار نے ایک چھوٹا سا گرجا (Chapl) بھی بنا دیا تھا۔ اس زمانے میں ابھی عیسائی' مسلم تعلقات میں آج کی تلخی نہ تھی' پھر ایک جگہ ٹھہرے ہوئے سیاح ایک برادری بھی بن جاتے ہیں' چنانچہ ہر صبح جہاں ہم مسجد میں نماز کے لیے جاتے' ہمارے عیسائی بھائی بھی سیاحوں کی ایک چھوٹی سی مارننگ چرچ سروس کرا لیتے۔ اس شاندار ہوٹل سے بھی ایک بزرگ مسیحی روزانہ اس وقت چیپل جاتا جب ہم اقبال کی مسجد قرطبہ میں سربسجود تصویر ہاتھ میں لیے مسقیطہ جاتے (ہسپانوی لوگ مسجد کو مسقیطہ کہتے ہیں)' یہ بزرگ اکثر ہمارے ہمراہ ہو لیتے' یہ صاحب سویڈن کے ایک معمر ریٹائرڈ پروفیسر تھے' رستے میں گپ شپ ہوتی' ان کا مضمون فلسفہ تھا' لیکن تاریخ سے دلچسپی تھی' جب ایک ہفتہ سفر سحری کا ساتھ ہو چکا تو بے تکلفی کے در کھلنے لگے' گفتگو قوم اور مذہب سے بالاتر ہوگئی اور پھر ایک صبح تو ہم نے اس بڈھے پروفیسر کو سمجھئے بیعت ہی کر ڈالا' وہ بھی ایک معصوم سی شرارت سے' مسجد قرطبہ کے بڑے دروازے کے دونوں طرف سفید مرمر نے دروازے کی چوکھٹ کو تختی کی طرح آغوش میں لیا ہوا ہے' ایک طرف تو تعمیر کے وقت کی سورۂ فاتحہ مرمر میں دھنسی ہوئی ہے' دوسری طرف جناب مسیح علیہ السلام کی رومن حکومت کی گرفتاری اور صلیب اٹھائے قتل گاہ کی سمت ہجوم کے ساتھ سفر کی داستان' سینٹ پال کی زبانی عبرانی زبان میں (انجیل کی آسمانی آیات کا دعویٰ لیے) کندہ ہے' پروفیسر البرٹ ہیوم' اب ہمیں بیٹا (Come my son) کہنے لگے تھے' وہ طبعاً بہت شفیق انسان تھے' وہ یوں بھی ہمیں (معصومانہ) تاریخ کا طالب علم نہیں سکالر کہتے تھے' ہم نے اپنی سفری ریسرچ میں یہ پڑھا ہوا تھا کہ شاہ فرڈیننڈ اور اس کی ملکہ ازابیلا نے جب مسلمانوں کے آخری شہر غرناطہ میں مسلمان شاہ غرناطہ سے شکست نامہ لکھوالیا تمام اہل حرم بحیرہ روم کے رستے واپس لوٹے تو اندلس پھر سپین اور قرطبہ (Cordora) ہوگیا اس وقت تو شاہ فرڈی ننڈ نے یہ عبرانی عبارت انجیل کے حوالے سے سورۂ فاتحہ کے مقابل کندہ کروائی تھی' ایک صبح ہم نے یہ قصہ پروفیسر البرٹ کو سنایا پھر سورۂ فاتحہ خوش الحانی سے پڑھی اور اس کا انگریزی میں ترجمہ کر دیا' ابھی پروفیسر البرٹ صاحب اس قصے اور تلاوت اور ترجمے کے طلسماتی تاثر سے نکل نہ پائے تھے کہ ہم نے کہا: انکل اب آپ انجیل

مقدس کی آیات پڑھیں اور انگریزی میں ترجمہ مجھے سمجھائیں' میں ہر صبح یہ ارادہ کرتا ہوں کہ آپ سے کہوں گا لیکن پھر جھجک جاتا ہوں' پروفیسر البرٹ پرتو گویا بجلی گری' دیر تک پریشانی میں مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے' سنبھلے تو کہا: شاہ فرڈی ننڈ کی جو تاریخ تم نے بتائی ہے ٹھیک ہوگی' اس تحریر کا پس منظر ہوسکتا ہے لیکن مجھے عبرانی نہیں آتی' ہاں معرکہ غرناطہ کے بعد ایک تاریخی واقعہ جو یاد کر کے مجھے آنسو آتے ہیں وہ سن لو اور سمجھو کہ انسان جب ذلت کی گہرائیوں میں اترتا ہے تو نہ خدا کو چھوڑتا ہے نہ اس کے رسولوں کو اور پھر وہ یوں گویا ہوئے:

جب آخری مسلمان تاجدار' غرناطہ کے محل الحمراء سے روتا چلا گیا شاہ فرڈی ننڈ اور کئی ہسپانوی اور فرانسیسی مذہبی علماء اور علم التاریخ کے ماہر قرطبہ میں دس دن تک حلقہ تحقیق برپا کر کے بیٹھے رہے' ان کے سامنے ایک سوال تھا' مٹھی بھر سپاہی جن کے جرنیل نے کشتیاں جلا کر جبل الطارق پر ہی کہہ دیا تھا کہ ہمیں واپس نہیں جانا انہوں نے اتنا بڑا ملک کیسے فتح کر لیا؟ پھر یہ کہ اگر جنگ ٹورز (Battle of tours) میں طارق کو پسپائی نہ کرنا پڑتی اور وہ تھوڑا باقی فاصلہ پیرس تک بھی طے کر لیتا' فرانس فتح ہو جاتا تو مسیحائی کلچر کا کیا حشر ہوتا' اس سوال کا ذیلی سوال' اس قلیل سپاہ میں یہ قوت کہاں سے آئی؟ پروفیسر ہیوم (خدا اسے مغفرت کرے) یہ قصہ سنا کر کچھ دیر خاموش آسمان کو دیکھتے رہے' پھر بولے: بیٹا! اس مطالعاتی گروپ کا فیصلہ یہ تھا کہ مسلمان لشکر میں اصل قوت حرب اس عشق رسول کے چشموں سے آتی ہے جس کے بغیر مسلمان اپنے آپ کو نامکمل سمجھتا ہے' جب یہ فیصلہ ہو چکا تو مطالعاتی گروپ نے اپنے نوٹس (Notes) سب جلا دیئے۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد پروفیسر صاحب جن کی سفید ڈاڑھی اب اشکوں سے تر ہو چکی تھی گویا ہوئے' وہ دن اور آج کا دن ہے کہ میرے جو مسیحی بھائی اپنے آپ کو تاریخ اور دین کے تقابلی اور تجزیاتی ماہر کہتے ہیں پیغمبر اسلام کی (نعوذ باللہ) کردار کشی میں لگے ہوئے ہیں۔ آج جب مرحوم پروفیسر البرٹ کی یہ بات مجھے یاد آتی ہے تو وہ تاریخی المناک باتیں اور بھی یاد آتیں ہیں۔

(ا) عراق پر حملہ کرنے سے پہلے امریکہ کے عیسائی صدر بش نے پہلی تقریر میں کہا تھا' صلیبی جنگ شروع ہو چکی ہے۔

(ب) 1947ء سے آج تک کسی پاکستانی سرکار کو یہ خیال نہیں آیا کہ ''سیرت النبی ﷺ'' کو

امتحانی مضمون کا درجہ دے کر قومی تعلیمی نصاب میں مناسب مقام دیا جائے۔

آخر میں اب سے دس سال پہلے کہی ہوئی میری نعت کے دو شعر:

ظلمت کدہ ہے شہر کہ ظالم ہے شہر یار پھرئے یہاں نگاہ میں تاب حرم لیے
بدرو حنین کی کوئی ساعت نہ مل سکی مر جایئے جگر میں یہی ایک غم لیے

(روزنامہ جنگ لاہور' فضل حق 15 / جمادی الثانی 1427ھ بمطابق 12 جولائی 2006ء)

تراشہ نمبر 99

ملفوظ

حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ نے فرمایا: کفار کا مؤمنین کے ساتھ جنگ کرنا درحقیقت اتنا مضر نہیں جتنا کہ بداعتقاد لوگوں کی تقریر و تحریر۔ کیونکہ کفار کے ساتھ جنگ سے بڑی تکلیف یہی ہوتی ہے کہ مؤمن کفار کی تلوار کے غلبہ سے مقتول ہوتے ہیں' لیکن ایمان رکھتے ہوئے مقتول ہونا تو ایک بڑی کامیابی ہے۔ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں۔ انسان محل حوادث ہے۔ جسم برباد بھی ہو جائے مگر ایمان باقی رہے تو کوئی ضرر نہیں۔ مگر جو شخص اسلام کا دعویٰ کرے اور محراب میں منبر پر کھڑے ہو کر واعظانہ صورت میں ناصحانہ آیات و احادیث پڑھ کر بے جا تاویلوں اور حیلہ بازیوں سے اہل اسلام کے عقیدوں میں خلل پیدا کرے تو ایسے شخص کا ضرر بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ اس کی زبان کا ڈنگ روح اور ایمان کے لیے ایک خطرناک اژدھا ہے جس سے متاع اسلام برباد ہوتی ہے۔ صحبت بد کا اثر برے کام کرنے سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ہم سے تو ایسی فقیری نہیں ہو سکتی کہ عقائد متواترہ اسلامیہ پر ایسے حملوں کے وقت خاموش بیٹھ کر تماشا دیکھا کریں' اور ہم ایسے فقر سے بھی ہزاروں دل سے بیزار ہیں جو عین مداہنت اور بے غیرتی ہو۔ مرزا قادیانی سے مقابلہ کے وقت بھی بعض مہربانوں نے جو اخلاص کا معنی نہیں جانتے اعتراض کیا کہ فقراء کا کام بحث مباحثہ نہیں۔ انہوں نے یہ نہ جانا کہ یہ جہاد اس شخص کے ساتھ ہے جس کے خیالات فاسدہ کی تیغ بے دریغ سے ملت محمدی برباد ہو رہی ہے۔

(تجلیات مہر انور' مفتی سید شاہ حسین گردیزی دامت برکاتہم العالیہ)

تراشہ نمبر 100

اسلام میں نظریہ توحید

اللہ عزوجل کے ایک ہونے اور اپنی ذات وصفات میں یکتا و بے مثل ہونے کے بے شمار نقلی و عقلی دلائل ہیں، سب کا احاطہ ناممکن، ذیل میں ان کا مختصر بیان سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے:

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ O (البقرہ:163)

اور تمہارا معبود ایک معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، مگر وہی بڑی رحمت والا مہربان O (کنزالایمان)

حضور اکرم سید عالم ﷺ نے جب اللہ رب العزت کی ربوبیت کا اعلان کیا اور معبودان باطل کا رد فرمایا تو کفار نے رب کی شان وصفت کا سوال کیا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں صرف رب عزوجل کو ہی معبود بتایا گیا ہے اور یہ کہ کوئی اس کا شریک و مثیل نہیں وہ یکتا ہے۔ جب ساری کائنات کو اکیلے اسی نے بنایا تو معبود بھی وہی ہوگا، انعام کوئی کرے اور شکر کسی اور کا ادا کیا جائے یہ بڑی جہالت ہے اور خلاف دانش بھی۔

کفار مکہ تو سینکڑوں معبودان باطل کی پرستش کرتے تھے حتیٰ کہ تین سو ساٹھ بت خانہ کعبہ میں رکھ ڈالے تھے، اب جب انہوں نے سنا کہ معبود صرف ایک اللہ ہے تو ان کو تعجب ہوا اور وحدانیت خداوندی کی دلیل کا مطالبہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد والی آیت کریمہ اتاری جس میں نہایت واضح انداز میں توحید کے دلائل بیان کئے گئے ہیں کہ اگر عقل ست نہ ہو تو اعتراف حقیقت میں ذرا تامل نہیں ہوسکتا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کا بدلتے آنا، اور کشتی دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کے مردہ زمین کو اس سے جلا دیا اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ

الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (البقرہ:164) آسمان وزمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے' ان سب میں عقل مندوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں (کنزالایمان)

یہ سب مذکورہ بالا امور ممکنہ ہیں اوران کا وجود بہت سے مختلف طریقوں سے ممکن تھا مگر وہ ایک مخصوص شان سے وجود میں آئے' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ضروران کے لیے موجد ہے اوروہ قادر وحکیم ہے جو بمقتضائے حکمت ومشیت جب چاہتا ہے بناتا ہے' کسی کواس کی مشیت میں دخل واعتراض کی مجال نہیں اوروہ معبود قادر وحکیم بالیقین یکتا ہے کیونکہ اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی فرض کیا جائے تو اس کوبھی ان مقدورات پر قادر ماننا پڑے گا' اب دو حال سے خالی نہیں یا تو ایجادو تاثیر میں دونوں متفق الارادہ ہوں گے یا نہ ہوں گے اگر ہوں تو ایک ہی شئے کے وجود میں دو مؤثروں کا تاثیر کرنا لازم آئے گا اور یہ محال ہے کیونکہ یہ مستلزم ہے معلول کے دونوں سے مستغنی ہونے کو اور دونوں کی طرف مفتقر (محتاج) ہونے کو کیونکہ علت جب مستقلہ ہو تو معلول صرف اسی کی طرف محتاج ہوتا ہے دوسرے کی طرف محتاج نہیں ہوتا' اور دونوں کو علت مستقلہ فرض کیا گیا ہے تو لازم آئے گا کہ معلول دونوں میں سے ہر ایک کی طرف محتاج ہو اور ہر ایک سے غنی ہو تو اس صورت میں نقیضین (دو مختلف چیزیں) مجتمع ہو گئیں اور یہ محال ہے۔

اور اگر یہ فرض کرو کہ تاثیران میں سے صرف ایک کی ہے تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی یعنی جب علت مستقلہ دونوں ہیں تو ایک ہی کی تاثیر کیوں؟ پھر دوسرے کا عجز لازم آئے گا اور جو عاجز ہو وہ الٰہ اور معبود ہونے کے لائق نہیں' اور اگر فرض کرو کہ دونوں اپنے ارادے میں مختلف ہیں تو ایک کا ارادہ وجود کا ہوگا دوسرے کا عدم کا ہوگا تو ایک ہی چیز بہ یک وقت معدوم وموجود دونوں ہوگی یا دونوں نہ ہوگی' یہ دونوں تقدیریں بھی باطل ہیں' لہٰذا ضروری ہے کہ موجود ہوگی یا معدوم ایک ہی بات ہوگی' اگر موجود ہوئی تو عدم کا چاہنے والا' عاجز اور جو عاجز وہ الٰہ نہ رہا اور اگر معدوم ہوئی تو وجود کا ارادہ کرنے والا مجبور رہا اور جو مجبور ہو وہ الٰہ نہیں الٰہ تو قادر مطلق ہوتا ہے' لہٰذا ثابت ہوا کہ الٰہ ایک ہی ہوسکتا ہے ورنہ سارا نظام قدرت فساد کا شکار ہو جائے گا۔

(ماخوذ از خزائن العرفان) (بحوالہ ماہنامہ اہل سنت کی آواز' اکتوبر 2004ء)

تراشہ نمبر 101

مسلم، مسیحی تعلقات کے تناظر میں

آج سے تقریباً 40 برس قبل' اس وقت کے پوپ نے دنیا کی دینی جماعتوں کے سربراہوں کے نام ایک خط لکھا تھا جس کا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جواب دیا تھا۔ جواب میں مسیحی بھائیوں کے طرز عمل سے مسلمانوں کو جو شکایات تھیں ان کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ ہم اس میں سے صرف ایک نکتہ یہاں پیش کر رہے ہیں جو موجودہ پوپ کے بیان سے متعلق ہے۔

(ادارہ)

میں آپ کو چند ایسے امور کی طرف توجہ دلا رہا ہوں جو مسلمانوں کے لیے اپنے مسیحی بھائیوں سے وجہ شکایت ہیں تاکہ کیتھولک چرچ کے پیشوائے اعظم ہونے کی حیثیت سے جو غیر معمولی اثر ورسوخ آپ کو مسیحی دنیا میں حاصل ہے اس سے کام لے کر آپ ان کی اصلاح کے لیے سعی فرمائیں' اور میں اس بات کا خیر مقدم کروں گا کہ ہمارے مسیحی بھائیوں کے لیے ہمارے طرز عمل میں اگر کوئی چیز معقول وجہِ شکایت ہو تو وہ ہمیں بتائی جائے۔ ہم ان شاءاللہ ان کو رفع کرنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔ دنیا میں امن اور صلح وآشتی کی فضا پیدا کرنے میں ہم سب اسی طرح مددگار بن سکتے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کریں۔ دوسروں سے فیاضانہ سلوک کرنے کی فراخ حوصلگی اگر ہم میں موجود نہ بھی ہو تو کم از کم اتنا تو ہو کہ دوسروں کی حق تلفی کرنے یا ان کو اذیت دینے سے تو ہم باز رہیں۔

مسیحی بھائیوں کے طرز عمل میں جو امور کسی ایک ملک یا قوم کے نہیں' پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے وجہ شکایت ہیں انہیں میں کسی لاگ لپیٹ کے بغیر مختصر آپ سے بیان کیے دیتا ہوں۔

ایک مدت دراز سے مسیحی اہل علم اپنی تحریروں اور تقریروں میں سیدنا محمد ﷺ' قرآن اور اسلام پر حملے کر رہے ہیں اور آج بھی جن کا سلسلہ جاری ہے' وہ مسلمانوں کے لیے ہماری شکایت معقول علمی تنقید کے خلاف ہے۔ علمی تنقید اگر دلیل کے ساتھ اور تہذیب وشائستگی کے حدود میں ہو تو خواہ وہ کیسے ہی سخت اعتراضات پر مشتمل ہو ہم اس پر برا نہیں مانتے بلکہ اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور دلیل کا جواب دلیل سے دینے کے لیے تیار ہیں لیکن ہمیں بجا طور پر

شکایت ان حملوں کے خلاف ہے جو جھوٹے اور رکیک الزامات کی صورت میں اور نہایت دل آزار زبان میں کیے جاتے رہے اور اب تک کیے جارہے ہیں۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتہائی ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہیں اور ان کے متعلق کوئی خلاف ادب بات زبان سے نکالنا ہمارے عقیدے میں کفر ہے۔ آپ کوئی مثال ایسی نہیں پاسکتے کہ کسی مسلمان نے کبھی سیدنا مسیح علیہ السلام اور ان کی والدۂ ماجدہ کی شان میں کوئی بے ادبی کی ہو۔ اگرچہ ہم حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کے قائل نہیں ہیں' مگر ان کی نبوت پر ہمارا ویسا ہی ایمان ہے جیسا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ہے' اور کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان پر اور دوسرے انبیاء پر بھی ایمان نہ لائے۔

اسی طرح ہم صرف قرآن ہی کو نہیں بلکہ توارات اور انجیل کو بھی خدا کی کتابیں تسلیم کرتے ہیں اور کوئی مسلمان ان مقدس کتابوں کی توہین کا خیال بھی نہیں کرسکتا۔ ہماری طرف سے اگر کبھی کوئی بحث ہوئی ہے تو اس حیثیت سے ہوئی ہے کہ بائیبل جس شکل میں اب پائی جاتی ہے یہ کہاں تک مستند ہے اور یہ بحث خود مسیحی علماء بھی کرتے رہے ہیں۔ کسی مسلمان نے کبھی ان کا انکار نہیں کیا کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام اور بائیبل کے دوسرے انبیاء پر اللہ کا کلام نازل ہوا تھا' اور مسلمان چاہے یہ بات نہ مانتے ہوں کہ اس وقت پائی جانی والی پوری بائیبل اللہ کا کلام ہے' مگر یہ ضرور مانتے ہیں کہ اس میں اللہ کا کلام موجود ہے۔ لہٰذا ہمارے مسیحی بھائیوں کو ہم سے یہ شکایت کرنے کا کبھی موقع نہیں ملا ہے کہ ہم ان کے انبیاء کی یا ان کی کتب مقدسہ کی توہین کرتے ہیں' بہ خلاف اس کے ہمیں آئے دن ان سے یہ رنج پہنچتا رہتا ہے۔

تراشہ نمبر 102

جہانگیر کے درباری شاعر ابوطالب حکیم نے ایک شعر کہا تھا:

زشرم آب شدم کاب شکستِ نیست　　بہ حیرتم کہ مرا روزگار چوں شکست

''میں شرم سے پانی ہوگیا کیونکہ پانی کو توڑنا ممکن نہیں''۔ لیکن میں حیران ہوں کہ اس کے باوجود زمانے نے مجھے توڑ دیا ہے' ملکہ نور جہان نے شعر سنا تو فوراً بول اٹھی کہ پانی کا توڑنا کون سا ناممکن ہے۔ یخ بست پس شکست پانی برف بنا اور ٹوٹ گیا۔

(ماہ نامہ ''عرفات'' دسمبر 2006ء)

تراشہ نمبر 103

طواف وسعی کرنے والوں کے لیے ایک ضروری نصیحت

صدر الشریعۃ مولانا امجد علی قدس سرہ العزیز طواف وسعی کرنے والوں کے لیے ایک ضروری نصیحت فرماتے ہیں:

بدنگاہی ہمیشہ حرام ہے نہ کہ احرام میں نہ کہ موقف یا مسجد الحرام میں نہ کعبہ معظّمہ کے سامنے نہ کہ طواف بیت الحرام میں یہ تمہارے بہت امتحان کا موقع ہے۔عورتوں کو حکم دیا گیا کہ یہاں منہ نہ چھپاؤ اور تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی طرف نگاہ نہ کرو یقین جانو کہ یہ بڑے غیرت والے بادشاہ کی باندیاں ہیں اور اس وقت کون اس کی طرف نگاہ اٹھا سکتا ہے تو اللہ واحد قہار کی کنیزیں کہ اس کے خاص دربار میں حاضر ہیں' ان پر بدنگاہی کس قدر سخت ہوگی؟

''وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى'' ہاں! ہاں! ہوشیار ایمان بچاتے ہوئے قلب ونگاہ سنبھالتے ہوئے حرم وہ جگہ ہے جہاں گناہ کے ارادہ پر پکڑا جانا اور ایک گناہ لاکھ گناہ کے برابر ٹھہرتا ہے۔الٰہی خیر کی توفیق دے۔آمین (بہارشریعت ج1)

تراشہ نمبر 104

چند اشعار اور اقوالِ زرّیں

صحرا کی ریت پیاس کی شدت سے جل اٹھی
دریا پہ حسن فیض کا بادل دکھائی دے

ہمارے ساتھ دریا بہہ رہا ہے
زمینیں اپنی بارانی ہیں پھر بھی

(ا) قد تنکر العین ضوء الشمس من رمد
و ینکر الفم طعم الماء من سقم

''بعض اوقات آدمی آشوب چشم کی وجہ سے سورج کی روشنی کا انکار کرتا ہے اور بیمار ہونے کے سبب سے پانی کے میٹھے ذائقے کا انکار کردیتا ہے''۔

(ب) لا تمدحن امرًا حتّٰی تجربہ

ولا تذمنہ من غیر تجریب

''جب تک آپ کسی شخص کو ذاتی طور پر آزما نہیں لیتے تب تک بغیر تجربہ کے تم اس کو اچھا کہو نہ برا''۔

(ج) رفق و مہربانی..... تبلیغ اور رشد و ہدایت میں نرمی اور شفقت کا رویہ اپنانے کے بڑے اچھے اثرات اور نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

تراشہ نمبر 105

غیر مسلم اقوام کے عروج کا سبب

مصنف انعام الباری لکھتے ہیں کہ میرے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بڑی بلیغ اور پیاری بات فرمایا کرتے تھے کہ باطل میں تو ابھرنے کی طاقت ہی نہیں ''اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا'' لہٰذا اگر کسی باطل قوم کو ابھرتے اور ترقی کرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ کوئی حق چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے جس نے اس کو ابھارا ہے' اگر حق ساتھ نہ لگتا تو اس میں ابھرنے کی طاقت نہیں تھی۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مغربی ممالک امریکہ' برطانیہ انگریز اور غیر مسلم ہیں' انہیں جتنی چاہیں گالیاں دیں۔ ان کا عروج اور ترقی کچھ اوصاف کی بنیاد پر ہے' وہ اوصاف حق' محنت' جدوجہد' علم (دنیاوی علوم) اور اس کے حاصل کرنے میں کوشش اور اپنی حد تک امانت و دیانت (دیانت سے مراد خیانت کی ضد بلکہ کرپشن سے دوری ہے) اور دوسرے حسن اخلاق' یہ چیزیں ہیں جنھوں نے ان کو ابھارا ہے۔ ان کے باطل نے اور ان کے کافرانہ عقائد' بداعمالی' فحاشی اور عریانی نے نہیں ابھارا' بلکہ ان افعال حق نے ابھارا ہے۔

اقبال بعض اوقات بڑی حکمت کی باتیں کرتا ہے۔ اس نے کہا:

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب نے ز رقص دختران بے حجاب
نے ز سحر ساحران لالہ روست نے ز عریاں ساق و نے از قطع موست
محکمی اورانہ از لادینی است نے فروغش از خط لاطینی است
قوت افرنگ از علم و فن است از ہمیں آتش چراغش روشن است
حکمت از قطع و برید جامہ نیست مانع علم و ہنر عمامہ نیست

تو یہ جو کچھ قوت نظر آ رہی ہے وہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے نہیں ہے'...... بلکہ

قوت افرنگ از علم وفن است   از ہمیں آتش چراغش روشن است

(کلیات اقبال (فارسی) جاوید نامہ' ص 766)

یہ بات نہیں کہ کوٹ پتلون پہننے کی وجہ سے یا رقص کرنے کی وجہ سے یا عریانی پھیلا نے کی وجہ سے ترقی کر لی' بلکہ علم وفن' جہد وعمل اور امانت ودیانت سے ترقی کی ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انصاف ہے' انہوں نے ان چیزوں کو اختیار کیا تو اللہ نے ان کو دنیا میں ترقی دے دی' کیونکہ کفر کی وجہ سے آخرت میں ان کا کوئی نصیب نہیں ہے۔ ہم لوگوں نے یہ سب چھوڑ دیا تو اس کا نتیجہ ہے کہ ذلیل وخوار ہیں اور لوگوں کے اسلام کی طرف آنے میں رکاوٹ ہیں' بڑے افسوس کی بات ہے' جس قوم کو "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ" مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں' کی ہدایت ملی ہے وہ اس سے کتنی محروم رہی۔

ایک عبرت آموز واقعہ

ایک مرتبہ میں برطانیہ میں ٹرین سے ایڈنبرا جا رہا تھا' راستہ میں مجھے حمام (غسل خانہ) جانے کی ضرورت پیش آئی' دیکھا تو وہاں ایک عورت کھڑی ہے' میں نے کہا: انتظار کر رہی ہے' واپس آ کر بیٹھ گیا' تھوڑی دیر بعد دیکھا پھر وہ عورت کھڑی ہے' میری نظر حمام کے اوپر پڑی تو وہاں لکھا ہوا تھا: خالی ہے اندر کوئی نہیں' میں نے جا کر اس عورت سے کہا کہ جانا ہے تو چلی جائے ورنہ پھر ہٹ جائے' اس نے کہا: نہیں! اصل میں کسی اور وجہ سے کھڑی ہوں' میں اس کو استعمال کر چکی ہوں' پیشاب سے فارغ ہو چکی ہوں لیکن ہوا یہ کہ جوں ہی فارغ ہوئی گاڑی اسٹیشن پر رک گئی' چونکہ پلیٹ فارم کے اوپر اس کو بہانا' فلیش کرنا منع ہے اس لیے میں اس کو صاف نہ کر سکی' بہا نہ سکی۔

یہ جو گاڑی پر لکھا ہوتا ہے کہ پلیٹ فارم پر اس کو استعمال نہ کریں یہ اس لیے کہ اس سے پلیٹ فارم پر گندگی پھیلتی ہے تو وہ عورت کہنے لگی کہ میں اس انتظار میں باہر کھڑی ہوں کہ گاڑی چلے تو میں اس کو بہا دوں' پھر واپس جاؤں' اب ایک طرف تو قانون کا یہ احترام کہ گاڑی چونکہ پلیٹ فارم پر کھڑی ہے اس لیے میں فلیش نہیں کر سکتی اور دوسری طرف یہ کہ بغیر بہائے چلی

جاؤں اور جا کر اپنی سیٹ پر بیٹھ جاؤں یہ گوارہ نہیں' کیونکہ جب دوسرا آدمی آئے گا تو اس کو تکلیف اور کراہت ہوگی اس لیے کھڑی ہوں۔

مجھے اتنی عبرت ہوئی کہ دیکھو یہ غیر مسلم ہے' اور غیر مسلم ہونے کے باوجود اس کو اتنا احساس ہے' ایک تو اس بات کا کہ پلیٹ فارم گندا نہ ہو اور دوسرا یہ کہ ایک تو ہوتی ہے بڑی غلاظت تب بھی!!! لیکن پیشاب کو بھی بغیر بہائے چلے جانا گوارا نہیں کہ آنے والے کو تکلیف نہ پہنچے' میں نے کہا: یہ غیر مسلم ہے اور اس کو اتنا احساس ہے۔

(مفتی تقی عثمانی صاحب' انعام الباری شرح بخاری)

تراشہ نمبر 106

ایک شاعر کی محبت طبعی اور ایمان کی چنگاری

ماضی قریب کا ایک مشہور اردو کا شاعر تھا' عشقیہ نظمیں کہا کرتا تھا' اللہ بچائے پینے پلانے کا بھی عادی تھا۔ دین سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا' شاعری بھی فاسقانہ تھی اور چونکہ مشہور ہو گیا تھا اس واسطے اس کو غرور بھی بہت تھا۔ کسی کو اپنے آگے نہیں مانتا تھا کسی بڑے شاعر' بڑے ادیب اور صحافی کا نام لیا جاتا تو اس کے اوپر دو چار فقرے کس دیتا تھا۔

ایک جگہ یہ بیٹھا ہوا پینے پلانے کا دور ہو رہا تھا اور ایک کمبخت دہریہ آیا اور اس نے سوچا کہ یہ بہت اچھا موقع ہے کہ یہ شخص شراب پی رہا ہے نشہ میں ہے تو اس سے کچھ کلمات کہلوائے جائیں' جو اپنے مطلب دہریت' الحاد اور بے دینی کے موافق ہوں' اسے پوچھا کہ فلاں شاعر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے ایک فقرہ کہا کہ وہ تو بڑا بیوقوف ہے' پھر پوچھا کہ فلاں فلسفی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس کے اوپر بھی ایک فقرہ کس دیا۔ پوچھا کہ فلاں لیڈر کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس پر بھی دو چار جملے کس دیئے۔ اسی سیاق میں اس کمبخت' بد بخت نے یہ پوچھا کہ محمد ﷺ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تو جب اس نے پوچھا تو وہ شراب پی رہا تھا اور ہاتھ میں پیالہ تھا' نشے میں تھا' وہ اٹھا کر اس نے ایک طرف رکھا اور دوسرا گلاس اٹھا کر اس کے منہ پر مارا' اور کہا: کمبخت تو مجھ سے میری زندگی کا آخری سہارا بھی چھیننا چاہتا ہے۔ یاد رکھ میں کتنا ہی گناہ گار سہی لیکن اس ذات گرامی کا غلام ہوں اور آپ ﷺ کے

بارے میں زبان سے کوئی کلمہ نکالنا تو کجا کوئی کلمہ آپ ﷺ کے بارے میں سن بھی نہیں سکتا' تو لڑنے' مرنے اور اس کی جان لینے کو تیار ہو گیا ہے۔

دیکھنے میں بظاہر ایسا نہیں لگتا کہ دین اور مذہب سے کوئی ادنیٰ تعلق ہو گا' لیکن سرورِ دو عالم ﷺ کے اسم گرامی آنے کے بعد ایک مسلمان جس کے اندر ایمان کی چنگاری ہے وہ کبھی بھی سرکار دو عالم ﷺ کی محبت میں پیچھے نہیں رہتا۔

یہ حب طبعی بعض اوقات ظاہر نہیں ہوتی لیکن وہ محبت طبعی جو اسباب محنت کے استحضار سے ناشی ہوتی ہے' وہ ہر مسلمان کے اندر موجود ہے' اس لیے یہ فرمایا جارہا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوگا جب تک کہ اس حب طبعی کو اختیار نہ کرے' جو اسباب محبت میں غور کرنے سے اور اس کے استحضار سے پیدا ہوتی ہے اور وہ حب طبعی ہی ہے' لیکن اس کا راستہ استدلال اور اختیار میں ہے۔

تراشہ نمبر 107

جو ہو نہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ تو زندگی فضول ہے

(حسن البناء)

حسن البناء بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں مصر میں پیدا ہوئے' اور بیسویں صدی کے رُبع اوّل میں انہوں نے وہ عظیم الشان اسلامی تحریک برپا کی جسے الاخوان المسلمون کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

''حسن البناء کی ڈائری'' جس کا عربی سے اُردو ترجمہ خلیل احمد حامدی صاحب مرحوم نے فرمایا اور اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور نے اسے شائع کیا تاریخ اشاعت جنوری 2005ء ایڈیشن نمبر 14 ہے اس کے ص 196' 197' 198 پر مثالی کردار کے عنوان سے ایک واقعہ تحریر ہے جسے ہم ماہ ربیع الاوّل کی مناسبت سے نقل کر رہے ہیں۔

ایک مثالی کردار

مجھے یاد ہے کہ جب ربیع الاوّل کا مہینہ آتا تو یکم ربیع الاوّل سے لے کر 12 ربیع الاوّل تک معمولاً ہر رات ہم حصافی اخوان میں سے کسی ایک کے مکان پر محفل ذکر منعقد کرتے

اور میلاد النبی ﷺ کا جلوس بنا کر باہر نکلتے۔ اتفاق سے ایک رات برادرم شیخ شلبی الرجال کے مکان پر جمع ہونے کی باری آئی، ہم عادۃً عشاء کے بعد اُن کے مکان پر حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ پورا مکان خوب روشنیوں سے جگمگا رہا ہے، اسے خوب صاف وشفاف اور آراستہ و پیراستہ کیا جا چکا ہے۔ شیخ شلبی الرجال نے رواج کے مطابق حاضرین کو شربت اور قہوہ اور خوشبو پیش کی۔ اس کے بعد ہم جلوس بن کے نکلے، اور بڑی مسرّت وانبساط کے ساتھ مروجہ مناقب اور نظمیں گاتے رہے۔ جلوس ختم کرنے کے بعد ہم شیخ شلبی الرجال کے مکان پر واپس آگئے، اور چند لمحات اُن کے پاس بیٹھے رہے۔ جب اُٹھنے لگے تو شیخ شلبی نے بڑی لطافت آمیز اور ہلکے پھلکے تبسم کے ساتھ اچانک یہ اعلان کیا کہ ان شاءاللہ کل آپ حضرات میرے ہاں علی الصبح تشریف لے آئیں تاکہ روحیہ کی تدفین کر لی جائے، روحیہ شیخ شلبی کی اکلوتی بچی ہے، شادی کے تقریباً 11 سال بعد اللہ تعالیٰ نے شیخ کو عطا کی ہے۔ اس بچی کے ساتھ انہیں اس قدر شدید محبت و وابستگی ہے کہ دورانِ کام بھی اُسے جدا نہیں کرتے۔ یہ بچی نشوونما پا کر اب جوانی کی حدود میں داخل ہو چکی ہے۔ شیخ نے اس کا نام روحیہ تجویز کر رکھا ہے کیونکہ شیخ کے دل میں اسے وہی مقام حاصل ہے جو جسم میں روح کو حاصل ہے۔ شیخ کی اس اطلاع پر ہم بھونچکے رہ گئے۔ عرض کیا: روحیہ کا کب انتقال ہوا؟ فرمانے لگے: آج ہی، مغرب سے تھوڑی دیر پہلے۔ ہم نے کہا: آپ نے ہمیں پہلے کیوں نہ اطلاع کر دی۔ کم از کم میلاد النبی ﷺ کا جلوس کسی اور دوست کے گھر سے نکالتے؟ کہنے لگے: جو کچھ ہوا بہتر تھا۔ اس سے ہمارے حزن وغم میں تخفیف ہو گئی، اور سوگ مسرت میں تبدیل ہو گیا۔ کیا اس نعمت سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو کوئی نعمت درکار ہے؟ گفتگو نے درسِ تصوّف کا رنگ اختیار کر لیا۔ یہ درس خود شیخ شلبی پیش کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی نورِ چشم اور لختِ جگر کی وفات کی توجیہ یہ کی کہ یہ موت دراصل اُن کے دل پر غیرتِ الٰہی کے سبب واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نیک بندوں کے دلوں سے غیرت رکھتا ہے اور یہ پسند نہیں فرماتا کہ وہ غیر اللہ سے وابستہ ہوں یا اس کے ماسوا کسی اور ہستی کی جانب میلان رکھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے انہوں نے استدلال کیا کہ جب اُن کا دل حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ لگ گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بھی انہوں نے مثال دی اور فرمایا کہ اُن کے دل میں حضرت

یوسف علیہ السلام کی بے پناہ محبت پیدا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے کئی سال تک حضرت یوسف علیہ السلام کو اُن سے گم کیے رکھا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بندے کا دل غیر اللہ کے ساتھ ہرگز وابستہ نہ ہو۔ ورنہ وہ ذات احد وصمد کے ساتھ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہوگا۔ شیخ شلبی نے فضیل بن عیاض کا قصہ بیان کیا۔ انہوں نے اپنی چھوٹی لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اُسے بوسہ دیا۔ لڑکی بولی: ابا جان! کیا آپ مجھ سے محبت رکھتے ہیں؟ فضیل نے کہا: ہاں! اے پیاری بیٹی! لڑکی بولی: خدا کی قسم، آج سے پہلے تک میں آپ کو کذاب نہیں سمجھتی تھی۔ فضیل نے پوچھا: کیا وجہ ہے میں نے کتنی دروغ گوئی کی ہے؟ بچی نے جواب دیا: میرا خیال تھا کہ خدا کے ساتھ تمہارا جو تعلق ہے اُس کے ہوتے ہوئے تمہیں اور کوئی چیز عزیز نہ ہوگی۔ یہ سن کر فضیل رو پڑے، اور پکار اٹھے: اے میرے آقا! بچوں تک تیرے بندے فضیل کی ریاکاری کا پردہ فاش ہو چکا ہے۔

اس طرح کے واقعات سے شیخ شلبی الرجال ہمارا غم ہلکا کرتے رہے، اُن کی مصیبت پر ہمیں جو حزن والم لاحق ہو رہا تھا اُسے دُور کرتے رہے، اور اُن کے ہاں میلاد کا پروگرام رکھنے سے ہمیں جو ندامت ہوئی اُس کا ازالہ کرتے رہے۔

اگلے روز ہم علی الصبح اُن کے مکان پر حاضر ہوئے اور روحیہ کی تجہیز و تدفین میں شریک ہوئے۔ ہمیں گھر سے کسی نوحہ خواں کی آواز تک نہ سنائی دی، اور نہ کسی زبان پر کوئی نازیبا کلمہ صادر ہوا۔ ہم نے صرف صبر و شکر کا بھرپور مظاہرہ دیکھا اور خدائے عظیم و برتر کے آگے تسلیم و رضا کے سرخم ہوتے دیکھے۔

ہمارے استاذ شیخ محمد زہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک صاحبزادی بھی انتقال کر گئیں۔ مگر انہوں نے بھی اس کے سوا اور کچھ نہ کیا کہ اس سوگ کو وعظ و نصیحت کی تقریب میں بدل دیا اور متواتر تین راتوں تک یہی پروگرام جاری رکھا، اور یوں سوگ کی خرافات و منکرات کے سد باب اور ان دنوں عوام الناس جو طرح طرح بدعتوں اور رواجوں کا ارتکاب کرتے ہیں، انہیں ختم کرنے کی ایک قابل تقلید مثال قائم کر دی، یہ تھی وہ روحانی فضا جس میں ہم جی رہے تھے۔

تبصرہ

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو   جب یاد آ گئے سب غم بھلا دیئے ہیں

تراشہ نمبر 108

میلاد النبی ﷺ کی اہمیت ...... اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد شریف بقاء (لندن)

نبی اکرم ﷺ کی ولادت سے قبل نہ صرف عرب بلکہ دنیا کے دیگر ممالک میں بھی انسانوں کی حالت معاشرتی' تہذیبی' مذہبی اور سیاسی لحاظ سے بہت زیادہ ناگفتہ بہ تھی۔ تاریخ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ عام انسان خصوصاً غریب' محکوم' پسماندہ اور مظلوم طبقات تو حیوانوں کی سی زندگی بسر کر رہے تھے' عرب میں لڑکیوں کی پیدائش کے وقت انہیں زندہ درگور کرنے کی عام رسم تھی۔ عورت کا مرتبہ بے حد پست تھا۔ غلاموں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا اس کا حال پڑھ کر ہر انسانیت دوست کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ملوکیت' سرمایہ داری' مذہبی پیشوائیت' قبائلی امتیازات اور محدود تصور زندگی نے زندگی کو موت سے بدتر بنا دیا تھا۔ ایسے انسانیت سوز زمانے میں ہادی اعظم ﷺ متولد ہوئے اور انہوں نے اپنے انقلاب آفریں پیغام' خدائی تعلیمات اور اپنی پرکشش شخصیت اور جاذبیت صفات و کمالات کی بناء پر مظلوم' محکوم اور مقہور انسانوں کی وہ تمام زنجیریں کاٹ کر رکھ دیں جن میں انسانیت بُری طرح جکڑی ہوئی تھی۔

قرآن حکیم مصلح اکبر ﷺ کے اس حریت آموز اقدام کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

(ترجمہ:) اور وہ ان کا بوجھ اتارتا ہے اور وہ زنجیریں کاٹتا ہے جو ان پر تھیں۔

مفکر اسلام اور ترجمان ملت علامہ اقبال بعثت نبوی ﷺ سے قبل انسانوں کی حالت زار کا نقشہ اس آیت قرآنی کو مدنظر رکھ کر ان اشعار میں کھینچتے ہیں۔

بود انسان در جہاں انساں پرست ناکس و نابود مند و زیردست
سطوت کسریٰ و قیصر رہزنش بندہا در دست و پا و گردنش
کاہن و پاپا و سلطان و امیر بہر یک نخچیر صد نخچیر گیر
صاحب اورنگ و ہم پیر کنشت باج بر کشت خراب رو نوشت

در کلیسا اسقف رضواں فروش — بہر ایں صید زبوں دامے بدوش
از غلامی فطرت او دوں شدہ — نغمہ ہا اندر نے خوں شدہ
تا امینے حق بہ حق داراں سپرد — بندگان را مسند خاقاں سپرد
اعتبار کار بنداں را فزود — خواجگی از کار فرمایاں ربود
قوت او ہر کہن پیکر شکست — نوع انساں را حصار تازہ بست
تازہ جاں اندر تن آدم دمید — بندہ را باز از خداونداں خرید

میلادالنبی ﷺ سے پیشتر دنیا میں خصوصاً قیصر و کسریٰ اور ان کے کاسہ لیس حواری اور نام نہاد مذہبی رہنما جس طرح زیردستوں، کمزوروں، غریبوں اور سادہ لوح انسانوں کا مذہبی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی استحصال کر رہے تھے اس کی عکاسی علامہ موصوف کے مندرجہ بالا اشعار میں کی گئی ہے۔ سرور کائنات اور سردار انبیاء حضرت محمد ﷺ نے بنی نوع انسان کو ان ظالموں کے پنجہ ستم سے نجات دلائی اور انہیں صرف خدائے واحد کی بندگی کا خوگر بنا دیا، کیا ایسے محسن اور ہمدرد کو حقیقتاً محسن انسانیت کہنا درست نہ ہوگا؟ سب محکوم و مجبور طبقات انسانی کو ایسے محسن کی یاد منانی چاہیے۔

مسلمان پر تو ذمہ داری اور بھی زیادہ عائد ہو جاتی ہے کیونکہ وہ رحمۃ للعالمین کی امت اجابت میں شامل ہیں اور انہیں دنیا کی بہترین امت کا لقب ملا۔

شاعر مشرق اور حکیم الامت نے 30 دسمبر 1919ء کو ترکوں کی حمایت میں موچی دروازہ کے باہر منعقدہ جلسے میں میلادالنبی ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا: مسلمانو! تم کو یاد ہے جب عرب میں نبی آخرالزماں ﷺ پیدا ہوئے، اس وقت دنیا کی کیا حالت تھی۔ قسطنطنیہ میں قیصر کی تختی یورپ کی قوموں کا گلا گھونٹ رہی تھی، اس وقت یہ امر واضح کیا گیا کہ خدا کی اطاعت کے سوا اور کسی کی اطاعت نہ کی جائے۔ تمہارا مذہبی عقیدہ ہے کہ انسان کو آزادی ملنی چاہیے۔

آنحضرت ﷺ نے روسیوں سے کئی صدیاں پیشتر دنیا کو قرآن کی ابدی، تعمیری، ٹھوس اور حقیقی اخوت و مساوات، حریت اور عدل و انصاف کا انقلابی اور حیات آفریں تصور دیا تھا۔ بنی نوع انسان کی عالمگیر برداری، ہمہ گیر وحدت اور آفاقی نظام زندگی کا جو نظریہ انہوں نے دیا تھا اس سے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی فیض یاب ہو رہے ہیں...... اوہام پرستی، ملوکیت،

سرمایہ داری‘ مذہب وسیاست کی ثنویت‘ فرار عن الحیات‘ خالص مادہ پرستی‘ دہریت‘ عقل پرستی‘ وطنیت‘ قومیت اور نسل پرستی کی بجائے انہوں نے معقولیت پسندی‘ فرد و جماعت کی ہم آہنگی‘ مذہب وسیاست کی وحدت‘ دین و دنیا کے حسین امتزاج‘ جلال و جمال کے اتحاد‘ مادہ‘ روح اور عقل و عشق کے ربط باہمی اور آفاقی برادری کا جاندار تصور دیا ہے جسے دنیا تجربہ و آزمائش کی منزلوں سے گزرنے کے بعد قبول کر چکی ہے۔

آمریت اور مطلق العنان طرز حکومت کی جگہ خدائی حاکمیت اور باہمی مشاورت کا نظریہ ہی پائیدار اور پُر امن نظام حکومت کی اساس بن سکتا ہے۔ ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآنی تعلیمات کے ذریعے مطالعہ کائنات اور مشاہدۂ فطرت کی طرف توجہ مبذول کر کے ہمیں تسخیر کائنات کا درس دیا ہے‘ اس لحاظ سے وہ انبیاء اور رسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جماعت میں ممتاز ترین دکھائی دیتے ہیں۔ وہ جس خدائی اور آخری ضابطہ حیات کے حامل ہیں وہ قدیم اور جدید حقائق اور آنے والے مستور امور کا بھی مجموعہ تمام ہے۔ مفکر اسلام بعثت نبوی کے اس پہلو پر اظہار خیال کرتے ہوئے بجا کہتے ہیں:

Looking at the matter from this point of vies, then, Prophet of Islam seems to stand between the ancient and the modern World. In so far as the source of his revelation is concerned he belongs to the ancient World; In so far as the spirt of his revelation is concerned he belongs to the modren Word. His life discovers other sources of knoledge suitable to its new direction.

قرآن حکیم نے بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کسی خاص گروہ انسانی‘ علاقے اور زمانے تک محدود نہیں کیا بلکہ اسے آفاقی قرار دیتے ہوئے تمام بنی نوع انسان کی ہدایت وفلاح کا موجب کہا ہے۔ ارشاد ایزدی ہے: (ترجمہ) اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! تم کہہ دو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔

جب ان کی نبوت و رسالت تمام ادوار کے تمام انسانوں کے لیے ہے تو پھر لازمی طور پر ختم نبوت کا عقیدہ ہمارے ایمان کا جزو لاینفک بن جاتا ہے۔ ان سے قبل جتنے انبیاء و رسل

آتے تھے' ان کا پیغام آفاقی نوعیت کا نہیں تھا۔ ایسے عظیم الشان رسول ﷺ پر جب خدا اور اس کے ملائکہ تحسین وآفرین کے گلہائے محبت نچھاور کریں اور ان پر صلوٰۃ وسلام کہیں تو کیا ہم ان کے میلاد پر مسرت کا اظہار نہ کریں؟ شاعر مشرق اور مفکر اسلام نے محسن کائنات اور رحمت دوعالم کو مسلمانانِ عالم کے لیے مرکز عقیدت اور محور محبت واعتماد خیال کرتے ہوئے اپنے ایک خط مورخہ 4 اگست 1929ء میں میلاد النبی ﷺ کی ایک تقریب کے ضمن میں لکھا تھا:

I am glad to hear that the یوم میلاد النبی ﷺ (Prophet's Birthday invoked great enthusiasm in South India. I believe th personality of the Prophet is the only force which can bring togather the scattered forces of Islam in this country. The organization of Muslims is badly needed in view of that is coming in the near futuer.

ہم کو قرآن' ایمان اور دین کی دولت جس ہستی اعظم ﷺ کی بدولت نصیب ہے اور جس کے اسوۂ حسنہ کو ہمارے لیے قابل نمونہ بنایا گیا ہے' وہ ہمارے لیے محسن عظیم اور رہبر کامل ہے۔ اس کی یاد سے ہمارے دل کیوں آباد نہ ہوں اور ہم کیوں نہ ان کی ولادت پاک پر اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کریں۔

محمد کی محبت دین حق کی شرط اوّل ہے   اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے!

(بشکریہ: روزنامہ جنگ لاہور' 2006ء)

تراشہ نمبر 109

اسباق کا بدھ کو شروع کرنا کیسا ہے؟

(سوال) کیا کسی حدیث یا اقوالِ مشائخ وغیرہ سے ثابت ہے کہ بدھ کو اسباق شروع کرتے ہیں؟ اکثر لوگ بدھ کو شروع کرنے کی عادت رکھتے ہیں یہ کیسا ہے؟

(جواب) حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

مَا مِنْ شَيْئٍ بُدِأَ يَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ اِلَّاتَمَّ.   جو چیز بدھ کے دن شروع کی جاتی ہے وہ اتمام کو پہنچتی ہے۔

تراشہ نمبر 110

سوال: اعراب قرآنی کی ایجاد کس سن میں ہوئی اور اس کا بانی کون ہے' یہ بدعت حسنہ ہے یا سیئہ' اگر بدعت حسنہ ہے تو ''کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' کے کیا معنی؟

جواب: زمن عبدالمالک بن مروان میں اس کی درخواست سے مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے شاگرد رشید حضرت ابوالاسود دُئلی نے یہ کار نیک کیا' بدعت حسنہ تھا اور تمام ممالک عجم میں یقیناً واجب کہ عام لوگ بے اس کے اس کی صحیح تلاوت نہیں کر سکے۔ بدعت ضلالت وہ ہے کہ ردو مزاحمت سنت کرے اور یہ تو مؤید و معین سنت' بلکہ ذریعہ ادائے فرض ہے ''فَاِنَّ اللَّحْنَ حَرَامٌ بِلَا خِلَافٍ كَمَا فِي الْعَالَمْگِيرِيَةِ فَتَرْكُهٗ فرض وهذا سبيله''۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: مکرم و معظم بعد آداب نیاز کے گزارش ہے کہ اگر برائے مہربانی ان واقعات کے جن کی بناء پر حضرت منصور کے بارے میں فتویٰ دیا گیا تھا' مطلع فرمائیں تو بہت ممنون ہوں گا۔

جواب: حضرت سیّدی حسین بن منصور حلاج قدس سرہ جن کو عوام منصور کہتے ہیں' منصور ان کے والد کا نام تھا' اور ان کا اسم گرامی حسین۔ اکابر اہل حال سے تھے۔ ان کی ایک بہن ان سے بدر جہا مرتبہ ولایت و معرفت میں زائد تھیں۔ وہ آخر شب کو جنگل تشریف لے جاتیں اور یاد الٰہی میں مصروف ہوتیں۔ ایک دن ان کی آنکھ کھلی بہن کو نہ پایا۔ گھر میں ہر جگہ تلاش کیا پتہ نہ چلا' ان کو وسوسہ گزرا۔ دوسری شب میں قصداً سوتے ہیں جان ڈال کر جاگتے رہے۔ وہ اپنے وقت پر اٹھ کر چلیں۔ یہ آہستہ پیچھے ہو لیے دیکھتے رہے' آسمان سے سونے کی زنجیریں یاقوت کا جام اترا اور ان کے دہن مبارک کے برابر آ لگا۔ انہوں نے کہنا شروع کیا: ''اَنَا لَاحَقٌّ'' بے شک میں سب سے زیادہ اس کا سزاوار ہوں۔ لوگوں کے سننے میں آیا ''اَنَا الْحَقُّ'' وہ دعویٰ خدائی سمجھے اور یہ کفر ہے' اور مسلمان ہو کر جو کفر کرے مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالسِّتَّةُ اِلَّا مُسْلِمًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ

جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کر دو۔ اس حدیث کو اصحاب ستہ میں سے مسلم کے علاوہ

سب نے اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ.

تراشہ نمبر 111

بھوکے بچے نے درِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چھوڑنے سے انکار کر دیا

میں اس دروازہ کو دیکھ کر اپنی بھوک اور پیاس بجھاتا رہوں گا۔

یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب سعودی عرب میں آج کی طرح دولت کی ریل پیل نہ تھی اور اس ملک کی معیشت کا دارومدار زیادہ تر حج کے موقع پر آنے والے حاجیوں سے ہونے والی آمدنی پر تھا۔ آبادی بہت غریب تھی اور بڑی مشکل سے گزارا ہوتا تھا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی کہتے ہیں کہ میں حج کے بعد مدینہ منورہ گیا ہوا تھا۔ ہم لوگوں نے ایک دن کھانا کھانے کے بعد دسترخوان کو لے کر ایک ڈھیر پر جھاڑ دیا' تاکہ روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑوں کو جانور کھا جائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب میں اپنے کمرے میں سے باہر نکلا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک خوبصورت آٹھ نو سال کا بچہ ان ٹکڑوں کو چن چن کر کھا رہا ہے' مجھے سخت افسوس ہوا' بچے کو ساتھ لے کر قیام گاہ آیا اور اسے پیٹ بھر کے کھانا کھلایا' کیونکہ میں ایسی ہستی کے شہر میں تھا جو غریبوں کا والی اور غلاموں کا مولیٰ تھا۔ میرے اس برتاؤ کو دیکھ کر بچہ بے حد متاثر ہوا' میں نے چلتے وقت اس سے کہا کہ بیٹے! تمہارے والد کیا کرتے ہیں؟ اس نے کہا: میں یتیم ہوں' میں نے کہا: بیٹے! میرے ساتھ ہندوستان چلو گے؟ وہاں میں تم کو اچھے اچھے کھانے کھلاؤں گا' عمدہ عمدہ کپڑے پہناؤں گا' اپنے مدرسے میں تعلیم دوں گا۔ جب تم عالم فاضل ہو جاؤ گے تو میں خود تم کو یہاں لے کر آؤں گا اور تمہیں تمہاری والدہ کے سپرد کر دوں گا۔ تم جاؤ اپنی والدہ سے اجازت لے کر آؤ۔ لڑکا بہت خوش ہوا اور اچھلتا کودتا اپنی والدہ کے پاس واپس گیا۔ وہ بے چاری بیوہ! دوسرے بچوں ہی کے اخراجات سے پریشان تھی۔ اس نے فوراً اجازت دے دی۔ بچہ نے آ کر بتایا کہ میں آپ کے ساتھ چلوں گا' میری ماں نے اجازت دے دی ہے' پھر پوچھنے لگا کہ آپ کے شہر میں یہ چنے ملتے ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ بیٹے! یہ ساری چیزیں وافر مقدار میں تمہیں ملیں گی' پھر میری انگلی پکڑے پکڑے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں وہ میرے ساتھ آیا اور

ٹھٹک کر رہ گیا۔ سرکار دو عالم ﷺ کے روضہ کو دیکھا اور مسجد کے دروازے کو اور دریافت کیا کہ بابا! یہ دروازہ اور روضہ بھی وہاں ملے گا؟ میں نے اس سے کہا: بیٹا! اگر یہ وہاں مل جاتا تو میں یہاں کیوں آتا؟ لڑکے کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور کہا: بابا تم جاؤ' اگر یہ نہیں ملے گا تو میں ہرگز ہرگز اس دروازے کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ بھوکا رہوں گا' پیاسا رہوں گا' اس دروازہ کو دیکھ کر اپنی بھوک اور پیاس بجھاتا رہوں گا' جس طرح آج تک بجھاتا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر بچہ رونے لگا اور اس کے عشق و تعلق کو دیکھ کر میں بھی رونے لگا۔ (سبحان اللہ' اللہ تعالیٰ ہم سب کو عشق نبوی نصیب فرمائے)۔ (ماہنامہ ''ساحل'' کراچی' ذی الحج 1426ھ)

تراشہ نمبر 112

ردِ عیسائیت کے لیے شیخ احمد دیدات کا قابل فخر کردار

(العالم الاسلامی عربی پریس سے...... عابد مجید مدنی فاضل مدینہ یونیورسٹی)

معروف مبلغ اسلام اور مفکر شیخ احمد دیدات 8 اگست 2005ء/3 رجب 1426ھ کو اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

وہ عرصہ دراز سے صاحب فراش تھے' ان کی عمر 87 سال سے متجاوز تھی۔ ان کی وفات جنوبی افریقہ کے شہر دیربان کے ایک ہسپتال میں ہوئی۔

شیخ احمد دیدات ہندوستان کے صوبہ گجرات کے ایک شہر سورت میں 1918ء کو پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے والد کے ہمراہ ہندوستان سے جنوبی افریقہ کی طرف 1927ء میں ہجرت کی۔ تب وہ 9 سال کے تھے۔ ابتدائی تعلیم ایک سکول میں پائی۔ پرائمری کے بعد قرآن مجید حفظ کیا۔ انگریزی زبان سیکھی' لیکن کچھ عرصہ کے لیے تعلیم کو چھوڑ دیا۔ اس دوران ملازمت اختیار کی' خاندانی مسائل میں اُلجھ گئے۔ سکول سے بالکل لاتعلق ہوگئے' اور اپنے کام میں پوری طرح غرق ہوگئے۔ جس دکان پر احمد دیدات کام کرتے تھے وہ ایک سبزی کی دکان تھی۔ جس راستہ پر وہ واقع تھی وہ یونیورسٹی کی طرف جاتا تھا۔ احمد دیدات روزانہ طلبہ کو آتے جاتے دیکھتے جو احمد سے مذاق بھی کرتے۔ وہ یونیورسٹی کے طلبہ مذاق بھی اسلام کے حوالہ سے کرتے۔ وہ اسے کہتے آپ مسلمان ہیں۔ آپ کا دین جھوٹا ہے' آپ جہنم میں جائیں گے۔ مذکورہ جملوں

نے احمد دیدات کو تحقیق کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ دین اسلام کا مطالعہ کرنے اور نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ پڑھنے لگے تا کہ معترضین کے الزامات اور شکوک وشبہات کا جواب دے سکیں۔

دوران مطالعہ ایک قیمتی اور اہم وقیع کتاب مؤلفہ شیخ رحمت اللہ کیرانوی ''اظہار الحق'' ہاتھ لگ گئی' کیرانوی مرحوم کی وفات 1819ء میں ہوئی۔ وہ ہندوستان کے بڑے علماء میں سے تھے۔ اس میں شیخ رحمت اللہ کیرانوی نے عیسائیوں کے تمام سوالات کے جواب ذکر کیے تھے۔

شیخ احمد دیدات کہتے ہیں: میں نے اس کتاب سے بہت کچھ سیکھا' اس کی مدد سے عیسائیوں کے سوالات کے جواب دیئے۔ شیخ احمد دیدات نے بعد میں انجیل کے مختلف نسخے خریدے اور عیسائیت کا مطالعہ کرنے لگے' پھر تمام اناجیل کے مابین مقابلہ اور موازنہ کرنے لگے۔ انہیں تمام اناجیل میں تعارض اور تناقص نظر آیا۔ لہٰذا وہ عیسائیوں سے مناظرے کرنے لگے۔ احمد دیدات کے یہ مناظرے اہم مقام پا گئے' یونیورسٹی اور اہم مراکز کی لائبریریوں نے ان مناظروں کو بڑا مقام دیا اور الگ شعبے قائم کیے۔ آخر کار احمد دیدات پادریوں سے مناظرے کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ان کے مناظروں کی تعداد 235 ہے۔ شیخ احمد دیدات عیسائیت کا رد کرتے اور اسلام کی عظمت ثابت کرتے۔ 1956ء میں احمد دیدات نے مکتب دعوت کی بنیاد رکھی اور اسے اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا وہ گرجا گھروں اور عیسائی سکولوں میں جاتے' بستیوں کا چکر لگاتے اور شہر شہر پھرتے' اسلام کی حقانیت کو ثابت کرتے اور عیسائیت کا جھوٹ واضح فرماتے۔

شیخ احمد دیدات نے طول وعرض' شرق وغرب کا سفر کیا اور عیسائیت کا رد کیا' اسلام کے پیغام کو بلند کیا۔ ان کی دعوت سے انقلاب آیا' لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے اور عیسائیت کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے' سینکڑوں لوگ اپنی مرضی سے اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ سب کچھ شیخ احمد دیدات کے مناظروں کا اثر تھا۔

شیخ احمد دیدات نے بیس سے زائد کتابیں تالیف کیں اور جنوبی افریقہ میں متعدد مراکز قائم کیے' 1989ء میں انہیں شاہ فیصل انٹرنیشنل انعام سے نوازا گیا۔ ان کی موت کی خبر سے افریقہ ومغرب میں گویا زلزلہ آ گیا' لوگ ہل کر رہ گئے۔ 7واں عشرہ ان کے عروج کا تھا۔ آج

تک ان کی دینی کوششیں اپنا اثر دکھا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شیخ احمد دیدات کو اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

تراشہ نمبر 113

محبت قربانی کا تقاضا کرتی ہے

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاُحِبُّكَ فَقَالَ انْظُرْ مَاذَا تَقُوْلُ؟ قَالَ "وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاُحِبُّكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ: وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاُحِبُّكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ' فَقَالَ: "اِنْ كُنْتَ تُحِبُّنِیْ فَاَعِدَّ لِلْفَقْرِ تَجْفَافًا' فَاِنَّ الْفَقْرَ اَسْرَعُ اِلٰی مَنْ یُّحِبُّنِیْ مِنَ السَّیْلِ اِلٰی مُنْتَهَاهُ.

(رواہ الترمذی' حدیث حسن)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ کی قسم! بے شک میں آپ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا: دیکھو! دیکھ لو! کیا کہہ رہے ہو؟ اس نے عرض کیا: بخدا! میں آپ سے محبت کرتا ہوں تین مرتبہ کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر (واقعی) تجھے مجھ سے محبت ہے تو فقر کے لیے زرہ تیار کر لو کیونکہ مجھ سے محبت کرنے والے کی طرف فقر اس سیلاب سے بھی زیادہ تیز آتا ہے جو اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہو۔

امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔

تراشہ نمبر 114

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ بھوکے بھیڑیے جو بکریوں میں چھوڑے جائیں اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا انسان کے دین کو اس کے مال و جاہ کے لیے حرص نقصان پہنچاتی ہے۔

تراشہ نمبر 115

خوش طبعی

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا: پستہ کا حلوہ زیادہ لذیذ ہوتا ہے یا بادام کا؟

قاضی صاحب نے جواب دیا: معاملہ انصاف کا ہے اس لیے میں فریقین کی عدم موجودگی میں فیصلہ نہیں کرسکتا' دونوں فریقوں کو حاضر کرو تو تب فیصلہ کروں گا۔

تراشہ نمبر 116

زبان درست جان رُست

مولانا غلام رسول مہر صابر آفاقی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

طیار اور تیار دونوں عربی ہیں طیار اڑنے والے' تیار موج جہندہ یعنی اُچھلنے والی موج۔ فارسی والوں نے تیار کو آمادہ و مستعد کے معنی میں استعمال کیا ہے' وہاں سے اُردو میں دونوں رائج ہیں بلکہ تیار' طیار سے زیادہ رواج پاچکا ہے' لغت نے دنوں کو درست قرار دیا ہے۔ میرے نزدیک طیار ان معنی میں بہ مقابلہ تیار زیادہ واضح ہے تاہم نہ تیار کو غلط قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے استعمال میں تامل کی کوئی وجہ ہے۔

لکھنا اور لکھنے میں فرق لکھنؤ اور دہلی کا ہے۔ دہلی والے کہیں گے بہت سے خطوط لکھنے ہیں۔ لکھنؤ والے مصدر کو اصلی حالت میں قائم رکھنے پر مصر ہیں۔

جمع میں صحیح یہی ہے کہ جائیں گے کہا جائے گا خواہ عورتیں ہیں خواہ مرد۔ اگر عورتیں کہیں ہم جائیں گی' تو ازروئے محاورہ یہ غلط ہوگا۔

(ماہنامہ اردو اخبار' مئی 2007ء' جناب علامہ فتح محمد ملک صاحب' اسلام آباد)

تراشہ نمبر 117

شعیب الاولیاء حضرت مولانا محمد یار علی قدس سرہ العزیز

بانی دارالعلوم فیض الرسول براؤن شریف (ہند)

آپ کے ارشادات:

* مقرر اور واعظ کے لیے خشیت الٰہی نہایت ضروری ہے۔
* کامیاب مقرر وہ ہے جو اللہ عزوجل اور رسول اکرم ﷺ کی رضا کے لیے تقریر کرے' ناکام مقرر وہ جو عوام میں شہرت اور مقبولیت کے لیے غیر مستند روایتوں اور بے سروپا قصوں کو بیان کرے۔

* طالب علم کے لیے استاد کی خوشی میں کامیابی ہے اور ان کا ادب ضروری ہے' اور بے ادبی کی وجہ سے فیضان سے محرومی ہے۔

ایک دفعہ آپ کے شیخ اور مرشد حضرت شاہ عبداللطیف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

* میاں نماز تو نماز' جماعت تو جماعت' تکبیر اولیٰ نہ چھوٹے یہی نماز اللہ تعالیٰ سے ملا دے گی۔ حضرت شعیب الاولیاء مولانا محمد یار علی قدس سرہ العزیز نے شیخ کی زبان سے نکلے ہوئے ان چند جملوں پر اس طرح عمل کیا کہ چالیس سال سے زیادہ عرصے تک اس نصیحت پر عمل کیا اور کبھی جماعت کی پہلی تکبیر چھوٹنے نہ پائی۔

(عظمتوں کے پاسبان' ص 361 'علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری دامت برکاتہم العالیہ)

تراشہ نمبر 118

رونا ناانصافی کا

یہاں ہر شے جگہ سے بے جگہ محسوس ہوتی ہے
یہاں جو جس جگہ ہے اس کا منصب وہ نہیں ہوتا

جس معاشرے میں ہلاکو خان اور چنگیز خان جیسے وحشی دندناتے پھرتے ہوں وہاں جہالت کا کیا عالم ہوگا۔ المیہ یہ ہوا کہ شیخ چلّی جیسے احمقوں کو حادثہء وقت نے شیخ الجامعہ بنا دیا۔

محسن بھوپالی نے اس بے اعتدالی اور فکری تضاد پر اپنی برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

جاہل کو اگر جہل کا انعام دیا جائے — اس حادثۂ وقت کو کیا نام دیا جائے
مے خانے کی توہین ہے رندوں کی ہتک ہے — کم ظرف کے ہاتھوں میں اگر جام دیا جائے

محسن بھوپالی نے پاکستان کے قومی کلچر اور تہذیبی وثقافتی اقدار کے فروغ کو اپنی شاعری میں اہمیت دی۔ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ زندگی کی اقدار عالیہ کے تحفظ سے احساس اور شعور کو منقلب کیا جاسکتا ہے۔ ظالم وسفاک استحصالی عناصر نے مجبوروں کو زندہ درگور کردیا ہے۔ آزادی کی صبح درخشاں کے اُجالے گہنا گئے ہیں اور غریب انتہائی سادگی سے مکر کی چالوں سے مات کھا گیا ہے۔

پھر وہی صورت حالات ہوئی جاتی ہے — صبح آئی بھی نہیں رات ہوئی جاتی ہے
اس کو محرومی قسمت کے سوا کیا کہیے — کھیل کھیلا بھی نہیں مات ہوئی جاتی ہے

محسن بھوپالی کی شاعری زندگی کے خارجی حقائق کو حقیقت پسندانہ انداز میں سامنے لاتی ہے اور اس کے مطالعہ سے قاری کی داخلی زندگی میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔

(انسانی نفسیات' از محسن بھوپالی)

تراشہ نمبر 119

زبان کا قومی زندگی میں کردار

انسان کو اللہ رب العزت نے مدنی الطبع پیدا فرمایا ہے۔ اسی لیے وہ زندگی گزارنے میں اجتماعیت کا محتاج ہے' تن تنہا زندگی نہیں گزار سکتا۔ جب باہم مل جل کر رہیں گے تو افادہ و استفادہ کی ضرورت ہوگی اور ان دونوں کے لیے زبان و بیان کا واسطہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ مافی الضمیر ادا کرنے کے لیے ہر انسان عموماً مادری زبان اختیار کرتا ہے۔

گو زبانیں مختلف ہیں لیکن ہر زبان کے کچھ اثرات ہوتے ہیں' جو اس کے بولنے اور سننے والوں کے قلب اور دماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ قوموں کے عروج و زوال اور بنانے بگاڑنے میں زبان کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ ہر قوم کی زبان اپنے ساتھ ایک تہذیب رکھتی ہے۔ شعراء کے کلام اور مقالات لکھنے والوں کے مضامین مخصوص کلچر اور ثقافت کے محور پر گھومتے رہتے ہیں۔

معاشرہ میں کوئی بھی زبان بولی جائے اس سے معاشرے کا مسلک اور مذہب معلوم ہو جاتا ہے' جس کی وجہ یہ ہے کہ زبان کے الفاظ اور اس کی کہاوتیں اور مروجہ حکایتیں اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ بولنے والے کا باطن کن عقائد و افکار سے مانوس ہے۔ زبان و بیان کا اثر انسان کے کردار پر بھی پڑتا ہے' اسی لیے تو اہل خرد اپنی نسلوں کو ایسی زبان پڑھانے سے باز رکھتے ہیں جو اپنے اخلاق و افکار سے ہم آہنگ نہ ہو۔ فارسی میں اخلاقیات پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں پھر وہ اردو میں منتقل ہوئیں۔ جب تک یہ کتب زیر درس رہیں اس وقت تک برصغیر کے انسانوں میں برابر اخلاقیات کی تعمیر ہوتی رہی۔

اُردو زبان میں غضب کی بلاغت ہے۔ اس کی کہاوتیں عبرت آموز اور کہانیاں دل افروز ہیں۔ اس کے الفاظ اور امثال' حکایات و روایات معاشرہ کے مہذب بنانے والے اور نوخیز نسلوں کو اچھے ابھار پر اٹھانے والے ہیں۔ الفاظ کے پس پردہ جو حقائق پنہاں ہیں اور محاورات

کی تہہ میں جو معارف مضمر ہیں اگر ان پر توجہ مرکوز کر دی جائے تو اخلاق واعمال پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ مثلاً اصل اردو میں یہ رواج رہا ہے کہ جب کسی نے اپنے مخاطب سے نام پوچھا تو جواب ملا نام تو اللہ ہی کا ہے' احقر کو فلاں نام سے یاد کرتے ہیں۔ کیسا نصیحت آموز محاورہ ہے۔ اللہ کی بڑائی کا اظہار کیا اور اپنے بارے میں تواضع اختیار کی۔ پرانے اکابر محاورات کے ذریعہ دینی ذہن بناتے تھے اور حکایات وامثال کے ذریعہ کامل تربیت دیا کرتے تھے۔ دیکھئے! لفظ عبادت کا ترجمہ ہندی زبان میں لفظ پوجا سے کیا جاتا ہے' لیکن دونوں کا پس منظر الگ الگ ہے۔ لفظ عبادت سے ذہن اچانک ذات وحدہ لاشریک کی طرف جاتا ہے اور لفظ پوجا سے معبودان باطلہ کے سامنے ماتھا ٹیکنے کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان میں عربی اور فارسی کے اثرات سے اسلامی تمدن اور اسلامی خیالات کی ایک رو دوڑ گئی تھی۔ ان اسلامی اثرات کے نمونے اب تک بھی ہندوستان کے مختلف قوموں کے طرز تمدن اور مختلف اصلاحی اور مذہبی تحریکوں کی صورت میں موجود ہیں لیکن اس وقت جب سے انگریزی زبان نے فروغ پایا ہے تو ہر طرف الحاد ولا مذہبی کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ کیا انگریزی زبان میں اسلامی تعلیمات موجود نہیں؟ کیا قرآن مجید اور صدہا اسلامی کتابیں تصنیف نہیں ہوئیں؟ کیا وجہ ہے کہ اسلامی تعلیم مغرب کی مادی تہذیب کے اثرات پر غالب نہیں آسکتی؟ انگریزوں کو متاثر کرنا تو درکنار خود انگریزی خواں مسلمانوں میں اپنے مذہب سے بیگانگی اور بیزاری پائی جاتی ہے۔ غور کرنے سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ اہل مغرب کی صدیوں کی اسلام دشمنی اور عیسائیت میں قدیم کافرانہ عقائد کی آمیزش نے اسلام کا صحیح تصور سامنے نہیں آنے دیا اور پھر موجودہ مادی تہذیب نے مغربی زبانوں کو اس قابل ہی نہیں رکھا کہ وہ اسلام کے حقیقی تخیل کو کما حقہ ادا کریں' انگریزی زبان اس وقت پھیلاؤ کے اعتبار سے بڑی زبانوں میں سے ہے اور وسعت کے لحاظ سے شاید ہی کوئی زبان اس کا مقابلہ کر سکے' لیکن غلط فہمیاں پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ چند نمونے امثال کے طور پر ملاحظہ ہوں' جن سے اس زبان کی خامی اور غیر موزونیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

لفظ نبی عربی کا لفظ ہے' قرآن میں حدیث میں جگہ جگہ وارد ہوتا ہے' عربی اور اُردو میں استعمال کرنے سے اس کا جو مفہوم ذہن میں آتا ہے اس سے ہر مسلمان واقف ہے لیکن

انگریزی میں اس کی جگہ پرافٹ (Prophet) کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا مفہوم ہے ایک پیشن گوئی کرنے والا۔ اس کی اصل کاہنوں کے تصور سے ملتی جلتی میں مستعمل ہے۔ اب لفظ ہجرت کو لے لیجئے! اسلام میں ہجرت کا لفظ سنتے ہی انتہائی ایثار' قربانی کا مقدس واقعہ ذہن میں آجاتا ہے' جس سے پیغمبر اور آپ کے رفقاء کی عظمت کا نقش دل پر بیٹھ جاتا ہے لیکن انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ فلائیٹ (Flight) کیا جاتا ہے' جس کے معنی ہیں فرار یا بھاگ جانا۔ اس ترجمہ سے سامع کے دل پر جو حقارت آمیز اثر ہوتا ہے وہ صاف ظاہر ہے' لیکن اس کے باوجود انگریزی زبان میں مسلمان مصنفین بھی یہی استعمال کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ لفظ طاہر اور نجس دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مسلمان ان دونوں لفظوں کو بولتے ہیں تو ان کے معانی بھی سمجھتے ہیں' طاہر اور نجس میں فرق بھی پہچانتے ہیں۔ بچہ بچہ جانتا ہے کہ یہ چیز طاہر ہے اور یہ چیز نجس ہے لیکن جن زبانوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں ان زبانوں کے بولنے والے ان کے مفاہیم اور مصادیق سے بالکل ناواقف ہیں۔

ایک گریجویٹ مسلمان کی کسی انگریز سے بحث ہوگئی۔ انگریز نے اپنی زبان کی وسعت اور ہمہ گیری کا دعویٰ کیا۔ اس پر مسلمان نے کہا: انگریزی زبان میں لفظ پاک کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے۔ انگریز کہنے لگا: کیوں نہیں؟ ہولی (Holy) سے یہ مفہوم ادا ہوتا ہے۔ مسلمان نے کہا: ہرگز نہیں' یہ لفظ مقدس کی ترجمانی کرتا ہے لفظ طاہر کے معنی نہیں دیتا' پھر انگریز نے اس کی جگہ کلین (Clean) پیش کیا۔ مسلمان نے کہا: یہ بھی صحیح نہیں' کلین صاف کے معنی میں آتا ہے۔ طاہر کے معنی نہیں ہوسکتا کہ ایک چیز صاف ہو مگر طاہر نہ ہو جیسے ناپاک پانی سے دھویا ہوا کپڑا اور ممکن ہے کوئی چیز صاف نہ ہو مگر پاک ہو جیسے گردآلود میلا کپڑا تو جن قوموں کے یہاں یہ لفظ ہی نہیں وہ پاک اور اس کے بالمقابل نجس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

زبان جس طرح مذہب کی صحیح ترجمانی کرتی ہے اسی طرح اپنے معاشرے کے کردار کو بلند یا پست کرنے میں بھی اسے خاص دخل ہے۔ ہر زبان کی کہاوتیں اور مروجہ کہانیاں اور ادیبوں کے مضامین اور شعراء کے قصائد سے بالکل واضح طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ اس زبان کے بولنے والے کن اخلاق کے حامل ہیں اور کیسے اعمال کے عادی ہیں۔ شعراء کا کلام جہاں فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بیان و لسان کی بلندیاں ظاہر کرتا ہے وہاں اپنے معاشرے کی

خاص ذہنیت اور کردار کی بلندی یا پستی کا پتہ بھی دیتا ہے۔ اگر فواحش و منکرات کو اچھے ناموں سے موسوم کر دیا جائے تو ذہنوں سے ان کی قباحت نکل جاتی ہے۔ آج کل یہی ہو رہا ہے کہ بے حیائی کے کاموں کو ثقافت اور رقص و سرور کو فنون لطیفہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ نظروں کے سامنے ہے کہ نئی نسل کے ابھرتے ہوئے نوجوان ان چیزوں کی برائی سے نہ صرف یہ کہ ناواقف ہیں بلکہ ان کو کمال انسانیت سمجھتے ہیں۔ اچھا نام رکھنے سے بری چیز اچھی نہیں ہو جاتی لیکن بار بار اسے اچھے نام سے یاد کرنے کے باعث اس کی خرابی ذہن سے نکل جاتی ہے اور اس طرح معاشرے کے کردار پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

خلاصہء کلام یہ ہے کہ زبان کو انسان کے ابھارنے میں بہت بڑا دخل ہے اور معاشرے کو خیر و شر پر ڈالنے میں زبان کے محاورات اور مروجہ حکایات و روایات کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ قومی زندگی کا نشیب و فراز زبان سے ہوتا ہے۔ افراد سے جماعتیں بنتی ہیں اور افراد اپنا اپنا کردار لے کر جماعت میں داخل ہوتے ہیں۔ افراد کی خرابی سے جماعتیں خراب ہو جاتی ہیں۔ انفرادی اصلاح میں زبان کو بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔

(مولانا ابوالحسن علی ندوی، بشکریہ ماہنامہ اخبار اُردو، اسلام آباد، شمارہ اگست 2007ء)

تراشہ نمبر 120

طواف کعبہ ہر وقت جاری رہتا ہے

شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی علیہ الرحمۃ کے ملفوظات پر مشتمل

کتاب ''انوار قمریہ'' سے اقتباس

آپ نے فرمایا: حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دعا مانگی تھی: خدایا مجھے ایسا وقت بیت اللہ شریف کے طواف کے لیے نصیب فرما جس وقت میں اکیلا ہی طواف کروں، کوئی اور آدمی نہ ہو، چنانچہ ایک دفعہ بہت سخت سردی کا موسم تھا اور سخت بارش شروع ہو گئی۔ انہوں نے خیال فرمایا اتنی سخت سردی اور بارش میں اور کوئی نہیں جا سکے گا۔ اس خیال میں بڑی مشکل سے طواف کے لیے حاضری دی تو دیکھا ایک اژدھا طواف کر رہا ہے۔ بارگاہ رب العزت میں عرض کی: خدایا! میں نے تو دعا مانگی تھی اکیلا ہی طواف کروں لیکن تو نے اسے بھی ساتھ بھیج دیا۔

جواب ملا تو نے تو صرف ایک مرتبہ دعا مانگی تھی اور یہ سو سال سے یہی آرزو رکھتا تھا جو آج پوری ہوئی' فرمایا: کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا جس میں بیت اللہ شریف کا طواف لوگ نہ کر رہے ہوں' ہر وقت رات دن طواف کرنے والے موجود رہتے ہیں' فرمایا: منظوری ہو تو اس طرح جیسے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے اہل بیت کو نوازا۔ بیت اللہ بھی ان سے تعمیر کروایا۔ "سعی بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ" بھی انہی کی سنت تاقیامت جاری فرمائی۔ آب زم زم بھی انہی کے طفیل مقرر فرمایا' رمی جمار بلکہ تمام ارکان حج اسی گھرانے کی سنتیں ہیں جو قیامت تک جاری فرمائی ہیں اور خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کا صدقہ ہر موسم کا پھل اور ہر قسم کے میوہ جات ہر وقت وہاں موجود رہتے ہیں حالانکہ "بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ" کے الفاظ سے ایسے میوہ جات کا وہاں ہونا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔

تراشہ نمبر 121

صرف اللہ سے مانگو

کتاب: اَحْسَنُ الْوِعَاءِ لِاٰدَابِ الدُّعَاءِ

مصنف: رئیس المتکلمین علامہ نقی علی خان رحمہ اللہ تعالیٰ

شارح: امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے: جانور کے واسطے گھاس اور ہانڈی کے لیے نمک بھی مجھی سے مانگ۔

علماء فرماتے ہیں: خدائے تعالیٰ سے سوال کرنا عزت اور غیروں سے مانگنا' موجب ذلت ہے۔

بیت

راز گویم بخلق وخوارشوم　　باتو گویم بزرگ وارشوم

جو شخص آدمی سے سوال کرتا ہے' تین خرابیوں میں پڑتا ہے:

پہلی خرابی: خلق کی نگاہ میں ذلیل وخوار ہو جاتا ہے۔ ہر ایک کے سامنے عاجزی کرنی پڑتی ہے۔ بندے کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو بلاضرورت خوار کر دے اور سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کے سامنے تذلل کرے۔

دوسری خرابی: محتاجی ظاہر کرنا مولیٰ کی شکایت ہے۔ جو غلام براہ احسان فراموشی ونمک حرامی اپنے مولیٰ کے انعام وعطاء پر قناعت نہ کرے اور دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلائے گویا زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ میرا مولیٰ مجھے ننگا بھوکا رکھتا ہے اور بقدر رفع احتیاج نہیں دیتا۔

نقل ہے' ایک عابد کسی پہاڑ پر رہتا تھا' وہاں انار کا درخت تھا' ہر روز تین انار اس میں آتے۔ انہیں کھاتا اور عبادت کرتا۔ حق عزوجل کو امتحان منظور ہوا۔ ایک روز انار نہ لگے۔ صبر کیا۔ دوروز اور یہی ماجرا گزرا۔ تیسرے دن گھبرا کر پہاڑ سے نیچے اترا۔ اس کے نیچے ایک نصرانی رہا کرتا تھا۔ اس سے سوال کیا۔ نصرانی نے چار روٹیاں دیں۔ اس کا کتا بھونکنے لگا۔ عابد نے ایک روٹی ڈال دی۔ کتے نے کھا کر پھر پیچھا کیا۔ دوسری روٹی ڈال دی' کتے نے وہ بھی کھالی مگر پیچھا نہ چھوڑا۔ جب چاروں کھالیں اور بھونکنے سے باز نہ آیا' عابد نے کہا: اے حریص ناحق کوش! تجھے شرم نہیں آتی کہ میں تیرے گھر سے بھیک مانگ کر لایا اور تو نے مجھ سے سب چھین لیں۔ اب بھی پیچھا نہیں چھوڑتا۔ کتے نے کہا: میں تجھ سے زیادہ بے شرم نہیں کہ جس مالک نے برسوں بے محنت ومشقت ایسا نفیس رزق تجھے کھلایا' تین روز نہ دینے پر اتنا گھبرا گیا کہ اس کے دشمن کے گھر بھیک مانگنے آیا۔

تیسری خرابی: جس سے سوال کرتا ہے' اسے ناحق رنج دیتا ہے کہ اگر وہ سوال رد کردے تو لوگوں سے شرمندگی وندامت ہو اور جو خلق سے شرما کر دے تو دل پر گراں گزرے اور آخرت میں مفید نہ ہو بلکہ بسبب ریا کاری کے مضر ہو۔ ایسے شخص سے سوال کرنا گویا مصادرہ اور ڈانڈ طلب کرنا ہے۔ صوفیائے کرام کہتے ہیں: جس کو جانے کہ یہ لوگوں کی شرم سے دیتا ہے' اس سے لینا ممنوع ہے' اور جو سوال سے خوش ہوتا اور بطیب خاطر دیتا ہے بعض اوقات سوال اس پر بھی ناگوار گزرتا ہے۔ خصوصاً اس شخص کا جو بہت سوال کیا کرتا ہے' پس بندے کو لائق ہے کہ خدا ہی سے سوال کرے کہ وہ مانگنے سے ناخوش نہیں ہوتا نہ بار بار عرض کرنے سے ناراض' بلکہ اور زیادہ راضی ہوتا ہے۔ بہ قول بے دل رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

برہم نہ شود طبع گل از نالۂ بلبل　　آوازِ گدا رونقِ دربارِ کریم ست

(معارفِ رضا' کراچی' جون 2007ء)

تراشہ نمبر 122

فرمان شاعر مشرق

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

در عجم گردیدم وہم در عرب — مصطفیٰ نایاب وارزاں بولہب
ایں مسلمان زادۂ روشن دماغ — ظلمت آباد ضمیرش بے چراغ
در جوانی نرم ونازک چوں حریر — آرزو در سینۂ او زود میر
ایں غلام ابنِ غلام ابن غلام — حریّت اندیشۂ او را حرام

میں عجم میں بھی پھرا ہوں اور عرب میں بھی۔ بولہب زیادہ ہیں اور آپ ﷺ کے رنگ میں رنگے ہوئے لوگ نایاب ہیں۔ یہ روشن دماغ مسلمان زادہ' اس کے ضمیر کی اندھیر نگری چراغ کے بغیر ہے۔ یہ جوانی میں ریشم کی طرح نرم ونازک ہے۔ اس کے سینے میں آرزوئیں پیدا ہوتے ہی مر جاتی ہیں۔ اس غلام ابن غلام ابن غلام پر آزادی کی سوچ حرام ہے۔

پھر کہتے ہیں: جدید تعلیم نے اس سے دین کا جذبہ چھین لیا ہے' اور اب تو وہ ایک بے جان لاشہ ہے' اس کا وجود؟ این قدر دانم کہ بود' اتنا جانتا ہوں کہ کبھی تھا)

تراشہ نمبر 123

تین حکایتیں

پہلی حکایت

کسی منڈی میں ایک دکاندار کا قول تھا کہ کریئے تو ڈریئے' نہ کریئے تو زیادہ ڈریئے' ایک سنار کی دکان اس کے قریب تھی جو اکثر اس قول کا مذاق اڑاتا۔ ایک روز قیمتی ترین لباس پہنے قیمتی ترین سواری سے اتر کر گاہک سنار کی دکان میں داخل ہوا۔ صاحب کے ساتھ ایک ملازم بھی بچے کو کندھے سے لگائے موجود تھا۔ امیر گاہک نے بہت سے زیورات خریدے اور گاڑی میں رکھوا دیئے لیکن ادائیگی کے وقت معلوم ہوا کہ اس کا بٹوہ غائب ہے۔ امیر گاہک نے اپنا ملازم اور بچہ دکان پر چھوڑا اور کہا: ابھی رقم لے کر آتا ہوں' ملازم نے اس بچے کو جو کندھے سے لگا سو رہا تھا' دکان میں پڑے دیوان پر لٹایا اور خود رفع حاجت کے لیے باہر نکلا اور غائب ہو

گیا۔ شام ہونے کو آئی لیکن نہ گاہک کا کچھ پتہ' ملازم بھی غائب اور بچہ بھی مسلسل سو رہا تھا۔ سنار نے فکرمند ہو کر بچے کو اٹھایا تو وہ مردہ تھا۔ سنار کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ حواس باختہ بیٹھا تھا کہ دولت مند گاہک اور ملازم دونوں پہنچ گئے اور بچے کی لاش دیکھ کر دکاندار کا گریبان پکڑ لیا کہ تم نے بچے کو گلا گھونٹ کر مارا ہے۔ سنار ان کے پاؤں پڑ گیا اور بڑی منت سماجت کے بعد اچھی خاصی رقم اپنے ہاتھ سے دے کر جان چھڑائی۔ تب یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ برباد ہو چکے معاشروں میں ''کریئے تو ڈریئے اور نہ کریئے تو زیادہ ڈریئے'' کا کیا مطلب ہے۔

دوسری حکایت

ایک بادشاہ کسی فقیر کی خدمت میں کھانا لے کر حاضر ہوا۔ فقیر نے آئینہ منگوایا اور مرغن شاہی کھانے کا ایک لقمہ لے کر اس آئینے پر مل دیا۔ آئینہ بُری طرح دھندلا گیا تو فقیر نے اپنی جو کی خشک روٹی کے ساتھ آئینہ بالکل صاف کرتے ہوئے کہا: اے بادشاہ! جو کھانے آئینے خراب کر دیتے ہوں وہ دل کو بھی خراب اور میلا کر دیتے ہوں گے اس لیے میں اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ بادشاہ نے نادم سا ہو کر پوچھا: میرے لائق کوئی خدمت ہو تو حکم فرمائیں' فقیر نے کہا: اے نیک دل بادشاہ! مکھیاں اور مچھر مجھے بہت تنگ کرتے ہیں' انہیں حکم دو کہ مجھے ستایا نہ کریں' بادشاہ نے کہا: ان پر تو میرا بھی بس نہیں چلتا۔ فقیر مسکرایا اور کہا: اگر ایسے حقیر ترین جانداروں پر بھی تیرا حکم نہیں چلتا تو پھر میں اور کس چیز کے لیے تیری مدد مانگوں۔

تیسری حکایت

شطرنج کے موجد سے حاکم شہر نے کہا: مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے کہا: شطرنج کے 64 خانے ہیں۔ اس کے پہلے خانے میں ایک چاول' دوسرے خانے میں پہلے سے دوگنے اور تیسرے خانے میں دوسرے سے دوگنے یعنی ہر آئندہ خانے میں گزشتہ خانے سے دوگنے چاول رکھ کر 64 خانوں کے برابر چاول مجھے بخش دیں۔ حاکم نے بظاہر اس حقیر مطالبہ کو اپنی توہین سمجھتے ہوئے غصہ سے کہا: اس قدر قلیل مطالبہ ہمارے شایان نہیں تم کسی بڑے انعام کی مانگ کرو' شطرنج کے موجد نے عرض کیا کہ جس مطالبہ کو حضور حقیر سمجھ رہے ہیں' اس کو تو دنیا بھر کے خزانے بھی پورا نہیں کر سکتے۔ حاکم حیران ہوا تو شطرنج کے موجد نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ محاسبان شاہی سے حساب تو لگوائیں کہ کل کتنے چاول بنتے ہیں' پھر جب حساب

لگایا گیا تو تقریباً75 کھرب من کے قریب نکلا۔ قارئین میں سے جسے شبہ ہو تو وہ بذریعہ کمپیوٹر اس کی تصدیق یا تردید کرسکتا ہے۔ پانچ بڑے سالم چاولوں کی ایک رتی بنتی ہے' اور یہ بھی میں نے احتیاطاً ذرا کم لکھا ہے ورنہ پرانے عام حساب میں 8 چاول کی ایک رتی لکھی ہوئی ہے۔ بہرحال نہ گھوڑا دور نہ میزان دور ......حساب لگایئے اور کوئی کمی بیشی ہو تو مجھے بھی مطلع فرمایئے۔ (حسن نثار روزنامہ جنگ' لاہور)

تراشہ نمبر 124

مجسمِ عمل علامہ شرف قادری صاحب کی یاد میں

مفسر قرآن محدث جلیل' شیخ الحدیث' استاذ الاساتذہ' علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

یہ غالباً 1962ء کی بات ہے جب میں استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عطاء محمد بندیالوی رحمہ اللہ سے پڑھنے کے لیے بندیال گیا ہوا تھا' وہاں میں حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے متعارف ہوا اور ان کا ہم جماعت ہونے کا شرف حاصل ہوا' کیونکہ ہم دونوں کے مزاج اور ذہنی رجحانات بہت زیادہ ملتے جلتے تھے اس لیے بہت جلد ہم ایک دوسرے سے مانوس ہو گئے۔ انہی دنوں کی بات ہے کہ بندیال کے دیوبندیوں نے لائل پور سے ضیاء القاسمی کو تقریر کے لیے بلایا اور وہاں رات کو جلسہ ہوا۔ میں اور علامہ شرف صاحب ہم دونوں بھی جلسہ سننے گئے کہ دیکھیں کہ یہ دیوبندی مقرر ہمارے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اس نے ہمارے مسلک کے علماء کے خلاف طعن و تشنیع سے بھرپور تقریر کی اور کہا: یہ لوگ صرف دین کے نام پر چندے بٹور کر مدرسے چلا رہے ہیں' ان کا حال یہ ہے کہ ان کا کوئی لٹریچر نہیں' دین کے کسی موضوع پر ان کی کوئی تصنیف نہیں' درسی کتب پر ان کے حواشی نہیں' درسی کتابیں ان کی چھاپی ہوئی نہیں' ہم نے درسی کتابیں چھاپیں' ان پر حواشی لکھے' ان کی شروحات تصنیف کیں' اب حال یہ ہے کہ ان کے مدارس میں وہ درسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن پر ہمارے دیوبندی علماء کے حواشی لکھے ہوئے ہیں۔ یہ ہمارے حواشی اور شروحات دیکھ کر اسباق پڑھاتے ہیں' متنبی کے اشعار کا ترجمہ ہمارے مولانا اعزاز علی کا لکھا ہوا ہے۔ میبذی اور صدرا پر ہمارا حاشیہ ہے' سراجی پر ہمارا حاشیہ ہے' ان کا کوئی ٹھوس علم نہیں ہے اور عنقریب وہ وقت آئے گا کہ مدارس

ان کے ہوں گے اور ان میں پڑھانے والے مدرسین ہمارے علماء ہوں گے' یہ لوگ تو گیارہویں' بارہویں' سوئم' چہلم اور بزرگوں کے اعراس کے نام پر پیسے اینٹھ کر زردہ' بریانی' شیر مال اور قورمہ کھانے والے ہیں۔

اس دل خراش تقریر کا ہم پر بہت اثر ہوا' ہم دونوں بہت رنجیدہ ہوئے اور دل میں اس خواہش نے انگڑائی لی کہ کاش ہم اس کا منہ توڑ جواب عملی طور پر دے سکیں' اس وقت ہم بندیال میں متوسط کتابیں پڑھ رہے تھے اور اسوقت ہمارے ایسے وسائل نہیں تھے کہ اس سلسلے میں ہم کوئی ٹھوس اقدام اٹھا سکیں۔

بہر حال وقت گزرتا گیا اور علامہ شرف صاحب رحمہ اللہ مجھ سے ایک سال پہلے فارغ التحصیل ہو کر جامعہ نعیمیہ لاہور میں مسند تدریس پر فائز تھے اور فنون کی متوسط اور منتہی کتب پڑھا رہے تھے' ایک سال بعد جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے مہتمم صاحب حضرت مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب رحمہ اللہ نے انہیں اپنے مدرسے میں بلا لیا۔ چند مہینے بعد شرف صاحب ہنستے مسکراتے ہوئے میرے پاس آئے اور میرے ہاتھ میں ایک کتاب تھما دی' میں نے دیکھا وہ حمد اللہ کی درسی کتاب پر مولانا احمد حسن کانپوری رحمہ اللہ کا لکھا ہوا حاشیہ تھا جو بہت عرصے سے نایاب تھا اور اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ اس پر بطور ناشر مولانا عبدالحکیم شرف صاحب رحمہ اللہ کا نام لکھا ہوا تھا۔ یہ ضیاء القاسمی کی اس زہریلی تقریر کا علامہ شرف صاحب کی طرف سے پہلا منہ توڑ جواب تھا۔ آپ غور کیجئے کہ 1966ء میں 120 روپے تنخواہ پانے والا مدرس ایک درسی کتاب کے عربی میں لکھے ہوئے حاشیہ کو کیسے چھاپ سکا ہوگا' مادی وسائل کے اعتبار سے اس کے چھاپنے کے کوئی آثار نہ تھے لیکن جب مسلک کی اشاعت کی لگن اور دین کے تصلب کا جذبہ جنون کی شکل اختیار کر لے تو ایسے بڑے بڑے کام آسانی سے ہو جاتے ہیں۔ یہ بارش کا پہلا قطرہ تھا' پھر تو حضرت شرف صاحب کی کوششوں سے دینی کتابوں کی اشاعت کا ایک سیلاب اُمڈ آیا' وہ خود بھی حواشی اور شروح لکھتے تھے اور دوسرے علماء اہل سنت کو بھی لکھنے کی ترغیب دیتے تھے کہ آپ میدان عمل میں آئیں اور دشمن کی للکار کا بھرپور جواب دیں' انہوں نے استاذ العلماء مولانا محمد اشرف سیالوی دامت ظلہم سے کہہ کر کوثر الخیرات لکھوائی۔ اس ناکارہ فقیر کو بھی مہمیز لگاتے رہتے تھے اور کہتے تھے اگر آپ یوں

نہیں لکھیں گے تو میں آپ کو رائلٹی دے کر لکھواؤں گا۔ وہ نہ جانے کتنے علماء اہل سنت کی کاوشوں کو زیور طبع سے آراستہ کر گئے۔ آج ایسے لوگ کہاں؟ اب ایسا مسلک کا درد رکھنے والا مجسم عمل ہم کہاں سے لائیں۔ (بشکریہ: ماہنامہ الشرف لاہور اکتوبر 2007ء)

تراشہ نمبر 125

پہلا مکا

11 اگست کو کراچی میں دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں خان لیاقت علی خان نے پاکستان کے پرچم کی رونمائی کے موقع پر جو تقریر کی وہ پاکستان کے خال وخد کو پوری طرح واضح کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ اس پرچم میں سبز رنگ سلامتی کا مظہر ہے اور یہ اسلام کی ترجمانی کرتا ہے جو سلامتی کا دین ہے اس کے ساتھ ساتھ اس میں سفید رنگ اقلیتوں کی علامت ہے کہ اسلام آفاقیت پر بھی یقین رکھتا ہے اور ہر انسان کو اس کے جینے کا اور عزت کا اور اس کے سوال کا پورا پورا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اس پرچم میں چاند اس بات کی علامت ہے کہ مسلمان تقویم میں قمری کیلنڈر کو اوّلیت دیتے ہیں اور اس پرچم کا پانچ رکنی ستارہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان کی ترجمانی کرتا ہے۔ (عظیم سرور صاحب بشکریہ: روزنامہ جنگ لاہور)

تراشہ نمبر 126

وصیت نامے (طنز ومزاح)

عطاء الحق قاسمی کی تازہ تصنیف وصیت نامے منظر عام پر آ چکی ہے۔ اس کتاب میں تین حصے ہیں (1) وصیت نامے (2) پرندے اور چوپائے (3) دیگر مضامین و پیروڈیز۔

وصیت نامے میں مختلف معاشری مسائل کو الگ الگ عنوانات کے تحت طنز ومزاح کے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ایک عنوان کے تحت پیر صاحب ہتھوڑا شریف اپنے ولائت پلٹ بیٹے کو وصیت کرتے ہیں کہ خدا کے فضل وکرم سے تمہارے سمیت میری ساری اولاد آکسفورڈ کی پڑھی ہوئی ہے تم سب کلین شیو ہو۔ امریکہ اور یورپ کے بہترین فیشن ڈیزائنروں کے ڈیزائن کیے ہوئے سوٹ پہنتے ہو اور روشن خیال ہو۔ تمہارے اسلام آباد اور لاہور کے گھروں میں مکسڈ پارٹیاں ہوتی ہیں لیکن میرے لیے اطمینان کا باعث یہ امر ہے کہ عرس کے دنوں میں

جب تم اپنے آبائی شہر آتے ہو تو لوگ تمہارے ہاتھ پاؤں چومتے ہیں۔ یہ سلسلہ تمہاری اولاد اور پھر ان کی اولاد میں بھی چلنا چاہیے۔ انہیں بتانا کہ وہ بھی آکسفورڈ یونیورسٹی اور آستانہ عالیہ ہتھوڑا شریف کو علیحدہ علیحدہ خانوں میں رکھیں۔ آستانہ عالیہ کو آکسفورڈ کی تعلیم کی نذر نہ ہونے دیں۔ آستانہ عالیہ سونے کی کان ہے اور ہماری بنیادی طاقت ہے اُسے ہاتھ سے نہ گنوانا۔

(سید سردار احمد پیرزادہ بشکریہ: ماہنامہ اخبار اُردو اسلام آباد اکتوبر 2007ء)

تراشہ نمبر 127

جواہرات

ایک شخص نے حضرت ابراہیم ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ سے نصیحت چاہی۔ آپ نے فرمایا: بندھے ہوئے کو آزاد کر دے اور آزاد کو بند کر دے اس نے عرض کیا: میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ اپنی بند تھیلیاں کھول اور کھلی ہوئی زبان بند کر دے۔ ایک اور شخص نے عرض کیا: مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔

فرمایا: اگر تم منظور کرو تو چھ باتیں بتاتا ہوں:

(1) یہ کہ جب حق تعالیٰ کی نافرمانی کرو تو خدا کی دی ہوئی روزی نہ کھاؤ' اس نے کہا: پھر کہاں سے کھاؤں؟ فرمایا: زیبا نہیں کہ جس کی روزی کھاؤ اسی کی نافرمانی کرو۔

(2) یہ کہ جب گناہ کرنے کا ارادہ کرو تو اللہ تعالیٰ کی بادشاہت سے باہر نکل کر گناہ کرو۔ اس نے عرض کیا: ساری کائنات اسی کی ہے کوئی کہاں جائے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ نامناسب ہے کہ اسی کے ملک میں رہ کر گناہ کیا جائے۔

(3) گناہ کرو تو ایسی جگہ کرو جہاں وہ دیکھ نہ سکے' اس نے عرض کیا: یہ تو ناممکن ہے کیونکہ دلوں کے بھید تک سے واقف ہے' آپ نے فرمایا: جب رزق اس کا کھاتے ہو' رہتے اس کے ملک میں ہو' اس کے سامنے گناہ کرنا کہاں کا انصاف ہے؟

(4) یہ کہ جب موت کا فرشتہ آئے تو اس سے کہنا کہ ذرا توبہ کرنے کی مہلت دے دے' اس نے عرض کی: یہ ناممکن ہے وہ کب میرا کہا مانے گا؟ فرمایا: جب یہ حالت ہے تو اس کے آنے سے پہلے توبہ کر لینی چاہیے۔

(5) یہ کہ جب قبر میں منکر نکیر آئیں تو انہیں وہاں سے باہر نکال دینا' اس نے عرض کی: یہ میں کیسے کرسکتا ہوں؟ فرمایا: پھر ان کے سوالوں کے جواب دینے کے لیے تیار رہو۔

(6) یہ کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد جب گناہگاروں کو جہنم کی طرف بھیجا جائے گا اس وقت تم دوزخ میں جانے سے انکار کر دینا۔ اس نے عرض کیا: یہ ناممکن ہے' فرمایا: پھر گناہ مت کرو۔ (میاں عبدالرشید' جواہرات' روزنامہ نوائے وقت' لاہور 29 دسمبر 2007ء)

تراشہ نمبر 128

صحیح سبق

گزشتہ روز ایک کتاب میں ایسا واقعہ پڑھنے کو ملا جس نے میرے دل و دماغ کے دروازے کھول دیئے' زندگی کی وہ حقیقت ہاتھ لگ گئی جو اس سے قبل کہیں حاصل نہیں ہوئی تھی۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ حضرت شفیق بلخی اور حضرت ابراہیم ادھم دونوں ہم زمانہ تھے۔ ایک بار شفیق بلخی اپنے دوست ابراہیم ادھم کے پاس آئے اور کہا کہ میں ایک تجارتی سفر پر روانہ ہو رہا ہوں۔ سوچا کہ جانے سے پہلے آپ سے ملاقات کرلوں کیونکہ اندازہ ہے کہ سفر میں کئی مہینے لگ جائیں گے۔ اس ملاقات کے چند دن بعد ہی حضرت ابراہیم ادھم نے دیکھا کہ شفیق بلخی دوبارہ مسجد میں موجود ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ سفر سے اتنی جلدی کیسے لوٹ آئے۔ شفیق بلخی نے بتایا کہ میں تجارتی سفر پر روانہ ہو کر ایک جگہ پہنچا وہ ایک غیر آباد جگہ تھی۔ میں نے وہاں پڑاؤ ڈالا' وہاں میں نے ایک چڑیا دیکھی جو اڑنے کی طاقت سے محروم تھی' مجھے اس کو دیکھ کر ترس آیا' میں نے سوچا کہ اس ویران جگہ پر یہ چڑیا اپنی خوراک کیسے پاتی ہوگی۔ میں اس سوچ میں تھا کہ اتنے میں ایک اور چڑیا آئی۔ اس نے اپنی چونچ میں کوئی چیز دبا رکھی تھی' وہ معذور چڑیا کے پاس اتری تو اس کی چونچ کی چیز اس کے سامنے گر گئی۔ معذور چڑیا نے اس کو اٹھا کر کھا لیا' اس کے بعد آنے والی طاقتور چڑیا اڑ گئی۔

حضرت شفیق بلخی کہتے ہیں کہ میں نے یہ منظر دیکھ کر۔ سبحان اللہ! خدا جب ایک چڑیا کا رزق اس طرح اس کے پاس پہنچا سکتا ہے تو مجھ کو رزق کے لیے دربدر ہونے کی کیا ضرورت ہے' چنانچہ میں نے آگے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور وہیں سے واپس چلا آیا۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم ادھم نے کہا کہ اے شفیق! تم نے اپاہج پرندے کی طرح بننا کیوں پسند کیا۔ تم نے یہ

کیوں نہیں چاہا کہ تمہاری مثال اس پرندے کی سی ہو جو اپنے قوت بازو سے خود بھی کھاتا ہے اور اپنے دوسرے ہم جنسوں کو بھی کھلاتا ہے۔ شفیق بلخی نے یہ سنا تو حضرت ابراہیم ادھم کا ہاتھ چوم لیا اور کہا کہ ابراہیم! تم نے میری آنکھ کا پردہ ہٹا دیا۔ وہی بات صحیح ہے جو تم نے کہی۔ یہ ایک ہی واقعہ ہے مگر اس سے ایک شخص نے بے ہمتی کا سبق لیا اور دوسرے شخص نے ہمت کا۔ ہر واقعہ میں بیک وقت دو پہلو موجود ہوتے ہیں۔ یہ آدمی کا اپنا امتحان ہے کہ وہ کسی واقعہ کو کس زاویہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ایک زاویے سے دیکھنے میں ایک چیز بُری نظر آتی ہے۔ دوسرے زاویہ سے دیکھنے میں وہی چیز اچھی بن جاتی ہے۔ ایک رُخ سے دیکھنے میں ایک واقعہ میں منفی سبق ہوتا ہے اور دوسرے رخ سے دیکھنے میں مثبت سبق۔

(عبدالمجید ساجد' روزنامہ جنگ' لاہور' 14 دسمبر 2007ء)

تراشہ نمبر 129

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے!

قصبہ سلمان پاک جسے زمانہ قدیم میں (مدائن) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور جو آج بھی عراق میں بدترین تباہی اور بربادی کے باوجود بغداد سے تقریباً چالیس میل کی مسافت پر آباد ہے ایک متحیر اور روح پرور واقعہ کے سبب امت مسلمہ کو تا قیامت (اللہ کی روشن نشانی) کا احساس دلا کر جھنجھوڑ تا رہے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم سماعت کے باوجود سننے سے محروم' بصارت کے باوجود دیکھنے سے عاری اور ادراک کے باوجود تفکر سے خالی رہیں' اور مجھے بھی یہ ایمان افروز واقعہ کسی وجہ سے تحریر کرنا پڑ رہا ہے ورنہ تو اسے لکھنے کے لیے انگلیوں کا وضو' پڑھنے کے لیے طہارت چشم اور سننے کے لیے پاکیزہ سماعت کا ہونا بہت ضروری ہے' وجہ کیا ہے؟ یہ اگلی سطروں میں واضح ہو جائے گی۔

قصبہ سلمان پاک کی ایک پرشکوہ عمارت میں صحابی رسول سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے اور اب اسی مزار مبارک کے گنبد سے متصل سرکار العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو جلیل القدر صحابہ (جن سے متعدد احادیث مروی ہیں) حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت جابر بن عبداللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قبور پرنور موجود ہیں لیکن یہ پہلے یہاں نہیں تھیں بلکہ سلمان پاک سے تقریباً تین یا چار فرلانگ کے فاصلے پر ایک غیر آباد جگہ پر موجود تھیں جہاں زیر زمین

پانی کے آنے کے سبب حضرت حذیفہ بن الیمان نے دومرتبہ شاہ عراق (فیصل اول) کے خواب میں آکر اس سے کہا کہ مجھے اور جابر کو یہاں سے منتقل کردو کیونکہ دریائے دجلہ کا پانی قبر میں رس رہا ہے' شاہ عراق نے مسلسل دوراتوں تک یہی خواب دیکھا مگر سمجھ نہیں پایا' تاہم جب تیسری رات حضرت حذیفہ نے مفتی اعظم عراق نوری السعید پاشا کے خواب میں آکر یہی بات دہرائی اور جب مفتی صاحب نے شاہ عراق سے اس کا ذکر کیا تو اس نے فوراً ہی ان سے یہی عرض کی کہ آپ مزارات سے اجساد مبارکہ کے منتقل کرنے کا فتویٰ جاری کر دیجئے میں بلاکسی تردد عمل کروں گا۔

فتویٰ اور شاہی فرمان عراق کے تمام اخبارات میں شائع ہوا اور بعض خبر رساں اداروں نے اس تاریخی خبر کو پوری دنیا میں پھیلا دیا۔ مقررہ دن اور وقت یعنی 24 ذی الحجہ پیر کے دن (1932ء) لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں یہ مزارات کھولے گئے تو معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ بن الیمان کی قبر میں پانی آچکا تھا اور حضرت جابر بن عبداللہ کے مزار میں نمی پیدا ہوچکی تھی حالانکہ دریائے دجلہ وہاں سے کم از کم 4 فرلانگ دور تھا۔ تمام ممالک کے سفراء اور عراق کے اراکین حکومت' مذہبی رہنماؤں اور شاہ عراق کی موجودگی میں پہلے حضرت حذیفہ کے جسد مبارک کو کرین کے ذریعے زمین سے اس طرح اوپر اٹھایا گیا کہ مقدس نعش کرین کے ساتھ رکھے ہوئے سٹریچر پر خود بہ خود آگئی اور پھر کرین سے سٹریچر کو علیحدہ کر کے شاہ فیصل' مفتی اعظم عراق' وزیر مختار جمہوریہ ترکی اور ولی عہد مصر شہزادہ فاروق نے کاندھا دیا اور یہ جسد مبارک بڑے احترام سے شیشے کے تابوت میں رکھ دیا گیا' پھر اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ کے جسد مبارک کو قبر سے نکالا گیا' حدیث لکھنے والے ان عظیم المرتبت صحابہ کرام کے چہرے' کفن اور ریش مبارک دیکھ کر لگتا تھا کہ جیسے انہیں رحلت فرمائے 1400 سو برس نہیں بس چند گھنٹے ہی گزرے ہیں۔ سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کی آنکھیں کھلی ہوئیں تھی اور اُن میں اتنی چمک تھی کہ بہتوں نے چاہا کہ ان آنکھوں کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیں گے مگر وہ اس طرح چندھیا جاتیں کہ ہر شخص دور ہٹ جاتا' اور یقیناً وہ دیکھ بھی کیسے سکتے تھے کہ ان مبارک آنکھوں نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اور ان کی شبیہ کو محفوظ کر رکھا تھا۔ اب جو ان آنکھوں میں دیکھتا تو میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا اور انہیں دیکھنے کے لیے آنکھ کی نہیں طیب نظر

کی ضرورت ہے۔ یہی حذیفہ بن الیمان بتاتے ہیں کہ مجھ سے میرے آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا کہ 72 چیزیں قرب قیامت کی علامت ہیں۔ جب تم دیکھو کہ لوگ نمازیں غارت کرنے لگیں، امانت ضائع کرنے لگیں، سود کھانے لگیں، جھوٹ کو حلال سمجھنے لگیں، معمولی باتوں پر خون ریزی کرنے لگیں، اونچی اونچی عمارت بنانے لگیں، دین بیچ کر دنیا سمیٹنے لگیں۔ قطع رحمی (یعنی قریبی اعزا اور رشتہ داروں سے یہ بدسلوکی) ہونے لگے، انصاف کمزور ہو جائے، جھوٹ سچ بن جائے، لباس ریشم کا ہو جائے، ظلم، طلاق اور ناگہانی موت عام ہو جائے، خیانت کار کو امین اور امانت دار کو خائن سمجھا جائے، جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا کہا جائے، تہمت تراشی عام ہو جائے۔ بارش کے باوجود گرمی ہو، اولاد غم و غصے کا موجب ہو۔ کمینوں کے ٹھاٹھ ہوں اور شریفوں کا ناک میں دم آجائے۔ امیر و وزیر کے سردار ظالم ہوں، عالم اور قاری بدکار ہوں، اور جو لوگ بھیڑ کی کھالیں یعنی پوستین پہننے لگیں اُن کے دل مردار سے زیادہ بدبودار اور ایلوے سے زیادہ تلخ ہوں۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ انہیں ایسے فتنے میں ڈال دے گا جس میں یہودی ظالموں کی طرح بھٹکتے پھریں گے، اور جب سونا عام ہو جائے گا چاندی کی مانگ ہوگی، گناہ زیادہ ہو جائیں گے، امن کم ہو جائے گا، مصحف (یعنی قرآن) کو آراستہ کیا جائے گا، مساجد میں نقش و نگار بنائے جائیں گے، اونچے اونچے مینار بنائے جائیں گے، دل ویران ہوں گے، شرابیں پی جائیں گی، شرعی سزاؤں کو معطل کر دیا جائے گا، لونڈی اپنے آقا کو جنے گی، جو لوگ کسی زمانے میں برہنہ پا، اور ننگے بدن رہا کرتے تھے وہ بادشاہ بن بیٹھیں گے۔ زندگی کی دوڑ اور تجارت میں عورت مرد کے ساتھ شریک ہو جائے گی۔ مرد عورتوں کی نقالی پر فخر کریں گے، اور عورتیں مردوں کی شباہت آزادانہ اختیار کریں گی۔ غیر اللہ کی قسمیں کھائی جائیں گی۔ مسلمان بھی بغیر کہے جھوٹی گواہی دینے کو تیار ہوگا، صرف جان پہچان والوں کو سلام کیا جائے گا۔ غیر دین (غیر مسلم) کے لیے شرعی قانون پڑھا جائے گا۔ آخرت کے عمل سے دنیا کمائی جائے گی۔ غنیمت کو دولت، امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو تاوان قرار دیا جائے گا۔ سب سے رذیل قوم کا رہنما بن بیٹھے گا۔ آدمی اپنے باپ کا نافرمان ہوگا۔ ماں سے بدسلوکی کرے گا۔ دوست کو نقصان پہنچانے سے گریز نہ کرے گا، اور بیوی کی اطاعت کرے گا۔ بدکاروں کی آوازیں مساجد میں بلند ہونے لگیں گی۔ گانے والی عورتیں داشتہ رکھیں جائیں گی، اور گانے کا سامان

فخر یہ رکھا جائے گا۔ درندوں کی کھال کے موزے بنائیں جائیں گے' اور امت کا پچھلا حصہ پہلے لوگوں کو لعن طعن کرنے لگے گا' اس وقت سرخ آندھی' زمین میں دھنس جانے' شکلیں بگڑ جانے اور آسمان سے پتھر برسنے جیسے عذابوں کا انتظار کیا جائے گا۔ احادیث مبارکہ پر اپنی عقل ناقص سے اعتراضات کی لکیریں کھینچنے والے روشن خیال' اعتدال پسند متجد دین پہلے حضرت حذیفہ کی قبر مبارک کا واقعہ غور سے پڑھ لیں تا کہ انہیں یقین ہو جائے کہ اس صحابی رسول پر شک کرنا اپنے رہے سہے ایمان کو غارت کرنے کے مترادف ہے' اور پھر ذرا سوچیے! (د۔ عامر لیاقت حسین' روزنامہ جنگ' لاہور)

تراشہ نمبر 130

حضور غوث اعظم کے اقوال زریں

* محبت دنیا کے علاوہ اگر ہمارا اور کوئی گناہ نہ بھی ہو' پھر بھی ہم دوزخ کے حقدار ہیں۔
* علم کا تقاضا عمل ہے' اگر تم علم پر عمل کرتے تو دنیا سے بھاگتے کیونکہ علم میں کوئی چیز نہیں جو حب دنیا پر دلالت کرے۔
* عالم اگر زاہد نہ ہو تو وہ اپنے زمانے والوں پر عذاب ہے۔
* مخلوق تین طرح کی ہے: فرشتہ' انسان' اور شیطان' فرشتہ خیر ہی خیر ہے اور شیطان شر ہی شر' انسان مخلوط ہے جس میں خیر و شر دونوں ہیں۔ جس پر خیر کا غلبہ ہوتا ہے وہ فرشتوں سے مل جاتا ہے اور جس پر شر کا غلبہ ہو وہ شیطان ہے۔
* مؤمن اپنے اہل و عیال کو اللہ پر چھوڑتا ہے اور منافق زر و مال پر۔
* اپنی مصیبتوں کو چھپاؤ' اللہ تعالیٰ کی قربت نصیب ہوگی۔
* ذکر جب قلب میں جگہ بنا لیتا ہے تو بندے کا اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا دائمی بن جاتا ہے' چاہے اس کی زبان خاموش ہو۔
* تنہائی میں خاموش رہنا بہادری نہیں' مجلس میں خاموش رہنے کی کوشش کرو۔
* رہنے کے لائق مکان' پوشش کے لیے لباس' پیٹ بھرنے کے لیے روٹی اور بیوی دنیا داری نہیں ہے۔ دنیا داری یہ ہے کہ دنیا کی طرف منہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف پیٹھ۔

* بہترین عمل لوگوں کو دینا ہے، لوگوں سے لینا نہیں ہے۔
* خالق کی محبت مخلوق کی خیر خواہی ہے۔

(حضرت ضیاء الدین مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ قطب مدینہ، مرتب: عبدالمصطفیٰ ضیائی آرائیں صاحب)

تراشہ نمبر 131

تقدیر کیا ہے؟

بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تقدیر کے مسئلے میں بڑا شبہ ہے، جب انسان مجبور محض ہے تو یہ جنت و دوزخ کیسی ہے، تو میں نے کہا: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کو کوئی اختیار نہیں ہے؟ مسئلہ کی بنیاد اس پر ہے کہ اگر انسان کے لیے اختیار ثابت ہو جائے تب تو تکلیف شرعی بھی درست ہے اور سزا و جزا بھی درست ہے، لیکن اگر اینٹ پتھر کی طرح مجبور ہو اور کوئی بھی اختیار نہ ہو تو تب بے شک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اینٹ پتھر کی طرح مجبور ہے تو اسے خطاب کیوں کیا جا رہا ہے کہ یہ کام کر اور یہ کام نہ کر، اور کیوں کہا جا رہا ہے کہ یہ کام کرے گا تو جنت ملے گی اور نہیں کرے گا تو جہنم میں جائے گا۔ جب وہ مجبور محض ٹھہرا تو بے چارہ کیا کرے، اس لیے اصل مسئلہ اس پر ہے کہ انسان میں اختیار ہے یا نہیں۔ اگر اختیار ثابت ہو جائے تو تکلیف شرعی بھی درست ہے۔ سزا و جزا بھی درست اور آخرت بھی درست۔ میں نے کہا کہ اختیار پر بات آئی ہے تو شرعی دلائل کو پہلے الگ رکھئے میں آپ کے ضمیر سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ میں اختیار ہے یا نہیں۔

میں نے یہ پوچھا کہ جب آپ کوئی اچھا کام کرتے ہیں تو آپ کو کچھ خوشی ہوتی ہے؟ کہنے لگے کہ ہاں خوشی تو ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ یہی اس کی دلیل ہے کہ آپ اپنے کو مختار جانتے ہیں اگر مجبور محض ہو کر کام کرتے تو خوشی نہ ہوتی، اس لیے کہ آپ یہ سمجھتے کہ میں خود تھوڑا ہی کر رہا ہوں مجھ سے جبراً کرایا جا رہا ہے اس لیے مجھے خوشی کا کیا حق ہے۔

جب آپ کوئی بدکاری کرتے ہیں تو آپ کو غم اور ندامت ہوتی ہے یہ ندامت اس کی دلیل ہے کہ آپ خود کو مختار جانتے ہیں، اس لیے آپ اس قدر نادم ہوتے ہیں کہ آپ سے جواب نہیں بن پڑتا ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں چور سے اگر مجسٹریٹ کہتا کہ کیوں چوری کی تو چور جواب دیتا کہ صاحب کیوں کا سوال ہی نہیں میں تو اینٹ پتھر کی طرح مجبور محض ہوں خدا

نے مجھ سے کرا دی' آپ کیوں مواخذہ کر رہے ہیں؟ لیکن اس کے برخلاف وہ ندامت کا اظہار کرتا ہے اور جھوٹ' سچ کے ذریعہ جوابدہی کی فکر کرتا ہے' اپنے ضمیر میں اس بات کو مانتا ہے کہ یہ فعل میں نے کیا ہے اور اپنے اختیار سے کیا ہے' اس لیے کچھ ملمع سازی کر کے مجھے اس کو نبھانا چاہیے تاکہ کچھ بریئت ثابت ہو' اس لیے اگر ایسا نہ ہوتا تو آدمی ہر صورت میں اپنی مجبوری کا اظہار کر دیا کرتا کہ میں نے زنا کر لیا تو مجبور تھا اب نماز پڑھ لی تو مجبور۔

غرض نیکی کر کے دل میں خوشی کا آنا' بدی کر کے دل میں ندامت کا آنا اس کی دلیل ہے کہ آپ کا ضمیر آپ کو مجبور کی بجائے مختار باور کر رہا ہے۔ یہ آپ صرف دکھلانے کو کہہ رہے ہیں کہ انسان مجبور محض ہے ورنہ آپ کا ضمیر گواہی دے رہا ہے کہ آپ مجبور نہیں مختار ہیں' اور جب مختار ہیں تو آپ سے خطاب صحیح ہو گیا۔

پھر میں نے ان سے کہا کہ یہ تو ایک کتا بھی سمجھتا ہے کہ آپ میں اختیار ہے۔ اس واسطے کہ جب آپ کتے کو ڈھیلا پھینک کر مارتے ہیں تو وہ انتقام لینے کے لیے ڈھیلے پہ نہیں جاتا بلکہ آپ کی طرف آتا ہے وہ جانتا ہے کہ ڈھیلا مجبور ہے اور یہ مختار ہے۔

تو تعجب ہے کہ آپ کے اختیار کو وہ بھی سمجھتا ہے لیکن آپ نہیں سمجھتے بلکہ کہہ رہیں ہیں کہ میں مجبور محض ہوں' جب کہ آپ کا دل آپ کو مختار کہہ رہا ہے' یہ جداگانہ بات ہے کہ وہ اختیار کس درجہ کا ہے' اس کو ناپ کر بتانے کے لیے ہمارے پاس کوئی ترازو نہیں ہے کہ اتنا اختیار تو بندے میں ہے اور اتنا نہیں ہے۔ اتنا مجبور ہے' اتنا مختار ہے' مگر عقلاً اور وجداناً۔

انسان میں اختیار بھی ہے' جبر بھی ہے' نہ مجبور محض ہے' نہ مختار مطلق ہے۔ ایسا مختار مطلق جس میں جبر کا نشان نہ ہو وہ اللہ کی ذاتِ بابرکت ہے اور ایسا مجبور مطلق جس میں اختیار کا نشان نہ ہو معدومات ہیں۔ یعنی جن کو ابھی وجود نہیں ملا کیونکہ جس میں وجود آ گیا تو ظاہر ہے کہ اس میں وجود کی حد تک کمالات وجود بھی آ ئیں گے۔ اختیار بھی آئے گا مگر انسان مجبور ہو کر بھی ایک حد تک معدوم رہتا ہے اور اسی لیے اس کی اصلیت عدم ہے۔ عدم سے نکال کر خدا نے وجود کا پر تو ڈالا ہے تو اصلی عدم زائل نہیں ہوتا بلکہ وہ باقی رہتا ہے۔ اسی لیے خواہ انسان کی ذات ہو یا اس کی صفات ہوں یا افعال ہوں سب کو وجود اور عدم دونوں نے گھیر رکھا ہے۔

(حقیقت معجزہ' مصنفہ قاری محمد طیب' سابق مہتمم دیوبند)

تراشہ نمبر 132

معتزلہ کا دور تھا جو مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے' ان کا یہ دعویٰ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کو دیکھا نہیں جا سکتا۔ نہ دنیا میں کوئی دیکھ سکتا ہے نہ آخرت میں کوئی دیکھ سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دیدار خداوندی محال اور ممتنع ہے عقلاً اور شرعاً ناممکن ہے۔

غرض یہ اُن کا دعویٰ ہے' اس کے مقابلے میں اہل السنتہ والجماعت اور اہل حق کا دعویٰ یہ ہے کہ آخرت میں اللہ کے بندے اللہ کو دیکھیں گے۔ انہیں دیدارِ خداوندی نصیب ہوگا۔ عرصات قیامت میں اور جنت میں بھی ہوگا۔ غرض ہر جگہ حق تعالیٰ کا دیدار اور تجلیات ان کے سامنے آئیں گی' اور وہ انہیں دیکھیں گے۔

قرآن کریم نے فرمایا کہ ''وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ'' (ترجمہ:) بہت سے چہرے ہوں گے جو چمکے ہوئے ہوں گے تر وتازہ ہوں گے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف نگاہیں لگا کر اسے دیکھ رہے ہوں گے۔

کفار کے بارے میں فرمایا کہ ''كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ'' (ترجمہ:) یہ ہرگز نہیں ہوسکتا' یہ ضرور ہوگا کہ کفار جتنے ہیں وہ محجوب ہوں گے' ان کے لیے حجاب حائل کر دیا جائے گا وہ اس لذت و دیدار سے دوامی طور پر محروم کر دیے جائیں گے۔

تو ان کو مایوس کیا گیا اور مومن کو امیدوار بنایا گیا۔ حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! یہ اربوں کھربوں کی مخلوق یعنی آدم علیہ السلام کی ساری اولاد جب ایک جگہ جمع ہوگی تو بڑا ہجوم اور جمگھٹا ہوگا۔ دس بیس پچاس ہزار آدمی جمع ہو جاتے ہیں تو بھیڑ ہو جاتی ہے۔ چیخ و پکار ہوتی ہے اور سب ایک دوسرے کے لیے حجاب اور آڑ بن جاتے ہیں تو یہ اتنی مخلوق کہ سارا کنبہ حضرت آدم علیہ السلام کا ایک جگہ جمع ہو ایک وقت میں کیسے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب چودھویں رات کا چاند چمکتا ہوا ہوتا ہے تو ساری دنیا کے انسان کیا ایک وقت میں اس کو نہیں دیکھتے؟ کیا ایک کے دیکھنے میں دوسرے کا دیکھنا حجاب بن جاتا ہے؟ تو جب ایک وقت میں سب چمکتے ہوئے چاند کو دیکھ سکتے ہیں تو اسی طرح سے جنتوں میں اور عرصات اس کا میدان ہوتا ہے (میدان محشر) میں سارے بنی آدم مل کر ایک وقت میں

اللہ کا دیدار بھی کر سکتے ہیں۔

تو بہر حال دیدار خداوندی ممکن بھی ہے واقع بھی ہوگا اور حق ہے۔ یہی مذہب اہل حق کا ہے جسے انبیاء علیہم السلام لے کر آئے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ محال اور ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی دیکھ سکے' انہوں نے اس دعویٰ کو اٹھایا اور دلائل پیش کئے' چونکہ یہ دعویٰ اسباب کے ذرا مطابق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جا سکتا' اس لیے عوام مبتلا ہونے شروع ہوئے اور اور بہت سوں کے ایمانوں میں کچھ خلل پڑنا شروع ہوا۔

چنانچہ علماء نے بحثیں کیں' مناظرے کئے' تقریریں کیں مگر چونکہ علماء باریک بات کہتے تھے جو معنویت سے بھرپور ہوتی تھی اور وہ منکر تھے۔ انکار کرنے والا شبہ ڈال دے تو جلدی اثر ہوتا ہے اور حقیقت دل میں ذرا دیر سے بیٹھتی ہے اس لیے منکرین جلد کامیاب ہوتے ہیں اور مقرین (اقرار کرنے والے) دیر سے کامیاب ہوتے ہیں' مُقِر (قائل) کو ثابت کرنا پڑتا ہے اور دلائل دینے پڑتے ہیں جب کہ منکر ایک شبہ پیدا کر کے پبلک میں پھیلا دیتا ہے اور سب کے سب اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو شبہ جہالت کی چیز ہے اور اس کے خلاف ثابت کرنا علم کی چیز ہے' اس لیے جاہل دنیا میں جلد غالب آ جاتا ہے اور عالم دیر سے' اس لیے کہ اسے بڑے مقدمات طے کرنے پڑتے ہیں جب کہ جاہل کو ایک انکار کافی ہو جاتا ہے' تو معتزلہ نے جب یہ کہا کہ خدا کو نہ دنیا میں دیکھا جا سکتا ہے نہ آخرت میں تو علماء نے اس کے جوابات دیئے مگر عوام کے دل میں ان کا جواب زیادہ نہیں بیٹھتا تھا۔ معتزلہ کا شبہ زیادہ بیٹھتا تھا۔ اس سے بہت سوں کے ایمانوں میں خلل پڑنا شروع ہوا۔

جب علماء عاجز آ گئے تو اخیر میں عارفین اور محققین کی طرف رجوع ہوا کہ وہ ارباب مشاہدہ ہیں' وہ اپنے اپنے تصرف باطن اور کمالات باطن سے کچھ کہتے ہیں تو وہ دل سے جا کے ٹکراتا ہے۔ کبھی تقریریں وہ اثر نہیں کرتیں جو کہ ایک عارف باللہ کا چھوٹا سا کلام اثر کر جاتا ہے۔ اخیر میں صوفیاء کی طرف رجوع کیا گیا۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا اور کہا کہ حضرت یہ قصہ پیش آ رہا ہے' ہم تو عاجز آ چکے ہیں' دلائل دیتے دیتے تھک گئے مگر دعویٰ باریک ہے' اللہ کے دیدار اور قیامت کے

واقعات اس دنیا میں سمجھانا جب کہ یہاں کے بندے بندۂ اسباب ہیں بہت مشکل ہے کس طرح سمجھائیں؟ ہم نے سب کچھ کرلیا مگر لوگوں کے ذہنوں میں نہیں بیٹھتا اب آپ کا کام ہے کہ مخلوق کو سنبھالیں۔

فرمایا کہ اچھا ہم مناظرہ کریں گے' اس کا اعلان کردو۔ چنانچہ وقت مقررہ پر جامع مسجد رُسافہ میں بغداد کے لاکھوں آدمی جمع ہوئے۔ اول تو اس بناء پر حضرت جنید وعظ کہیں گے جنہوں نے کبھی وعظ نہیں کہا۔ ایک نئی چیز سامنے آتی ہے تو مخلوق خود بہ خود اُمنڈ آتی ہے کہ کوئی عجیب بات ہوگی' اور پھر یہ کہ مناظرے کا اعلان تھا اور مناظرہ جھگڑے کی چیز ہے اور جھگڑے سے عوام کو زیادہ مناسبت ہوتی ہے' تعمیری چیزوں کی طرف اتنی توجہ نہیں کرتے جتنا جھگڑوں کی چیزوں کی طرف توجہ کرتے ہیں' جھگڑالو زیادہ سرگرم ہوجاتا ہے اور بے چارہ تعمیر کنندہ کچھ مغلوب سارہ جاتا ہے۔ بہر حال جامع مسجد رسافہ میں لاکھوں آدمی جمع ہوئے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ آکر منبر پر بیٹھے' لاکھوں آدمیوں کا مجمع تھا' معتزلہ کے بڑے علماء بھی سامنے آئے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا دعویٰ ہے تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ معتزلی عالم نے کہا: میں یہ کہتا ہوں کہ خدا کو اس کی مخلوق نہیں دیکھ سکتی۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کا دیدار محال ہے۔

شیخ نے اس کے جواب میں ایک بھی دلیل نہ پیش کی بلکہ یہ کہا کہ میں ایک چیز پوچھنا چاہتا ہوں اور تمہارے ضمیر سے اپیل کرتا ہوں وہ یہ کہ کیا تمہارا خدا کے دیکھنے کو دل چاہتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! جی تو چاہتا ہے' فرمایا: یہ دلیل ہے کہ خدا کو دیکھا جاسکتا ہے' اس لیے کہ دیکھنے کو جی اسی چیز کو چاہے گا جو دیکھی جاسکتی ہے اور جس کا دیکھنا محال ہو اس کو دیکھنے کو کبھی جی نہیں چاہے گا۔ کبھی آپ یہ نہیں چاہیں گے کہ میں خوشبو کو دیکھ لوں' یہ جی چاہے گا کہ اس کو سونگھ لوں۔ کبھی آپ کا جی نہیں چاہے گا کہ میں آواز کو دیکھ لوں بلکہ اسے سننے کو جی چاہے گا تو جو چیز جس حاسے سے سمجھی جاتی ہے اسی حاسے سے احساس کرنے کی تمنا ہوتی ہے دوسرے حاسے سے نہیں ہوتی تو تم جب یہ کہتے ہو کہ خدا کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تمہارے ضمیر میں جو چاہنے کا داعیہ موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو دیکھا جاسکتا ہے ورنہ تمنا ہی پیدا نہ ہوتی۔ یہ دلیل ہے دیدار کے ممکن ہونے کی۔ اب واقع ہونے کا مسئلہ یہ ہے کہ مخبر

صادق نے خبر دی ہے کہ واقع ہوگا تو امکان تم نے ثابت کر دیا اور وقوع صاحب شریعت نے ثابت کر دیا' اب بتاؤ تمہارا کیا دعویٰ ہے؟

اب وہ بے چارہ حیران ہو کر چپ رہ گیا اس لیے کہ وہاں تو دل ہی پکڑا گیا تو اہل اللہ ضمیر اور وجدان سے اپیل کرتے ہیں۔ انسان کی سب سے بڑی دلیل اس کا ضمیر اور وجدان ہے۔ اندرونی ذوق جس کا تقاضا کرے وہی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اگر آپ مقدمات ملا کر عقلی طور پر دوسروں کے سامنے کچھ ثابت کر دیں تو یہ دلائل من گھڑت ہوں گے۔ اصل دعویٰ ضمیر میں ہوتا ہے جس کے ماننے پر دل مجبور ہوتا ہے تو سب سے بڑی دلیل انسان کا وجدان اور ضمیر ہے۔ (کتاب حقیقت معجزہ' مؤلفہ: قاری محمد طیب' سابق مہتمم مدرسہ دیوبند)

تراشہ نمبر 133

کیا ''786'' لکھنا صحیح ہے؟

سوال ہفت روزہ ''اخبار جہاں'' کراچی کے 25 نومبر تا یکم دسمبر 2002ء کے شمارے میں آپ کے مسائل کا حل کتاب وسنت کی روشنی میں کے عنوان کے تحت ایک شخص محمد عمر فاروق (جیکب آباد) نے سوال کیا کہ بسم اللہ کے طور پر خطوط وغیرہ پر جو ''786'' لکھا جاتا ہے' کتاب وسنت کی روشنی میں اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کیجئے کہ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب عام طور پر خطوط' دستاویزات اور تحریروں وغیرہ میں بسم اللہ کے بجائے 786 لکھ دیا جاتا ہے کہ ان کا غذات کے زمین پر گرنے سے بسم اللہ کے پاکیزہ حروف کی بے ادبی ہوتی ہے' ان کو بے ادبی سے بچانے کے لیے 786 لکھ دیا جاتا ہے جب کہ اسلامی تعلیم میں واضح طور پر یہ ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنا چاہیے' جو کام اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع نہ کیا جائے اس میں برکت نہیں ہوتی اور وہ پایہ تکمیل تک بھی نہیں پہنچتا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کا نام لینا صحیح ہے' فرض کیجئے کسی کے نام کے اعداد کا مجموعہ 420 اور کوئی اسے نام کی بجائے مسٹر 420 کہہ کر پکارے تو اس کا ردعمل کیا ہوگا' اسی طرح بسم اللہ کے بجائے 786 کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہے' پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ بسم اللہ کے اعداد 786 نہیں بنتے' قمری حروف کی

صورت میں الف لام لگا کر پڑھا جاتا ہے جب کہ شمسی حروف کے ساتھ الف لام لکھا تو جاتا ہے لیکن پڑھا نہیں جاتا۔

الرحمٰن اور الرحیم میں قمری حروف کی صورت میں بسم اللہ کے اعداد کا مجموعہ ''1188'' بنتا ہے اور شمسی حروف کی صورت میں اس کا مجموعہ ''726'' بنتا ہے یعنی کسی بھی صورت میں یہ مجموعہ 786 نہیں بنتا' اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر 786 ہے کیا؟ غالب امکان یہ ہے کہ 786 ہندوؤں کے بھگوان ہری کرشنا کے نام کے حروف کا مجموعہ ہے' حروف ابجد کے حساب سے اسی کے یہ اعداد نکلتے ہیں' برصغیر پاک و ہند کے مسلمان سینکڑوں برس تک ہندوؤں کے ساتھ اکٹھے رہے ہیں' وہ 786 استعمال کرتے ہوں گے' اس کی تشریح انہوں نے مسلمان کے سامنے غلط انداز میں کی ہوگی اور انہوں نے اس کو صحیح سمجھ کر 786 کا استعمال شروع کر دیا۔ بسم اللہ کے لیے اس طرح کے اعداد کا استعمال درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو دعوت دینے کے مترادف ہے' اس لیے ان اعداد کے استعمال سے مکمل طور پر اجتناب کرنا چاہیے۔

سوال: مذکورہ بالا جواب میں مفتی صاحب نے اسے بالکل غلط اور باطل قرار دیا اور اس کا رشتہ ہندومت سے جوڑ دیا ہے اور یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد کا مجموعہ قمری حروف کے حساب سے ''1188'' بنتا ہے اور شمسی حروف کے حساب سے ''672'' بنتا ہے' 786 تو کسی صورت میں نہیں بنتا' اس جواب کو پڑھ کر بہت سے لوگ تشویش میں مبتلا ہیں کیونکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بزرگان دین اسے اپنی تحریروں' خطوط اور تعویذات میں استعمال کرتے رہے ہیں اور اب بھی یہ روایت جاری ہے' لہٰذا گزارش ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلے کو حل کیجئے' تاکہ ہم جیسے لوگوں کا اضطراب رفع ہو۔ (آثار اللہ' لیاقت آباد)

جواب: سب سے پہلے تو یہ اطمینان کر لیجئے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد کا مجموعہ ابجد کے حساب سے 786 ہی بنتا ہے' اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

بسم: 102۔۔۔۔اللہ 329۔۔۔الرحیم 289۔۔۔میزان 786

قاعدہ یہ ہے کہ جو حروف مکتوب ہوتے ہیں ان کے اعداد کا حساب لگایا جاتا ہے' خواہ شمسی ہو یا قمری' تشدید کی صورت میں بھی چونکہ مکتوب ایک ہی حرف ہوتا ہے' لہٰذا اس

کے اعداد کو جمع کر لیا جاتا ہے' لفظ اللہ اور الرحمٰن پر کھڑی زبر بصورت حرف نہیں ہے بلکہ بصورت حرکت ہے' لہٰذا اس کا عدد بھی حساب میں نہیں آئے گا۔ ہمارے ہاں ایک المیہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی علم یا فن کا ماہر ہو یا نہ ہو' اس میں ٹانگ ضرور اڑاتا ہے اور نہ صرف ماہرانہ رائے دیتا ہے بلکہ اپنی رائے کو حرف آخر سمجھتا ہے اور حجت قاطع قرار دیتا ہے اور اس معاملے میں سب سے زیادہ مظلوم اسلام اور شریعت ہے' بہ قول شاعر ؎

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی　　اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

ابجد کے حصول کا عربی اصطلاح میں نام ''جُمل'' یا ''جمل'' ہے۔

مفتی صاحب نے دوسری مغالطہ آرائی یا خود ساختہ اجتہاد یہ کیا کہ 786 کے اعداد کو ہندوؤں کے بھگوان ''ہری کرشنا'' کے اعداد کا مجموعہ قرار دے کر اس سے ظاہر کیا ہے کہ یہ ایک مشرکانہ کلمہ ہے۔ اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ ''ہری کرشنا'' سنسکرت کا لفظ ہے نہ کہ عربی کا اور ''جمل'' حساب عربی کا ہے اور اردو میں بعینہ عربی کے حروف مستعمل ہونے کی وجہ سے اسے اردو میں بھی اختیار کر لیا جاتا ہے کیونکہ اردو کے اصل ماخذ عربی اور فارسی ہیں' سنسکرت میں تو جمل کے حساب کو جاری کرنے والے مفتی حسام اللہ شریفی صاحب پہلے فرد ہیں۔ اعتبار تو اسی رسم الخط کا ہوتا' جس کا وہ کلمہ یا حرف ہے' سنسکرت کی تو ابجد (alphabetic) کا رسم الخط اور تلفظ بالکل جدا ہے' کسی ماہر سنسکرت سے ''ہری کرشنا'' لکھوا کر دیکھ لیجئے' اس کے بعض حروف کے مشابہ بحساب جمل ابجد کا کوئی بھی حرف نہیں ہے۔ حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بہ قول بہت ہی کھینچ تان کر اعداد کو جوڑ بھی لیا جائے (یعنی سنسکرت کے ہری کرشنا کے اصل حروف) تو زیادہ سے زیادہ 436 بنتے ہیں' لیکن اگر کسی کو خواہ مخواہ مسلمانوں کا ہندومت سے رشتہ جوڑنے یا اس سے متاثر قرار دینے کا شوق ہو تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

اب دیکھئے سنسکرت کے حروف تہجی بھ' پ' ٹ' ٹھ' جھ' چھ' دھا' ڈھا' کھا' گ' گھا' وغیرہ عربی میں کہاں ہیں' اور جن ہندی یا سنسکرت کے الفاظ میں یہ حروف تہجی استعمال ہوں گے' ان کے اعداد کا حساب مفتی صاحب موصوف کیسے کریں گے' یا ان کے ''جمل''

کے نئے قواعد وضع کریں گے' کیا مفتی صاحب ناقابل تردید دلائل سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ سنسکرت یا ہندومت میں جمل کا حساب رائج تھا۔

ہمارا یہ موقف کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے لیے 786 کا عدد اہل علم کے ہاں استعمال ہوتا رہا ہے' تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ اس وقت میرے سامنے ایک ''علم المیراث'' کا رسالہ ہے' جس کا نام ''مفید الوارثین (مکمل)'' اور یہ نام بھی ''جمل'' کے حساب سے رکھا گیا ہے یعنی رسالے کا سن طباعت 1349 ھ ہے اور کتاب کے مذکورہ بالا نام کے اعداد کا مجموعہ بھی 1349 بنتا ہے' یہ رسالہ دارالاشاعت دیوبند' ضلع سہارنپور سے شائع ہوا ہے اور اس کے مصنف دارالعلوم کے ایک بزرگ نامی گرامی سید اصغر حسین ہیں' وہ کتاب کے صفحہ نمبر 232 پر لکھتے ہیں: ایک طویل کاغذ لے کر اس کی پیشانی پر ھوالباقی یا بسم اللہ لکھو' یا بسم اللہ کے اعداد 786 لکھو' وغیرہ۔ امام احمد رضا خان قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں کے نام بھی ''جمل'' کے حساب سے اعداد کے مطابق ہیں۔

باقی یہ امر مسلم ہے کہ ہر نیک اور اہم کام کا آغاز بسم اللہ سے کرنا چاہیے۔ اگر وہ کام کوئی اچھی تحریر' تصنیف یا خط و کتابت ہے تو اس کے شروع میں بھی بسم اللہ لکھنا مسنون' مستحب اور مستحسن امر ہے' اس سے کام میں بھی برکت پیدا ہوتی ہے' اور اس تحریر میں بھی برکت ہوتی ہے' لیکن کسی تحریر یا خط کتابت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس وقت لکھا جائے جب یہ ظن غالب یا کم از کم مخاطب اور مکتوب الیہ کے بارے میں حسن ظن ہو کہ وہ اس کا ادب واحترام ملحوظ خاطر رکھیں گے' اسے قدموں کے نیچے یا کسی ڈسٹ بن اور کوڑے دان میں نہیں پھینکیں گے اور اگر خدانخواستہ بے ادبی کا گمان یا یقین ہو تو پھر خط' کتابت یا تحریر کے شروع میں بسم اللہ ہرگز نہ لکھی جائے بلکہ خط کتابت یا تحریر کے شروع کرنے سے پہلے زبانی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لے اور پھر لکھنا شروع کر دے۔ ہمارے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کفار کی بستی میں جانا ہو اور یقین یا ظن غالب ہو کہ قرآن مجید لے کر جائیں گے اور وہ ان کے ہاتھ لگ گیا تو وہ اس کی بے حرمتی کریں گے تو پھر ایسی صورت حال میں قرآن مجید ساتھ لے کر نہ جائیں۔

یہ عقیدہ یا نظریہ کسی کا نہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے یا پڑھنے کے بجائے 786 کا عدد لکھا جائے یا پڑھ لیا جائے تو بسم اللہ کا ثواب ملے گا' کیونکہ یہ عقیدہ اختیار کرنے سے سنت بسم

اللہ کا ترک لازم آئے گا' جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب 786 بسم اللہ کا متبادل یا اس کا قائم مقام نہیں ہے تو لکھنے کا کیا فائدہ؟ آپ کو معلوم ہے کہ بعض کوڈ ورڈز (Code Words) یا اشاراتی الفاظ یا نشانات ہوتے ہیں' جو مسلح افواج' سکیورٹی انجینئرز اور بعض سراغ رسانی کے اداروں یا شعبہ جات میں استعمال ہوتے ہیں' اس سے شعبہ سے وابستہ افراد کا ذہن ان کے سنتے ہی یا ان پر نظر پڑتے ہی ان معانی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جن کے لیے ان کو وضع کیا گیا ہے تو اگر خط یا تحریروں کے شروع میں 786 کا عدد لکھا ہوا اور اس پر نظر پڑتے ہی قاری کا ذہن بسم اللہ کی طرف منتقل ہو جائے اور وہ فوراً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لے تو یہ بھی بہت بڑا فائدہ ہے' بے ادبی سے بچ گئے اور سنت بسم اللہ کا اجر بھی پالیا یہ تو طے ہے کہ 786 کا لکھنا کسی کے نزدیک بھی واجب یا سنت کے درجے میں نہیں ہے اور اس کے ترک سے کوئی شرعی خرابی لازم نہیں آتی' لیکن اگر اس پر نظر پڑتے ہی بندے کا ذہن متوجہ ہو جائے کہ وہ بسم اللہ پڑھ لے تو یہ اس جہت سے ایک مستحسن امر ہوگا۔

یہ مسئلہ کے اعداد میں کوئی تاثیر ہے یا نہیں؟ میری نظر میں اس کے لیے کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔ لیکن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سمیت دیگر متعدد مسلمہ اکابر امت تعویذات میں ان کا استعمال کرتے رہے ہیں اور ہمارا ان سب اکابر امت کے بارے میں حسن ظن ہے کہ یہ کسی خلاف شرع امر پر مجتمع نہیں ہو سکتے اور حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ. میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی۔ (الحدیث)

توارث وتواتر کے ساتھ اکابر صلحاء امت کا عمل یہ بتاتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ عمل مجرب ہے۔

ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ جمل یا ابجد یا حروف کے اعداد کا تصور مسلمانوں میں کب سے متعارف تھا' تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ مسلمان عہد رسالت میں بھی اس سے آشنا تھے' چنانچہ علامہ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی متوفی 685ھ نے اپنی معرکۃ الاراء تفسیر انوار التنزیل میں الم کی بحث میں یہ حدیث نقل کی ہے:

اَوْالٰی مُدَدِ اَقْوَامٍ وَّ اٰجَالٍ بِحِسَابِ الْجُمَلِ کَمَا قَالَهٗ اَبُوالْعَالِیَةِ مُتَمَسِّکًا بِمَا رُوِیَ اَنَّهٗ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَمَّا اَتَاهُ الْیَهُوْدُ تَلٰی عَلَیْهِمْ اَلٓمٓ اَلْبَقَرَةُ ' فَحَسَبُوْهُ وَ قَالُوْا کَیْفَ نَدْخُلُ فِیْ دِیْنٍ مُدَّتُهٗ اِحْدٰی وَ سَبْعُوْنَ سَنَةً؟ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا: هَلْ غَیْرُهٗ ' فَقَالَ: المص ' الر ' المر ' وَغَیْرُهٗ ' فَقَالُوْا: خَلَطْتَ عَلَیْنَا فَلَا نَدْرِیْ بِاَیِّهَا نَاْخُذُ.

(تفہیم المسائل' از پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن' جلد دوم)

یا بعض سورتوں کے شروع میں مذکور ان حروف مقطعات سے بحساب جمل بعض قوموں کی بقا کی میعاد کی طرف اشارہ ہے' جیسا کہ ابوالعالیہ نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے' کہ جب یہود آپ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں الٓمٓ البقرہ پڑھ کر سنائی تو انہوں نے حساب لگایا اور کہا کہ ہم ایسے دین میں کیسے داخل ہوں' جس کی کل مدت ہی 71 سال ہے' تو رسول اللہ ﷺ یہ سن کر مسکرائے' تو اس پر یہود نے پوچھا: کیا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے' تو فرمایا: ''المص' الر' المر ''وغیرہ' تو یہود بر لے معاملہ ہم پر خلط ملط ہو گیا سمجھ نہیں آتا کہ کیا لیں اور کیا چھوڑیں؟

تراشہ نمبر 134

یہ ڈنمارک والے کون ہیں؟

(عظیم سرور'' روزنامہ جنگ'' لاہور 27 فروری 2008ء)

غالباً 1983ء کی بات ہے' میں شکاگو جا رہا تھا۔ اس مرتبہ سستا ٹکٹ اسکینڈے نیویا کی ایئر لائن کا تھا' مجھے لندن رک کر شکاگو روانہ ہونا تھا۔ کراچی سے جہاز نے اسلام آباد کا رخ کیا اور پھر پورے افغانستان پر پرواز کرتا ہوا تاشقند کے اوپر سے گزرا۔ میری نشست کھڑکی پر تھی' میں نے دیکھا کہ افغانستان میں پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔ 35 ہزار فٹ کی بلندی سے نیچے کہیں کہیں کوئی چھوٹا سا گاؤں نظر آتا تھا' اس وقت سویت یونین نے اپنی فوجیں افغانستان میں اتاری ہوئی تھیں' واپس آ کر میں نے دوستوں سے کہا: روس افغانستان میں کچھ بھی نہ کر سکے گا

بس پہاڑوں سے ٹکرا کر واپس لوٹ جائے گا۔ لندن جاتے ہوئے ایک گھنٹے کا پڑاؤ ڈنمارک کے شہر کوپن ہیگن کے ہوائی اڈے پر تھا۔ لندن میں 10 دن کے قیام کے بعد شکاگو کیلئے روانہ ہوا تو ایک بار پھر کوپن ہیگن آنا ہوا اس مرتبہ ایئر لائن نے ایک دن کے لیے ہوٹل میں ٹھہرایا۔ یہ ہوٹل سچا فائیو سٹار ہوٹل تھا۔ اس کے کمرے میں دنیا بھر کی آرام وہ اشیاء موجود تھیں اور وہاں ٹیبل پر ایک خوبصورت کتابچہ ''ڈنمارک میں رہنے کے آداب'' رکھا تھا۔ یہ کتابچہ انگریزی' ڈینش' فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں تھا جو ڈنمارک کے محکمہ سیاحت کی طرف سے شائع ہوا تھا۔

یہ کتابچہ بہت دلچسپ تھا' اس میں ایک باب میں بہت سی ہدایات تھیں' کہا گیا تھا: اگر آپ ڈنمارک کے قیام کے دوران میں کسی ڈینش کے گھر مہمان بن کر جائیں تو وہاں آپ کو ان باتوں کا خیال رکھنا ہوگا:

(1) جب آپ کو کوئی ڈینش شخص اپنے گھر بلائے اور وہاں آپ دیکھیں کہ کوئی خاتون گھر کے کام میں مصروف ہے تو اپنے میزبان سے یہ مت پوچھیں کہ آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا؟ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ بغیر شادی کے رہ رہے ہوں۔ آپ کے اس سوال سے ان کے دل کو صدمہ پہنچے گا۔

(2) آپ اگر خاتون خانہ سے بات کریں تو ان کو مسز فلاں کہہ کر نہ مخاطب کریں امکان اس بات کا ہوسکتا ہے کہ وہ ان صاحب کے ساتھ ویسے ہی رہ رہی ہوں۔ آپ کی اس بات سے ان خاتون کو دکھ ہوگا اور آپ اس طرح بداخلاقی کے مرتکب ہوں گے۔

(3) اگر آپ اپنے میزبان کے گھر میں کسی بچے کو دیکھیں تو اس بچے کی ذہانت یا شکل و صورت کی تعریف کرتے ہوئے اپنے میزبان سے یہ نہ کہیں کہ آپ کا بچہ بہت خوبصورت ہے یا ذہین ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ بچہ اس میزبان کا بچہ نہ ہو بلکہ خاتون خانہ کا بچہ ہو۔ اس طرح ایک جانب آپ کے میزبان کو دلی دکھ پہنچے گا اور ہوسکتا ہے معصوم بچے کو بھی دُکھ ہو۔ اس لیے اس سلسلے میں حددرجہ احتیاط سے کام لیں۔

(4) آپ کسی دفتر میں کسی خاتون سے ملیں تو ان سے یہ مت پوچھئے کہ آپ کے شوہر کیا کام کرتے ہیں؟ یا آپ کے شوہر کا نام کیا ہے؟ ہوسکتا ہے وہ خاتون کسی کے بھی ساتھ ایسے

ہی رہ رہی ہوں آپ کے سوال کی صورت میں ان کو دُکھ پہنچ سکتا ہے۔

(5) اگر آپ کسی بزنس کے سلسلے میں کسی ڈینش سے ملیں اور وہ آپ کو کھانے وغیرہ پر مدعو کر لے تو گفتگو میں احتیاط سے کام لیں۔ کسی سے یہ مت پوچھیں کہ کیا آپ کے والد حیات ہیں؟ ہوسکتا ہے اس کو معلوم ہی نہ ہو کہ اس کا والد کون تھا' اس صورت میں زندگی اور موت کی معلومات کیسے ہوسکتی ہیں؟ آپ یہ سوال کر کے اپنے میزبان کو ذہنی اور دلی صدمہ پہنچانے کے مرتکب ہوسکتے ہیں۔

(6) کسی بھی ڈینش خاتون کو خط لکھتے ہوئے ان کے نام کے ساتھ مسز تحریر نہ کریں کیونکہ اکثر خواتین مسز ہوئے بغیر مسز ہوتی ہیں' آپ کے ان کو مسز لکھنے سے ان کو انتہائی صدمہ ہوگا اور وہ دُکھی ہوجائیں گی۔

''ہدایت نامہ سیاح ڈنمارک'' پڑھ کر میرے اوسان خطا ہوگئے۔ الٰہی یہ کیسا ملک ہے؟ اس ملک کے بارے میں جب یہ سنتے تھے کہ یہ سیکس فری ملک ہے تو اس قسم کا کوئی خیال کبھی نہ آیا کہ معاشرے میں اکثریت ہر اخلاقی بندھن سے آزاد ہوگی' پھر یہ خیال آیا کہ یہ لوگ جو کسی سوشل معاہدے کے بغیر میاں بیوی کی حیثیت سے رہ رہے ہیں کیا انسان کہلانے کے مستحق ہیں؟ جانوروں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایسی آزادی ان کے ہاں ہوتی ہے لیکن پھر جانور ایسے معاملات میں نہ حساس ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کو کسی بات پر دلی صدمہ یا دُکھ ہوتا ہے۔

ڈنمارک کے 17 اخباروں نے جو خاکے شائع کئے ہیں تو ان کے بارے میں وہ اخبار دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ اظہار رائے کی آزادی ہے' اس صورت میں انہیں اس بات کی پروا نہیں کہ اس سے دنیا کی ڈیڑھ ارب آبادی کو دلی اور روحانی صدمہ پہنچتا ہے' ڈنمارک کی حکومت بھی اپنے اخباروں کو اظہار کا حق دیتے ہوئے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتی کہ اس سے دنیا کے مسلمانوں کے جذبات واحساسات کو ٹھیس پہنچے گی' انہیں اپنے جانوروں جیسی زندگی گزارنے والے لوگوں کے جذبات کا اتنا خیال ہے کہ ہر سیاح کو آداب ڈنمارک سکھاتے ہیں۔

ہمارا خیال ہے' ہمیں انفرادی طور پر ڈنمارک کے سفارت خانے اور حکومت کو خط لکھ کر یہ بتانا چاہیے کہ ہم ان اخبار کے مالکان' صحافیوں اور خاکے بنانے والوں پر مقدمے دائر کرنا چاہتے ہیں اور ان مقدموں کے لیے ہمیں ان تمام لوگوں کی ولدیت کی ضرورت ہوگی۔ برائے

مہربانی ان لوگوں کی ولدیت فراہم کی جائے۔ دوسری صورت میں ہم ان کے نام کی ولدیت کے ساتھ ولدنا معلوم لکھیں گے یا نام کے ساتھ انگریزی کا حرف ''B'' یا اردو کا حرف ''ح'' لکھ دیں گے' پھر ہم دیکھتے ہیں ڈنمارک کے سفارت خانے اور حکومت ان خطوں کے کیا جواب دیتے ہیں۔

ہمیں یقین ہے جن لوگوں نے یہ خاکے شائع کئے ہیں یہ سب لوگ اسی قبیل کے فرزند ہوں گے جن کے جذبات کے بارے میں ڈنمارک کا محکمہ سیاحت' ہدایت نامہ شائع کر کے ہوٹلوں اور دفتروں میں سیاحوں کے لیے رکھتا ہے۔

ایک سوال علمائے کرام سے کہ جب ڈنمارک میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو آزادروی کی پیدائش ہیں تو کیا ایسے لوگوں کے ہاتھ کا بنایا ہوا مکھن کھانا حلال ہوگا یا حرام؟

تراشہ نمبر 135

پاکستان اور اسرائیل بھارت گٹھ جوڑ

کل اتفاقاً قدرت اللہ شہاب کی مشہور و معروف کتاب ''شہاب نامہ'' ہاتھ آ گئی۔ اسے پڑھے ہوئے عرصہ ہو چکا ہے۔ سوچا کہ دیکھیں انہوں نے مسجد اقصیٰ کے متعلق کیا لکھا ہے۔ وہ یونیسکو (UNESCO) کے ایگزیکٹیو بورڈ کے ایک ممبر تھے اور خفیہ طور پر اسرائیل گئے تھے تاکہ دریائے اردن کے مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں اس کے قائم کردہ اسکولوں میں اسرائیل کی دخل اندازی کے بارے میں تحقیقات کر سکیں۔ یہ ایک سنسنی خیز اور خطرناک مشن تھا' جس میں ان کی واپسی کے امکانات بمشکل تیس فیصد تھے۔ مقبوضہ فلسطین پہنچ کر شہاب صاحب یونیسکو کے قائم کردہ بہت سے اسکولوں میں گئے اور 13 شر انگیز کتابوں کے نسخے حاصل کئے جو اسرائیلیوں نے یونیسکو کے قائم شدہ نصاب کی جگہ وہاں زبردستی رائج کر رکھے تھے۔ ایک اسکول میں انہوں نے دیکھا کہ ایک فلسطینی بچے کو انتہائی بیدردی کے ساتھ نہایت کڑی اور ذلت آمیز سزا مل رہی تھی۔ اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے کتاب کا وہ حصہ پڑھنے سے انکار کر دیا تھا جس میں رسول کریم ﷺ کی شان میں انتہائی گستاخ الفاظ درج تھے۔ عرب بچوں کی تعلیم میں دخل اندازی کا مقصد حاصل کرنے کے لیے اسرائیل نے یونیسکو کے اساتذہ

کو آنے سے روک دیا تھا اور وہاں اپنے ٹیچر مقرر کر دیئے تھے۔

شہاب نامہ کے یہ الفاظ پڑھتے ہی مجھے احساس ہوا کہ ڈنمارک' ہالینڈ اور جرمنی کے ان جریدوں کی پشت پر کس کی قوت کام کر رہی ہے۔ دولت کے بل بوتے پر یہودیوں نے ان اخباروں سے نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخانہ خاکے شائع کرائے اور ایک بار پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے بار بار اس اہانت کا ارتکاب کیا تاکہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی توقیر کم کی جا سکے۔ ہم بطور مسلمان جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جزا و سزا کے لیے قیامت کا دن مقرر کیا ہے۔ اگر جرم کا ارتکاب کرنے والے ہر شرپسند کو فوری سزا مل جاتی تو کوئی ارتکاب جرم کی ہمت نہ کرتا لیکن یہودی اللہ تعالیٰ کے اس نظام سے فائدہ اٹھا کر حرمت رسول ﷺ کو مذاق بنانا چاہتے ہیں تاکہ اسلام کی عزت پر کٹ مرنے کا جذبہ سرد کیا جا سکے۔

اس کے ساتھ پاکستانی طلبہ کے نصاب میں تبدیلی کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔ مسلمان بادشاہوں کی تاریخ کی جگہ ہندو راجاؤں کی تاریخ پڑھانا اور امہات المؤمنین کے ابواب کتابوں سے نکلوانا تاکہ پاکستانی لڑکیوں کو رول ماڈل نہ مل سکیں اور جہاد کے ذکر والی سورتیں نصاب میں سے نکلوانے کا کام اسرائیل کی مرضی و منشاء کے مطابق کیا جا رہا ہے تاکہ مسلمان بچے روزے' نماز ہی کو اسلام سمجھ لیں اور اصول جہانبانی سے ناآشنا ہو جائیں۔ یہ ایک غیر سیاسی اور خالص دینی مسئلہ ہے۔ اس پر ہر پاکستانی سیاسی جماعت کو آواز اٹھانی چاہیے تھی۔ ملک کے ارباب بست و کشاد کو یکجا ہو کر ان تبدیلیوں پر غور کرنا چاہیے اور جو باتیں اسلامی روح کے خلاف پائی جائیں انہیں فوری طور پر نصاب سے نکال دینا چاہیے۔ امریکہ یا کسی بھی عالمی طاقت کو یہ اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ ہمارا نصاب تعلیم طے کرے۔ دنیا کی ہر قوم کو اپنی مرضی و منشاء کے مطابق اپنے نونہالوں کو تعلیم دینے کا حق حاصل ہے اور دنیا کی کوئی قوت اسے اس حق سے محروم نہیں کر سکتی۔ عوام کی تائید و حمایت سے محروم کوئی آمریت وطن کے سیاسی و نظریاتی حصار کا دفاع نہیں کر سکتی لیکن ان کی نصرت و اعانت کے ساتھ دنیا کی ہر طاقت کو منہ توڑ جواب دیا جا سکتا ہے۔ اگر پاکستان کے 16 کروڑ عوام یہ تہیہ کر لیں کہ وہ اپنے عقائد و نظریات کے مطابق زندگی گزاریں گے تو دنیا کی کوئی قوت ہمیں اس سے روک نہیں سکتی۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ امریکہ' اسرائیل اور بھارتی Axis وطن عزیز کے خلاف سازشوں اور ریشہ

دوانیوں میں ملوث رہا ہے۔ گزشتہ ماہ اسرائیلی وزیر دفاع نے بھارت کا دورہ کیا تھا۔ اس ماہ امریکی وزیر دفاع نے بھارت کا دورہ کیا ہے۔ بظاہر دونوں طاقتیں بھارت کو جدید ترین اسلحہ فروخت کرنے کی خاطر بھارت کا رخ کر رہی ہیں لیکن یہ دراصل پاکستان کے خلاف امریکہ' اسرائیل' بھارت گٹھ جوڑ ہے جس کے خفیہ مقاصد ہیں' اس لیے ایک جرأت مندانہ خارجہ پالیسی کی ضرورت ہے جس کے ذریعے ہم مسلم ممالک اور چین کے ساتھ بامقصد تعاون بڑھا سکیں اور ان حالات کا سامنا کر سکیں جو افغان جنگ میں امریکی ناکامی کے بعد پیش آئیں گے۔ افغانستان سے پسپائی کے بعد امریکہ کو پاکستان کی اس قدر ضرورت نہیں رہے گی کہ وہ ہماری ناراضی سے بچنے کے لیے بھارت کے ساتھ مل کر سازش کرنے سے باز آجائے۔ امریکہ کے طویل المیعاد مفادات بھارت کے ساتھ وابستہ ہیں اور افغانستان سے خوار ہو کر نکلتے ہی وہ بھارت کے ساتھ پینگیں بڑھانا شروع کر دے گا' اس لیے چین اور ایران کے تعاون کے ساتھ برصغیر میں دیرپا امن کے قیام کے لیے مشترکہ کوششیں شروع کرنا ہوں گی۔ ڈالر کا مسلسل زوال اسے کسی بڑے اقدام کے قابل نہیں چھوڑے گا۔ یوں بھی Democratic پارٹی کی قیادت کے سبب بین الاقوامی معاملات میں امریکہ سے کسی قسم کی مدد و حمایت کی توقع خوش فہمی ہو گی۔

ہم کافی عرصے سے دیکھتے آئے ہیں کہ اسرائیل بھارت سے تعاون کرتا آیا ہے اور اس نے کشمیری مجاہدین سے نمٹنے کے لیے نہ صرف مشورے دیئے ہیں بلکہ اس مقصد کے لیے اس نے بھارتی سینا کو Night Vision کیمرے بھی فراہم کئے ہیں۔ دشمن کا دوست دشمن ہوتا ہے لیکن پاکستان کی مختلف حکومتیں اس سے خفیہ رابطے کرتی آئی ہیں۔ اسرائیل نے پاکستانی قیادت کو تھڑدلا پایا تو اس نے کھل کر بھارت سے تعاون شروع کر دیا۔

بظاہر یہی لگتا ہے کہ ہر ظالم کو مکمل چھوٹ ملی ہوئی ہے لیکن جب عذاب کا کوڑا حرکت میں آتا ہے تو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کہاں گیا؟ اسرائیل اور بھارت کے عزائم کو ناکام بنانے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ ہم فلسطین کی تحریک مزاحمت کی حمایت کے لیے کوششیں دوچند کر دیں۔ جب تک پاکستان کی جانب سے عملی اقدام نہیں ہو گا' اسرائیل اور بھارت کی ریشہ دوانیاں جاری رہیں گی۔ آخر میں قدرت اللہ شہاب کے مسجد اقصیٰ میں گزاری شب سے متعلق تاثرات بھی سن لیں۔

قبلہ اوّل کی چاردیواری کے اندر جب میں اکیلا رہ گیا تو تاریخ اور تقدس کے ایک مہیب سناٹے نے مجھے سر سے پاؤں تک غڑاپ سے نگل لیا۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے کسی پاکیزہ شیش محل میں ایک کتا غلطی سے بند ہو گیا ہے۔

آگے انہوں نے لکھا ہے کہ کہکشاں کی طرح جگ مگ جگ مگ کرتی ہوئی شاہراہوں پر بڑے بڑے ذی شان پیغمبروں کے قدموں کی خاک سے نور کے چشمے پھوٹنے لگے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام' حضرت داؤد علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام' پھر اللہ کے آخری نبی خاتم النبیین رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ جنہیں اللہ کی پاک ذات شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی تا کہ ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھائے۔

افسوس آج کسی کو یاد نہیں آتا کہ قبلہ اوّل ہمارا ہے اور اس پر غیروں کا قبضہ ہے' اس کی بازیابی کی فکر تو الگ رہی۔ (محمد جاوید اقبال' کالم نگار' روزنامہ جنگ' لاہور' 11 مارچ 2008ء)

تراشہ نمبر 136

عرس کی تاریخ

قوم عاد کے وطن کی تاریخی حیثیت

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قوم عاد احقاف میں رہتی تھی۔ (الاحقاف:21)

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

الاحقاف صحرائے عرب (الربع الخالی) کے جنوب مغربی حصہ کا نام ہے جہاں آج کوئی آبادی نہیں ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عاد کا علاقہ عمان سے یمن تک پھیلا ہوا تھا' اور قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ ان کا اصل وطن الاحقاف تھا جہاں سے نکل کر وہ گردوپیش کے ممالک میں پھیلے اور کمزور قوموں پر چھا گئے۔ آج کے زمانہ تک بھی جنوبی عرب کے باشندوں میں یہی بات مشہور ہے کہ عاد اسی علاقہ میں آباد تھے۔ موجودہ شہر مکلا سے تقریباً 152 میل کے فاصلہ پر شمال کی جانب حضر موت میں ایک مقام ہے جہاں لوگوں نے حضرت ھود کا مزار بنا رکھا ہے اور وہ قبر ھود کے نام سے ہی مشہور ہے۔ ہر سال پندرہ شعبان کو وہاں عرس ہوتا ہے اور عرب کے مختلف حصوں سے ہزاروں آدمی وہاں جمع ہوتے ہیں۔ یہ قبر اگرچہ تاریخی طور پر

ثابت نہیں ہے لیکن اس کا وہاں بنایا جانا اور جنوبی عرب کے لوگوں کا کثرت سے اس کی طرف رجوع کرنا کم ازکم اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ مقامی روایات اسی علاقہ کو قوم عاد کا علاقہ قرار دیتی ہیں۔

صالحین کے عرس کی تحقیق

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے اس اقتباس سے جہاں الاحقاف کی تاریخی حیثیت پر روشنی پڑتی ہے وہاں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ نبیوں اور مقدس برگزیدہ بندوں کا عرس منانا صرف اہل سنت بریلی مکتبہ فکر کی اختراع نہیں ہے بلکہ دنیا کے ہر خطہ میں مسلمان بزرگوں کا عرس مناتے ہیں عرس کی معنوی اصل یہ ہے:

امام محمد بن عمر الواقدی متوفی 207ھ بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال شہداء اُحد کی قبروں کی زیارت کرتے تھے جب آپ گھاٹی میں داخل ہوتے تو بہ آواز بلند فرماتے: السلام علیکم۔ کیونکہ تم نے صبر کیا پس آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کرتے تھے پھر حضرت عمر بن الخطاب ہر سال اسی طرح کرتے تھے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔

(کتاب المغازی ج 1 ص 313 مطبوعہ عالم الکتب بیروت 1404ھ دلائل النبوۃ ج 3 ص 308 مطبوعہ بیروت شرح الصدور دارالکتب العلمیہ بیروت 1404ھ)

اور عرس کی لفظی اصل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبر میں منکر نکیر آ کر سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے متعلق کیا کہا کرتے تھے اور جب مردہ یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور کلمہ شہادت پڑھتا ہے تو اس کی قبر وسیع اور منور کر دی جاتی ہے اور اس سے کہتے ہیں کہ اس عروس کی طرح سو جاؤ جس کو اس کے اہل میں سب سے زیادہ محبوب کے سوا کوئی بیدار نہیں کرتا۔ (الحدیث)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: 1073 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اس حدیث میں مؤمن کے لیے عروس کا لفظ وارد ہے اور عروس کا لفظ عرس سے ماخوذ ہے اور یہ عرس کی لفظی اصل ہے۔ عرس کی حقیقت یہ ہے کہ سال کے سال صالحین اور بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کی جائے۔ ان پر سلام پیش کیا جائے اور ان کی تعریف وتوصیف

کے کلمات کہے جائیں اور اتنی مقدار سنت ہے' اور قرآن شریف پڑھ کر اور صدقہ و خیرات کا ذخیرہ ثواب پہنچانا یہ بھی دیگر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور ان کے وسیلہ سے دُعا کرنا اور ان سے اپنی حاجات میں اللہ سے دُعا کرنے اور شفاعت کرنے کی درخواست کرنا اس کا ثبوت امام طبرانی کی اس حدیث سے ہے جس میں عثمان بن حنیف نے ایک شخص کو نبی ﷺ کے وسیلہ سے دُعا کرنے اور آپ سے شفاعت کی درخواست کرنیکی ہدایت کی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(المعجم الصغیر' ج 1 ص 184 ' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ' 1388ھ' حافظ منذری متوفی 656ھ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (الترغیب والترہیب' ج 1 ص 476۔474 ' اور شیخ ابن تیمیہ متوفی 728ھ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ فتاویٰ ابن تیمیہ' ج 1 ص 273۔274)

اسی طرح امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک بار قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! امت کے لیے بارش کی دُعا کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ (الحدیث)

(المصنف' ج 12 ص 32 ' مطبوعہ کراچی' حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے' فتح الباری' ج 12' 496۔495' لاہور)

ان تمام مباحث کی تفصیل کے لیے شرح صحیح مسلم جلد 7 (علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ) کا مطالعہ فرمائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر سال صالحین کے مزارات کی زیارت کے لیے جانا' ان کو سلام پیش کرنا اور ان کی تحسین کرنا نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کی سنت ہے' اور ان کے لیے ایصال ثواب کرنا اور ان کے وسیلہ سے دُعا کرنا اور ان سے شفاعت کی درخواست کرنا بھی صحابہ کرام کی سنت ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے' اور ہمارے نزدیک عرس منانے کا یہی طریقہ ہے۔ باقی اب جو لوگوں نے اس میں اپنی طرف سے اضافے کر لیے ہیں۔ وہ بزرگان دین کی نذر اور منت مانتے ہیں اور ڈھول' باجوں گاجوں کے ساتھ جلوس کی شکل میں ناچتے گاتے ہوئے اوباش لڑکے چادر لے کر جاتے ہیں اور چادر چڑھانے کی بھی منت مانی جاتی ہے اور بعض جُہلا مزارات پر سجدے کرتے ہیں اور مزار کے قریب میلہ لگایا جاتا ہے اور مزامیر کے ساتھ گانا بجانا ہوتا ہے اور موسیقی کی ریکارڈنگ ہوتی ہے تو یہ تمام امور بدعت سیہ قبیحہ ہیں۔

علماء اہل سنت و جماعت ان سے بری اور بیزار ہیں۔ یہ صرف جہلا کا عمل ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔

(علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ' تبیان القرآن)

تراشہ نمبر 137

اردو سفر نامہ ''فن اور روایت''

سفر نامہ ایک بیانیہ تحریر ہے جس میں سفر نامہ نگار اپنے محسوسات' مشاہدات' تاثرات اور تجربات بیانیہ انداز میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

شہزاد منظر کے خیال میں

سفر نامے کا بنیادی مقصد اپنے تجربات اور مشاہدات کو دوسروں تک پہنچانا ہے۔ سفر نامہ نگار بیشتر ایسی معلومات جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے جو مستقبل کے مسافروں کے لیے ضروری معلومات فراہم کرنے کا کام دیں اور انہیں راستے کی صعوبتوں سے بچالیں۔

ابتدائی دور میں ان معلومات پر مبنی سفر نامے قاری کے لیے بلاشبہ دلچسپ ہوتے ہوں گے۔ اس وقت سائنس اور ٹیکنالوجی نے اتنی ترقی نہیں کی تھی کہ آپ چند منٹوں میں پوری دنیا کا حال جان سکتے ہوں لیکن اب ذرائع ابلاغ نے بے پناہ ترقی کی منازل طے کر لی ہیں' قارئین کو ان معلومات اور خارجی حقائق سے دلچسپی نہیں رہی۔ اردو کے قدیم سفر ناموں کے ضمن میں سرسید احمد خان کا ''مسافران لندن'' اور ''سفر نامہ پنجاب'' مولانا شبلی نعمانی کا ''سفر نامہ روم و مصر و شام'' نثار علی بیگ کا ''سفر نامہ یورپ'' اور محمد حسین آزاد کا ''سیر ایران'' وغیرہ قابل ذکر ہیں[1]

ڈاکٹر انور سدید کے خیال میں

جدید سفر نامہ معلومات مہیا کرنے کے بجائے اس فکری اور تہذیبی تصادم کو منظر عام پر لاتا ہے جو مختلف تہذیبوں اور نظاموں کے درمیان عالمی سطح پر عمل میں آرہا ہے۔ قدیم اور جدید سفر ناموں کے بارے میں ایک اور جگہ یوں رقمطراز ہیں: قدیم سفر نامہ بے آواز فلم کی طرح تھا

[1] حال ہی میں آپ کا سفر نامہ ''ایک طالب علم کی قلمی یادداشتیں'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

جو صرف مناظر اور تصویریں پیش کرتا اور داخلی رنگ آمیزی قاری پر چھوڑ دیتا تھا۔ جدید سفرنامے نے بتدریج جمود سے حرکت کی طرف سفر کیا ہے اور یہ گویا فلم کی طرح ہے اور منظر کا پورا تاثر قاری کو منتقل کرتا ہے' جدید سفرنامہ نگاری کے ضمن میں محمود نظامی' بیگم اختر ریاض الدین' مستنصر حسین تارڑ' ابراہیم جلیس' ابن انشاء' قرۃ العین حیدر' کرنل محمد خان' عطاء الحق قاسمی' شفیق الرحمٰن' اشفاق احمد' مختار مسعود اور پروین عاطف اور ڈاکٹر نور احمد شاہتاز وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں سفرنامے کی روایت کا آغاز فارسی زبان میں ہوا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی وہ معروف ہستی ہیں جنہیں اس خطے میں سب سے پہلے حج بیت اللہ کا شرف حاصل ہوا۔ اس سفر کی روداد انہوں نے ''جذب القلوب'' کے نام سے تحریر کی۔ یہ 1589ء کی بات ہے۔ 1728ء میں حضرت شاہ ولی اللہ نے سفر حج اختیار کیا اور ''فیوض الحرمین'' کے نام سے اپنا سفرنامہ لکھا۔ ان کے بعد مولوی رفیع الدین مرادآبادی کا نام قابل ذکر ہے جنہوں نے ''سوانح حرمین'' کے نام سے سفرنامہ لکھا جس کا اردو ترجمہ بھی ''سفر نامہ حجاز'' کے نام سے منظر عام پر آ چکا ہے۔ ان کا سفرنامہ ''ترغیب المسالک الی احسن المما لک'' بھی ادبی لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا بھی اردو ترجمہ ''سراج منیر'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ گویا ہندوستان میں سفرنامے کا آغاز مذہبی مقاصد کی تقلید میں ہوا۔

1911ء میں عقیدت کے جذبات سے لبریز' اصلاحی واخلاقی مزاج رکھنے والے خواجہ حسن نظامی کا ''سفرنامہ مصر وفلسطین وشام'' دہلی سے طبع ہوا۔ اس سفرنامے میں مذہبی رہنماؤں اور بزرگ ہستیوں کے ساتھ ملاقات کا احوال درج ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے ایک اور سفرنامہ ''سفرنامہ پاکستان'' کے نام سے بھی لکھا جو 1952ء میں دہلی سے شائع ہوا۔ اس سفرنامے کو پاکستان کی سیاحت پر لکھا جانے والا پہلا سفرنامہ کہا جاتا ہے۔ 1912ء میں ایک اور مذہبی شخصیت خواجہ غلام الثقلین کا سفرنامہ ''روزنامچہ سیاحت'' شائع ہوا جس میں عراق' عرب اور ایران کی سیر وسیاحت کا احوال ملتا ہے۔ اس سفرنامے میں خواجہ صاحب نے ان علاقوں کے تہذیبی اور تمدنی حالات کی تفصیل لکھی ہے۔ قاضی عبدالغفار کا ''نقش فرنگ'' خواجہ عباس احمد کا ''مسافر کی ڈائری'' اور سید سلیمان ندوی کا ''سیر افغانستان'' اردو سفرنامے کی روایت میں تقسیم

ہندوستان سے پہلے کے قابل ذکر سفر نامے ہیں۔

1954ء میں اردو کا ایک اور اہم ادبی سفر نامہ "ساحل اور سمندر" لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس سفر نامے میں احتشام حسین نے امریکہ کے طویل قیام اور لندن و پیرس کا آنکھوں دیکھا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ اس سفر نامے میں احتشام حسین اپنے سماجی اور ترقی پسندانہ نقطہ نظر کے دفاع میں لکھتے چلے گئے ہیں۔ اس کتاب میں سفر نامہ نگاری کے خصائص واقعتاً بہت کم نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں کہ "ساحل اور سمندر" ایسے اداس مسافر کا سفر نامہ ہے جو اپنے ذہن پر اوہام، وسوسوں اور خدشوں کا پشتارا اٹھائے ہوئے ہے۔ 1958ء میں گوشہ ادب لاہور سے ایسا سفر نامہ شائع ہوا جسے جدید اور سفر نامہ نگاری کا نقطہ آغاز تصور کیا جاتا ہے۔ یہ محمود نظامی کا "نظر نامہ" تھا جس نے پہلی دفعہ سفر نامے کا رخ خارج سے داخل کی طرف موڑ دیا۔ انہوں نے دوران سیاحت جغرافیائی خدوخال اور آبادی کے اعداد و شمار جمع کرنے کے بجائے ہر شہر کو ایسے ادیب کی نظر سے دیکھا جس کے لیے عمارات سے زیادہ اہم وہاں کے زندہ کردار ہوتے ہیں۔ جدید اردو سفر نامہ نگاری میں دوسرا بڑا نام بیگم اختر ریاض الدین ہے۔ اس ضمن میں ان کا سفر نامہ "سات سمندر پار" 1963ء میں اور "دھنک پر قدم" 1969ء میں شائع ہوا۔ وہ چھوٹی چھوٹی جزئیات سے ایک شوخ منظر تخلیق کرنے اور اپنی شگفتہ بیانی سے قاری کو پوری طرح سحر انگیز کرنے کا فن جانتی ہیں۔ بیگم اختر ریاض الدین بھی قدیم سفر نامہ نگاروں کی طرح معلومات اکٹھی کرنے اور ہدایت نامے مرتب کرنے کے رجحان سے پوری طرح نجات تو حاصل نہ کر سکیں لیکن پھر بھی ان کے سفر ناموں میں ان کے اپنے تاثرات اور مشاہدات کی گہرائی خاصی حد تک نمایاں ہے۔ بیگم اختر ریاض الدین کے بعد سفر نامہ نگاروں کی ایک کھیپ ہے جنہوں نے اس صنف کو آگے بڑھانے میں کردار ادا کیا۔ ان میں قیوم نظر اپنے سفر نامہ "پیرس سے روم تک" ابراہیم جلیس "نئی دیوار چین" ڈاکٹر مختار الدین "زہے روانی عمرے کہ در سفر گزرد" جمیل الدین عالی "دنیا میرے آگے" اور "تماشا میرے آگے" جی الانا "دیس بدیس" مستنصر حسین تارڑ "نکلے تری تلاش میں، اندلس میں اجنبی، خانہ بدوش اور ہنزہ داستان" ابن انشاء "آوارہ گرد کی ڈائری، چلتے ہو تو چین کو چلیے اور دنیا گول ہے" شفیق الرحمٰن "دجلہ"

کرنل محمد خان'' بجنگ آمد'' قرۃ العین حیدر'' جہان گرد اور دکھلایئے لے جاکر اسے مصر کا بازار'' محمد اختر ممونکا'' پیرس 250 کلومیٹر'' بشریٰ رحمٰن'' براہ راست'' قدرت اللہ شہاب'' اے بنی اسرائیل اور تو ابھی راہ گزر میں ہے'' ممتاز مفتی'' لبیک'' عبداللہ ملک'' پولینڈ ایک سفر ایک جائزہ اور ارض جنت سویت یونین'' اشفاق احمد'' سفر در سفر'' محمد حمزہ فاروقی'' زماں و مکاں اور بھی ہیں اور سفر آشوب'' عطاء الحق قاسمی'' شوق آوارگی' گوروں کے دیس میں اور دنیا خوبصورت ہے'' پروین عاطف'' کرن' تتلی اور بگولے' ش فرخ 'نئی دنیا' پرانی دنیا'' ڈاکٹر وزیر آغا'' بیس دن انگلستان میں'' رفیق ڈوگر'' مسافر نامے اور جاپان نورد'' امجد اسلام امجد'' شہر در شہر'' محمد خالد اختر'' دو سفر'' افضل علوی'' دیکھ لیا ایران'' محمد کاظم'' جرمنی میں ایک سال'' مختار مسعود'' سفر نصیب'' نوشابہ نرگس'' سفرنامہ امریکہ'' صدیق سالک'' نادم تحریر'' ڈاکٹر اے بی اشرف'' ذوق دشت نوردی' پرتو روہیلہ اور سفر گشت'' ذوالفقار احمد تابش'' جوار بھاٹا'' شوکت علی شاہ'' اجنبی اپنے دیس میں'' قمر علی عباس'' دہلی دور ہے'' وجاہت علی سید'' اور زندہ لوٹ آئے'' یونس بٹ'' خندہ پیشانیاں'' کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ (محمد خاور نوازش' ملتان' ماہنامہ اخبار اردو' اسلام آباد جون 2008ء)

تراشہ نمبر 138

مالکی مذہب کے فقیہ جلیل القدر عالم شیخ محمد ابن یوسف

(1278ھ.....1380ھ)

ان کا نسب...... حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ان کا مقام پیدائش...... تیونس کا شہر الکاف ہے اور وفات...... دمشق میں۔

درود و سلام اور نعتیں کھینچ کھینچ کر پڑھنے والوں کے خلاف تھے۔ (سادہ انداز میں پڑھنے کو پسند کرتے تھے)۔

(نام نہاد) صوفیاء کے طریقوں پر پڑھنے والوں کی مخالفت کرتے تھے۔ ایک دن تیونس میں تھے۔ اسی دن تیونس میں کسی مناسبت سے صوفیاء کا اجتماع ہونا تھا۔ اس اجتماع میں وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گلوکاری کے لہجے میں ایسے طریقے سے نعتیں پڑھتے تھے جس سے

بعض کلمات میں تبدیلی آجاتی تھی۔ کلام کو کبھی توڑ کر اور کبھی ملا کر پڑھنے سے بعض اوقات معنی بھی بدل جاتا تھا۔

ان لوگوں کی جماعت جب شیخ کافی کے قریب سے گزری تو وہ خیزران نامی درخت کے نرم ڈنڈے لے کر اپنے شاگردوں کے ہمراہ ان کے خلاف نکل آئے اور ان کی جماعت کو منتشر کر دیا اور آگے جانے سے روک دیا۔ اس پر پولیس ان کو پکڑ کر والیٔ شہر کے پاس لے گئی۔ والیٔ شہر کے پاس پہنچ کر انہوں نے.... ''السلام علیکم ما احلی عیونك' وماابھی جبینك یا سیدالملاح'' اسلام علیکم جناب! آپ کی آنکھیں کس قدر پیاری (اور میٹھی میٹھی) ہیں اور آپ کی پیشانی کس قدر پررونق اور خوبصورت ہے؟ اے سید الملاح!۔

انہوں نے اس کلام کو ان کی طرح ترنم کے ساتھ یوں پڑھا:

''السلام علی علی علیکم علیکم کم کم ماح ماح ماحلی عیونك ماابھی جبینك یاسیدنا الملاح لاح لاح''۔

کلام کو سن کر والی (گورنر) غصے سے بولا: یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کیا تم پاگل ہو' والیوں کو کیا ایسے مخاطب کیا جاتا ہے؟ اس پر انہوں نے کہا: کیا والی کا مقام رسول اللہ ﷺ کے مقام سے بلند ہے؟ والی (گورنر) نے کہا: ''نعوذباللہ من ذلك'' میں کہاں؟ اور رسول پاک ﷺ کا مقام کہاں؟ انہوں نے کہا: آپ کو اس طرح سلام کرنے سے اور آپ کو اس طرح مخاطب کرنے سے جب غصہ آتا ہے تو آپ نے ان لوگوں کو کیوں اجازت دی ہوئی ہے کہ وہ اس طرح سید البشر خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی بارگاہ عالی میں اپنا کلام پیش کریں۔ یہ سن کر والیٔ (گورنر) نے کہا: آپ صحیح کہتے ہیں۔ (امت مسلمہ کے محسن علماء! مفتی ثناء اللہ و مولانا محمود عبیدالرحمٰن' ترجمہ اردو العلماء العزاب' عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

امام احمد کی قرآن پاک سُر لگا کر پڑھنے سے ممانعت

ایک آدمی امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آیا اور آپ سے قرآن پاک سُر لگا کر پڑھنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے اس کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ اس آدمی نے وجہ دریافت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے بتلایا: محمد تو حضرت نے فرمایا کہ تمہیں پسند ہے کہ میں تمہارے نام میں سُر لگاتے ہوئے محمد کی بجائے موحامد کہوں؟

(فتح القدیر' باب الاذان' ج 1 ص 73)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ فرماتے ہیں: کاش کہ یہ ذاکرین جو یہ بات کہتے ہیں کہ ہمارے یہ افعال وحرکات' افعال مباح میں داخل ہیں' اگر ان ائمہ کے فتاویٰ کے سامنے' جوان امور کوحرام فرمارہے ہیں' نہیں جھکتے تو یہی سمجھ کر ان سے باز آجاتے کہ علماء نے (ایک قول پر) ان کوحرام کہا ہے' لہٰذا ان میں شبہ پیدا ہوگیا تو اس شبہ سے بچتے اوراس کے قریب بھی نہ جاتے' کیونکہ صوفی وہ ہوتا ہے کہ شبہات سے بھی پرہیز کرتا ہے اور بعض مباح کاموں کو بھی چھوڑ دیتا ہے کہ کہیں ان کی وجہ سے مکروہات میں نہ مبتلا ہو جائے چہ جائے کہ محرمات میں پڑ جائے۔

تراشہ نمبر 139

بچوں کی پانچ پسندیدہ عادتیں

(1) وہ روکر مانگتے ہیں اوراپنی بات منوالیتے ہیں۔

(2) وہ مٹی میں کھیلتے ہیں یعنی تکبراورغرورکو خاک میں ملا دیتے ہیں۔

(3) جھگڑتے ہیں لڑتے ہیں اور پھر صلح کر لیتے ہیں یعنی دل میں حسد' بغض اور کینہ نہیں رکھتے۔

(4) جو مل جائے کھالیتے ہیں اور کھلاتے ہیں۔ زیادہ جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے کی حرص نہیں کرتے۔

(5) مٹی کے گھر بناتے ہیں اور کھیل کر گرادیتے ہیں کہ دنیا مقام بقا نہیں فنا ہے۔

(خبرنامہ ''ہمدرد'' ستمبر 2009ء)

تراشہ نمبر 140

سبق میں ناغہ نہ ہو

حضرت علامہ قاری پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی' گولڑہ شریف

(المتوفی 17 صفر المظفر بروز جمعۃ المبارک 1430ھ بمطابق 13 فروری 2009ء)

آپ کے بارے میں آپ کے درس نظامی کے ہم جماعت علامہ ممتاز احمد چشتی شیخ الحدیث انوارالعلوم ملتان لکھتے ہیں:

دوران طالب علمی پیر صاحب کے اساتذہ (علامہ فتح محمد اعوان جو شاگرد ہوتے ہیں علامہ یار محمد بندیالوی اور حضرت علامہ غلام محمد گھوٹوی صاحب کے اور علامہ فیض احمد فیض مؤلف ''مہر منیر'' کے) نظم وضبط' پابندی وقت اور تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ عرس کے ایام میں بھی (خانقاہ گولڑہ شریف) ہرگز تعطیل نہ ہوتی تھی (پیر صاحب) کے اسباق کا سلسلہ جمعہ کے روز بھی جاری رہتا تھا۔ صرف نمازِ جمعہ کی تیاری اور ادائیگی کا وقت دیا جاتا تھا۔ اس سے ہمارے آج کے طلبہ کو سبق حاصل کرنا چاہیے' اس لیے پیر صاحب فرمایا کرتے تھے اور بجا فرماتے تھے کہ ؎

با آسانی سپند من نہ کرد ایجاد خاکستر
تپیدم نالہ کردم سوختم کایں نقش بربستم

ترجمہ: سالہا دیر و حرم میں زندگی روتی رہی
تب کہیں نکلا کوئی اس بزم سے دانائے راز

تراشہ نمبر 141

راضی برضا رہو

مثال کے طور پر آپ نے ہوائی جہاز سے سفر کرنا ہے اور اس کے لیے آپ تیار ہوئے۔ ٹکٹ' پاسپورٹ وغیرہ تیار' ان سب کو سوٹ کیس میں ڈالا اور ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہوائی جہاز کھڑا ہے اور اس کے جانے کا مکمل انتظام ہے' بس اتنے میں چور نے ہاتھ سے سوٹ کیس چھینا اور غائب' اب لوگ جہاز پر سوار ہو رہے ہیں اور آپ کھڑے شور مچا رہے ہیں لیکن سب بیکار' آخر جہاز اڑ گیا اور تم رہ گئے اور افسوس کر رہے تھے کہ میرا سارا پروگرام فیل ہو گیا' اتنے میں ہوائی جہاز کسی فنی خرابی کی وجہ سے تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ نیچے گرا اور تباہ ہو گیا اور اس میں تمام سوار افراد ہلاک ہو گئے' کوئی ایک آدمی بھی نہیں بچا' اب تم نے جو دیکھا تو بے اختیار زبان سے نکلا یا اللہ شکر ہے کہ میں اس میں سوار نہیں تھا' اگر میرا کام بن جاتا تو میں بھی ہلاک ہو چکا ہوتا' اب تم چور کی تلاش میں ہو کہ کاش وہ مل جائے تو بجائے سرزنش کے اس کو بھاری انعام بھی دوں۔ اللہ تعالیٰ جس حال میں رکھے انسان کو اس پر راضی رہنا چاہیے کام بنے یا نہ بنے بس اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرو' تدبیر کرنا انسان کا کام ہے جو شریعت کے

موافق ہو' اس کا انجام اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو وہ جو چاہے کرے' بندے کو اس پر راضی اور خوش رہنا چاہیے۔ (مُلخّص الفاروق' کراچی' شعبان 1430ھ)

تبصرہ

یہ قناعت ہے اطاعت ہے کہ چاہت ہے فراز   ہم تو راضی ہیں وہ جس حال میں جیسا رکھے

تراشہ نمبر 142

امامت کا مسئلہ

قطب مدینہ منورہ حضرت شیخ ضیاء الدین مدنی قدس سرہ العزیز

نماز کے سلسلے میں سوال کیا جاتا ہے کہ آیا وہابی امام کے پیچھے پڑھی جانے والی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ تو فرماتے:

اگر امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گستاخ ہو اور مقتدی کو اس پر پوری طرح سے اطلاع بھی ہو تو پھر میرے نزدیک پیچھے اس امام کے کہنا کفر ہے۔

یہ بھی فرمایا کرتے:

حجاز مقدس میں نماز کی امامت کا مسئلہ نیا نہیں ہے' مسلمانوں پر نماز کی تنگی کا یہ چوتھا دور ہے۔ پہلا دور وہ تھا جب امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا' تو اکثر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بلوائیوں کے مقرر کردہ امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی' تا آنکہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ظہور ہوا۔ آپ شیر خدا تھے تو یہ سب خود ہی چھوڑ چھاڑ کر بھاگ گئے۔

دوسرا دور یزید ملعون کا آیا۔ اس نے امام عالی مقام جگر گوشہء بتول اور آپ کے رفقاء سلام اللہ علیہم اجمعین کو بڑی بے دردی سے ذبح کروایا' اس وقت بھی اکثر صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے ان کے مقرر کردہ اماموں کے پیچھے نماز پڑھنے کو برا جانا۔

تیسرا دور حجاج بن یوسف کا تھا' وہ بڑا ظالم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے سامنے ذبح کروانے سے بھی گریز نہ کیا تو اس وقت بھی حکومت کے مقرر کردہ اماموں کے پیچھے اکثر لوگوں نے نماز نہیں پڑھی۔

وہ لوگ نہ عقیدے کے گندے تھے اور نہ اعمال کے' وہ ظالموں اور فاسقوں کے مقرر کردہ تھے' اور وہ کسی کو مجبور بھی نہیں کرتے تھے۔ جو ان کے پیچھے نماز پڑھے' پڑھے اور جو نہ پڑھے اس سے کسی قسم کا مؤاخذہ نہ کرتے۔

اور اب یہ چوتھا دور نجدیوں کا ہے۔ یہ اعمال کے بھی برے اور عقیدے کے بھی گندے ہیں' اور یہ مجبور بھی کرتے ہیں کہ ہمارے مقرر کردہ امام کے پیچھے نماز پڑھو۔ جو ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ان کو طرح طرح سے تنگ کرتے ہیں' حالانکہ نماز کا تعلق دل سے ہے۔ اگر کسی کا دل ہی امام کی طرف سے مطمئن نہیں تو اس کی نماز اس امام کے پیچھے کیسے ہو جائے گی؟ جو ان کے عقائد پر اطلاع رکھتے ہیں ان کی نماز تو نہیں ہوگی' اور جن کو ان کے عقائد کی خبر نہیں وہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں کہ یہ کعبہ معظّمہ اور مسجد نبوی شریف کے امام ہیں' اس عقیدت میں ان کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ان کی نمازیں قبول فرمالے گا۔ وہی قادر اور قبول فرمانے والا ہے۔

اسی سلسلہ میں غزالی زماں' رازی دوراں' محدث عظیم' فقیہ کبیر' ماہر عقلیات ونقلیات ولی کامل حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ فرماتے ہیں:

تمام اہل اسلام کے نزدیک یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ کسی امام کے پیچھے صحت اقتداء کے بغیر نماز درست نہیں ہوسکتی جس کے لیے مقتدی وامام کے مابین ایک مخصوص رابطہ قائم ہو جانا ضروری ہے۔ اس مخصوص رابطہ کے بغیر صحت اقتداء متصور نہیں' کہ یہ رابطہ ظاہری' مادی اور جسمانی نہیں بلکہ یہ رابطہ صرف باطنی' روحانی اور اعتقادی ہے' جو امام اور مقتدی کے درمیان اصولی اعتقاد میں موافقت کے بغیر ناممکن ہے۔ شرک توحید کے منافی ہے اور کفر وجاہلیت اسلام وایمان سے قطعاً متضاد ہیں۔ اگر مقتدی جانتا ہے کہ میرا کوئی عقیدہ امام کے نزدیک شرک جلی' کفر وجاہلیت ہے تو دونوں کے درمیان اعتقادی موافقت نہ رہی' اس عدم موافقت کے باعث صحت اقتداء کی بنیاد منہدم ہوگئی' ایسی صورت میں امام کے پیچھے اس کی نماز کا صحیح ہونا کیونکر متصور ہوسکتا ہے۔

حضرت خواجہ خان محمد تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ نشین خانقاہ عالیہ سلیمانیہ' تونسہ شریف فرماتے ہیں:

میں بھی عموماً ظہر کے بعد مولانا صاحب (قطب مدینہ قدس سرہ) کے پاس جایا کرتا تھا۔ عصر تک مولانا صاحب کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔ عصر کی نماز کے بعد حرم شریف آجایا کرتا تھا۔ ایک ساتھی کو اپنے ساتھ ملا کر عصر کی نماز باجماعت ادا کرلیا کرتا تھا' پھر عشاء تک حرم شریف میں رہتا تھا۔ مولانا ضیاء الدین قبلہ اس بات پر زور دیا کرتے تھے کہ نجدیوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی' ایک دفعہ میں حضرت میاں نور جہانیاں صاحب (مہاروی) کے ساتھ مولانا قبلہ کے پاس گیا' اسی مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ مولانا ضیاء الدین قبلہ نے فرمایا: جو ان کے عقیدے سے واقف ہو اس کی نماز ان کے پیچھے نہیں ہوتی' البتہ ناواقف کی ہو جائے گی۔

ڈاکٹر غلام فرید نظامی فرماتے ہیں:

حرم نبوی شریف میں ہمارے پیش امام حضرت خواجہ غلام نبی صاحب مہاروی ہوتے ہیں۔

مدعی لاکھ پر بھاری ہے گواہی تیری

صدر جمعیت علماء ہند و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند حسین احمد مدنی ظلم وستم کی داستان اس طرح بیان کرتے ہیں:

صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداء تیرھویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا' اور چونکہ یہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لیے اس نے اہل سنت والجماعت سے قتل وقتال کیا' ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا' ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا۔ ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب ورحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکالیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ ان تکالیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا' اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ الحاصل وہ ایک ظالم وباغی خونخوار فاسق شخص تھا' اسی وجہ سے اہل عرب کو خصوصاً اس کے اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے' اور اس قدر ہے کہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے نہ مجوس سے نہ ہنود سے ہے۔

محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم اور تمام مسلمانان دیار مشرک وکافر ہیں

اوران سے قتل وقتال کرنا' ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال و جائز بلکہ واجب ہے۔

(سیدی ضیاء الدین احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ' مرتب: مولانا محمد عارف ضیائی آرائیں دامت برکاتہم العالیہ)

تراشہ نمبر 143

ولی کی کرامت

دعا گو (حکیم عبدالوھاب نابینا) نے ایک عورت (کی نبض بیمار) میں اعوجاج پایا (جو عقم کی علامت ہے)' اس نے اپنی نبض دکھانے کے بعد اپنی لڑکی کی نبض دکھانی چاہی' دعا گو نے حیرت سے پوچھا کہ آپ میں قدرتی پیدائش کا مادہ نہیں ہے صحیح بیان کیجئے کہ یہ لڑکی کیوں کر آپ کے ہاں پیدا ہوئی؟ اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ عورت نہایت پارسا اور عفیفہ ہے۔

اس نے بحلف بیان کیا کہ حکیم صاحب مدت العمر مجھے ہزار تدبیر کے بعد بھی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ میں کمال یاس کے بعد پاکپتن شریف کی زیارت کے لیے مزار اقدس پر شیخ المشائخ حضرت بابا فرید گنج شکر کے حاضر ہوئی' اور فاتحہ پڑھ کر ایک چلہ میں رہی کہ اے قاضی الحاجات' ببرکت اس اپنے ولی کے مجھے اولاد دے۔ چنانچہ اس اربعین کے بعد مجھے استقرار ہو گیا اور یہ لڑکی پیدا ہوئی اس سے قبل اور اس کے بعد کوئی اولاد مجھے نہیں۔ (اسرار شریانیہ' ص30)

(کشکول برکاتی' حکیم محمود احمد برکاتی' شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی)

تراشہ نمبر 144

چائے اور فقراء

سب سے پہلے ابوالحسن شاذلی نے قہوہ پیا تھا۔ (دارا شکوہ' ص210)

حضرت ابوالحسن شاذلی اور ان کے مرید شب بیداری کے بعد کسل محسوس کرتے تھے۔ اتفاقاً یمن میں انہوں نے بُن کا جوشاندہ پیا' اس سے کسل دور ہو گیا' اس کے بعد ان حضرات نے اسے معمول بنالیا۔ (محمد حسین خاں' مخزن الادویہ' بیان بُن)

تراشہ نمبر 145

کبوتروں کا رنگ

اگر کبوتر کو تخم معصفر (کڑ) کھلائی جائے تو وہ فربہ بھی ہو جائے گا اور اس کا بچہ سفید رنگ کا

نکلے گا۔عدس (مسور) کھلائیں تو بچہ سرخ رنگ کا نکلے گا۔ مونگ کھلائیں تو بچہ سبز رنگ کا نکلے گا۔ سرسوں کھلائیں تو بچہ سیاہ رنگ کا نکلے گا۔

تراشہ نمبر 146

دافعِ کرمِ نباتات

اگر پودوں میں کیڑا لگ جائے تو ان کی جڑوں میں خاکستر (راکھ) چھڑکیں۔

تراشہ نمبر 147

دافعِ ارضیہ اشجار

درختوں میں ارضیہ لگ جائے تو حلتیت ہینگ پانی میں گھول کر جڑوں میں چھڑکیں' دیمک تنے میں لگی ہو تو یہ پانی تنے میں چھڑکیں۔

تراشہ نمبر 148

ارضیہ کش

گھر کے کسی حصے میں دیمک ہو' دیمک ہی کو جلا کر دیمک کے گھر میں ڈال دیں۔ دیمک ختم ہو جائے گی۔

تراشہ نمبر 149

فن شریف

حنین بن اسحاق (ف 264ھ) ہارون الرشید کا طبیب تھا۔ ایک بار ہارون نے اس سے فرمائش کی کہ ایک زہریلی (قاتل) دوا تیار کرو لیکن حنین نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فن مجھے نہیں آتا۔ ہارون نے اسے زرو مال کا لالچ دیا مگر وہ بے اثر رہا تو حنین کو قید کر دیا۔ سال بھر بعد دربار میں بلایا اور کہا: ایک طرف یہ جاگیر کا فرمان' خلعت اور انعام رکھا ہے اور دوسری طرف تلوار ہے' حنین نے بے خوف ہو کر کہا: ہم (طبیبوں) نے مضر اور قاتل دوا نہ دینے کا خدا سے عہد کیا ہے' میں یہ عہد توڑ کر خدا کا مجرم نہیں بنوں گا' آپ شوق سے مجھے قتل کروا دیں میں ماجور اور شہید جاؤں گا' یہ جواب سن کر خلیفہ ہنسا اور کہا: حنین! میں تمہارا امتحان لے رہا تھا تم کامیاب

رہے ہو لو یہ انعام اور خلعت' آج سے تم میرے طبیب ہو۔

(تاریخ الاطباء' حکیم غلام جیلانی' ص486)

تراشہ نمبر 150

صوفیائے کرام اور خدمت خلق

درماندگان را فریادر سیدن و حاجت بے چارگاں رارواکردن وگر سنگان راسیر گردانیدن۔(سیر الاولیاء' ص46)

اللہ تعالیٰ اس کو عزیز رکھتا ہے جس میں دریا کی سی سخاوت' آفتاب کی سی شفقت اور زمین کی سی تواضع ہوتی ہے۔

تراشہ نمبر 151

بلندیاں

سطح سمندر سے غارِ حرا 9600 فٹ بلند ہے۔

مدینہ منورہ	1890
مکہ معظمہ	990
طائف	5000
نجد	3600

تراشہ نمبر 152

قائداعظم

خواجہ حسن نظامی صاحب اس قسم کے خطابات تجویز کیا کرتے تھے۔ قائداعظم بھی سب سے پہلے خواجہ صاحب نے لکھا تھا۔(میرے زمانے کی دلی' ص468)

مسیح الملک

حکیم اجمل خان کو مسیح الملک کا خطاب قوم کا عطا کردہ اور خواجہ حسن نظامی صاحب کا مجوزہ ہے۔(میرے زمانے کی دلی' ص468)

تراشہ نمبر 153

مرشد المسلمین، ولی کامل، غزالی زماں، رازی دوراں

حضرت سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی قدس سرہ العزیز کی ایمان افروز معطر معطر باتیں

(راوی: سید حامد سعید کاظمی)

ابا جی قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی تمام تر علمی، تدریسی، تحقیقی اور تنظیمی مصروفیات کے باوجود اپنے اہل خانہ پر بھرپور توجہ دیتے تھے اور اپنی اولاد کی دیکھ بھال کے لیے اور تعلیم و تربیت کے لیے وقت بھی نکالتے تھے۔ آج کل کسی مستند عالم دین، شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر سے اگر یہ تقاضا کیا جائے کہ وہ مبادیات پر سبق دے اور بالکل ابتدائی دینی تعلیم پر توجہ صرف کرے تو یقیناً یہ اس کے لیے بڑا مشکل ہوگا۔ وہ عالم دین اس کو اپنے لیے سبکی اور توہین تصور کرے گا کہ میں اصول حدیث وفقہ پر سبق دینے والا، میں تفسیری نزاکتوں اور باریکیوں کو اجاگر کرنے والا، مجھ سے الف، ب جیسی باتیں کی جائیں یہ تو میرے لیے نہایت شرم کی بات ہے لیکن ابا جی قبلہ نے اس بات کو کبھی اپنے لیے عزت کا مسئلہ نہ سمجھا بلکہ تفہیم دین کے ہر مرحلے پر راہنمائی وہ اپنا فرض منصبی تصور کرتے تھے۔ اسی لیے ان سے سوال کرتے ہوئے لوگ ہچکچاتے نہیں تھے۔ ان کے رعب علم کے باعث کچھ بزرگ اگر گریز کرتے ہوں تو علیحدہ بات ہے لیکن میں نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ نوجوان ہوں یا پختہ عمر کے افراد یا معمر بزرگ سبھی اپنی سطح اور ظرف کے مطابق ان سے سوال کرتے تھے اور ہر ایک کی ذہنی استعداد اور سطح کے مطابق جواب عطا فرماتے تھے۔ ان کے اس رویے کے باعث میں اکثر ان سے اس انداز سے سوال کر گزرتا تھا جو گستاخی کی حدوں کو چھو رہا ہوتا تھا لیکن وہ میرے سوال کا شافی جواب اس انداز سے دیتے تھے کہ اگر کوئی اور الجھن ہو تو اس کا ذکر کرنے اور کوئی نیا سوال پوچھنے میں تذبذب نہ ہو۔

ابا جی قبلہ اپنے علم کے باوجود اپنی مجتہدانہ شان اور قرآن و حدیث سے اپنے گہرے شغف کے باوجود انتہائی انکسار کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ بہت سے بزرگوں نے اور دوستوں نے

ان کو یہ کہتے سنا ہوگا کہ بھئی ہم تو بہت بے وقوف ہیں' ہم تو کسی قابل نہیں' ہم تو علماء کے قدموں کی خاک کے برابر نہیں' اس قسم کے بیسیوں جملے اکثر ادا فرماتے تھے' اور یہ بات ہمیں بہت عجیب لگتی تھی کہ جسے حضرت محدث کچھوچھوی جیسی ہستی نے غزالی زماں اور رازی دوراں کہا ہو' جس کے ہم عصر علماء اس کے علم و دانش اور فہم و فراست کے بابانگ دہل معترف ہوں' جس کے مخالف بھی ان کی قوت استدلال اور علمی گرفت کو تسلیم کرتے ہوں' جس نے میدان مناظرہ میں بڑے بڑے بتوں کو گرایا ہو اور جس کے علم کا دنیا میں طوطی بولتا ہو' وہ کہے: میں تو بے وقوف ہوں' علماء کے قدموں کی خاک بھی نہیں۔ یہ سننا ہمیں عجیب بھی لگتا تھا اور ناگوار بھی گزرتا تھا' اس لیے ایک دن پوچھ ہی بیٹھے ابا جی! دنیا آپ کے علم کا لوہا مانتی ہے اور عقلی علوم میں آپ کی دسترس اب ضرب المثل بن چکی ہے۔ آپ اس سب کچھ کے باوجود فرما دیتے ہیں کہ میں تو کچھ نہیں' تو ہم سمجھتے ہیں یہ آپ انکسار سے کام لے رہے ہیں۔ یہ آپ کی طبیعت میں عاجزی اور تواضع ہے۔ بے شک ایسا ہوگا لیکن مجھے یہ ارشاد فرما دیجئے کہ انکسار اور جھوٹ میں کیا فرق ہے۔ ہمارے اس منہ پھٹ انداز پر محفل میں موجود سب لوگ ششدر رہ گئے۔ ابا جی قبلہ نے بھی ایک بار ذرا غور سے مجھے دیکھا اور پھر روایتی دل آویز تبسم آپ کے ہونٹوں پر کھلنے لگا اور حاضرین سے فرمایا: بھئی ماشاء اللہ آپ نے حامد میاں کی اٹھان دیکھی ہے' سوال بھی ذہانت کا معیار ہوتا ہے' پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ بیٹا آپ نے بہت اچھا کیا۔ یہ سوال مجھ سے پوچھ لیا ورنہ پتا نہیں کسی اور کے جواب سے آپ کی تسلی ہوتی یا نہ ہوتی' پھر فرمایا کہ بیٹے! علم اور عقل کے مختلف درجے ہوتے ہیں' اس دنیا میں کیسے کیسے ذہین لوگ موجود ہیں۔ اس کا اندازہ کرنا آسان نہیں ہے۔ علم اور عقل کی انتہاء کا ہم تصور نہیں کر سکتے تو بیٹے جو میں کہتا ہوں کہ میں بے وقوف ہوں' میں بے علم ہوں تو آپ کو کیا خبر میں کس درگاہ کا تصور کر رہا ہوں۔ میں کس عالم اور کس عقیل اور فہیم کے مقابلے میں اپنی بے حیثیتی کا اعتراف کر رہا ہوں۔ اگر کوئی میرے علم یا میری عقل کا معترف ہے تو وہ میرا تقابل مجھ سے کم تر درجے کے لوگوں سے کر رہا ہوتا ہے' اور اگر میں اپنی بے وقعتی اور کم مائیگی کا ذکر کرتا ہوں تو میں اپنے سے بلند تر ہستیوں کے سامنے اپنی فروتنی کا اقرار کر رہا ہوتا ہوں' اس لیے عاجزی اور انکساری جھوٹ نہیں ہوتی۔ امور اعتباری میں مختلف اعتبارات کا لحاظ ہوتا ہے۔

تراشہ نمبر 154

حافظ اللہ یار فریدی پرنسپل ڈگری کالج جلال پور پیر والہ راوی ہیں کہ ایک بار اباجی قبلہ رحمۃ اللہ علیہ ملتان سے باہر خاصی دور دیہاتی علاقے میں تشریف فرما تھے۔ اتفاقاً آپ کو کچھ تکلیف ہوئی جو زیادہ شدید نہ تھی' اس لیے مقامی طور پر مشق کرنے والے ایک ڈاکٹر صاحب سے رجوع کرنے کا سوچا گیا۔ چونکہ تکلیف معمولی نوعیت کی تھی اس لیے اباجی قبلہ نے ڈاکٹر صاحب کو گھر بلانے کی بجائے ان کی دکان پر جانے کو ترجیح دی۔ یہ بھی ان کی انسانی دوستی کا انداز تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ڈاکٹر کے پاس تو ہر طرح کے مریض آتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کی حالت بہت خراب ہوتی ہیں' وہ ڈاکٹر کی فوری توجہ کے مستحق ہوتے ہیں' اگر ڈاکٹر صاحب کو ہم یہاں بلائیں گے تو ایسے کسی مریض کی حق تلفی ہوسکتی ہے اور اس کے لیے شدید پریشانی بھی پیدا ہوسکتی ہے' اس لیے اگر خود ان کی دکان پر چلے جائیں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔

بہر حال اباجی قبلہ ڈاکٹر کی دکان پر پہنچے' چند ایک مریض دکان پر موجود تھے۔ لیکن کوئی ایمرجنسی نہ تھی اس لیے ڈاکٹر صاحب نے اباجی کو پہلے دیکھنے کو ترجیح دی۔ بیماری کی علامت' تکلیف کی نوعیت پوچھنے کے بعد اور معائنہ سے فارغ ہوکر جب وہ نسخہ تحریر کرنے لگے تو ساتھ ہی گفتگو شروع کردی اور کہا: رات آپ جلسے سے خطاب کر رہے تھے۔ میرے گھر کے قریب جلسہ گاہ تھی اس لیے آواز صاف گھر ہی میں سنائی دے رہی تھی۔ آپ دلائل اور زور بیان کے ذریعے ثابت کر رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر انور کے اندر جسمانی حیات کے ساتھ متصف ہیں اور اسی طرح زندہ ہیں جس طرح دنیا میں تشریف فرما تھے۔ اباجی قبلہ نے ان کی تائید فرمائی کہ بالکل میں نے یہ سب کچھ کہا تھا اور جو کچھ کہا تھا اس کے لیے دلائل پیش کیے تھے۔ کوئی بات بغیر دلیل کے' بغیر ثبوت کے تو نہ کی تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جناب میں کوئی عالم دین تو ہوں نہیں کہ ان دلائل کا تنقیدی جائزہ لے کر فیصلہ کرسکوں کہ وہ دلائل کس حد تک درست اور صحیح تھے اور قابل قبول تھے۔ میں تو ایک ڈاکٹر ہوں اور عملی زندگی پر یقین رکھتا ہوں۔ آپ جو بات کر رہے ہیں وہ طبی اور عقلی اعتبار سے ناقابل یقین ہے۔ اگر آپ کا اصرار ہے کہ آپ نے درست کہا ہے تو آیئے ایک تجربہ کر لیتے ہیں۔ اسی جگہ ہم ایک قبر کھودتے ہیں۔ آپ کو اس میں لٹاتے ہیں اور دو چار دن کے بعد یہ

قبر سب کے سامنے کھولتے ہیں۔ زبانی کلامی باتوں کے مقابلے میں تجربے کی بات زیادہ آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ پتہ چل جائے گا کہ آپ نے جو کچھ کہا اس میں کتنی حقیقت ہیں۔

ابا جی قبلہ کے ہمراہی ڈاکٹر صاحب کے اس انداز اور گفتگو سے بہت جزبز ہوئے اور انہیں بہت غصہ آیا۔ لیکن ابا جی قبلہ بڑے تحمل سے مسکراتے ہوئے ان کی گفتگو سنتے رہے اور ہمراہیوں کو بھی حوصلے کی تلقین کرتے رہے۔ جب ڈاکٹر صاحب نے بات مکمل کی تو ابا جی قبلہ نے فرمایا:

میں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے جسمانی حیات کی بات کی تھی۔ میں تو نبی نہیں ہوں لیکن آقا کریم ﷺ کی غلامی کے صدقے میں اس تجربے اور آزمائش کے لیے بھی تیار ہوں لیکن قبر کھودنا' مجھے لٹانا اور پھر دو چار دن انتظار کرنا پھر قبر دوبارہ کھودنا اس طرح تجربہ کرنا ان سب بکھیڑوں کی بجائے اگر ابھی یہاں میں اپنی بات ثابت کر دوں تو کیسا ہے؟

ڈاکٹر صاحب بڑے حیران ہوئے' یہاں یہ بات آپ کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟ وہ دیہاتی علاقہ تھا' مریض کو ڈاکٹر تک لانے کے لیے ایمبولینس اور کاریں وغیرہ میسر نہ تھیں' ویسے بھی وہ آج سے 30' 35 برس پہلے کی بات ہے۔ مریض بیل گاڑیوں پر' گھوڑوں پر' اونٹوں پر مطب تک آتے تھے۔ اتفاق سے ایک مریض ایک اونٹنی پر آیا تھا اور اونٹنی کلینک کے سامنے بیٹھی تھی جو کہ حاملہ تھی۔

ابا جی قبلہ نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ آپ تو ماشاء اللہ علم طب میں دسترس رکھتے ہیں۔ آپ بتایئے کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ زندہ ہے یا مردہ؟ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر بچہ پیٹ میں مر جاتا تو اونٹنی اس اطمینان سے کیسے رہ سکتی تھی۔ خود اس کی جان کے لالے پڑے ہوتے' اس کی حالت بتا رہی ہے کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ زندہ ہے اور ٹھیک ٹھاک ہے۔ ابا جی قبلہ مسکرائے اور فرمایا: اگر میں آپ کی بات چیلنج کروں اور کہوں کہ یہ کیسے ممکن ہے اونٹنی کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو۔ آیئے چلیں تجربہ کرتے ہیں۔ میں آپ کو ایک اور اونٹنی کے پیٹ میں ڈال کر اس کا پیٹ سی دیتا ہوں اور دو دن کے بعد پھر پیٹ چاک کر کے دیکھ لیں گے آپ زندہ بچتے ہیں کہ نہیں تو کیا آپ اس تجربے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کی خاموشی ہی ان کا جواب تھی' اس لیے اباجی قبلہ نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ آپ کہیں گے کہ پیٹ میں بچے کی زندگی کے لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصی انتظام فرمایا ہے۔ اس کو غذا ماں کے خون سے ملتی ہے' اس کو زندگی کے لیے ہوا بھی ماں کے توسط سے میسر آتی ہے' اس لیے وہ بچہ تو زندہ ہے میں زندہ نہیں رہ سکوں گا لیکن بہرحال آپ یہ مانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ پیٹ میں بچہ زندہ ہے تو وہ اللہ جو اس طرح ماں کے پیٹ میں بچے کو زندگی دیتا ہے وہ اگر قبر میں اپنے محبوبوں کو زندگی عطا فرمائے اور اس کے لیے وہ وہ مخصوص انتظامات فرمائے تو اس میں ایسی کون سی ناقابل یقین بات ہے۔

وہ ڈاکٹر صاحب جو عقیدے کے اعتبار سے دوسرے خیالات کے حامل تھے اس طرز استدلال کے سامنے ششدر رہ گئے۔ یہ تو نہیں معلوم کہ ان کے عقائد درست ہوئے یا نہیں لیکن اس وقت بہرحال وہ اباجی قبلہ کے علم اور قوت استدلال کے بے حد معترف ہوئے اور اس اعتراف کے اظہار میں انہوں نے بخل سے کام نہیں لیا۔

تراشہ نمبر 155

ایک بار ملتان کے نشتر ہسپتال میں آپ عارضہ قلب کے باعث انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں معروف ماہر امراض قلب ڈاکٹر فاروق نذیر صاحب کے زیر علاج تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا' ڈاکٹر صاحب آتے تھے تو اپنی پیشہ وارانہ تربیت کے مطابق مریض سے اس کے مزاج اور افتاد طبع کے مطابق ہلکی پھلکی گفتگو بھی کرتے تھے۔ چنانچہ اباجی قبلہ کے پاس آتے تھے تو کوئی دینی مسئلہ کوئی روحانی معاملہ زیرغور لے آتے تھے۔ ایک دن جب وہ اباجی قبلہ کا معائنہ کرنے کے لیے آئے تو روزے کے حوالے سے مسئلہ چھیڑ دیا کہ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹتا ہے کہ نہیں۔ اباجی قبلہ نے بتایا کہ فقہاء کا یہ حکم ہے کہ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ کان کے اندر تو پردہ ہوتا ہے آپ باہر سے تیل ڈالیں' دوا ڈالیں اور پھر چاہیں تو سرٹیڑھا کر کے وہ دوا واپس انڈیل لیں۔ کان کے ذریعے جو چیز ڈالی جائے وہ جسم کے اندر تو نہیں جا سکتی۔ ہاں آہستہ آہستہ مساموں کے ذریعے جذب ہو سکتی ہے تو مساموں کے ذریعے غسل کرتے ہوئے پانی بھی جذب ہوتا ہے اس لیے شدید گرمی میں غسل کرنے سے روزے کی شدت میں کمی واقع ہو جاتی ہے تو چونکہ کان کی دوا جسم کے اندر پردے

سے گزر کر داخل نہیں ہوسکتی اس لیے اس کے ذریعے روزہ ٹوٹنا زیادہ معقول بات نہیں ہے۔

ابا جی قبلہ نے پوچھا کہ کان کے پردے کے باعث دوا اندر نہیں جاسکتی تو کیا اس پردے میں کبھی سوراخ بھی ہوتا ہے کہ نہیں؟ دراصل ابا جی قبلہ کے اپنے دائیں کان میں تکلیف رہتی تھی اور ڈاکٹروں نے بتایا تھا کہ اس کے پردے میں سوراخ ہے' اسی پس منظر میں ابا جی قبلہ نے یہ سوال کیا تھا۔ ڈاکٹر فاروق نذیر نے کہا کہ کان کا پردہ پھٹ جانا اور اس میں سوراخ ہوجانا تو کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے۔ بہت سے لوگوں کو یہ شکایت ہوجاتی ہے اور اکثر اوقات تو تکلیف بڑھنے پر معائنہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کان کا پردہ پھٹا ہوا ہے یا اس میں سوراخ ہے۔ اس سے پہلے علم نہیں ہوتا۔

ابا جی قبلہ مسکرائے اور فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب آپ خود بتایئے کہ بہت سے لوگوں کے کان کے پردے میں سوراخ ہوتا ہے اور انہیں علم تک نہیں ہوتا۔ اب بتایئے ہم سے کوئی مسئلہ پوچھے کہ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹا ہے کہ نہیں تو کیا ہم اسے یہ کہیں کہ پہلے اپنے کان کا معائنہ کرواکے آؤ۔ کہیں تمہارے کان کے پردے میں سوراخ تو نہیں۔ اس کے مقابلے میں اگر فقہاء نے احتیاط کے تقاضے کے تحت اور اس حکمت کے تحت کہ بہت سے لوگوں کے کانوں کے پردے میں سوراخ ہوتا ہے اس لیے عمومی فتویٰ یہی دیا جائے کہ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس میں کیا خرابی ہے۔

دراصل یہ ابا جی قبلہ کی حکمت تھی اور اکابر علماء وفقہاء پر اعتراض وطعنہ زنی سے بچنے کا طریقہ تھا۔ وگرنہ آج کل تو بہت سے علماء اپنی ذات اور شخصیت منوانے کے لیے مسلمہ اکابر اور فقہاء سے اختلاف کرتے ہیں تاکہ ان کی علمی ثقاہت اور تبحّر کا سکہ دنیا ماننے لگے۔ ابا جی قبلہ بھی فرماسکتے تھے کہ پرانے فقہاء کیونکہ علم الابدان (Anatomy) سے واقف نہیں تھے اس لیے انہوں نے یہ حکم دیا اب میں نئی تحقیق کی روشنی میں فتویٰ دوں گا۔

تراشہ نمبر 156

عورت کے پردہ کا حکم اور عجیب استدلال

ابا جی قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے اور بہت سے دوسرے دوستوں نے یہ واقعہ سنا

ہوگا۔فرماتے ہیں کہ میں جب امروہہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد لاہور آیا اور جامعہ نعمانیہ میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو ابھی کم سنی اور نوعمری کا زمانہ تھا۔بیس برس کا بھی نہ ہو پایا تھا۔اسی دوران لاہور کی ایک مسجد میں کسی محفل میں مجھے دعوت خطاب دی گئی۔اتفاق سے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال شاعر مشرق صدر تقریب تھے۔میں نے تقریر شروع کی تو اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کلام کیا اور بزرگوں سے جو فیض ملا تھا اس کے صدقے میں علمی نکات اور انداز استدلال ایسے تھے کہ ڈاکٹر صاحب بہت محظوظ ہوئے۔میں نے دیکھا کہ وہ دوران خطاب مسلسل میری طرف متوجہ رہے اور سر ہلا ہلا کر داد دیتے رہے۔چونکہ وہ خود بھی عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اس لیے کہیں کہیں تو ان پر وجد کی سی کیفیت طاری ہونے لگتی تھی۔ابھی میں نے تقریر ختم نہ کی تھی کہ ایک رقعہ آیا جس میں تحریر تھا کہ ڈاکٹر محمد اقبال مغربی تہذیب سے متاثر ہیں' سکول' کالج اور یورپ میں تعلیم حاصل کرنے کے باعث مشرقی روایات میں سے بعض کے زیادہ پاسدار نہیں رہے اس لیے وہ عورت کے چہرے کے پردے کے قائل نہیں ہیں۔آپ اس بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

میں نے یہ رقعہ پڑھا تو مصلحتاً ڈاکٹر صاحب کا ذکر حذف کرتے ہوئے مجمع کو بتایا کہ مجھ سے سوال کیا گیا ہے کہ عورت کے لیے پردہ کس حد تک ضروری ہے۔خصوصاً عورت کے چہرے کے بارے میں استفسار ہے تو اس ضمن میں گزارش ہے کہ فقہ کا مسئلہ ہے ستر عورت فرض ہے' فقہی اصطلاح میں عورت جسم کے اس حصے کو کہتے ہیں جس کو چھپانا اور جس کا پردہ کرنا واجب ہے۔مرد کے جسم میں ناف سے گھٹنوں تک جسم عورت کہلاتا ہے' اور اس کے لیے کہا گیا ہے کہ ستر عورت فرض ہے' یعنی ناف سے گھٹنوں تک مرد کے لیے بھی جسم چھپانا اور جسم کے اس حصے کا پردہ لازم۔اب اگر کوئی شخص اپنی عورت یعنی اپنی بیوی کے لیے پردہ ضروری نہ سمجھتا ہو تو اسے چاہئے کہ پہلے اپنے جسم کی عورت (یعنی اس کے جسم کا وہ حصہ جو عورت کہلاتا ہے اور جس کو چھپانا فرض ہے) کو بے پردہ کرے پھر اپنی عورت یعنی بیوی کے بارے میں کوئی حکم لگائے' میرے اس جواب پر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال بہت کھل کر مسکرائے اور تقریر کے اختتام پر کھڑے ہو کر مجھے گلے لگایا اور داد دیتے ہوئے کہا: برخوردار لگتا ہے کہ علم کے زور پر بہت نام کماؤ گے۔

تراشہ نمبر 157

حضرت غزالی کا بچپن میں ایک ہندو پنڈت سے مناظرہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے جو اباجی قبلہ کی زبانی سنا اور صرف میں نے نہیں تمام اہل خانہ نے اور یقیناً بہت سے دوستوں نے اور مریدین نے بھی یہ سنا ہوگا وہ بھی پیش خدمت ہے۔ فرماتے ہیں: میں ابھی طالب علم تھا۔ چودہ پندرہ برس عمر ہوگی۔ اپنے شہر امروہہ میں کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں مجمع لگا ہوا دیکھا۔ بچہ تھا میں بھی مجمع میں جا گھسا کہ دیکھوں کیا ہو رہا ہے۔ پتہ چلا کہ ایک ہندو پنڈت نے مسلمان عالم سے پوچھا کہ آپ کے نبی نماز پڑھتے تھے۔ عالم دین نے جواب دیا کہ کیوں نہیں وہ تو باقی مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ عبادت کرتے تھے۔ پنڈت نے پوچھا: انہوں نے آخری نماز زندگی کی کب پڑھی تھی، مسلمان عالم نے جواب دیا: ہمارے نبی کے ذمے کوئی بھی نماز باقی نہیں تھی۔ ان کی زندگی میں جس نماز کا بھی وقت آیا آپ نے وہ ادا ضرور فرمائی تھی۔

وہ ہندو مزید پوچھتا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ لوگ نماز میں قرآن پڑھتے ہیں اور بطور خاص سورہ فاتحہ ضرور پڑھتے ہیں تو کیا آپ کے نبی بھی یہ پڑھا کرتے تھے۔ مولانا نے جواب دیا کہ بے شک سورہ فاتحہ کے بغیر تو نماز ہوتی نہیں۔ یقیناً نبی کریم بھی نماز میں سورہ فاتحہ کی قراءت فرماتے تھے۔

اب اس ہندو پنڈت نے پوچھا کہ سورہ فاتحہ میں ایک آیت ہے: ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ '' یہ عربی زبان ہے کیا آپ اس کا مطلب بتائیں گے۔ مولانا نے جواب دیا کہ اس آیت کا مطلب ہے کہ اے اللہ! ہمیں ہدایت عطا فرما۔ ہندو نے پوچھا کہ آپ کے نبی نے جو آخری نماز پڑھی اس میں بھی یہ آیت پڑھی ہوگی۔ مولانا نے جواب دیا کہ بے شک ضرور پڑھی ہوگی۔

اس مقام پر اس ہندو پنڈت کے تیور بدل گئے۔ اس نے پورے زور بیان سے مجمع کے سامنے تقریر کی اور کہا کہ مولوی صاحب آپ کے نبی زندگی کے آخری لمحات تک اپنے اللہ سے صراط مستقیم کی دعا مانگتے رہے۔ ہدایت طلب کرتے رہے اب ان لوگوں کو بتائیں اور مجھے

جواب دیں کہ آپ کے نبی ساری زندگی نماز میں اپنے اللہ سے دعا مانگتے رہے کہ مجھے ہدایت عطا فرما۔ اگر ان کو ہدایت مل جاتی تو یہ دعا مانگنے اور سوال کرنے کی ضرورت نہ رہتی۔ جو چیز مل جائے وہ مانگنا بے تکی بات ہے۔ بے عقلی کی بات ہے۔ اگر ہدایت مل گئی تھی پھر بھی آپ کے نبی ہدایت مانگتے رہے تو گویا عقل سے خالی تھے اور اگر ہدایت ملی نہیں تھی اس لیے مانگ رہے تھے تو جس کا نبی آخری وقت تک ہدایت مانگتا رہے اور دنیا سے رخصت ہو جائے اس کی امت کو بھلا ہدایت کیسے مل سکتی ہے؟

پاکستان بننے سے بہت پہلے کی بات ہے۔ ہندو مسلم اگرچہ ساتھ ساتھ رہتے تھے لیکن بہر حال ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوششوں میں مصروف رہتے تھے' اور اس علاقے میں ہندو تعداد کے اعتبار سے کثرت میں تھے۔ ہندو پنڈت نے جب یہ بات کہی تو مولانا صاحب واضح طور پر بے بس نظر آئے اور ان سے کوئی جواب بنتا نظر نہ آتا تھا' ادھر ہندو پنڈت اس یقین کے ساتھ آپے سے باہر ہو رہا تھا کہ اس نے ایک سوال کر دیا ہے جس کا جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ بار بار سوال دہراتا ہے اور اپنی دانست میں مسلمانوں کے مناظر عالم دین کو بے بس ولاچار بنا کر تماشا دیکھ رہا ہے۔ میں نے یہ منظر دیکھا تو پنڈت سے پوچھا: اگر آپ کی اجازت ہو تو میں عالم دین کی سہولت اور خدمت کے لیے اور معاونت کے لیے آ جاؤں۔ پنڈت نے ایک بچہ دیکھ کر ہنسی اڑاتے ہوئے کہا: تم بھی آ جاؤ اور کسی کو بلانا ہو تو اس کو بھی بلا لو۔ میں فوراً اپنے عالم دین کے پہلو میں جا کھڑا ہوا اور کہا: پنڈت جی آپ کے سوال کا جواب تو ضرور دوں گا پہلے یہ بتا دیجئے کہ آپ کے خیال میں سیدھا راستہ' ہدایت کا راستہ' صراط مستقیم ہے کیا؟ جب تک اس راستے کا تعین نہ ہو جواب کیسے بنے گا؟ پنڈت نے کہا کہ یہ تم بتاؤ تمہارے قرآن کی بات ہے۔ تمہارے نبی کی دعا ہے۔ تم بتاؤ کہ ہدایت کے راستے سے کیا مراد ہے؟

میں نے کہا: میں تو یہ سمجھتا ہوں صراط مستقیم وہ ہے' سیدھا راستہ وہ ہے' جو بندے کو اللہ کی طرف لے جاتا ہے۔ پنڈت نے بھی بڑے زور سے سر ہلایا' بالکل ٹھیک ہے۔ جو راستہ منش کو بھگوان سے ملائے اور ایشور کی طرف لے کر جائے وہی سیدھا راستہ ہو سکتا ہے' اس پر میں نے کہا: پنڈت جی جواب تو میں دے رہا ہوں۔ اب پتا نہیں آپ کی سمجھ میں آئے کہ نہیں وہ اس لیے کہ آپ کا بھگوان تو ایک مورت کی صورت میں ہوتا ہے بس اس مورت کے پاس پہنچ گئے تو

آپ کے بھگوان کے پاس پہنچ گئے لیکن ہمارا اللہ تو ایسا نہیں ہے۔ اس کی تو کوئی حد نہیں۔ وہ ایسا نہیں کہ ایک جگہ سے شروع ہو اور دوسری جگہ پہنچ کر ختم ہو جائے۔ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ جب ہمارے اللہ کی کوئی انتہا نہیں تو جو راستہ اس کی طرف لے کر جا رہا ہے اس کی بھی کوئی انتہا نہیں ہمارے نبی اپنے اللہ سے دعا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے سیدھی راہ دکھا۔ اللہ ان کی دعا قبول فرماتا تھا اور اپنی طرف راہ پر چلاتا تھا۔ جب ایک منزل معرفت کی طے ہو جاتی تھی تو نبی کریم پھر دعا مانگتے تھے تو معرفت کی اگلی منزل تک اللہ راہ دکھاتا تھا۔ نبی کریم پھر دعا مانگتے تھے تو معرفت کا اگلا درجہ حاصل ہو جاتا تھا تو دعا مانگتے جاتے تھے اللہ اپنا قرب عطا فرماتا رہتا تھا۔ نہ اللہ کی ذات کی انتہا ہے نہ اس کی طرف لے جانے والے راستے کی انتہا ہے نہ اس راستہ پر چلنے کی انتہا ہے۔ اسی لیے تو ہمارے رب نے فرمایا: "و للاخرة خيرلك من الاولى" اے محبوب! آپ مسلسل مجھ سے قریب ہو رہے ہیں میری معرفت اور قرب کے درجات طے کر رہے ہیں اسی لیے ہر آنے والا لمحہ آپ کے لیے عزت و حرمت اور شرف و فضیلت کا نیا دروازہ کھل رہا ہے۔

جب میں نے یہ جواب دیا تو مولانا کی جان میں جان آئی اور اس مجمع میں موجود مسلمانوں نے بے اختیار نعرہ ہائے تکبیر و رسالت بلند کئے۔

تراشہ نمبر 158

ہمیشہ باوضو رہنے کے سات عظیم فوائد

خالص الحقائق ابوالقاسم محمود بن احمد فارابی میں ہے:

قَالَ بَعْضُ اَهْلِ الْمَعْرِفَةِ مَنْ دَاوَمَ عَلَى الْوُضُوءِ اَكْرَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِسَبْعِ خِصَالٍ.	بعض اہل معرفت نے فرمایا: جو شخص ہمیشہ با وضو رہے اللہ تعالیٰ اسے سات خصلتوں سے نوازتا ہے۔

(1) فرشتے اس کی صحبت میں رغبت کریں۔

(2) قلم اس کی نیکیاں لکھتا ہے۔

(3) اس کے اعضاء تسبیح کریں۔

(4) اس کی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو۔

(5) جب سوئے اللہ تعالیٰ کچھ فرشتے بھیجے کہ جن وانس کے شر سے اس کی حفاظت کریں۔

(6) سکرات موت اس پر آسان ہوں۔

(7) جب تک باوضو ہو اللہ کی امان میں رہے۔ (بحوالہ فتاوی رضویہ ج1)

تراشہ نمبر 159

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ اور مرثیہ

خواجہ حافظ شیرازی (رحمۃ اللہ علیہ) کی ایک غزل کا شعر ہے:

سینہ مالا مال درد است اے دریغا مرہمے　　دل ز تنہائی بجاں آمد خدا را ہمدمے

حضرت پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز نے اسی رنگ میں اس طرح فرمایا ہے:

سینہ مالا مال درد است وبجوید ہر دمے　　درد بر درد ے دگر زخمے بجائے مرہمے

دل کند زخمے رفو گر مہرباں دارد طلب　　نوک مژگاں را صبا بار دگر گو مرہمے

بستہ شد اندر ازل خاطر بداں شور جہاں　　کز نسیم تاب زلفش نوریاں پیچد ہمے

اکحل العینین املح و ازج الحاجبین　　سرمہ گیں چشمے کماں ابروملیحے ارحمے

روئے تاباں والضحیٰ واللیل مویش اذا سجی　　در فتحنائش لوے یٰسین از متبسمے

دوش در گوشم رسیدہ از سگاں کوئے دوست　　مہر مارا کے سزد ہر خود پرستے بے غمے

حضرت کی یہ غزل ایک سال پاکپتن شریف کے عرس پر ایام محرم میں پڑھی جا رہی تھی۔ حضرت خود رونق افروز تھے۔ ہندوستان کے ایک بزرگ سجادہ نشین پہلے ہی شعر پر وجد میں آ کر رقص کرنے لگے۔ آداب چشتیہ کے مطابق ساری محفل بھی کھڑی ہو گئی۔ روتے جاتے تھے اور لذت فریاد میں ان اشعار کی اس طرح تشریح کر رہے تھے: سبحان اللہ! پیر صاحب نے کیا خوب مرثیہ کہہ ڈالا ہے۔ حضرت امام حسین تہ خنجر کیا فرما رہے ہیں؟

اے میرے دل و جان اور میری روح کے محبوب! اے میرے ایمان! اس خنجر کی روانی کو تا قیام قیامت دراز کر دے کہ تیری محبت میں ذبح کیا جاؤں اور زندہ کیا جاؤں اور پھر ذبح کیا جاؤں۔

تراشہ نمبر 160

ڈاڑھی والا جیت گیا

دیوبندی عالم سلیم اللہ خان صاحب لکھتے ہیں:

ایک زمانے میں ایک امریکی نوجوان ڈاکٹر عبدالرشید یہاں پاکستان آیا' یہاں وہ نیک لوگوں کے ساتھ رہا' تعلیم کے حلقوں میں دعوت وتبلیغ کے عمل میں مشغول ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں فلاح اور کامیابی کا دوسرا تصور جو آج دنیا والوں کے پیش نظر نہیں' قائم فرمایا۔ اس نے سنت رسول ﷺ کا بھی اہتمام کرلیا۔ ڈاڑھی رکھ لی' نمازی ہوگیا' دوسروں کو اسلام کی دعوت دینے لگا۔ اس کے بعد وہ واپس امریکہ چلا گیا۔ وہاں سے ایک دفعہ حج کرنے آیا تو اس نے یہ قصہ سنایا' کہنے لگا: میں نے امریکہ میں محکمہ صحت میں نوکری کے لیے درخواست دی۔

انٹرویو کے لیے بلایا گیا' انٹرویو لینے والی جماعت نے کہا کہ آپ کے کاغذات بالکل صحیح اور درست ہیں' اور آپ اس نوکری کے لیے مناسب اور فٹ ہیں لیکن آپ کی درخواست قبول نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس پوسٹ کے لیے ڈاڑھی والے آدمی کو رکھنے کی اجازت نہیں' اس نے کہا: صاحب چلیے میں نوکری نہیں کرتا کسی اور طریقے سے اپنا رزق حاصل کرلوں گا لیکن آپ بتائیں گے کہ یہ تصویر کس کی ہے؟ وہاں کمرے میں ایک ڈاڑھی والی تصویر آویزاں تھی' جس پر یسوع مسیح لکھا تھا۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی تصویر تھی' جواب ملا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر ہے۔ ڈاکٹر عبدالرشید نے کہا: آپ مجھے بتائیں گے اگر آپ کے یہاں اس پوسٹ کے لیے یہ بزرگ درخواست لے کر آتے تو آپ ان سے بھی یہی کہتے کہ ڈاڑھی منڈوا کر آئیے تب آپ کو نوکری ملے گی۔ مجھ سے تو کہہ دیا آپ نے' ان کے بارے میں آپ کا طرز عمل کیا ہوتا؟ تو انٹرویو لینے والی جماعت نے کہا کہ اچھا آپ انتظار کریں' ہم آپ کو پھر اطلاع دیں گے؟ ایک ہفتے بعد ان کو طلب کیا گیا اور کہا گیا کہ ہم نے غور کیا اور غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ہماری یہ شرط کہ ڈاڑھی نہیں ہونی چاہیے غلط ہے' لہٰذا اب یہ شرط ختم ہے اور آپ کو نوکری کے لیے قبول کرلیا گیا ہے۔

ہمارے یہاں یہ مشہور ہے آپ نے بھی سنا ہوگا: نوجوان ڈاڑھی اس لیے نہیں رکھتے کہ

صاحب کی شادی نہیں ہوگی' انہیں خبر نہیں کہ کتنے اللہ کے بندوں کی شادی ڈاڑھی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ وہ لوگ اسی لیے پسند کیے جاتے ہیں کہ ڈاڑھی ہے' پھر یہاں ڈاڑھی والے جتنے آدمی بیٹھے ہیں کیا سب کی شادیاں نہیں ہوئیں۔ یہ گمراہ کن خیالات سب شیطانی فریب ہے اور کچھ نہیں۔ (بشکریہ: ماہانہ الفاروق' کراچی' ماہ ذوالحجہ 1431ھ)

تراشہ نمبر 161

جہاد کی مشروعیت اور مراحل

جہاد کے موضوع پر گفتگو سے ماضی میں فکری یلغار کرنے والوں کو بہت دلچسپی رہی ہے اور اب بھی ہے۔ اس کے ذریعے وہ چاہتے ہیں کہ حق اور باطل گڈمڈ ہو کر رہ جائیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اس دین حنیف کے قلعے میں شگاف پڑ جائیں' لوگ اس بارے میں شکوک میں مبتلا ہو جائیں اور اس کی نیک نامی پر حرف آ جائے۔

آپ کو تعجب ہوگا کہ ان لوگوں نے اپنا پورا زور خاص طور پر صرف جہاد ہی پر کیوں صرف کیا ہے؟ آپ کا تعجب رفع ہو جائے گا اگر آپ جان لیں کہ اسلام کا سب سے اہم اور اس کے دشمنوں کی نظر میں سب سے خطرناک یہی جہاد ہے۔ اس کا نام آتے ہی ان پر خوف طاری ہو جاتا ہے اور وہ دہشت زدہ ہو جاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اسلام کا یہ رکن اگر مسلمانوں کے دلوں میں بیدار ہو جائے اور اسے ان کی زندگی میں اثر ونفوذ حاصل ہو جائے تو کوئی بھی طاقت' خواہ وہ کتنی ہی زبردست ہو' اسلامی غلبہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی' اس لیے اسلامی مد کو روکنے کے لیے کوئی بھی کام انجام دینے کا آغاز خاص طور سے اسی نقطہ سے ہونا چاہیے۔

یہاں ہم پہلے یہ واضح کریں گے کہ اسلام میں جہاد کا مفہوم اور اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کے مراحل کیا ہیں؟ پھر اس چیز کی وضاحت کی کوشش کریں گے کہ اس کے مفہوم میں کیا مغالطے شامل ہو گئے ہیں؟ اور کھینچ تان کر اس کی بے جا طور پر کیا تقسیمیں کر لی گئی ہیں؟

جہاد کا مطلب ہے: اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرنا۔ قتال کے ذریعے جدوجہد اس کی ایک قسم ہے۔ رہا اس کا مقصد تو وہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کا قیام عمل میں آ جائے اور صحیح اسلامی حکومت تشکیل دی جائے۔

آغاز اسلام میں جہاد جیسا کہ ہم جانتے ہیں پُر امن دعوت اور اس کی راہ میں آنے والی آزمائشوں اور تکلیفوں میں جمے رہنے تک محدود تھا' پھر ہجرت کے آغاز سے اس میں دفاعی جنگ بھی شامل ہوگئی یعنی ہر طاقت کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔

اس کے بعد ان تمام لوگوں سے جنگ کا پہلو بھی اس میں شامل ہو گیا جو اسلامی معاشرے کے قیام کی راہ میں رکاوٹ بنیں۔ ملحدین' بت پرست اور مشرکین سے اسلام سے کم پر کوئی بات نہیں کی گئی' اس لیے کہ صحیح اسلامی معاشرہ اور الحاد یا بت پرستی کے درمیان موافقت اور ہم آہنگی ممکن نہ تھی۔ رہے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) تو ان کا اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت کے ماتحت رہنا کافی سمجھا گیا۔ ان پر بس یہ لازم کیا گیا کہ وہ حکومت کو جزیہ ادا کرتے رہیں جس طرح مسلمان زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

اس آخری مرحلے میں آ کر اسلام میں جہاد کے حکم میں ٹھہراؤ آ گیا۔ ہر زمانے کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ جب ان کے پاس طاقت ہو اور وہ ضروری ساز و سامان سے لیس ہوں تو جہاد کریں۔

اسی مرحلے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَـاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَـنُـوْا قَاتِلُوْاالَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً وَّاعْلَمُوْااَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَO (التوبۃ: 123)	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جنگ کرو ان منکرین حق سے جو تمہارے پاس ہیں اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہےO

اور اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مجھے حکم دیا گیا کہ میں ان لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہہ دیں' جب وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیں تو ان کے مال اور جانیں محفوظ ہو جائیں گی' ان پر کوئی ناروا ظلم نہ ہوگا اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہوگا۔

اس سے واضح ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ کو دفاعی جنگ اور اقدامی جنگ میں تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے' اس لیے کہ جہاد کی مشروعیت کا دار و مدار نہ دفاع برائے دفاع پر ہے' نہ اقدام برائے اقدام پر ہے۔ جہاد کا دار و مدار اس ضرورت پر ہے کہ اسلامی معاشرے کو کامل شکل میں تمام

اسلامی اصول و مبادی اور نظاموں کے ساتھ قائم کیا جائے۔ اب چاہے اس کے لیے اقدام کرنا پڑے یا دفاع اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

رہا مشروع دفاعی قتال مثلاً مسلمان کا اپنے مال' آبرو' جائیداد یا جان کا دفاع کرنا تو یہ قتال کی دوسری قسم ہے جس کا اصطلاحی جہاد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسے قتال صائل (ظالم سے قتال) کہا جاتا ہے۔ فقہاء نے کتب فقہ میں اس کا مستقل باب قائم کیا ہے۔ آج کل کے بیشتر محققین اس میں اور جہاد میں (جس سے ہم یہاں بحث کر رہے ہیں) خلط مبحث کر دیتے ہیں۔ یہ ہے اسلامی شریعت میں جہاد کے مفہوم اور مقصد کا خلاصہ۔

رہے مغالطے اور تحریفات جو جہاد کے سلسلے میں کی گئی ہیں تو انہیں دو نظریات کی شکل میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں نظریات بظاہر باہم متضاد ہیں لیکن حقیقت میں ان دونوں کے درمیان پوری ہم آہنگی پائی جاتی ہے' اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کے ذریعے ایک ہی نتیجہ حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جہاد کی مشروعیت اب باقی نہیں رہی۔

پہلا نظریہ وہ ہے جو اعلان کرتا ہے کہ اسلام صرف تلوار کے ذریعے پھیلا ہے اور نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب نے جبر و اکراہ کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ان کے ہاتھوں اسلامی فتوحات ظلم و جبر کے نتیجے میں ہوئی ہیں۔ ان کا سبب یہ نہیں تھا کہ لوگوں کو اسلام کی حقانیت پر اطمینان ہو گیا ہو اور وہ از خود حلقہ بگوش ہو گئے ہو۔

رہا دوسرا نظریہ تو وہ پہلے نظریے کے بالکل برعکس ہے۔ اس کے مطابق اسلام امن و سلامتی اور محبت و الفت کا دین ہے۔ اس میں جہاد کی مشروعیت صرف اس صورت میں ہے۔ جب کھلی جارحیت کا جواب دینا مقصود ہو۔ اہل اسلام صرف اسی وقت جنگ کرتے ہیں جب انہیں اس پر مجبور کر دیا جائے اور ان سے مبارزت طلبی کی جائے۔ باوجود یہ کہ دونوں نظریے باہم متضاد ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ لیکن فکری یلغار کرنے والے ان دونوں کے ذریعے ایک خاص مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں جو ان دونوں مفروضوں میں سے ہر ایک سے مطلوب ہے۔

یہ بات کچھ تفصیل کی متقاضی ہے۔ پہلے انہوں نے اس بات کی خوب تشہیر کی اور اسے خوب رواج دیا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو دوسروں پر ظلم ڈھاتا اور ان سے نفرت کرتا ہے' پھر انتظار کیا یہاں تک کہ یہ افواہ برگ و بار لانے لگی اور مسلمانوں نے اس پر ردعمل کا اظہار کرنا

اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام اس الزام سے بری ہے۔

اسی اثناء میں جب کہ مسلمان اس بے بنیاد نظریے کا رد کرنے میں لگے ہوئے تھے' انہی مشککین میں سے کچھ لوگ اٹھے اور انہوں نے طویل اور معروضی علم و تحقیق کے بعد اسلام کا دفاع کرنے کا ڈھونگ رچایا۔ انہوں نے اس الزام کو رد کرتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ اسلام تیر و تفنگ اور ظلم و جبر کا مذہب نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس وہ محبت اور امن و سلامتی کا مذہب ہے' اس میں کھلی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے علاوہ اور کسی صورت میں مشروع نہیں ہے' اہل اسلام کو جہاں تک امن کا قیام ممکن ہو' جنگ کی ترغیب نہیں دی جاتی۔

سادہ لوح مسلمانوں نے جو اول الذکر ناروا الزام سے شدید دل گرفتہ تھے' اس شاندار دفاع پر خوب تالیاں پیٹیں۔ ان حالات میں جب کہ وہ پہلے الزام کا جواب دینے کی تیاری کر رہے تھے' مؤخر الذکر نظریہ انہیں بہت پسند آیا۔ وہ بڑھ بڑھ کر اس کی تائید و توثیق کرنے لگے اور یکے بعد دیگرے دلیلیں پیش کرنے لگے کہ اسلام ویسا ہی ہے جیسا کہ یہ حضرات کہہ رہے ہیں۔ وہ امن و سلامتی اور صلح کلی کا مذہب ہے۔ وہ دوسروں سے اس وقت تک تعرض نہیں کرتا جب تک کہ وہ اس کے گھر پر دھاوا نہ بول دیں اور اسے خواب غفلت سے بیدار نہ کر دیں۔

ان سادہ لوح مسلمانوں سے یہ بات فراموش ہو گئی کہ جن لوگوں نے پہلی افواہ اڑائی تھی' پھر دوسرے الزام کا پروپیگنڈہ کیا تھا' وہ خفیہ طریقے پر یہی نتیجہ اور یہی مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان کا مقصود یہ تھا کہ ایسی باتیں کہی جائیں اور ایسے مختلف آزمودہ وسائل و ذرائع اختیار کئے جائیں جن سے آخر کار مسلمانوں کے ذہنوں سے جہاد کا تصور محو ہو جائے اور ان کے دلوں میں عظمت و سربلندی کا جذبہ سرد پڑ جائے۔

یہاں ہم اس کا ایک ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ہمارے دوست استاذ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اپنی کتاب ''آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی'' میں معروف انگریز مستشرق ''اندرسن'' سے ہونے والی اپنی ایک گفتگو نقل کی ہے۔

انہوں نے لکھا ہے:

اہل مغرب اور خاص طور پر انگریز ڈرتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں کے درمیان جہاد کا تصور نہ ابھر آئے۔ اگر ایسا ہو گیا تو ان کا شیرازہ متحد ہو جائے گا اور وہ اپنے دشمنوں کا پوری پامردی

سے مقابلہ کرنے لگیں گے۔ اسی لیے وہ جہاد کے منسوخ ہونے کے نظریے کو رواج دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن لوگوں کے دل ایمان سے خالی ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کتنا مبنی برحق ہے:

فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ. (محمد: 20)

مگر جب ایک پختہ سورت نازل کر دی گئی جس میں جنگ کا ذکر تھا تو تم نے دیکھا کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری تھی وہ تمھاری طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے کسی پر موت چھا گئی ہو۔

جمعہ 3 جون 1960ء کی شام انگریز مستشرق اندرسن سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے اس موضوع پر ان کی رائے جاننا چاہی۔ انہوں نے مجھے نصیحت کی کہ میں یہ کہا کروں: جہاد آج کے زمانے میں فرض نہیں ہے اس لیے کہ فقہی اصول ہے زمانہ بدلنے کے ساتھ احکام بھی بدل جاتے ہیں' ان کی رائے میں جہاد جدید بین الاقوامی حالات سے جب کہ مسلمان عالمی تنظیموں اور بین الاقوامی معاہدات سے جڑے ہوئے ہیں' میل نہیں کھاتا۔ جہاد ہی کی وجہ سے لوگ اسلام کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ آزادی اور روشن خیالی کا ماحول ایسی فکر کو قبول نہیں کرتا جسے طاقت کے ذریعے نافذ کیا جائے۔

(فقہ السیرۃ' ڈاکٹر محمد رمضان سعید البوطی علیہ الرحمہ' اردو ترجمہ دروس سیرت ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی)

تراشہ نمبر 162

ڈینگی قابل علاج مرض ہے

ڈاکٹر سلیم حمید (ممبر نیشنل کونسل فار ہومیو پیتھی' حکومت پاکستان) لکھتے ہیں کہ ڈینگی خاص مچھر ہے جس میں کالی اور سفید ترچھی لکیریں ہوتی ہیں۔ مچھر کو ختم کرنے کے لیے سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ جہاں پر پانی رُکا ہوا ہو وہاں پر مٹی ڈال دیں تاکہ مچھر کے انڈے مر جائیں۔

انہوں نے کہا کہ ڈینگی وائرس کی چار اقسام اب تک دریافت ہو چکی ہیں: ٹائپ 1' ٹائپ 2' ٹائپ 3' ٹائپ 4' ڈینگی مچھر خاص طور پر ان لوگوں میں Transfer

Virus کرتا ہے جن میں قوت مدافعت کم ہوتی ہے Low level of Immunity والے لوگ زیادہ تر اس Virus کا شکار ہوتے ہیں' ڈینگی کے دوسرے نام بھی ہیں۔ Break Bone یا Dandy Fever کیونکہ اس مرض میں مبتلا شخص شدت کا درد محسوس کرتا ہے یعنی کمر درد' ہڈیوں میں شدت کا درد' جوڑوں اور پٹھوں میں شدید درد اور تھکاوٹ' بے چینی۔

DHF (Dengue haemorrhagic Fever) یہ شدید قسم کا Infection Viral مرض ہے۔ DHF کے دوران علامت میں سر درد' بخار' جسم پر چھپاکی کی طرح کے ابھار یعنی Rashes سرخ Purple چھالے کی طرح جلد پر نمایاں ہوتے ہیں۔ ناک کے اندر سے یا مسوڑھوں اور جسم کے کسی بھی حصے سے خون آنے لگتا ہے۔ DHF نہایت نقصان دہ مرض ہے۔ پلیٹ لیٹس کی کمی واقع ہونے کے بعد مرض کرانک اور پیچیدہ بھی ہو سکتا ہے۔ ڈینگی بخار وائرس کی وجہ سے ہوتا ہے جو ایک سفید داری والے کالے رنگ کے مچھر کے کاٹنے سے پیدا ہوتا ہے۔ ڈینگی مرض کی ابتداء میں مریض کو سردی' سر درد' جسم میں درد' ٹانگوں' ہڈیوں اور جوڑوں اور پٹھوں میں درد' آنکھوں میں درد جب بھی آنکھوں کو Move کیا جائے۔ کمر درد' بخار 101 تا 104 فارن ہائٹ' ساتھ ہی دل ڈوبنا' بلڈ پریشر کا لو ہو جانا' آنکھوں کا سرخ ہو جانا' چہرہ اور جسم میں چھپاکی کی طرح ہلکے سرخی مائل Rashes ابھار کا ہونا اور بعد میں ختم ہو جانا' غدودوں کا سوج جانا' گردن اور چڈوں پر غدودوں کا بڑھ جانا اور سوج جانا۔

مرض میں مبتلا لوگوں drips IV.infusion کسی بھی قریبی ہسپتال سے ضرور لگوائیں۔ اگر خون میں پلیٹ لیٹس کی کمی واقع ہو چکی ہے تو Blood Transfusion ہونا چاہیے جو کسی بھی ہسپتال سے ممکن ہے۔ زیادہ سے زیادہ پانی کا استعمال کریں۔ پھلوں کے جوس زیادہ سے زیادہ پیا کریں۔ سبزیاں' نرم' لطیف اور زود ہضم غذا کا استعمال کریں۔ زیادہ سے زیادہ آرام کریں۔ بخار بڑھنے کی صورت میں دوا کا استعمال لازمی کریں لیکن Ansaid ڈرگ کا ستعمال نہ کریں۔ خون پتلا کرنے والی ادویات Brufen' Aspirin' Dispirin کا استعمال ہرگز نہ کریں' اور ان ادویات کی ضرورت ہو تو ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل کریں۔

(بشکریہ: روزنامہ جنگ' لاہور 20 نومبر 2010ء)

تراشہ نمبر 163

قدر و قیمت و فضیلت دستار

تحصیل خوشاب میں انگہ ایک مشہور قصبہ ہے۔ حضرت مولانا قاضی سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ تھا۔ آپ کے علم و فضل کی شہرت دور دراز علاقوں میں پہنچ چکی تھی۔ ان کے تبحر علمی کے باعث علمائے عصر آپ کو استادِ کل کہا کرتے تھے۔ ان کے علم و فضل کی بلندی کا اندازہ لگانے کے لیے صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ حضرت خواجہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ آپ کے شاگرد تھے۔ حضرت کئی سال انگہ میں قیام پذیر رہے اور آپ کے چشمہ علوم و معارف سے سیراب ہوتے رہے۔ قاضی سلطان محمود انگوی کو پتہ چلا کہ ان ہی کے ضلع شاہ پور میں سیال شریف کے مقام پر ایک فقیر ظاہر ہوا ہے جو سماع سنتا ہے اور لوگ جوق در جوق اس کے مرید بنتے جا رہے ہیں۔ قاضی صاحب کی تحقیق کے مطابق سماع شریعت میں ناجائز تھا۔ ان کی ایمانی غیرت یہ گوارا نہ کر سکی کہ ان کے علاقہ میں خلافِ شریعت فعل کو اتنا فروغ نصیب ہو۔ چنانچہ ایک گدھے پر کتابوں کا انبار لادا اور مناظرہ کرنے کے ارادہ سے سیال شریف روانہ ہوئے۔ وہاں اپنے معتقدین اور ساز و سامان کے ساتھ ایسے وقت پہنچے جب حضرت خواجہ شمس العارفین قدس سرہٗ اپنی مجلس آراستہ کیے ہوئے معرفت کے موتی لٹا رہے تھے۔ قاضی صاحب نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ آدابِ مجلس کو یکسر نظر انداز کر کے کہنے لگے: میں نے سنا ہے کہ آپ شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہیں۔

حضرت سیالوی نے قاضی صاحب کی بات سن کر بڑے تحمل سے فرمایا: قاضی صاحب! میری گردن بلکہ میری سات پشتوں کی گردن شریعت کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے خلافِ شریعت کام کرنے سے بچائے۔ یہ جواب سننے کے بعد قاضی صاحب تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے، پھر وضو کرنے کے لیے شرقی کنویں پہ تشریف لے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت سیالوی نے قوالوں کو اشارہ کیا تو انہوں نے پنجابی کے ان بولوں سے محفلِ سماع کا آغاز کیا:

جھنگ کونوں دل تنگ پیو سے پچھاں ہزارے دیاں واٹاں
میرے ماہی دیاں مٹھیاں باتاں جیویں کھنڈ شکر نباتاں

قاضی صاحب سماع سن کر غصے سے دوڑتے ہوئے آئے۔ بار بار کہہ رہے تھے: پھر بھی آپ باز نہ آئے۔ جب قاضی صاحب قریب پہنچے تو حضرت سیالوی نے ایک بار نگاہ بھر کر دیکھا۔ قاضی صاحب پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور غش کھا کر گرے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور قوال برابر ان بولوں کو دہرا دہرا کر قاضی صاحب کی آتش شوق کو بھڑکا رہے تھے۔ قاضی صاحب بہت بڑی دستار باندھا کرتے تھے جو ان کے علم و فضل کی گواہی دیتی تھی۔ اس مستی وشوق میں دستار سر سے اتاری اور قوالوں کی جا کر نذر کر دی۔ اس محفل پر کیف و مستی کا جو رنگ چڑھا ہوگا اس کی ماہیت کیوں کر بیان کی جا سکتی ہے۔ قوال جب اس بول کا تکرار کرتے تو قاضی صاحب تڑپتے اور یہ نعرہ لگاتے:

حق او یار و حق! او یار و حق!

حضرت اعلیٰ سیالوی کے جگر گوشہ و جانشین حضرت ثانی خواجہ محمد دین سیالوی اس محفلِ پاک میں حاضر تھے۔ جب قاضی صاحب نے اپنی دستار قوالوں کو نذر کی تو آپ چپکے سے اُٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ گھر میں سونے چاندی کے جتنے زیورات تھے سب اٹھا کر لائے اور قوالوں کو پیش کر کے ان کے عوض قاضی صاحب کی دستار اُن سے لے لی اور فرمایا: یہ عالم کی دستار ہے اور اس کے سر پر ہی زیب دیتی ہے' پھر وہ دستار قاضی صاحب کے سر پر باندھ دی۔ حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین قدس سرہٗ اپنے فرزند دلبند کی اس ادا پہ بڑے مسرور ہوئے اور آپ کو دعاؤں سے نوازا۔ مردان خدا مناظرہ کے اکھاڑوں کو یوں اپنی توجہ اور نگاہِ کرم سے عشق و محبت کے خیابان میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

(ماہنامہ کاروانِ قمر' فروری 2010ء' رادی سید عظمت علی شاہ ہمدانی)

تراشہ نمبر 164

پاکستان کی آبادی بائیس کروڑ ہو چکی ہے

جائزہ رپورٹ

پاپولیشن گروتھ ریٹ 2.2 رہ گیا۔ 65 سال سے زیادہ افراد کی تعداد تین فیصد ہے۔

لاہور (لیڈی رپورٹر) پاکستان کی آبادی ایک رپورٹ کے مطابق 22 کروڑ ہو چکی ہے

اور پاپولیشن گروتھ ریٹ 3.5 سے کم ہو کر 2.2 رہ گیا ہے۔ 65 سال سے زیادہ عمر کے افراد کی تعداد تین فیصد رہ گئی ہے۔ پیدائش سے 14 سال تک کے بچے 42 فیصد ہیں' خواتین کی تعداد 1.05 مردوں کے مقابلے میں کم ہے' جبکہ 2015 تک 0.93 مرد بچیں گے۔ 1997ء میں ورک فورس عورتوں کی تعداد 27 فیصد تھی جبکہ 2010ء میں 37 فیصد عورتیں ورک فورس کا حصہ ہیں۔ 1951 میں لڑکیوں کی شادی کی اوسط عمر 17 سال تھی جو 2005ء میں 22 سال ہو گئی ہے۔ 2009ء میں 24 سال رہی۔ 1980ء میں پاکستان میں ایک عورت 6 بچے اوسطاً پیدا کرتی تھی جبکہ 2006ء میں 4' 2007ء میں 3.7 اور 2008ء میں 3.5 تک رہی۔ 2010ء میں ایک عورت تین بچے اوسطاً پیدا کرے گی۔ پاکستان میں شرح پیدائش میں کمی بہت تیزی کے ساتھ ہوئی ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق اسلامی ملک ہونے کے باوجود ساؤتھ ایشین ریجن میں صرف ماؤں کے دودھ پر پلنے والے بچوں کی شرح 31 فیصد ہے جو بہت کم ہے۔

اقلیتوں کا احترام

آزادی سے قبل متحدہ پنجاب کے ضلع جالندھر کے قصبہ جاؤ میں عید میلاد النبی ﷺ کا تہوار نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منایا جاتا تھا۔ مختلف النوع تقریبات کا سلسلہ ہفتہ بھر جاری رہتا تھا۔ نقطہ عروج بارہ ربیع الاول کو ہوتا' جس دن بہترین مقررین اور نعت خوانوں کے ہدیہ ہائے عقیدت کے علاوہ سودیگوں کی نیاز بھی ہوتی تھی۔ تقریبات کا انتظام و انصرام مقامی سادات کے سپرد تھا لیکن علاقہ بھر کے مسلمانوں کے علاوہ ہندو' سکھ اور عیسائی بھی دل و جان سے ہر ممکن تعاون کرتے اور عید کے چاند کی طرح اس مقدس ہفتے کا انتظار کیا کرتے تھے۔ 12 ربیع الاول کے دن کم و بیش 10 ہزار کا مجمع ہوتا تھا۔ مسجد کے دالان اور صحن تنگ پڑ جاتے اور خلق خدا ملحقہ کھلے میدان میں سماتی تھی۔ ایک برس لنگر تقسیم ہونے لگا تو ایک سنکی قسم کے شخص نے کھڑے ہو کر واویلا شروع کر دیا کہ اس کی تقسیم صرف مسلمانوں میں ہو' غیر مسلموں کو لنگر دینا ناجائز بلکہ حرام ہے۔ اتفاق سے اس برس کے مہمانِ خصوصی امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ رحمۃ اللعالمین کے موضوع پر پانچ گھنٹے کی تقریر دل پذیر کے بعد آرام کے لیے حجرے میں گئے ہی تھے کہ شور سن کر باہر نکل آئے۔ مسئلہ ان کے روبرو پیش ہوا۔ فرمایا: ہفتہ بھر

سے کون سی کانفرنس کررہے تھے؟ جواب ملا: رحمۃ اللعالمین کانفرنس' بولے: تمہاری باتوں سے تو لگتا ہے کہ یہ رحمۃ للمسلمین کانفرنس ہورہی تھی۔ بھلے مانسو! رسول عربی ﷺ کے غلامو! آپ ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں سب کے لیے رحمت تو بھلا ہندو' سکھ' عیسائی نیاز سے محروم کیونکر رہ سکتے ہیں' وہ نہیں کھائیں گے تو میں بھی نہیں کھاؤں گا اور مسئلہ بطریق احسن حل ہوگیا۔

وہیں ایک برس معروف نعت گو ہندو شاعر چندر اختر بھی تشریف لائے تھے اور اپنی یہ نعت پیش کرکے اک سماں باندھ دیا تھا۔

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا ۔۔۔ کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
زندہ ہوجاتے ہیں جو مرتے ہیں اس کے نام پر ۔۔۔ اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا در یتیم ۔۔۔ اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا
کہہ دیا لاتقنطوا اختر یہ کس نے کان میں ۔۔۔ اور دل کو سر تا سر محو تمنا کر دیا

متحدہ ہندوستان میں بسنے والی مختلف مذاہب کی اقوام کے باہم سماجی مراسم قابل رشک ہوا کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی غمی خوشی میں شامل ہوتے اور دیہاتوں میں تو باہم رکھ رکھاؤ کا یہ عالم ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کو مقدس رشتوں سے یاد کیا جاتا تھا۔ ہر کوئی کسی کا ماما چاچا' تایا ہوتا۔ خواتین ماجی' چاچی جی' تائی اور ماؤسی وغیرہ ہوا کرتی تھیں۔ مسجدوں کے سامنے باجے بجنے اور گاؤ ذبیحہ جیسے معاملات پر تلخیاں بھی جنم لیتیں لیکن مل بیٹھ کر معاملہ سلجھا دیتے تھے۔ خون خرابہ صرف اسی صورت میں ہوتا' جب معاملہ فسادیوں کے ہتھے جا چڑھتا۔

آزادی کے بعد ہندو اور سکھ جزوی طور پر سرحد پار چلے گئے۔ البتہ عیسائیوں نے پاکستان کو ہی اپنا وطن جانا اور مانا اور کسی ایک عیسائی نے بھی ہندوستان کی طرف ہجرت نہیں کی۔ متحدہ ہندوستان میں بھی آزادی کے بعد عیسائیوں نے ہمیشہ مذہبی سماجی طور پر اپنے آپ کو مسلمانوں کے قریب تر پایا۔ اہل کتاب ہونے کے ناتے انہیں مسلمانوں کے ساتھ سانجھ سی محسوس ہوئی۔ آزادی کے بعد یہ سماجی یکجہتی کچھ زیادہ ہی گہری ہوگئی۔ ہمارے دیہی علاقوں میں تو عیسائیوں کو بھی گاؤں میں بسنے والی دیگر برادریوں کی طرح ایک معزز برادری سمجھا جاتا ہے اور سب ایک دوسرے کی غمی خوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ عیسائی برادری مسلمانوں کی تقریب کے لیے آتی ہے اور باقاعدہ دعا مانگتی ہے۔ میں نے بے شمار عیسائیوں کو کلمہ اور بسم اللہ پڑھتے

دیکھا ہے۔ ہمارے ایک مسیحی ملازم کو ذرا سا بھی شبہ ہوتا کہ اس کی بات کا یقین نہیں کیا جا رہا تو وہ پورا کلمہ طیبہ پڑھ کر کہتا کہ وہ سچا ہے اور کلمے دی قسمیں یعنی کلمے کی قسم تو با قاعدہ اس کا تکیہ کلام تھا۔ ہر کام سے پہلے بسم اللہ کہتے' آپ نے بھی بعض مسیحیوں کو دیکھا ہوگا' یہ سراسر ثقافتی اثر کا شاخسانہ ہے اور اس کا مطلب ہی مکمل نہیں ہوتا جب تک حضور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے آنے والے تمام انبیاء اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں پر ایمان نہ لے آئیں۔ ان اسلامی تعلیمات کو اپنے فکر کی بنیاد بناتے ہوئے قائداعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قیام پاکستان سے ایک مہینہ قبل 14 جولائی 1947ء کو نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں فرمایا تھا: اقلیتیں خواہ کسی بھی کمیونٹی سے ہوں' ان کے مذہب' عقیدے' جان و مال اور تہذیب و تمدن کو پورا تحفظ دیا جائے گا' انہیں کسی قسم کا خوف و خطرہ نہیں ہوگا اور وہ پاکستان کے مکمل شہری ہوں گے۔

تراشہ نمبر 165

مولانا محمد ادریس کاندھلوی......اور غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان ایک گفتگو

1953ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران مختلف مکاتب فکر کے علماء کراچی میں اکٹھے ہوئے۔ ایک مجلس میں مولانا ظفر احمد انصاری' مفتی محمد شفیع' مولانا محمد یوسف بنوری' مولانا محمد ادریس کاندھلوی' سید ابوالاعلیٰ مودودی اور حضرت قبلہ کاظمی شاہ صاحب جمع ہوئے۔ اثناء گفتگو میں حضرت صاحب نے مولانا محمد ادریس کاندھلوی سے فرمایا: آپ نے اپنی کتاب الکلام میں مرزا غلام احمد قادیانی کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبی کے لیے ضروری ہے کہ اس کا حسب نسب اپنے زمانہ کے تمام احساب و انساب سے افضل ہو حالانکہ یہ بات بے دلیل ہے۔ مولانا ادریس کاندھلوی صاحب نے کہا کہ میں نے تو حدیث شریف کا ترجمہ کیا ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

كَذَالِكَ تُبْعَثُ الْاَنْبِيَاءُ فِيْ اَحْسَابِ قَوْمِهِمْ. — انبیاء علیہم السلام اپنی قوم کے بہترین نسب سے مبعوث کیے جاتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: حدیث کا ترجمہ تو یہ ہے کہ جس قوم کی طرف نبی مبعوث ہو اس کا نسب اس قوم میں افضل ہوتا ہے۔ آپ نے لکھا ہے: نبی کا نسب اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہوتا ہے۔ کہنے لگے: اگر میں نے یہ لکھ دیا تو کیا خرابی لازم آئی؟ حضرت نے فرمایا: خرابی یہ ہے کہ ترمذی شریف میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اولادِ ابراہیم میں اسماعیل کو فضیلت دی اور اولادِ اسمٰعیل میں کنانہ کو فضیلت دی اور کنانہ میں قریش کو اور قریش میں بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں مجھے فضیلت دی۔ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ حضرت ابراہیم کے دو فرزندوں اسحٰق اور اسماعیل علیہما السلام میں حضرت اسماعیل کا نسب حضرت اسحٰق سے افضل تھا، اور جس زمانہ میں نسل اسحٰق سے بنی اسرائیل کے انبیاء مبعوث ہوئے اس وقت حضرت اسماعیل کی اولاد بھی موجود تھی اور ان کا نسب بنی اسرائیل کے انبیاء سے افضل تھا۔ اب اگر نبی کے لیے ضروری ہو کہ اس کا نسب اپنے زمانہ کے تمام انساب سے افضل ہو تو لازم آئے گا کہ بنی اسرائیل کے انبیاء، انبیاء نہ رہیں کیونکہ ان کا نسب اپنے زمانہ کے نسب اسماعیل سے افضل نہ تھا اور انبیاء بنی اسرائیل کی نبوت کے انکار سے بڑھ کر اور کون سی خرابی ہوگی۔ جب حضرت نے یہ ایراد قائم فرمایا تو مولانا ادریس صاحب سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور مجلس وہیں برخاست ہوگئی (نیز اگلے ایڈیشن میں انہوں نے اس سے رجوع بھی کرلیا)۔

تراشہ نمبر 166

بشریت ونورانیت مصطفیٰ ﷺ پر ایک مناظرہ

علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

تقریباً 30 برس پہلے کا ایک واقعہ ہے، حضور ﷺ کے اسم مبارک پر انگوٹھے چومنے کے متعلق جس طرح کا مناظرہ ہوا تھا جسے میں گزشتہ نشست میں بیان کر چکا اسی طرح کا ایک مناظرہ حضور ﷺ کی بشریت ونورانیت کے حوالے سے بھی ہوا۔ اس مناظرہ میں ایک ہی جج تھے جو دوسرے مسلک کے تھے۔ میری طبیعت بچپن سے ہی کچھ بے دھڑک اور بے خطر سی ہے، خطرات کی زیادہ پرواہ نہیں کرتا۔ آپ اسے "بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق" کہہ سکتے ہیں۔ میرے دوست احباب کہنے لگے کہ منصف دوسرے عقیدہ کا ہے، فیصلہ غلط سنائے گا۔ میں

نے کہا کہ پہلے بات تو ہو لینے دو' دیکھیں گے فیصلہ کیسے غلط سناتا ہے۔ ایک بڑے ہال میں محدود سامعین کے سامنے مناظرہ شروع ہوا' میں نے حسب عادت منصف کو کہا کہ آپ مولانا صاحب کو کہیں کہ موضوع نورانیت اور بشریت کا ہے وہ جو کچھ ثابت کرنا چاہتے ہیں اپنا موقف لکھ کر دے دیں اور جو میں ثابت کرنا چاہتا ہوں میں بھی وہ لکھ کر دیتا ہوں۔ پس ہم دونوں نے اپنا اپنا عقیدہ ایک کاغذ پر لکھ کر منصف کو دے دیا۔

جج صاحب نے دوسرے مولانا صاحب کا لکھا ہوا موقف پڑھا کہ حضور اکرم ﷺ بشر ہیں اور جو نور کہے وہ گمراہ ہے' ضال و مضل ہے اور جہنمی ہے۔ المختصر یہ کہ اس نے دو تین لائنوں کا جوشیلا اور غصہ والا فتویٰ لکھ دیا۔ جب منصف نے میرا کاغذ کھول کر پڑھا تو میں نے لکھا تھا کہ حضور ﷺ کی بشریت بھی حق ہے' بشر کا قطعاً انکار کرنا کفر ہے اور حضور ﷺ کی نورانیت بھی حق ہے۔ دونوں شانیں اللہ نے حضور ﷺ کو عطا کی ہیں۔ حضور ﷺ دونوں شانوں کے جامع ہیں' یعنی بشریت کے بھی اور نورانیت کے بھی۔

میرا لکھا ہوا سننے کے بعد مولانا صاحب غصے میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا لکھا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ میں نے جج کو کہا کہ اب یہ پابند ہیں کہ جو انہوں نے لکھا ہے اسی کو ثابت کرنے کے لیے دلائل دیں' میں ان کو اس موضوع سے ہٹ کر بات نہیں کرنے دوں گا۔ انہوں نے بشریت لکھی ہے' میں نے حضور ﷺ کی دونوں شانیں بشریت اور نورانیت لکھیں' گویا بشریت پر ہم دونوں متفق ہیں' لہٰذا بشریت پر دونوں کے اتفاق کی وجہ سے اب اس پر مناظرہ ہی نہیں ہوگا کیونکہ اس پر ہمارا اختلاف ہی نہیں ہے۔ بشریت پر میں نے بھی ایمان کا اعلان کیا ہے اور انہوں نے بھی' پس بشریت پر اختلاف ہی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اب کوئی دلیل حضور ﷺ کے بشریت ثابت کرنے کے لیے نہیں دے سکتے۔ کیونکہ میں تو اس کا منکر ہی نہیں ہوں۔ اب یہ صرف اس بات پر قرآن و حدیث اور کتب تفاسیر سے دلائل دیں گے کہ حضور ﷺ نور نہیں اور میں نورانیت پر دلائل دوں گا کہ حضور ﷺ نور ہیں۔ یہ نور کی نفی ثابت کریں گے اور میں اثبات کروں گا' بشریت پر بحث ہی نہیں ہو سکتی۔

اس وقت تک مولوی صاحب کو بات سمجھ ہی نہ آئی' مناظرہ شروع ہوا۔ ان مولانا صاحب نے اپنے دلائل دینے شروع کئے اور بشریت کے اثبات والی آیات ''قُلْ اِنَّمَا اَنَا

بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ'' اور احادیث سنانی شروع کر دیں۔ میں کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اس پر تو اختلاف ہی نہیں ہے۔ بشریت مناظرے کا حصہ ہی نہیں رہا کیونکہ ہم دونوں اس پر متفق ہیں' اس سے دونوں کا کوئی انکار ہی نہیں ہے۔ آپ اس پر بات کریں کہ اللہ نے فرمایا کہ میرا نبی نور نہیں ہے یا احادیث پیش کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہو کہ میں نور نہیں ہوں یا صحابہ کرام میں سے کسی کا حوالہ دیں کہ کسی نے کہا ہو کہ نورانیت نہیں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور نہ ہونے پر کوئی نص پیش کریں' بشریت کو ثابت کرنے کی ضرورت ہی نہیں' اس کو تو میں بھی مانتا ہوں۔ تب مولانا صاحب کے مغز میں بات آئی کہ میں تو مارا گیا۔

میں نے نورانیت کے دلائل دیئے۔ مولانا صاحب نے دوبارہ بشریت کی آیات اور حدیثیں شروع کر دیں تو میں فوراً انہیں روک دیتا کہ یہ لغو بات ہے اس لیے کہ اس موضوع پر یہ مناظرہ ہی نہیں ہے۔ اب اُن کے پاس کہاں سے نورانیت کی نفی کی دلیل آئے' منصف نے انہیں چار پانچ مواقع دیئے' وہ ہر بار کھڑے ہوتے اور بشریت کی آیت اور حدیث پڑھتے تو میں روک دیتا کہ اس پر تو بحث ہی نہیں ہے' نورانیت کی نفی پر دلیل لائیں' وہ نہ لا سکے اور میں ہر بار نورانیت کے اثبات پر دلائل دیتا رہا' بالآخر مناظرہ ختم ہو گیا۔ منصف نے ہمارے حق میں مناظرہ جیتنے کا اعلان کر دیا۔

بعد ازاں وہ جج مجھے کہنے لگے: یہ آپ نے کیا کر دیا۔ میں نے کہا کہ میں نے تو ٹھیک کہا ہے' جو کچھ مولانا کہتے ہیں وہ غلط ہے' ہم پر یہ الزام لگانا کہ یہ بشریت کے منکر ہیں یہ الزام درست نہیں ہے۔ (بحوالہ ماہنامہ منہاج القرآن' لاہور' جنوری 2010 صفحہ نمبر 22)

تراشہ نمبر 167

ایک حیرت انگیز انکشاف جو قابلِ غور بھی ہے؟

(روزنامہ جنگ' لاہور' صبح بخیر' از ڈاکٹر صفدر محمود)

آج میں آپ کو ایک نہایت دلچسپ بات بتانے والا ہوں جسے کچھ لوگ قدرت کی رمزیں' کچھ لوگ حسن اتفاق اور کچھ حضرات محض تاریخی حادثات قرار دیں گے لیکن ہماری تاریخ کا یہ پہلو فکر انگیز' منفرد اور قابلِ غور ہے اس لیے میرے ساتھ رہیے گا اور میں جو کچھ کہنے

والا ہوں اس پر غور کیجئے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ پاکستان چودہ اور پندرہ اگست 1947ء کی درمیانی شب رات بارہ بجے معرض وجود میں آیا تھا اور بارہ بجتے ہی آل انڈیا ریڈیو لاہور' پشاور نے یہ ''ریڈیو پاکستان ہے'' کا اعلان کر کے پاکستان کے طول وعرض میں جشن آزادی کا سماں پیدا کر دیا تھا جس کا ایک ایک لمحہ جوش وجذبے اور بے انتہاء مسرتوں سے لبریز تھا۔ چنانچہ ہمارا پہلا یوم پاکستان 15 اگست 1947ء کو منایا گیا جو جمعۃ الوداع تھا اور جس رات پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھرا وہ رمضان المبارک کی ستائیسویں یعنی شب قدر تھی۔ رمزیں صرف ان لوگوں کے بے معنی خیز ہیں جو انہیں سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ورنہ عام لوگوں کے لیے پاکستان کے موجودہ تناظر میں بم دھماکوں اور خودکش حملوں کے شعلوں میں گرفتار ہو کر ایسی بات کرنا محض اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے۔ جو لوگ قدرت کے ان اشاروں کو اہمیت دیتے ہیں انہیں بہرحال یقین ہے کہ پاکستان قیامت تک قائم ودائم رہے گا اور یہ کہ ہم نے بحیثیت قوم ان اشاروں کے تقاضے پورے نہیں کئے' لہٰذا موجودہ ابتلاء سے نکلنے کا راستہ توبہ و استغفار میں ہے۔ میں تو ایک دنیادار انسان ہوں اس لیے میں قدرت کے بھید کیا سمجھوں اور کیا جانوں؟

بات دور نکل گئی' میں یہ عرض کر رہا تھا کہ چونکہ پاکستان 14 اور 15 اگست کی نصف شب قائم ہوا تھا' ان میں سے کسی ایک دن کو یوم آزادی قرار دے دیں۔ ہندو جوتشیوں نے ہندوستان کے لیے پندرہ اگست کا دن مبارک یا شبھ جانا' چنانچہ حکومت ہند نے اسی دن کو اپنا یوم آزادی قرار دے دیا جبکہ پاکستان نے 14 اگست کو اپنا یوم آزادی ڈکلیئر کر دیا۔

قائداعظم کی دو ہی محبتیں تھیں' پہلی محبت رتی ڈنکشا تھی اور دوسری محبت جو منزل بن گئی وہ پاکستان تھی۔ قائداعظم نے رتی ڈنکشا سے نکاح کرنے سے قبل اسے مولانا شاہ احمد نورانی کے تایا مولانا نذیر صدیقی' امام جامع مسجد بمبئی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام کیا اور پھر اس سے شادی کی۔ ان کے بطن سے ان کی اکلوتی اولاد دینا پیدا ہوئی اور حیرانگیز بات یہ ہے کہ دینا جناح بھی 14 اور 15 اگست کی درمیانی شب 1919ء کو پیدا ہوئی اور پاکستان بھی 14 اور 15/ اگست کی درمیانی شب پیدا ہوا۔ دینا نے بھی 15 اگست کی 1919ء کے دن پہلی بار سورج کی کرنیں دیکھیں اور یہ جمعہ کا دن تھا جبکہ پاکستان نے بھی پندرہ اگست 1947ء کو پہلی بار آزادی کا اُجالا

دیکھا اور یہ بھی جمعہ کا دن تھا۔

ایک اور حیرت انگیز اور قابل غور پہلو پر غور کیجئے کہ بعض اوقات تاریخی حقائق کے پس پردہ قدرت اپنا ہاتھ دکھاتی اور ہمیں کچھ سمجھاتی ہے لیکن ہم آسانی سے سمجھنے والے نہیں۔ بہر حال آپ ذرا غور کریں اور تھوڑی سی تحقیق کریں تو آپ حیرت زدہ ہو جائیں گے' مثلاً یہ کہ قائد اعظم کا انتقال 11 ستمبر 1948ء کو ہوا۔ 1948ء سے لے کر آج تک پاکستان کا یوم آزادی' قائداعظم کا یوم ولادت 25 دسمبر اور قائداعظم کا یوم وفات 11 ستمبر ایک ہی دن ہوتا ہے' اس کی وضاحت کے لیے آپ کو موجودہ سال 2010ء کی مثال دیتا ہوں۔ پاکستان کا یوم آزادی 14/ اگست بروز ہفتہ ہوگا' قائداعظم کا یوم وفات 11 ستمبر ہفتہ کا دن ہوگا اور اسی طرح قائداعظم کا یوم پیدائش 25 دسمبر بھی ہفتہ کے دن منایا جائے گا۔ آپ کی سہولت کے لیے اور بات سمجھانے کے لیے گزشتہ چند برسوں کا چارٹ پیش خدمت ہے جس سے یہ نکتہ واضح ہو جائے گا۔ آپ چاہیں تو جنتری سامنے رکھ کر 1948ء سے لے کر 2010ء تک کا نقشہ تیار کر لیں تو آپ پر راز کھلے گا کہ قائداعظم اور پاکستان ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم تھے اور ہر سال قائداعظم کا یوم پیدائش' یوم وفات اور یوم پاکستان مختلف مہینے ہونے کے باوجود ایک ہی دن ہوتا ہے۔ اگر قدرت قائداعظم کا یوم وفات بارہ ستمبر 1948ء طے کر دیتی تو یہ نقشہ نہ بن سکتا اور وہ یوم مختلف ہو جاتا' میں نے صرف اپنی بات کی وضاحت کے لیے چند برسوں کا نقشہ بنایا ہے جو درج ذیل ہے:

سال 2004ء	14 اگست یوم آزادی	قائداعظم کا یوم وفات 11 ستمبر	25 دسمبر قائداعظم کا یوم پیدائش
دن	ہفتہ	ہفتہ	ہفتہ
2005ء	اتوار	اتوار	اتوار
2006ء	سوموار	سوموار	سوموار
2007ء	منگل	منگل	منگل
2008ء	جمعرات	جمعرات	جمعرات

2009ء	جمعہ	جمعہ	جمعہ

مجھے پاکستانیات کا یہ پہلو نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز لگا' چنانچہ میں نے اسے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ میرے مطالعے کے مطابق آپ کو عالمی تاریخ میں اس طرح کی مثالیں شاید ہی ملیں۔ بہر حال آپ اسے محض حسن اتفاق کہیں یا تاریخ کا حادثہ سمجھیں یا اس کے پس پردہ قدرت کی رمزیں تلاش کریں۔

تراشہ نمبر 168

آدابِ حاضری مدینہ منورہ

زَادِهَا اللّٰهُ تَعَالٰی عِزًّا وَشَرَفًا وَ بَرَکَةً

روضہ رسول ﷺ کی حاضری کے وقت دعا کرتے ہوئے چہرہ کدھر کریں؟

وقد سال ابو جعفر المنصور ثاني الخلفاء والعباسية عالم المدينة مالك بن انس رضى الله تعالٰى عنه يا ابا عبد الله استقبل القبلة و ادعوام استقبل رسول الله ﷺ فقال ولم تصرف وجهك عنه وهو وسيلتك و وسيلة ابيك آدم عليه السلام الى الله عزوجل يوم القيامة بل استقبله واستشفع به فيشفعك الله تعالٰى فمن فعل ذلك موقنا بقلبه غير مستعجل من ربه يقول دعوت فلم يجب لى قضى الله تعالٰى حاجته مالم يدع باثم او قطيعة رحم.

ابو جعفر منصور خلیفہ ثانی خاندان عباسیہ نے ایک دفعہ حضرت امام مالک عالم مدینہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میں قبلہ رو ہو کر دعا کروں یا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف متوجہ ہوں' تو امام مالک رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے اپنا چہرہ نہ پھیر کیونکہ آپ ﷺ تیرا اور تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے دربار میں وسیلہ ہیں بلکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف متوجہ ہو کر ان کو شفیع بنا اللہ تعالیٰ تیرے لیے ان کی شفاعت قبول فرمائے گا' جو شخص یقین سے یہ دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرمائے گا بشرطیکہ عجلت سے کام لیتے ہوئے مایوسی کا

(فتاویٰ رضویہ ج 7 ص 650) اظہار نہ کرے کہ میں نے دعا کی اور قبول نہ ہوئی کہ دعا قبول ہوگی کہ جبکہ اس میں کسی گناہ یا قطع رحمی کا سوال نہ ہو۔

تراشہ نمبر 169

یہ دنیا نہیں دل لگانے کی جائے

سیر ایں گلشن غنیمت داں کہ فرصت بیش نیست
در طلسم خندۂ گل' بال و پر دارد بہا را!

"گلشن کی سیر کو غنیمت جان' وقت کم ہے۔ خندہ گل کے پردے میں بہار اڑنے کے لیے پر تول رہی ہے"۔

تراشہ نمبر 170

دنیا کی چمک دمک سے دھوکا نہ کھانا

چند باید بُوذ مغرور طراوت ہائے وہم
شبنم ستان نیست بیدل' چشم تر دارد بہار

ترجمہ نثر: "ظاہری تروتازگی سے دھوکہ نہ کھاؤ بیدل' یہ شبنم ستان نہیں ہے' بہار رورہی ہے"۔

ترجمہ: رونق و سر سبزی گلشن' تمہارا وہم ہے
شبنم ستان یہ نہیں بیدل' ہے گر یہ فصل گل!

تراشہ نمبر 171

نا اہل کو علم سکھانا نادانی ہے

فیض معنی در خور تعلیم ہر بے مغز نیست نشہ را چوں بادہ' نتواں در دل پیمانہ ریخت

"باب عقل ومعرفت' کھلتے نہیں بے مغز پر لکھی ہے بخت پیمانے میں سرشاری نہیں!"۔

(سید نعیم حامد' بہار ایجادی بیدل' لاہور)

تراشہ نمبر 172

تنقید برائے اصلاح و خیر خواہی' تنقید کے اصول

اجتماعی اصلاح کا ایک مفید طریقہ

آپس میں ایک دوسرے کی غلطیوں اور کمزوریوں پر تنقید بھی اجتماعی اصلاح کا ایک مفید طریقہ ہے' مگر تنقید کے صحیح حدود اور آداب ملحوظ نہ رکھنے سے یہ سخت نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے میں وضاحت کے ساتھ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس کی حدود اور آداب کیا ہیں:

(1) تنقید ہر وقت' ہر صحبت میں نہ ہو۔

(2) تنقید کرنے والا اللہ کو شاہد سمجھ کر خود اپنے دل کا جائزہ لے کہ وہ اخلاص اور خیر خواہی کے جذبے سے تنقید کر رہا ہے یا اس کا محرک کوئی نفسانی جذبہ ہے۔ اگر پہلی صورت ہو تو بے شک تنقید کی جائے ورنہ زبان بند کر کے خود اپنے نفس کو اس ناپاکی سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(3) تنقید کا لہجہ اور زبان دونوں ایسے ہونے چاہییں جن سے ہر سننے والے کو محسوس ہو کہ آپ فی الواقع اصلاح چاہتے ہیں۔

(4) تنقید کے لیے زبان کھولنے سے پہلے یہ اطمینان کر لیجیے کہ آپ کے اعتراض کی کوئی بنیاد واقعہ میں موجود ہے۔ بلا تحقیق کسی کے خلاف کچھ کہنا ایک گناہ ہے جس سے فساد رونما ہوتا ہے۔

(5) جس شخص پر تنقید کی جائے' اسے تحمل کے ساتھ بات سننی چاہیے۔ انصاف کے ساتھ غور کرنا چاہیے۔ جو بات حق ہو اسے سیدھی طرح مان لینا چاہیے' اور جو بات غلط ہو اس کی بہ دلائل تردید کر دینی چاہیے۔ تنقید سن کر طیش میں آ جانا کبر اور غرور نفس کی علامت ہے۔

(6) تنقید اور جواب الجواب کا سلسلہ بلا نہایت نہیں چلنا چاہیے کہ وہ ایک مستقل ردوکد بن کر رہ جائے۔ بات صرف اس وقت تک ہونی چاہیے جب تک دونوں طرف کے مختلف پہلو وضاحت کے ساتھ سامنے نہ آ جائیں۔ اس کے بعد اگر معاملہ صاف نہ ہو تو گفتگو ملتوی کر دیجیے' تاکہ ٹھنڈے دل سے اپنی اپنی جگہ غور کر سکیں۔

ان حدود کو ملحوظ رکھ کر جو تنقید کی جائے وہ نہ صرف یہ کہ مفید ہے بلکہ اجتماعی زندگی کو درست رکھنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی تنظیم زیادہ دیر تک صحیح راستے پر گامزن نہیں رہ سکتی۔ اس تنقید سے کسی کو بالاتر نہ ہونا چاہیے۔ میں اس کو جماعت کی صحت برقرار رکھنے کے لیے ناگزیر سمجھتا ہوں' اور مجھے یقین ہے کہ جس روز خدانخواستہ ہمارے یہاں اس کا دروازہ بند ہوا' اسی روز ہمارے بگاڑ کا دروازہ کھل جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ابتداء سے ایک اجتماع خاص اس غرض سے منعقد کرتا ہوں کہ اس میں سارے کام اور نظام کا پورا تنقیدی جائزہ پیش کرتا رہوں' تاکہ جس کو مجھ پر یا میرے کام پر کوئی اعتراض ہو وہ اسے سب کے سامنے بے تکلف پیش کرے اور اس کی تنقید سے یا تو میری اصلاح ہو جائے یا میرے جواب سے اس کی اور اس کی طرح سوچنے والے لوگوں کی غلط فہمی رفع ہو جائے۔

(تحریک اور کارکن' از ابوالاعلیٰ مودودی' ص 149۔147' بحوالہ ہفت روزہ ایشیا' نومبر 2009' ص 6)

تراشہ نمبر 173

ماہِ صیام کے بدلتے ایام......آخر کیوں؟

سوال ماہ رمضان شریف کبھی موسم گرما میں ہوتا ہے کبھی موسم سرما میں' کبھی موسم بہار میں' کبھی برسات میں' فرض کیجئے کہ ایک مرتبہ ماہ رمضان گرمیوں میں ہو تو دوسرے سال بھی گرمیوں میں ہونا چاہیے کیونکہ وہی موسم دوبارہ سال بھر بعد آتا ہے۔ شمسی مہینے کے حساب سے کبھی رمضان موسم گرما میں ہوتا ہے اور کبھی موسم سرما میں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ چونکہ حضور علم ہیأت میں ید طولیٰ رکھتے ہیں پس سوائے حضور کے کسی اور سے اس کا حل ہونا غیر ممکن ہے "بینوا و توجروا"۔

(عرفان علی صاحب رضوی بیسل پوری ملازم کچہری کلکٹر' پیلی بھیت)

جواب موسموں کی تبدیلی خالق عزوجل نے گردش آفتاب پر رکھی ہے' مثلاً تحویل برج حمل سے ختم جوزا تک فصل ربیع ہے' پھر تحویل سرطان سے ختم سنبلہ تک گرمی' پھر تحویل میزان سے ختم قوس تک خریف' پھر تحویل جدی سے ختم حوت تک جاڑا' یہ آفتاب کا ایک دور ہے کہ تقریباً 365 دن اور پونے چھ گھنٹے میں کہ پاؤ دن کے قریب ہوا پورا ہوتا ہے اور عربی

شرعی مہینے قمری‘ میں کہ ہلال سے شروع اور 30 یا 29 دن میں ختم ہوتے ہیں۔ یہ بارہ مہینے یعنی قمری سال 354 یا 355 دن کا ہوتا ہے تو شمسی سال سے دس گیارہ دن چھوٹا ہے‘ سمجھنے کے لیے کسرات چھوڑ کر شمسی سال 365 قمری 355 میں رکھیے کہ دس دن کا فرق ہوا‘ اب فرض کیجئے کہ کسی سال یکم رمضان شریف یکم جنوری کو ہوئی تو آئندہ سال 22 دسمبر کو یکم رمضان ہو گی کہ قمری 12 مہینے 355 دن میں ختم ہو جائیں گے اور شمسی سال پورا ہونے کو ابھی دس دن اور درکار ہیں‘ پھر تیسرے سال یکم رمضان 12 دسمبر کو ہو گی۔ چوتھے سال یکم دسمبر کو ہوئی‘ تین برس میں ایک مہینہ بدل گیا‘ پہلے یکم جنوری کو تھی اب یکم دسمبر کو ہوئی‘ یونہی ہر تین برس میں ایک مہینہ بدلے گا‘ اور رمضان المبارک ہر شمسی مہینہ میں دورہ فرمائے گا۔ بعینہ یہی حالت ہندی مہینوں کی ہوگی‘ اگر وہ لوند نہ لیتے‘ انہوں نے سال رکھا شمسی اور مہینے لیے قمری‘ تو ہر برس میں دس دس دن گھٹ گھٹ کر تین سال بعد ایک مہینہ گھٹ گیا‘ لہٰذا ہر تین سال پر وہ ایک مہینہ مکرر کر لیتے ہیں تاکہ شمسی سال سے مطابقت رہے‘ ورنہ کبھی جیٹھ جاڑوں میں آتا اور پوس گرمیوں میں‘ بلکہ نصاریٰ جنہوں نے سال و ماہ سب شمسی لیے اگرچہ چوتھے سال ایک دن بڑھا کر فروری 29 کا نہ کرتے تو اُن کو بھی یہی صورت پیش آتی کہ کبھی جون کا مہینہ جاڑوں میں ہوتا اور دسمبر گرمیوں میں‘ یوں کہ سال 365 دن کا لیا اور آفتاب کا دورہ ابھی چند گھنٹے بعد پورا ہو گا کہ جس کی مقدار تقریباً چھ گھنٹے‘ تو پہلے سال شمسی سال دورہ یافتہ سے 6 گھنٹے پہلے ختم ہوا‘ دوسرے سال 12 گھنٹے پہلے‘ تیسرے سال 18 گھنٹے پہلے‘ چوتھے سال تقریباً 24 گھنٹے پہلے اور 24 گھنٹے کا ایک دن رات ہوتا ہے‘ لہٰذا ہر چوتھے سال ایک دن بڑھا دیا کہ دورۂ آفتاب سے مطابقت رہے‘ لیکن دورۂ آفتاب پورے چھ گھنٹے زائد نہ تھا بلکہ تقریباً پونے چھے گھنٹے‘ تو چوتھے سال پورے 24 گھنٹے کا فرق نہ پڑا تھا بلکہ تقریباً 23 گھنٹے کا اور بڑھا لیا‘ ایک ایک کہ 24 گھنٹے ہیں‘ تو یوں ہر سال میں شمسی دورۂ آفتاب سے کچھ کم ایک گھنٹہ بڑھے گا‘ سو برس بعد تقریباً ایک دن‘ لہٰذا صدی بعد ایک دن گھٹا کر پھر فروری 28 دن کا کر لیا‘ اسی طرح اور دقیق کسرات کا حساب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رضویہ‘ ج 10‘ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ‘ لاہور نمبر 8)

تراشہ نمبر 174

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی عظیم ذہانت

اعلیٰ حضرت مدظلہ کی نوعمری کا واقعہ ہے جسے تقریباً 45 سال سے زائد ہوئے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ ایک طبیب کے ہاں تشریف لے گئے۔ ان کے استاد ایک نواب صاحب (جو علم عربی بھی رکھتے تھے اور علم جدیدہ کے گرویدہ) ان کو مسئلہ جاذبیت سمجھا رہے تھے کہ ہر چیز دوسری کو جذب کرتی ہے۔ اثقال کہ زمین پر گرتے ہیں نہ پہلے میل طبعی بلکہ کشش زمین سے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ: بھاری چیز اوپر سے دیر میں آنا چاہیے اور ہلکی جلد کہ آسان کھنچے گی حالانکہ عمل بالعکس ہے۔ نواب صاحب: جنسیت موجب قوت جذب ہے۔ ثقیل میں اجزائے ارضیہ زائد ہیں' لہٰذا زمین اسے زیادہ قوت سے کھینچتی ہے۔ اعلیٰ حضرت جب ہر شئے جاذب ہے اور اپنی جنس کو نہایت قوت سے کھینچتی ہے تو جمعہ وعیدین میں امام ایک ہوتا ہے اور مقتدی ہزاروں' چاہیے کہ مقتدی امام کو کھینچ لیں۔ نواب صاحب: اس میں روح مانع اثر جذب ہے' اعلیٰ حضرت: ایک جنازے پر دس ہزار نمازی ہوتے ہیں اور اس میں روح نہیں کہ نہ کھینچنے دے کہ وہ مردہ آکر نمازیوں سے لپٹ جائے' نواب صاحب خاموش رہے۔

(زمین ساکن' امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ' دارالرضا' لاہور)

تراشہ نمبر 175

انوکھی مریضہ

میرے میاں نے شیخوپورہ کے ایک معروف ڈاکٹر کے حوالے سے مجھے ایک واقعہ سنایا' میں چاہتی ہوں کہ نصیحت آموز اور ایمان افروز واقعہ ہے تو ضرور شائع کیا جائے۔

ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ایک بزرگ خاتون اکثر میرے پاس پندرہ بیس دن بعد آتی اور اپنا مکمل طبی معائنہ کرواتی۔ جیسا کہ اس عمر میں عورتوں' مردوں کو مخصوص عوارض لاحق ہو جانا روٹین کی بات ہے۔ کبھی بلڈ پریشر کا کم یا زیادہ ہونا یا شوگر کا ہائی یا لو ہو جانا۔

بعض اوقات کمزوری محسوس ہونا یا بے خوابی کی شکایت' میں ان کو معائنہ کے بعد مطلوبہ دوائی تجویز کر دیتا' وہ معائنہ فیس ادا کر کے چلی جاتی۔ میں ان سے کہتا کہ دوائی خرید کر مجھ سے

چیک کروالیں، کلینک کے باہر میڈیکل سٹور بھی تھا، لیکن اماں نے کبھی بھی دوا خرید کر مجھے نہیں دکھائی۔

ایک دن میڈیکل سٹور والے نے مجھ سے کہا: ڈاکٹر صاحب! یہ عجیب وغریب مریضہ آپ میرے پاس بھیج دیتے ہیں، یہ دوا تو خریدتی کبھی نہیں اور آپ کے تجویز کردہ نسخے کا میمو بنوا کر لے جاتی ہے، عجیب معمہ ہے۔

میں نے کہا: ٹھیک ہے، اب اماں آئے تو اسے میمو بغیر خریداری کے نہ بنا کر دینا۔ دیکھتے ہیں مسئلہ کیا ہے؟

دو یا تین ہفتوں کے بعد بزرگ مریضہ پھر آئی، نسخہ لکھوایا اور میڈیکل سٹور پر گئی تو اس نے دوائیوں کی قیمت کا میمو دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب آپ دوائیاں نہیں خریدتیں تو پھر میمو کس بات کا؟

اب اماں پریشان سی میرے پاس آئی اور کہنے لگی: ڈاکٹر صاحب! سٹور والے سے کہیں مجھے دوائیوں کی پرچی بنا دے، مجھے وہ بات یاد آ گئی، میں نے کہا: اماں جی! آپ دوائیاں خرید کر پرچی بنوالیں۔

وہ کہنے لگیں: بیٹا! میں دوائیں ایک پرانی دکان سے ہی لیتی ہوں تمہارا کیا جاتا ہے؟ مجھے پرچی بنا دو، بس پتہ چل جائے کہ دوائیاں کتنے کی آئیں گی، میں نے کہا: اماں جی! آپ کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ نے جہاں سے دوائیں لینی ہیں وہیں سے پرچی بھی بنوالیں۔

اماں روہانسی ہو کر بولی: تم پرچی بنانے کے پیسے لے لو اور بنا دو، میں نے میڈیکل سٹور والے سے کہا کہ تم اماں سے سمجھوتے کی راہ نکالو اور میرا وقت بچاؤ۔ معاملہ کیا ہے کہ یہ پرچی یہاں سے لیتی ہے اور دوائیاں کہیں اور سے؟ شاید یہ پرچی دکھا کر کسی سے پیسے بٹورتی ہے اور دوائیں استعمال نہیں کرتی، ایسی ہی بدگمانیوں میں میں نے اماں سے معذرت کر لی، وقت بحث میں ضائع ہو رہا تھا اور مریض بھی پریشان ہو رہے تھے۔ میں اس واقعہ کو بھول گیا۔

تھوڑے عرصے کے بعد بزرگ خاتون پھر آ گئی۔ مکمل معائنہ کے بعد میں نے اسے نسخہ تجویز کر دیا، پھر میں نے پوچھا: دوائیاں کہاں سے لیں گی؟

اماں جی کہنے لگی: ڈاکٹر صاحب! سٹور والے کو میں نے بتا دیا ہے کہ میں کس دوکان سے

دوائیں بیچتی ہوں میں فوراً صحت مند ہو جاتی ہوں۔ وہ بچہ سمجھ گیا ہے اس چلی گئی۔ اگلے دن میں نے کلینک کے باہر گاڑی کھڑی کی تو میڈیکل سٹور والا مسکراتا ہوا آکر مجھ سے ملا اور کہنے لگا: ڈاکٹر صاحب ایک زبردست بات آپ کو بتانی ہے۔ میں نے کہا: بھئی خیریت ہے؟ ذرا جلدی بتاؤ۔ وہ کہنے لگا: اس دن آپ نے تو اماں کو میرے ساتھ الجھا دیا لیکن جب بھی چوڑی بحث و تمحیص کے بعد حقیقت کھلی تو میں اپنی بدگمانیوں پر بہت شرمندہ ہوا اور اماں کے تقویٰ اور توکل سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ مجھ سے دوائیوں کا جو مول بھی لیتی ہے اس پر درج دوائیوں کی قیمت کے برابر پیسے گھر جا کر صدقہ کر دیتی ہے اور اس کا ایمان و یقین ہے کہ اس کے بعد اسے بغیر دوا کے شفا ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ!

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا. (الطلاق:4)

اور جو اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ اس کے لیے اس کے معاملات میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔

یہی اس کا طریقہ اور عمل ہے اور وہ ہمیشہ سے ایسا کر رہی ہے کہ جتنی رقم کی دوائیاں آتی ہیں اتنی رقم صدقہ کر دیتی ہے' مجھے یہ سن کر بہت حیرت ہوئی۔ واقعی رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ کہ صدقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (بخاری) حق ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

میری امت کے ستر ہزار افراد ایسے ہوں گے جو بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ وہ توکل کرنے والے ہوں گے' دم جھاڑ' ٹوٹکے اور ہر قسم کی بیماریوں میں صرف اللہ پر توکل کرتے ہوں گے۔ (بخاری' کتاب الطب) (بشکریہ اُم طوبیٰ' ماہنامہ الصفت' مئی 2011' ص 27)

تراشہ نمبر 176

جامعہ نعیمیہ لاہور کے مایہ ناز فاضل، ممتاز عالمِ دین،

علامہ سید محمد اجمل شاہ گیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سانحہ ارتحال (اذکروا موتاکم بالخیر)

چپکے چپکے دے جاتے ہیں گہرے روگ......سنہرے لوگ

(غلام نصیر الدین)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَهٗ وَعَلٰی اٰلِهِ التُّقٰی وَالنُّقٰی وَاَصْحَابِهٖ نُجُوْمِ الْهُدٰی وَمَنِ اهْتَدٰی بِهُدَاهُ اَمَّا بَعْدُ!

فَلَقَدْ اِنْفَرَدَ رَبُّنَا جَلَّ وَعَلَا بِالدَّوَامِ وَالْبَقَاءِ، تَنَزَّهَ عَنِ الْمَوْتِ وَالْعَدَمِ وَالْفَنَاءِ فَهُوَ جَلَّتْ حِكْمَتُهٗ وَتَقَدَّسَتْ اَسْمَاؤُهٗ، بَاقٍ عَلَی الدَّوَامِ، قَادِرٌ، قَاهِرٌ، حَیٌّ لَا یَمُوْتُ لَهُ الْمَرْجِعُ وَاِلَیْهِ الْمَآلُ قَالَ تَعَالٰی (كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ) (القصص:88)

فَالْمَوْتُ عَاقِبَةُ كُلِّ حَیٍّ وَخَاتِمَةُ كُلِّ شَیْءٍ، وَنِهَايَةُ كُلِّ مَوْجُوْدٍ وَنَحْنُ اِذْنَقُوْلُ هٰذَا نُؤْمِنُ بِاَنَّ الْمَوْتَ حَقٌّ وَاَنَّهٗ مَآلٌ مَحْتُوْمٌ لِكُلِّ مَخْلُوْقٍ وَنَرْضٰی بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَقَدْرِهٖ، وَلٰكِنَّ الْمُصِيْبَةَ تَعْظُمُ، وَالْفَاجِعَةَ تَكْبُرُ، عِنْدَمَا تُصَابُ الْاُمَّةُ بِمَوْتِ اَئِمَّتِهَا فِی الْعِلْمِ وَالدَّعْوَةِ، كَیْفَ لَا یَكُوْنُ مَوْتُ الْعُلَمَاءِ مُصِيْبَةٌ؟ وَمَوْتُهُمْ اِیْذَانٌ بِفَقْدِ الْعِلْمِ وَرَفْعِهٖ كَمَا جَاءَ فِی الْحَدِیْثِ الْمُتَّفَقِ عَلٰی صِحَّتِهٖ......

وَاَخُوْنَا الْمُكَرَّمُ الشَّیْخُ مُحَمَّدٌ اَجْمَلُ الْكِیْلَانِیْ هُوَ الَّذِیْ كَانَ اَجْمَلَ صُوْرَةٍ وَسِیْرَةٍ قَدْ اِنْتَقَلَ اِلٰی رَحْمَةِ رَبِّهٖ الْكَرِیْمِ عَلٰی رَاْسِ الْاَرْبَعِیْنَ مِنْ عُمْرِهٖ (بتاریخ 14 یونیو 2011ء بمطابق رجب المرجب 1432ھ) لَقَدْ كَانَ نَبَاُ وَفَاتِهٖ مُفَاجِعاً فَنَزَلَ الْخَبَرُ عَلَیْنَا كَالصَّاعِقَةِ (فَاِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ). فَلِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلِلّٰهِ مَا اَعْطٰی وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی وَاَحْسَنَ اللّٰهُ عَزَانَا وَعَزَاءَ اَهْلِهٖ وَاُسْرَتِهٖ وَوَالِدَیْهِ وَاَبْنَائِهٖ وَبَنَاتِهٖ وَاَقْرَانِهٖ وَطُلَّابِهٖ وَمُحِبِّیْهِ وَخَلَفَ عَلَیْنَا وَعَلَیْهِمْ جَمِیْعاً بِخَیْرٍ. اٰمین

وَهُوَ اَمْضٰی زُهْرَةَ شَبَابِهٖ فِیْ خِدْمَةِ الْعِلْمِ وَالدَّعْوَةِ اِلَی التَّوْحِیْدِ وَبَیَانِ

مَنْهَجِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فِی الْفَهْمِ وَالْاِعْتِقَادِ وَالْاِ تِّبَا عِ.

فَاَقُوْلُ لِلرَّحِیْلِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی مُمْتَثِلًا بِقَوْلِ الشَّاعِرِ

اے کہ تو تھا خوش مزاج و خوش کلام و خوش خصال

ہیں فروغ علم میں خدمات تیری بے مثال

حضور خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم کے فرمان عالیٰ شان ''حَسِّنُوْا مَوْتَاکُمْ '' کے مطابق اسلامی برادرعزیز مولانا علامہ پیر محمد اجمل گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق دو چار باتیں عرض کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:

(1) آپ ایک متواضع عالم دین تھے۔

(2) علم وحلم کا حسین امتزاج' برداشت اور بردباری کی صفت سے متصف۔

(3) اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر دوسروں کے کام آنے والے۔

(4) آپ کا دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ دوسروں کو کھلا کر بہت خوش ہوتے تھے۔

(5) مؤدب' مہذب' متبسم اور متشکر آدمی تھے۔

بڑوں کے ساتھ تو تواضع سے پیش آتے ہی تھے چھوٹوں سے بھی نہایت انکساری اور تواضع سے پیش آتے'......سعدی کے اس شعر کا کلاسیکل ترجمہ

تواضع ز گردن فرازاں نکوست

اور بیدل کے اس شعر کی خوبصورت تفسیر تھے:

بر بزرگاں از طواف خاکساراں ننگ نیست   چرخ با آں سرکشی گرد زمین گرویدہ است

''اگر بزرگ (بڑا آدمی) خورد (چھوٹے) سے تعظیم کے ساتھ پیش آئے تو ان کی بزرگی کو کوئی گرہن یا بٹہ نہیں لگتا' آسمان باوجود رفعت و بلندی زمین کے گرد گردش کررہا ہے' اور محو طواف ہے''۔

حضرت گیلانی ایک صوفی اور پیر تھے' لیکن ان کا تصوف' حافظ شیرازی اور مرزا غالب والا تصوف نہیں تھا جو جمود اور مردگی پیدا کرتا ہے بلکہ علامہ اقبال اور ان کے مرشدین مرزا عبدالقادر بیدل' مولانا روم اور شیخ اکبر (اللہ تعالیٰ سب پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے' آمین) کے تصوف کے قائل اور اسی تصوف کے عامل اور داعی تھے' اور ہمارے استادگرامی حضرت علامہ مفتی محمد عبد

القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کے ارشاد مبارک: قوال نہیں فعال بنو' یعنی محض باتونی نہیں دین برحق کے لیے کام کے جنونی بنو۔

مولانا گیلانی ہمارے استاد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے عملی نمونہ تھے۔ آپ محض قوال نہیں فعال تھے۔

آپ استاذ العلماء والعالمات تھے۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ اپنے قائم کردہ مدارس للبنین والبنات سے پنیری تیار کر کے اہل سنت کے دو عظیم مراکز جامعہ نعیمیہ اور جامعہ نعیمیہ سراجیہ برائے طالبات مغلپورہ' لاہور ارسال فرما دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ان خدمات دینیہ کو آپ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور آپ کے درجات کی بلندی کا وسیلہ اور آپ کے اخلاف کو آپ کا مشن اسی شان وشوکت کے ساتھ جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق بخشے۔ آپ کے صاحبزادوں کو آپ کا صحیح جانشین بنائے۔ آمین

تراشہ نمبر 177

نیا طریق تبلیغ اور انداز مناظرہ

آج کل تبلیغ کے لیے دلیل ومنطق کی قوت سے کام لینے کی بجائے قوت کی منطق ودلیل کو بروئے کار لایا جارہا ہے' اور یہ بھی عجیب منظر ہے کہ مناظرہ کا انداز بھی بدل گیا ہے۔ اب دم درود والے اہل علم حضرات اور بم بارود والے حضرات کے مابین مناظرہ کی نوبت آ جائے خواہ اہل سیاست کا سیاسی نظریات کا اختلاف رائے ہو ہر جگہ نظر وفکر اور استدلال کی بجائے مناظرہ کا جدید طریق کار اختیار کیا جاتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ اسلم شاہد نے اپنی نظم ''مسئلہ'' میں کہا ہے۔

نظم ملاحظہ ہو:

کردار کے غازی

* ہمارا اب چلن یہ ہے......
* اگر کوئی ہمیں اچھا نہیں لگتا......
* کسی کی سوچ ہماری سوچ سے ٹکرانے لگتی ہے......
* اگر کوئی کہے......

* میرا عقیدہ تم سے ہٹ کر ہے......
* تو ہم کردار کے غازی......
* فقط باتیں نہیں کرتے......
* دلیل و گفتگو کے چکروں میں نہیں پڑتے......
* سو ہم بندوق کو اپنی......
* لب اظہار دیتے ہیں......
* (ہم اس کو مار دیتے ہیں!!!)۔

تراشہ نمبر 178

دین اسلام کیسے پھیلا؟

(سوال) اسلام تلوار سے پھیلا یا اخلاق سے؟

(جواب) دونوں کیونکہ حسب حال دونوں ہی مفید ہیں اس لیے کہ

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا　　یہ سپہ کی تیغ بازی وہ نگاہ کی تیغ بازی

(اقبال)

البتہ بہ قول: اکبر الٰہ آبادی ؎

میری طرف سے کوئی یہ کہہ دے، مجاہد بے خبر سے پہلے

صفائے قلب و نظر ہے لازم، جہاد تیغ و تبر سے پہلے

تہجد، اجتہاد، جہاد

تراشہ نمبر 179

قائد کیسا ہونا چاہیے؟

رہبر و قائد اور حکمران وہ ہوتا ہے جس میں قوت فیصلہ ہو رہنما ہوتا ہی وہ ہے جو زیادہ ادراک رکھتا ہو اور خوف میں مبتلا نہ ہو اور کڑے وقت میں ڈٹ کر کھڑا رہے کیونکہ وہ صرف اپنا ہی نہیں دوسروں کا ذمہ دار بھی ہوتا ہے۔

تراشہ نمبر 180

منصب اس کے اہل کو دینا چاہیے

تمیز باید و تدبیر و عقل و آنگہ مُلک
کہ مُلک و دولتِ ناداں سلاحِ جنگ خدا است

''تمیز، تدبیر اور عقل چاہیے اور پھر ملک اس لیے کہ نادان کے پاس دولت اور حکومت کا ہونا خدا سے جنگ کرنے کے ہتھیار ہیں (یعنی تباہی ہے)''۔

تراشہ نمبر 181

حکمت بھری باتیں

عیسائی پادری کے تین سوال:

رئیس المناظرین مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ایک بار امرتسر میں جیمز نامی پادری کی تقریر سنی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا......

اس پر مولانا نے کہا: آپ یہ بتایئے کہ اللہ کی شادی کب' کہاں؟ کس کے ساتھ ہوئی' نکاح کس نے پڑھایا' گواہ کون تھے؟ یہ سوالات سن کر پادری بھونچکا رہ گیا۔ اس پر مولانا نے فرمایا: آپ کیوں اللہ کے بھیجے ہوئے سچے رسول حضرت مسیح کا مذاق اڑاتے ہیں۔

حق بات تو یہ ہے کہ نہ آپ کا خدا وحدہ لاشریک پر ایمان ہے نہ اس کی صفات پر۔

عیسائی پادری نے تین سوالات کے جواب چاہے اور کہا کہ اگر آپ کے جوابات سے میں مطمئن ہو گیا تو مسلمان ہو جاؤں گا۔

(سوال) طوبیٰ جنت کا درخت ہے' اس کی شاخیں تمام جنتیوں کے مکانوں میں پہنچیں گی' یہ کیوں کر ممکن ہے؟

(جواب) سورج ایک جگہ قائم ہے اس کی شعاعیں اور اس کی روشنی ہر جگہ پہنچ جاتی ہے یہی حال طوبیٰ کا ہوگا۔

(سوال) جنتی ہر نعمت کھائے پیئے گا اور اس کو پیشاب پاخانہ کی حاجت نہیں ہوگی؟

(جواب) بچہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اسے غذا ملتی ہے مگر اسے پاخانہ کی حاجت نہیں ہوتی۔

(سوال) منبع ایک اور اس سے چار قسم کی مختلف نہریں نکلیں: دودھ' شہد' شراب' پانی یہ کیوں کر ممکن ہے؟

(جواب) کان کا پانی کڑوا' آنکھ کا پانی آنسو پھیکے' ناک کا پانی بدبودار اور منہ کا پانی میٹھا حالانکہ چاروں کا منبع دماغ ہے۔

یہ عالمانہ اور شافی جوابات سن کر پادری مسلمان ہو گیا۔

(از امتیاز احمد راجا' ریٹائرڈ ایس ایس پی) (ماہنامہ چشم بیدار' فروری 2011ء ص 91)

تراشہ نمبر 182

یہی اسم ہے' بجز اس کے کوئی بھی حافظے میں نہیں

حال ہی میں بھارت میں شائع ہونے والی کتاب "کالکی اوتار" نے دنیا بھر میں ہلچل مچا دی ہے۔ اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں جس کالکی اوتار کا تذکرہ ہے وہ آخری رسول محمد ﷺ بن عبداللہ ہے۔

اس کتاب کا مصنف اگر کوئی مسلمان ہوتا تو وہ اب تک جیل میں ہوتا اور اس کتاب پر پابندی لگ چکی ہوتی مگر اس کے مصنف پنڈت وید پرکاش برہمن ہندو ہیں' اور الہ آباد یونیورسٹی سے وابستہ ہیں۔ وہ سنسکرت کے معروف محقق اور سکالر ہیں۔ انہوں نے اپنی اس تحقیق کو ملک کے آٹھ مشہور و معروف محققین پنڈتوں کے سامنے پیش کیا ہے جو اپنے شعبے میں مستند گردانے جاتے ہیں۔ ان پنڈتوں نے کتاب کے بغور مطالعے اور تحقیق کے بعد یہ تسلیم کیا ہے کہ کتاب میں پیش کیے گئے حوالہ جات مستند اور درست ہیں۔ انہوں نے اپنی تحقیق کا نام "کالکی اوتار" یعنی تمام کائنات کے رہنما رکھا ہے۔

ہندوؤں کی اہم مذہبی کتب میں ایک عظیم رہنما کا ذکر ہے جسے "کالکی اوتار" کا نام دیا گیا ہے۔ اس سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں جو مکہ میں پیدا ہوئے۔ چنانچہ تمام ہندو جہاں کہیں بھی ہوں' ان کو کسی کالکی اوتار کا مزید انتظار نہیں کرنا ہے بلکہ محض اسلام قبول کرنا ہے اور آخری رسول ﷺ کے نقش قدم پر چلنا ہے جو بہت پہلے اپنے مشن کی تکمیل کے بعد اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ اپنے اس دعوے کی دلیل میں پنڈت وید پرکاش نے ہندوؤں کی

مقدس مذہبی کتاب ''وید'' سے مندرجہ ذیل حوالے دلیل کے ساتھ پیش کیے ہیں:

(1) ''وید'' میں لکھا ہے کہ'' کالکی اوتار'' بھگوان کا آخری اوتار ہوگا جو پوری دنیا کو راستہ دکھائے گا۔ ان کلمات کا حوالہ دینے کے بعد پنڈت وید پرکاش یہ کہتے ہیں کہ یہ صرف محمد ﷺ کے معاملے میں درست ہوسکتا ہے۔

(2) ہندوستان کی پیشگوئی کے مطابق کالکی اوتار ایک جزیرے میں پیدا ہوں گے اور یہ عرب علاقہ ہے جسے جزیرۃ العرب کہا جاتا ہے۔

(3) مقدس کتاب میں لکھا ہے کہ کالکی اوتار کے والد کا نام وشنو بھگت اور والدہ کا نام سومانب ہوگا۔ سنسکرت زبان میں'' وشنو'' اللہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور'' بھگت'' کے معنی غلام اور بندے کے ہیں۔ چنانچہ عربی زبان میں وشنو بھگت کا مطلب اللہ کا بندہ یعنی'' عبداللہ'' ہے۔ سنسکرت میں سومانب کا مطلب امن ہے جو کہ عربی زبان میں آمنہ ہوگا اور آخری رسول ﷺ کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہے۔

(4) وید کتاب میں لکھا ہے کہ'' کالکی اوتار'' زیتون اور کھجور استعمال کرے گا۔ یہ دونوں پھل حضور اکرم ﷺ کو مرغوب تھے' وہ اپنے قول میں سچا اور دیانتدار ہوگا' مکہ میں محمد ﷺ کے لیے صادق اور امین کے لقب استعمال کیے جاتے تھے۔

(5) وید کے مطابق کالکی اوتار اپنی سرزمین کے معزز خاندان میں سے ہوگا اور یہ بھی محمد ﷺ کے بارے میں سچ ثابت ہوتا ہے کہ آپ قریش کے معزز قبیلے سے تھے جس کی مکہ میں بے حد عزت تھی۔

(6) ہماری کتاب کہتی ہے کہ بھگوان'' کالکی اوتار'' کو اپنے خصوصی نمائندے کے ذریعے ایک غار میں پڑھائے گا۔ اس معاملے میں یہ بھی درست ہے کہ محمد ﷺ مکہ کی وہ واحد شخصیت تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے غار حرا میں اپنے خاص فرشتے حضرت جبرائیل کے ذریعے تعلیم دی۔

(7) ہمارے بنیادی عقیدے کے مطابق بھگوان'' کالکی اوتار'' کو ایک تیز ترین گھوڑا عطا فرمائے گا جس پر سوار ہوکر وہ زمین اور سات آسمانوں کی سیر کرائے گا' محمد ﷺ کا براق پر معراج کا سفر کیا یہ ثابت نہیں کرتا ہے؟

(8) ہمیں یقین ہے کہ بھگوان کالکی اوتار کی بہت مدد کرے گا اور اسے بہت قوت عطا فرمائے گا۔ہم جانتے ہیں کہ جنگِ بدر میں اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی فرشتوں سے مدد فرمائی۔

(9) ہماری ساری مذہبی کتابوں کے مطابق ''کالکی اوتار'' اور گھڑسواری' تیراندازی اور تلوار زنی میں ماہر ہوگا۔

پنڈت وید پرکاش نے اس پر تبصرہ کیا ہے کہ وہ اہم اور قابلِ غور ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ گھوڑوں' تلواروں اور نیزوں کا زمانہ بہت پہلے گزر چکا ہے۔ اب ٹینک' توپ اور میزائل جیسے ہتھیار استعمال میں ہیں' لہٰذا یہ عقلمندی نہیں ہے کہ ہم تلواروں' تیروں اور برچھیوں سے مسلح ''کالکی اوتار'' کا انتظار کرتے رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری مقدس کتابوں میں ''کالکی اوتار'' کے واضح اشارے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ہیں' جو ان تمام حربی فنون میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ ٹینک' توپ اور میزائل کے اس دور میں گھڑسوار تیغ زن اور تیرانداز کالکی اوتار کا انتظار نری حماقت ہے۔ (بشکریہ ماہ ربیع الاوّل کے حوالے سے کلر سیداں سے اسد عرفان منہاس کا منفرد دلچسپ انتخاب' جاسوسی ڈائجسٹ' مارچ 2010' صفحہ 157)

تراشہ نمبر 183

آزادی اظہار......عجیب منطق' عجیب اظہار

(ڈاکٹر صلاح الدین اے خان)

اہل مغرب کی منطق عجیب ہے اور نا قابلِ فہم بھی' آزادی اظہار رائے اور کبھی کبھی آزادی عمل (Freedom of Action) کو بھی اس کے ساتھ نتھی کر دیا جاتا ہے۔ اس مؤخرالذکر بات پر ایک واقعہ یاد آرہا ہے' وہ ہے امریکہ کے سابق صدر بش پر ایک محفل میں کسی امریکی شہری کا جوتے پھینکنے کا واقعہ۔ یہی تو ہے فریڈم آف ایکشن اینڈ ایکسپریشن۔ اس میں دونوں ہی باتیں شامل ہوگئی ہیں۔ اگر صدر کے ساتھ ایسے عمل کے واقعہ یا گالی گلوچ کو آزادی اظہار کہتے ہیں اور مغربی معاشرہ کو اس پر افسوس نہیں ہے تو کیا کہا جائے۔ مگر افسوس تو ضرور ہوا ہوگا اور یقیناً معاشرے نے سراہا ہوگا اور کوئی نہ کوئی سرزنش بھی ہوئی ہوگی لیکن اگر ایسا نہیں ہوا تو آئندہ کے لیے بھی جوتے سے مہمان نوازی کی اجازت دے دی گئی ہوگی۔ اگر یہ دوسری بات

درست ہے تو اسے بے حسی ہی تو کہا جائے گا۔ اس بے حسی کا یہ عالم ہے کہ انسان کی قدر و قیمت کی حس بھی ختم کر دی گئی ہے۔ اس موقع پر مجھے اپنی کتاب میں لکھا حوالہ یاد آ گیا۔ راکٹ بنانے والے سائنس دان نے انٹرویو کرنے والے کو جواب دیا Once the rocket is up who cares where it قابل غور بات یہ ہے کہ ہم تو مشرقی ہیں مشرق میں چین بھی ہے' جس کی ترقی سے آج امریکہ بھی جلتا ہے۔ مگر ہم قول و فعل میں مغرب ہی کو اپنا استاد سمجھنے پر تلے ہوئے ہیں۔ مغرب کے آزادی اظہار کے نعرہ نے ہمیں دیوانہ بنا دیا ہے۔ کیا ہم بھول گئے ہیں کہ جب ہم ہم تھے تو ہم نے (یعنی مسلمانوں نے) سات سو سال اسپین پر (بغیر مغربی طرز جمہوریت کے) ایسی قابل رشک اور شاندار حکومت کی جو تاریخ کا ان مٹ حصہ بن گئی ہے۔ یہاں تک کہ یہودیوں نے بھی کہا کہ عیسائیوں کی حکومت کے دور میں ایسا سکھ ایسی شانتی نصیب نہیں ہوئی۔

آزادی اظہار! واہ تیری کیا بات ہے' ایک طرف تو تیرا خوب چرچا دوسری طرف ''Packard'' نے اپنی کتاب The Nacked Society (1966) میں انسان کے ذہن کو کنٹرول کرنے کی امریکی تکنیکیوں پر پورے دس صفحات لکھے۔ سمجھ نہیں آتی پھر آزادی اظہار کیسا؟ دہرا معیار ہی تو ہے۔ یہ مغربی آقا اندر سے کتنے ننگے ہیں۔ اس کے لیے 292 صفحات کی The nacked Society پڑھیے گا۔

ادھر ہم ہیں کہ آنکھیں اور ذہن بند کر کے اس کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ کیا مسلمانوں کی پوری تاریخ میں سرور دو عالم رسول اکرم ﷺ سے لے کر آج تک کسی ایک مسلمان نے نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عشر عشیر توہین کی ہے' توہین تو بڑی بات ہے بے ادبی بھی نہیں کی بلکہ اس کے برخلاف جب آپ کا نام لیا تو ادب سے علیہ السلام کا اضافہ کر کے لیا۔ اس میں وہ کسی سے خائف نہیں ہوا' کسی کی پروا نہیں کی۔ کیا یہ مختلف کلچرز' مذاہب اور عام لوگوں کے درمیان آزادی اظہار اور امن رکھنے کا اچھا طریقہ نہیں ہے؟ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ کے بارے میں کوئی شخص خواہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو گستاخی کرے تو مسلمان اسے برداشت نہیں کر پاتا تو پھر کیا ایک مسلمان اپنے نبی اور اپنی جان' ماں باپ' بہن بھائی سے ہزار درجہ محبوب نبی کی بے ادبی اور توہین برداشت کریگا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ قوانین کے حدود سے بھی

بڑھ کر اپنے سب سے محبوب رسول اکرم ﷺ سے محبت اور آپ کے لیے غیرت اور حمیت کا معاملہ ہے۔ یہ تو ایسا پیارا رشتہ ہے کہ انسانی عقل سے باہر ہے‘ اس میں وہ نہ کسی قانون کی پروا کرتا ہے نہ مغرب کی روشن خیالی‘ حسن اور نغمہ آزادی اظہار کی۔ یہ تو سراسر محبت اور غیرت کا جوش ہے‘ جب اسے چیلنج کیا جائے گا تو لگامیں توڑ دے گا۔

ایک سوال کا جواب دیجئے۔ کیا کوئی شخص آزادی کی ڈھال اوڑھ کر آپ کی اپنی ماں یا باپ کو گالیاں دے‘ بے عزتی کرے یا توہین کرے تو آپ برداشت کریں گے اور اس مردود کو کسی قانون کی پروا کیے بغیر سبق نہیں سکھائیں گے؟ تو پھر جواب دیجئے کہ وہ ہستی وہ رسول جو ماں باپ سے کہیں زیادہ محبوب قابل قدر و عزت ہیں اس وجود کی بے ادبی‘ گستاخی یا توہین ایک مسلمان کیسے برداشت کرسکتا ہے؟ تو کیا پھر توہین آمیز خاکے؟......نعوذ باللہ

میں تو دیکھتا ہوں کہ اشتراکی اور کمیونسٹ معاشرے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے یہاں خدا کا تصور ہی نہیں وہاں بھی کسی نبی کی توہین نہیں کی جاتی تو پھر ہم دہرے معیار کے اسیر کیوں؟ 2007ء میں شاتم رسول سلمان رشدی کو ملکہ برطانیہ نے ’’سر‘‘ کا خطاب دیا۔ اس پر محترم اشتیاق بیگ نے اپنے کالم ’’اسلام دشمن کو سر کا خطاب‘‘ میں جو لکھا وہ مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی ہے لیکن اس کے بعد ایک خاتون نے اپنے کالم میں فرانسیسی ادیب والیٹر کے قول کہ ’’آپ کو اپنی رائے کی مکمل آزادی ہونی چاہیے‘‘ کی بھرپور تائید کی‘ اس پر اس ناچیز نے 28 جولائی 2007ء میں اپنے کالم میں لکھا: Lee Kuwan جو 1959-91ء تک سنگاپور کے سب سے سینئر منتخب وزیر اعظم رہے۔ ان کے ایک انٹرویو جو The News نے چھاپا تھا اس کا حوالہ دیا۔ اس میں سنگاپور کے وزیر اعظم نے کہا کہ امریکہ کی بڑی پرابلم یہ ہے کہ بے لگام آزادی اس کے بنیادی اداروں کی جڑیں کھوکھلی کررہی ہے‘ نیز سنگاپور کے کسی طبقے خواہ ان کی تعداد کتنی کم ہو ان کے مذہبی جذبات کا خیال رکھنا سنگاپور کی حکومت کا فرض ہے۔ چنانچہ ہم نے سلمان رشدی کی کتاب ’’شیطانی خرافات‘‘ پر پابندی لگا رکھی ہے۔

(بشکریہ: روزنامہ جنگ لاہور‘ 23 جنوری 2011ء)

تراشہ نمبر 184

گستاخ رسول کی اسلامی سزا

حکیم محمد موسیٰ امرت سری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

امرتسر میں رونما ہونے والا تقریباً نوے (90) سال پہلے[1] کا ایک واقعہ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں' جو بے حد ایمان افروز اور عبرت انگیز ہے۔ یہ واقعہ حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب قبلہ علی پوری قدس سرہ نے امام الائمہ سیدنا حضرت ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ کے عرس سراپا قدس منعقدہ مسجد جان محمد امرتسر کے اجتماع عظیم میں بیان فرمایا تھا۔ امرتسر کے گرجا گھر کے سامنے کھڑا ہو کر ایک پادری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل اور عیسائی مذہب کی خوبیاں بیان کر رہا تھا اور وہ (پادری) دوران تقریر حضور پرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی ادب و احترام سے نہیں لیتا تھا۔ سامعین میں ایک بھنگڑ اس حالت میں کھڑا تھا کہ بھنگ گھوٹنے والا ڈنڈا اس کے کاندھے پر تھا۔ اس خوش بخت نے کہا: پادری! ہم حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو برحق نبی مانتے ہیں اور ان کا نام ادب سے لیتے ہیں تو بھی ہماری سچی سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ادب سے لے۔

مگر پادری پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا' تو اس عالی ہمت نے پھر ٹوکا۔ جب پادری نے تیسری بار بھی اسی طرح نام لیا تو اس پاک نہاد نے اپنا ڈنڈا جس سے بھنگ گھوٹتا تھا' اس زور سے پادری کے سر پر دے مارا کہ پادری کا سر پھٹ کر بھیجا باہر آ گیا اور وہ مردود بیان دیئے بغیر واصل جہنم ہو گیا۔ یہ عاشق صادق پکڑا گیا' موت کی سزا ہوئی' اپیل ہوئی۔ انگریز جج نے یہ لکھ کر بری کر دیا کہ پادری کا قاتل تکیہ نشین بھنگڑ ہے کوئی مولوی نہیں۔ مولوی اور پادری کی کوئی باہمی رنجش ہو سکتی ہے۔ بھنگڑ سے پادری کی دیرینہ یا تازہ رنجش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ پادری نے ضرور اس کے جذبات کو مجروح کیا ہے' لہٰذا میں اسے بری کرتا ہوں۔ (**بتغییر یسیر بقدر حافظہ**) اللہ تعالیٰ اس مسکین تکیہ نشین کے مرقد منور پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور اس جیسا ایمان ہر مکین مسجد اور ہر مسلمان کو نصیب فرمائے! آمین ثم آمین! بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم!

---

1. حکیم صاحب نے یہ واقعہ دسمبر 1988ء میں لکھا تھا جو مجلس رضا نے شائع کیا تھا۔

اس واقعہ کے نقل کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ پادری حضور پر نور، سید الانبیاء ﷺ کی شان اقدس میں کوئی گستاخی کا کلمہ نہیں کہہ رہا تھا۔ صرف حضور پاک ﷺ کا اسم پاک اسلامی آداب سے نہیں لیتا تھا۔ یعنی مولوی اسماعیل دہلوی کی طرح جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں (نقل کفر کفر نباشد)۔ (تقویۃ الایمان، ص4، بحوالہ اطیب البیان، ص324)

یعنی پادری صرف محمد صاحب کہہ رہا تھا اور اس تکیہ والے عاشق صادق کو یہ بات بھی نا گوار گزری اور اس نے اپنے مذہب عشق کا جھنڈا بلند کر دکھایا۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

عاشقان سیدِ ابرار ﷺ کسی عالم و مفتی سے پوچھے بغیر ہی ادب نہ کرنے والوں کو جہنم رسید کر دیتے ہیں تو کوئی گستاخ ان کے خنجر براں سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ ان کا مفتی اُن کا وجدان ہوتا ہے۔ ان کا پیر و مرشد، اُن کا جذبہ عشق ہوتا ہے، لہٰذا ایسے ان پڑھ غازیوں کا یہ کام ہمیشہ لائق تقلید ہوتا ہے۔ کفار کی حکومت میں تو اسی طرح ہونا چاہیے اور ہوتا رہا، مسلمانوں کی حکومت میں یہ عدالت کی ذمہ داری ہے کہ وہ سچی شہادتوں کے بعد گستاخ رسول کے قتل کا حکم صادر کرے تاکہ مزید الجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا نہ ہو سکیں۔

(خاک راہ دردمنداں، محمد موسیٰ عفی عنہ 6 صفر 1409ھ)

تراشہ نمبر 185

اس موقع پر یہ امر بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ گستاخی رسول ﷺ کی سزا اسلامی معاشروں میں روز اول سے قتل ہی ہے۔ تاریخ اسلامی کے عظیم ہیرو صلاح الدین ایوبی نے زندگی بھر کبھی کسی جنگی قیدی کو ذرا برابر بھی سزا نہیں دی تھی۔ وہ ایسا رحیم و شفیق تھا کہ دشمنوں کے لیے بھی اس کے دل میں نرمی و گداز تھا۔ اس نے یورپ کے ایک شہزادے راجر کو اپنی تلوار سے قتل کیا تھا کیونکہ اس نے نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک اکھاڑنے اور مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی ہرزہ سرائی کی تھی۔ غازی صلاح الدین ایوبی نے فرمایا تھا کہ اگر میں نے اسے اپنی تلوار سے موت کے گھاٹ نہ اتارا تو اپنے آقا کو روزِ محشر کیا منہ دکھاؤں گا؟

(حافظ محمد ادریس، ہفت روزہ ''ایشیاء''، لاہور، 19 جنوری 2011ء)

تراشہ نمبر 186

جرم توہین رسالت...... چند پہلو!

محمد عربی کہ آبروئے ہر دوسرا است　　کسے کہ خاک درش نیست خاک برسر او

ایک مشہور بیوروکریٹ اور ادیب قدرت اللہ شہاب نے اس سلسلہ میں مسلمانوں کے جذبات کا تجزیہ کرتے ہوئے کافی حد تک صحیح لکھا ہے کہ رسول خدا کے متعلق اگر کوئی بدزبانی کرے تو لوگ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ تو مرنے کی بازی لگا بیٹھتے ہیں' اس میں اچھے' نیم اچھے' بُرے مسلمان کی بالکل کوئی تخصیص نہیں' بلکہ تجزیہ تو یہی شاہد ہے کہ جن لوگوں نے ناموس رسالت پر اپنی جان عزیز کو قربان کر دیا' ظاہری طور پر نہ تو وہ علم و فضل میں نمایاں تھے اور نہ زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ ایک عام مسلمان کا شعور اور لاشعور جس شدت اور دیوانگی کے ساتھ شانِ رسالت کے حق میں مضطرب ہوتا ہے' اس کی بنیاد عقیدہ سے زیادہ عقیدت پر مبنی ہے' خواص میں یہ عقیدت ایک جذبہ اور عوام میں ایک جنون کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔

ایک مسلمان کا حضور اکرم ﷺ کے ساتھ عقیدت و محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ ناموس رسالت پر کٹ مرنے کو اپنے لیے مایہ فخر سمجھتا ہے اور مولانا محمد علی جوہر کی ایمانی غیرت وحمیت کے یہ الفاظ تقریباً ہر مسلمان کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں:

جہاں تک خود میرا تعلق ہے' مجھے نہ قانون کی ضرورت ہے نہ عدالتوں کی حاجت' اگر کوئی ہندوستانی اس قدر شقی القلب ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے ان میں سب سے اشرف نبی سرور کونین اور باعث تکوین دو عالم ﷺ کا جو تقدس میرے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اس کا اتنا پاس بھی نہیں کرتا کہ اس برگزیدہ ہستی کی توہین کر کے میرے قلب کو چور چور کرنے سے احتراز کرے......تو مجھ سے جہاں تک صبر ہو سکے گا' صبر کروں گا' جب صبر کا جام لبریز ہو جائے گا تو اٹھوں گا اور یا تو اس گندہ دل' گندہ دماغ' گندہ ذہن کافر کی جان لے لوں گا یا اپنی جان اس کی کوشش میں کھو دوں گا۔ (مولانا محمد علی جوہر' آپ بیتی اور فکری مقالات' ص232)

(ماہنامہ الفاروق' کراچی' صفر المظفر 1432ھ)

تراشہ نمبر 187

پاکستان میں توہین رسالت کا قانون اور پس منظر

پاکستان، اسلام کے نام پر بننے والا ملک ہے، جس کی پہچان اور دنیا کے نقشے پر جس کے وجود میں آنے کا جواز اسلام اور اس کی تعلیمات کا عملی نفاذ تھا۔ برصغیر میں ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے بڑی ایمان افروز تحریکیں چلی ہیں اور خواجہ بطحاصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تقدس پر جانیں قربان کرنے کی لہورنگ تاریخ مرتب ہوئی ہے۔ عام مسلمانوں نے جب بھی دیکھا کہ توہین رسالت کے مجرم کو قانون گنجائش فراہم کر رہا ہے اور انصاف پر قانون کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے تب مسلمانوں نے انصاف خود اپنے ہاتھوں میں لیا ہے۔ انہوں نے پھر کسی قانون، کسی کالے ضابطے کی پروا نہیں کی۔ انیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں راجپال نامی بد بخت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی پر مشتمل ایک کتاب ''رنگیلا رسول'' کے نام سے لکھی تھی۔ انگریز کا قانون نافذ تھا۔ مسلمان بجا طور پر مشتعل تھے۔ دفعہ 144 نافذ کردی گئی تھی اور کسی قسم کے جلسے اور اجتماع کی اجازت نہیں تھی، اس موقع پر خطیب الہند، حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) نے جو تقریر کی اس سے مسلمانوں کے جذبات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

انہوں نے فرمایا:

جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے، ناموس رسالت پر حملہ کرنے والے چین سے نہیں رہ سکتے، پولیس جھوٹی، حکومت کوڑھی اور ڈپٹی کمشنر نااہل ہے۔ وہ ہندو اخبارات کی ہرزہ سرائی تو روک نہیں سکتا لیکن علمائے کرام کی تقریریں روکنا چاہتا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ دفعہ 144 کے یہیں پرخچے اڑا دیئے جائیں۔ میں دفعہ 144 کو اپنے جوتے کی نوک تلے مسل کر بتا دوں گا:

پڑا فلک کو دل جلوں سے کام نہیں — جلا کے راکھ نہ کردوں تو داغ نام نہیں

راجپال کو غازی علم دین نے حملہ کر کے ٹھکانے لگایا اور یوں جس انصاف کو فراہم کرنے میں عدالت پس وپیش سے کام لیتی رہی، ایک عام مسلمان نے بڑھ کر قانون اپنے ہاتھ میں لیا اور مجرم کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ (ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی، صفر المظفر 1432، ص 20)

تراشہ نمبر 188

علم کا پھل

اصمعی کہتا ہے کہ میرا طالب علمی کا زمانہ بڑی مصیبتوں کا زمانہ تھا۔ کوئی پیسہ پاس تھا نہ آمدنی کا ذریعہ، اس لیے فقر و فاقے کے ساتھ زندگی بسر ہوتی تھی اور روکھی سوکھی کھا کر گزارا ہوتا تھا، کبھی روکھی سوکھی بھی نصیب نہ ہوتی تھی۔ ہر حال میں میرا معمول یہ تھا کہ اِدھر صبح ہوئی اُدھر میں پڑھنے کے لیے گھر سے باہر نکلا۔ میرے راستے میں ایک بنیے کی دکان پڑتی تھی، یہ بنیا روزانہ مجھ سے پوچھتا: کہاں جا رہے ہو؟ میں جواب دیتا: فلاں محدث کے پاس پڑھنے جا رہا ہوں۔ جب میں پڑھ کر واپس آتا تو بھی یہی سوال کرتا اور جواب پا کر مجھے چھیڑتا، میرے پڑھنے لکھنے کا مذاق اُڑاتا اور کہتا: کیوں عمر ضائع کر رہے ہو؟ پڑھنے لکھنے میں کیا رکھا ہے؟ کوئی صنعت یا حرفت سیکھو، پڑھنا لکھنا پیسے والوں کا کام ہے، اور تمہارے پاس پھوٹی کوڑی تک تو ہے نہیں، فاقے کر کے پڑھا تو کیا پڑھا۔ لاؤ یہ کتابیں اور کاغذ میرے حوالے کرو۔ ان کو ایک گھڑے میں ڈال کر روزانہ پانی دیا کروں گا۔ ایک ہفتے کے بعد نبیذ کا موسم شروع ہو جائے گا، آ کر دیکھنا کاغذ اور پانی ویسا کا ویسا ملے گا۔

میں اُس کی یہ فضول باتیں سن سن کر بہت کڑھتا مگر پڑھنا نہ چھوڑا۔ آخر میری مفلسی اس حد تک پہنچ گئی کہ بدن پر کوئی چیتھڑا سلامت نہ رہا، اور گھر سے باہر نکلتے ہوئے شرم آنے لگی۔

ایک دن میں اسی فکر میں غمگین اور اُداس گھر کے دروازے پر کھڑا تھا کہ اتنے میں ایک خادم آیا اور بولا: بصرے کے امیر محمد بن سلیمان تمہیں بلاتے ہیں۔

میں نے اس خادم سے کہا: امیر بصرہ مجھے کیا جانیں؟ میں فقیر آدمی وہ امیر، میری اُن کی جان پہچان نہیں کسی اور کو بلایا ہوگا۔

خادم نے جواب دیا: آپ ہی کو بلایا ہے، میں نے کہا: ان پھٹے پرانے چیتھڑوں میں اُن کے پاس کیسے جاؤں؟ یہ سن کر خادم لوٹ گیا اور میری غریبانہ حالت سے امیر کو مطلع کیا۔ تھوڑی دیر میں وہی خادم واپس آیا اور میرے لیے قیمتی پوشاک، بہت سے عطر اور خوشبوئیں ساتھ لایا، ایک ہزار دینار کی تھیلی اس کے سر پر تھی۔ وہ بھی اُس نے میرے حوالے کی اور بولا: جلدی سے کپڑے بدل لیے اور چلیے، آپ سے بہت ضروری کام ہے، چنانچہ میں کپڑے پہن، عطر مل کر اور

چولا بدل کر امیر محمد کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

امیر نے بہت عزت کی۔ بڑی تواضع سے پیش آیا اور مجھے بلانیکی وجہ اس طرح بیان کہ امیر المومنین ہارون کے صاحب زادے محمد امین کے لیے ایک اتالیق کی ضرورت ہے۔ اس خدمت کے لیے میں نے تمھیں نامزد کیا ہے' بغداد جانے کے لیے تیار ہو جاؤ' میں نے ضروری کتابیں ساتھ لیں اور امیر محمد کے معتمدوں اور مصاحبوں کے ساتھ بغداد روانہ ہو گیا' وہاں پہنچ کر امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوا اور دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔

امیر المؤمنین نے فرمایا کہ میوۂ دل اور ثمرۂ جان' محمد امین کی اتالیقی کے لیے تمہیں منتخب کیا گیا ہے۔ یہ انتخاب استخارے اور استشارے کے بعد عمل میں آیا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اس کی تعلیم وتربیت کے لیے دل وجان سے محنت کرو۔ کوئی ایسی بات اُسے نہ سکھاؤ جس سے اُس کے مذہبی خیالات میں خرابی پیدا ہو کیونکہ شاید کبھی وہ مومنین کا امام بن جائے۔

میں سلام کر کے رخصت ہوا۔ دوسرے روز مجھے مکتب دکھایا گیا اور محمد امین کو میرے پاس لایا گیا' پھر نچھاور (نثار) کی رسم ادا کی گئی۔ اس رسم کی بدولت بہت سی دولت میرے ہاتھ آئی۔ دس ہزار دینار نقد علیحدہ ملے اور اتنی ہی تنخواہ کا بڑا حصہ اور دوسری رقمیں جو مجھے وقتاً فوقتاً ملتی رہتیں' میں بصرے بھجوا دیا کرتا تا کہ میرے لیے عالی شان عمارتیں تیار کی جائیں اور ان کو ہر طرح کے نفیس اور قیمتی ساز وسامان سے سجایا جائے۔

چند سال میں محمد امین نے ہر طرح کی علمی استعداد حاصل کر لی۔ میں نے امیر المؤمنین کی خدمت میں عرض کی کہ اُس کا امتحان لیا جائے۔ اس امتحان کے بعد میرے حق میں امیر المؤمنین کا اعتقاد بہت بڑھ گیا' پھر فرمایا: ہماری خواہش ہے کہ اس جمعہ کو محمد امین خطبہ پڑھے۔

میں نے عرض کیا: میں نے اس سلسلے میں بھی توجہ کی ہے اور بہت زبردست خطبہ یاد کرایا ہے' الغرض امیر المؤمنین جمعہ کے روز دار الخلافت سے مسجد میں تشریف لائے' محمد امین نے امامت کی' خطبہ پڑھا اور نماز پڑھائی۔ بغداد کے رئیسوں' خلیفہ کے امیروں اور مصاحبوں نے ہزاروں اشرفیاں نچھاور کیں جو میرے ہاتھ آئیں' پھر امیر المؤمنین نے خوش ہو کر فرمایا: کوئی آرزو ہو تو بیان کرو۔

میں نے جواب میں عرض کیا: امیر المؤمنین کی عنایت سے سب کچھ حاصل ہو گیا۔ صرف

اتنی گزارش ہے کہ چند روز کے لیے بصرے ہو آؤں' اور وہاں کے لوگوں کو امیر المؤمنین کی مہربانیوں اور بخششوں کا حال سنا آؤں۔ امیر المؤمنین نے اجازت دی اور امیر بصرہ کے نام فرمان لکھا کہ بصرے کے تمام معززین کو لازم ہے کہ ہفتے میں دو روز اصمعی کی خدمت میں حاضر ہو کر اُس کے علمی کمالات سے فیض اور فائدہ اٹھایا کریں۔

الغرض میں بڑی عزت وشوکت کے ساتھ بصرے پہنچا اور اپنے قدیم مسکن میں جاکر اترا۔ شہر کے معززین مجھ سے ملنے کے لیے آنے جانے لگے۔ ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بے ہودہ بنیا بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلا آتا ہے۔ میں نے اسے دیکھا تو کہا: میں نے تمہارے کہنے کے مطابق اپنی کتابوں کو گھڑے میں ڈال کر پانی سے بھر دیا تھا۔ دیکھو کیسا مزے دار نبیذ تیار ہوا ہے؟ بیچارہ شرما کر معذرت اور معافی کی باتیں کرنے لگا اور بولا: میں جو کچھ کہتا تھا بے عقلی اور بے وقوفی سے کہتا تھا' آج معلوم ہوا کہ علم اگرچہ دیر میں پھل لاتا ہے' مگر پھل بہت اچھا لاتا ہے۔ (بشکریہ: ماہنامہ ''چشم بیدار'' مارچ 2012' انتخاب علی حمزہ)

تراشہ نمبر 189

کوچہ خنزیراں اور کوچۂ بکریاں کے سیاہ فام

واشنگٹن میں یہ دیکھ کر میں بے حد حیران ہوا کہ کیپٹل ہل سے کچھ بلاک پرے ہزار ہا سیاہ فام انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزار رہے تھے۔ ان کی گلیوں کے نام کوچۂ خنزیراں اور کوچۂ بکریاں وغیرہ تھے۔ میں نے اس سے پہلے غریبوں کی بہت آبادیاں دیکھی تھی مگر اس سے برے حالات کہیں اور نہ دیکھے تھے۔ طوائفیں' منشیات فروش' جیب کترے اور لٹیرے جس تعداد میں یہاں موجود تھے وہ میں نے کہیں اور نہیں دیکھے۔ نیم برہنہ کم عمر لڑکے آدھی رات کو بھی سڑکوں پر بھیک مانگتے نظر آتے۔ بہت سے سیاہ فام جو ہارورڈ یونیورسٹی کے سند یافتہ تھے مزدوری' دربانی' باربرداری اور ٹیکسی ڈرائیوری وغیرہ کرتے تھے۔ اچھے ہوٹلوں میں کالوں کو داخلے تک کی اجازت نہ تھی۔ تھریسا ہوٹل واحد اچھا ہوٹل تھا جہاں کالے ٹھہر سکتے تھے۔ جب فیڈل کاسترو نے اپنے دورے کے دوران میں یہاں قیام کیا تو امریکی حکومت بری طرح ہل کر رہ گئی اور کالوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ (میلکم ایکس)

تراشہ نمبر 190

انوکھا مقدمہ

اس واقعہ کو غور سے پڑھیں اور سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ماں کی شکل میں کتنی بڑی نعمت دے رکھی ہے۔

سعودی عرب کے شہر ''قسیم'' کی شرعی عدالت اس انوکھے مقدمہ کا حتمی فیصلہ کرنے جارہی تھی۔ کمرۂ عدالت فریقین کے علاوہ صحافیوں' ذرائع ابلاغ کے نمائندوں اور اس عجیب و غریب مقدمے میں دلچسپی لینے والوں سے بھرا ہوا تھا۔ جیسے ہی عدالت نے مدعا علیہ کے خلاف فیصلہ سنایا تو عدالت مدعا علیہ کی دردناک چیخوں سے گونج اُٹھی۔ مقدمہ نے دیگر لوگوں کے دل کے تار بھی چھیڑ دیے تھے۔ عدالتوں میں بہت کم ایسے مواقع آتے ہیں جب ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کی آنکھوں میں بھی آنسو آجائیں' اور تو اور قاضی صاحب بھی فیصلہ سناتے وقت جذبات پر قابو نہ رکھ سکے۔ اس واقعہ کو سعودی اخبارات اور عربی ویب سائٹس پر بہت اہمیت ملی اور علمائے کرام نے جمعہ کے خطبات میں اس کا تذکرہ تواتر سے کیا۔

یہ واقعہ ''حیزان الفہیدی الحربی'' سے متعلق ہے جو ''بریدہ'' سے 90 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک گاؤں ''اسیاح'' کا رہنے والا ہے۔ حیزان اپنی ماں کا بڑا بیٹا ہے اور بڑی تنگ ترش معیشت کے ساتھ گزر بسر کرتا ہے۔ حیزان کو اپنے گاؤں تھوڑی سی بنجر زمین' بکریوں اور اونٹوں سے اس قدر لگاؤ ہے کہ کسی قیمت پر ان کو چھوڑ کر شہر میں جا بسنے کا تصور نہیں کرسکتا تھا۔ حیزان اب سفید ریش بوڑھا ہے اور اس کی ماں نوے برس سے اوپر کی ہو چکی ہے۔ حیزان کی کل کائنات اس کی ماں ہے جس کی وہ شب و روز بچوں کی طرح نگہداشت کرتا تھا۔ اس بڑھیا کو بھی اپنے بیٹے سے بے تحاشہ محبت تھی اور وہ صبح شام اس کے لیے دعائیں کرتے کرتے نہ تھکتی تھی۔ ''حیزان'' کی سب سے بڑی مشغولیت بھی اس کی ماں تھی اور اس کی خدمت کر کے وہ دنیا میں بے تحاشا پُرسکون اور آخرت میں لامتناہی اجر کا امیدوار تھا۔

سب کچھ ٹھیک جارہا تھا کہ اچانک حیزان کی پُرسکون زندگی میں ایک بھونچال آگیا جس نے اس کو چکرا کر رکھ دیا۔ ہوا یہ کہ اس کا چھوٹا بھائی جو کافی عرصے سے شہر میں مقیم تھا اور خاصا خوشحال تھا اس نے اچانک مطالبہ کر دیا کہ اتنا زمانہ حیزان نے ماں کی خدمت کی ہے اور اسے

اپنے پاس رکھا اب وہ اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے۔ آخر کار وہ اس کی بھی ماں ہے اور اس کی خدمت کرنا اس کا بھی حق ہے' لہٰذا اب وہ ماں کو اپنے ساتھ شہر لے جائے گا اور اب جتنی مدت ماں حیزان کے ساتھ رہی ہے' اتنی ہی مدت میرے ساتھ بھی رہے گی۔ حیزان کو اپنی دنیا اندھیری ہوتی اور متاع عزیز لٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے بھائی کو بہتیرا سمجھایا کہ میں ماں کے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔ میرے بڑھاپے پر رحم کرو' مگر چھوٹا بھائی ٹس سے مس نہ ہوا۔ گاؤں کے بڑوں اور پنچائیت نے صلح صفائی کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر مقدمہ شرعی عدالت میں لے جایا گیا۔ جہاں قاضی صاحب نے بھی دونوں کے درمیان مصالحت کی کوشش کی مگر کوئی صورت نہ بن سکی۔ مقدمہ کی طوالت اور فریقین کے بے لچک رویے سے تنگ آ کر قاضی صاحب نے کہا: اگلی پیشی پر بوڑھی ماں کو پیش کیا جائے تاکہ عدالت خود اس سے استفسار کر سکے کہ وہ کس کے ساتھ رہنا پسند کرتی ہے۔ چنانچہ اگلی پیشی پر دونوں بیٹے ماں کو اٹھا کر لے آئے تو لوگوں نے عجیب منظر دیکھا۔ سن رسیدہ نوے سالہ بڑھیا ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ تھی جس کا وزن بمشکل 20 کلو ہوگا۔ بچوں نے اس کو ایک ڈبے میں ڈال کر ہاتھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔

قاضی صاحب نے بڑھیا سے پوچھا: کیا وہ جانتی ہے کہ اس کے دونوں بیٹوں کے درمیان اس کی خدمت اور نگہداشت کے سلسلہ میں مقدمہ چل رہا ہے۔ بڑھیا نے اثبات میں جواب دیا کہ وہ اس مقدمہ سے باخبر ہے۔ قاضی صاحب نے پوچھا: وہ بتائے کہ وہ کس کے پاس جا کر رہنے کو پسند کرے گی۔ بڑھیا نے اپنے پلو سے دونوں آنکھیں خشک کرتے ہوئے کہا: میرے لیے یہ فیصلہ بڑا دشوار ہے۔ حیزان میری ایک آنکھ اور اس کا چھوٹا بھائی میری دوسری آنکھ ہے۔ ماں کیسے ایک بچے کے حق اور دوسرے کے خلاف فیصلہ کر سکتی ہے؟ میرے لیے دونوں برابر ہیں۔ چنانچہ بڑھیا نے گیند دوبارہ قاضی صاحب کی کورٹ میں پھینک دی۔ قاضی صاحب نے حیزان کی کمزور مالی حالت' جسمانی کمزوری اور اس کے بھائی کی مالی خوشحالی اور اسباب' خدمت و راحت اور فراوانی کو دیکھتے ہوئے چھوٹے بھائی کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ قاضی صاحب کا فیصلہ سنانا تھا کہ کمرۂ عدالت حیزان کی دردناک چیخوں اور دھاڑیں مار مار کر رونے سے گونج اٹھا۔ حیزان کے بلک بلک کر رونے نے قاضی صاحب اور کمرۂ عدالت میں موجود تمام افراد کو اشک بار کر دیا۔ قاضی صاحب آنکھیں پونچھتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئے اور

صحافی اور ذرائع ابلاغ کے لوگ حیزان کے گلے لگ کر روئے۔ کمرۂ عدالت میں جب حیزان نے ماں کے پاؤں چھو کر رخصت ہونے کی اجازت چاہی تو چھوٹے بھائی کی بھی چیخیں نکل گئیں۔

اس واقعہ کو پڑھ کر میں دیر تک سوچتا رہا۔ ''اولڈ ہاؤس'' میں اپنے بیٹوں کے گھروں سے دھتکاری ہوئی ماؤں نے اگر یہ پڑھ لیا تو ان کی کیا کیفیت ہوگی؟ چیخ چیخ کر ماؤں کو جواب دینے والے' ان کی خدمت سے بے پروائی اور ان کی نگہداشت سے غفلت کرنے والے' بیویوں کے ہر حکم کی فرماں برداری اور ماؤں کو نظر انداز کرنے والے...... حیزان الفہیدی کے اس واقعہ کو غور سے پڑھیں اور سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ماں کی شکل میں کتنی بڑی نعمت دے رکھی ہے' یقیناً دنیا کا سب سے مال دار اور خوشحال ہے وہ شخص جس کی ماں زندہ ہے۔

(ماہنامہ ''اجوڈ' لاہور' اپریل 2012ء)

تراشہ نمبر 191

حفظ ما تقدم

ایک شخص قصبے کی واحد دکان پر گیا اور دکاندار سے بولا: میں تمہاری دُکان میں موجود تمام گلے سڑے ٹماٹر اور گندے انڈے خریدنا چاہتا ہوں' دکاندار نے حیرت سے کہا: سب! ہاں! جتنے بھی تمہارے پاس ہیں۔ اس شخص نے کہا۔ اچانک دکان دار ہنس دیا' اچھا اب میں سمجھا آپ یہ چیزیں اپنے ساتھ میونسپل ہال لے جائیں گے اور اس احمق اور بے سُرے پاپ سنگر کے سر پر ماریں گے' جو آج اپنے فن کا مظاہرہ کرنے والا ہے۔

وہ شخص بولا: نہیں! تم غلط سمجھے میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کوئی بھی شخص اس گلوکار پر انڈے اور ٹماٹر نہ پھینک سکے کیونکہ وہ گلوکار میں ہی ہوں۔

تراشہ نمبر 192

سنہرے اصول

* برے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے تنہائی بہتر ہے۔
* غرور سے آدمی کا دین ضائع ہوتا ہے۔

* توبہ کرنا آسان اور گناہ چھوڑنا مشکل ہے۔
* اگر کسی کے دل میں جگہ پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس کی عزت کرو۔
* علم ایسا بادل ہے جس سے رحمت برستی ہے۔
* محنت نہ کرنا محتاجی کا باعث ہے۔
* جو تیرے سامنے دوسروں کی برائی کرتا ہے' دوسروں کے سامنے تیری برائی کرے گا۔

(ماہنامہ ''ندائے اجود'' لاہور' اپریل 2012ء' انتخاب مولانا سید عدنان کاکاخیل)

تراشہ نمبر 193

ضرورت ہے

اخبارات و رسائل میں یوں تو روزانہ سینکڑوں اشتہارات چھپتے ہیں مگر وہ اشتہار جس کا عنوان ہو...... ضرورت ہے...... اس انسان کو اپنی جانب فوراً مائل کرتا ہے جو ایسے کسی اشتہار کا منتظر ہوتا ہے' جس میں اس کی ضرورت ہو' گویا اشتہار دینے والے اپنی ضرورت کے پیش نظر اشتہار شائع کرواتے ہیں اور پڑھنے والے اپنی ضرورت کے پیش نظر انہیں پڑھتے ہیں...... اشتہار دینے والے' شخص مطلوب کی مطلوبہ خوبیوں' تعلیمی قابلیت' استعداد وغیرہ کی بعض تفصیلات بھی اور بسا اوقات مقدار معاوضہ وغیرہ بھی اشتہار میں دے دیتے ہیں اور بعض اشتہارات میں ترجیحات' (Priorties) کا ذکر بھی ہوتا ہے کہ ترجیح کس کو دی جائے گی...... اسکولوں کالجوں اور جامعات کے داخلوں کے اشتہارات میں' عموماً یہ لکھا ہوتا ہے کہ داخلہ میرٹ کی بنیاد پر ہوگا یعنی صرف لائق طلبہ ہی داخل کئے جائیں گے اور میرٹ بنانے کے ہر ادارے کے معیارات اپنے ہیں۔ بعض ادارے تو سابقہ تعلیم کی بنیاد پر میرٹ بناتے ہیں اور بعض باقاعدہ ٹیسٹ لیتے اور میرٹ بناتے ہیں۔ ہماری نظر سے کبھی کوئی ایسا اشتہار نہیں گزرا جس میں یہ پیش کش ہو کہ ایسے طلبہ و طالبات کو داخلہ میں ترجیح دی جائے گی جو گزشتہ امتحان میں (مثلاً میٹرک یا انٹر میں) کسی سبب سے بہت کم نمبر حاصل کر سکے ہوں یا جن کی تھرڈ ڈویژن یا ڈی اور ای گریڈ آیا ہو اور نہ کبھی ایسا کوئی اشتہار ہماری نظروں نے دیکھا ہے جس کا عنوان ہو کہ...... ضرورت ایک عدد نکھے کی...... ضرورت ہے ایک عدد سست ترین شخص کی...... ضرورت ہے ایک عدد حمار وحشی کی جو انسان بننا چاہتا ہو...... ضرورت ہے ایک عدد نالائق

انسان کی جو ولی کامل بننا چاہتا ہو......

ہم سوچتے ہیں کہ دنیا اتنی خود غرض اور تنگ نظر کیوں ہوگئی ہے کہ ہر ایک کو قابل افراد کی ضرورت ہے۔ ہر ایک کو لائق افراد کی ضرورت ہے' ہر ایک کو تجربہ کار کام کرنے والے کی ضرورت ہے تو کیا نالائق لوگوں' ناتجربہ کار لوگوں اور کم نمبر حاصل کر سکنے والے طلبہ کو ہم نے بے رحم معاشرے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اس سے جو کام لینا چاہے وہ لے لے ہم تو اس سے کوئی کام نہیں لیں گے نہ اسے کسی کام کا بنائیں گے؟ کیا ایسے ہی افراد معاشرے میں جرائم پیشہ بن کر پورے معاشرے کو تباہی کے گڑھے میں دھکیلنے کا سبب نہیں بنتے؟

ہماری حیرت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ایسے لوگوں کے لیے موجودہ خانقاہی نظام میں بھی جگہ نہیں بنتی' جو شکستہ دلوں کی امیدوں کا آخری سہارا ہوتا ہے وہاں بھی لائق لوگوں ہی پر نظر ہے۔ جبکہ ہمارا ماضی یہ بتاتا ہے کہ خانقاہی مدارس میں چوروں اور لٹیروں کو بھی داخلہ مل جایا کرتا تھا اور وہ غوث و قطب بن کر نکلتے تھے۔ اپنے دور کے حالات کو دیکھ کر کبھی کبھی ہم خود سے سوال کرتے ہیں کہ ماضی میں معاشرے کے گرے پڑے' نا ہنجار قسم کے لوگوں اور چوروں اور ڈاکوؤں کی اصلاح کے مکاتب (خانقاہوں) کا پایا جانا یہ محض قصے کہانیاں ہیں یا حقیقت سے بھی ان کا کوئی تعلق ہے؟

تاریخی اوراق یہ بتاتے ہیں کہ خانقاہی نظام اصلاحِ فرد و معاشرہ اور فروغِ تصوف کا اہم ادارہ رہا ہے۔ اس ادارے کے کرتا دھرتا معمولی لوگ نہیں ہوا کرتے' ان کے ذمہ اصلاح معاشرہ بذریعہ اصلاح فرد کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تصوف روحِ اسلام ہے اور اسلامی معاشرہ کو صالح افراد صوفیاء کی تربیت ہی سے میسر آتے ہیں۔ فی زمانہ تصوف پر لکھے جانے والے مضامین اور کتب میں جب تصوف کی تعریفات بیان کی جاتی ہیں تو ان تعریفات پر پورا اترنے والے لوگوں یا جن پر یہ تعریفات صادق آتی ہیں ان کی مثالیں بھی بیان کی جاتی ہیں۔ ان مثالوں میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ وہ صرف چند مخصوص افراد اور مخصوص زمانے کے صوفیاء کے اردگرد گھومتی ہیں۔ کم از کم گزشتہ نصف صدی کے عرصہ میں تو بات اس سے آگے نہیں بڑھ رہی' ہر کوئی صدق و صفا کی مثال حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری' کو پیش کرتا ہے' مجاہدات میں صبر و رضا اور قناعت کی مثال بابا فرید گنج شکر کی پیش کی جاتی ہے' بھوکوں کو کھانا

کھلانے یعنی خلق خدا کی خدمت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور ہندوستان سے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری چشتی کے لنگر کا ذکر آتا ہے' قصر شاہی تک دعوت دین پہنچانے اور حق گوئی کا نشان حضرت مجدد کو کہا جاتا ہے یا اس پائے کے دیگر بزرگانِ دین کی خدمات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو سب گزشتہ ادوار کے لوگ ہیں۔

تصوف پر صدیوں سے لکھا جا رہا ہے اور ہر صدی کے معروف صوفیاء کرام نے اپنے دور کی ابتری کا ذکر بڑے بڑے اندوہناک انداز میں کیا ہے' مثلاً حضرت امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارے زمانہ میں تصوف کا طریقہ بگڑ چکا ہے' کامل بزرگ رخصت ہو چکے' جو اس طریق کے عارف و عالم تھے۔ تقویٰ جاتا رہا بلکہ اس کی حرمت ہی نہ رہی' طمع بشدت بڑھ گئی اور حرمتِ شریعت دلوں سے اٹھ گئی' حلال حرام کا امتیاز نہ رہا' غفلتیں چھا گئیں اور شہوات کا اتباع عام ہو گیا۔ (رسالہ قشیریہ)

اس اقتباس کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے جیسے امام قشیری ہمارے ہی دور کے بزرگ ہیں اور ہماری اخلاقی حالت کو ان دردانگیز جملوں میں بیان فرما رہے ہیں جبکہ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ پانچویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ یہاں ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب پانچویں صدی میں بھی یہی کیفیت تھی جو آج ہے تو درمیان کے نوسوسال میں تبدیلی کب اور کہاں آئی یا یہ کہ کسی تبدیلی کے بغیر ہم اتنی صدیوں سے یوں ہی چلے آرہے ہیں؟

اسی حوالے سے ایک اور اقتباس بھی ملاحظہ فرمائیے:

ہم ایسے زمانے میں ابتلا (آزمائش) کے اندر ڈالے گئے ہیں کہ جس میں نہ آدابِ اسلام ہیں نہ اخلاقِ جاہلیت اور نہ ہی اس میں مروت و محبت کی باتیں ہیں (کشف المحجوب ساتویں فصل) یہ اہلِ حقائق کے بادشاہ' تصوف و طریقت کے حکیم ابوبکر واسطی کا قول ہے جسے داتا صاحب نے کشف المحجوب میں درج فرمایا ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے احوال کے بارے میں لکھتے ہیں:

خداوند قدوس نے ہمیں ایسے زمانہ میں پیدا کیا کہ جس کے لوگ خواہشات نفسانی کا نام شریعت اور طلب جاہ و ریاست و تکبر کا نام عزت و علم اور خلق خدا سے ریاکاری کا نام خوف الٰہی اور دل میں کینہ چھپا رکھنے کا نام حلم اور فضول جھگڑے کا نام مناظرہ' اور باہم لڑنے جھگڑنے اور

حماقت کا نام بزرگی اور منافقت کا نام زہد اور جھوٹی آرزوؤں کا نام ارادت اور طبیعت کے ہذیان کا نام معرفت اور دلی رغبتوں اور وساوس نفسانی کا نام فنا اور نبی اکرم ﷺ کی شریعت کو ترک کرنے کا نام طریقت اور اہلِ زمانہ کی آفتوں کا نام مجاہدہ رکھتے ہیں۔

صوفی آج بھی ہیں اور شاید پچھلے زمانوں سے بہت زیادہ ہیں یا ہمیں زیادہ نظر آتے ہیں کہ شہر و دیہات میں جا بجا صوفیاء کے آستانوں کے، ان آستانوں کے عرسوں کے اور پروگراموں کے، ان بزرگوں کے دوروں کے، حتیٰ کہ ان کی عبادات کے اور ایسے ایسے معمولات کے اشتہار بھی آویزاں ہیں جو شاید ماضی میں اس لیے مشتہر نہیں کیے جاتے تھے کہ تشہیر کو اقدار تصوف و وقار کے منافی یا روحِ تصوف کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ آج ہر طرف دمادم مست قلندر آیا غوث زماں، قطب العالمین فخرِ صوفیاء زبدۃ الاتقیاء، راس الاصفیاء کی آمد کا عرس کا دورہ کی برات کا جلوہ اور نہ جانے کیا کیا لکھا جارہا ہے، دیواروں پہ چاکنگ، دیو قامت ہورڈنگز، اشتہارات، پمفلٹس، حتیٰ کہ ٹی وی اور میڈیا پر سلائڈز اور اشتہارات دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ آج صرف سرزمین پاکستان پر جتنے قلندر، ولی، غوث، قطب، ابدال اور مشائخ ہیں پورے چودہ سو سال میں پورے عالم میں اتنی تعداد میں نہیں گزرے ہوں گے اور موجودہ دور کے ہر صوفی کا مرتبہ دوسرے سے سوا اور ہزار گنا سوا ہے، ان میں ایک بڑی تعداد علم لدنی والوں کی ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ گزشتہ کچھ عرصہ سے (غالباً جب سے امریکہ دینی مدارس کے خلاف اور صوفی ازم کے حق میں ہموار ہوا ہے اور صوفی کونسلیں بنی ہیں) آسمان نے علم لدنی کی اہل پاکستان پر بارش کر دی ہے لیکن پتہ نہیں ان مصنفین کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ اس کے باوجود تصوف کی نئی کتابوں میں مثالیں علم و آگہی کی، اخلاق عالیہ و فاضلہ کی، زہد و تقویٰ کی، خدمت خلق کی سب وہی پرانی پیش کرتے ہیں جو گزرے زمانے کے لوگوں کی ہیں۔ کیا گزشتہ نصف صدی میں ایسے اولیاء اللہ نہیں گزرے جنہیں ان کے معاصر علماء و مشائخ نے ولی مانا ہو، جن پر محققین و مصنفین کا اتفاق ہو اور ان کی کرامات سے زیادہ ان کے اخلاقِ عالیہ فاضلہ کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہوں۔

ایک دوست فرمارہے تھے کہ دیکھو ان مولویوں کو کہ انہوں نے ترقی کر کے اب پیری اور مشیخت اختیار کر لی ہے، شاید اس میں حلوہ مانڈہ زیادہ ملتا ہے......؟ میں نے عرض کی: میرے

دوست! جب جاہل متصوفہ کا غلبہ ہو' لوگوں کی دولت وعزت سے کھیلا اور عصمتوں کو پامال کیا جا رہا ہو تو علماء کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ پیر بن کر لوگوں کی اصلاح کریں اور جہلاء کے چنگل سے لوگوں کو بچائیں اگرچہ اس میں اس بات کا امکان ہے کہ بعض علماء سے بھی ابلیس وہی کام کروالے جو جاہل عاملین اور متصوفہ کررہے ہیں' صدقے کے لیے کالا بکرا' تعویذ لکھنے کے لیے ایک کلو زعفران خالص' شادی کی بندش ختم کرنے کے لیے خلوتِ صحیحہ' جن بھوت قابو کرنے اور نکالنے کے لیے قبرستان کا چلہ' اولاد نرینہ کے لیے چادر بند دم وظیفہ اور نہ جانے کیا کیا خرافات لیکن ہمیں کامل یقین ہے کہ جو واقعی عالم ہوگا اور صوفی صافی ہوگا وہ ''اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ'' کے حکم کی رحمت میں آجائے گا اور شر شیاطین سے محفوظ رہتے ہوئے نافع خلق ہوگا اور جو حقیقتاً عالم باعمل ہوگا وہ جعل ساز اور ڈرامہ باز عاملین کی طرز کو اختیار ہی کیوں کرے گا؟

قارئین کرام! مذکورہ بالا معروضات اور ابتری کے ان احوال کے پیش نظر کیا اب اس قسم کے اشتہار کی ضرورت محسوس نہیں کی جارہی ہے کہ ضرورت ہے ایک ایسے اللہ والے کی جو واقعی اللہ والا ہو' جو حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری' حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری' قطب الدین بختیار' حضرت نظام الدین اولیاء' حضرت فرید الدین گنج شکر کی خوبیوں کا مالک ہو اور ہم جیسے ناکارہ خلائق لوگوں کی اصلاح کا کوئی انتظام کرسکے۔

ضرورت ہے...... ایک ایسے اللہ والے کی جو کوئی ایسا سکول' کالج' یونیورسٹی' اور ماڈل مدرسہ کھول سکے جس میں صرف لائقوں ہی کو داخلہ نہ ملتا ہو بلکہ نالائقوں اور ناہنجاروں کو بھی سر چھپانے کی جگہ مل سکتی ہو اور ان کا بجھا دیا بھی روشن ہوسکتا ہو۔ (ڈاکٹر نور احمد بن حضرت عبدالرحمن قدس سرہٗ العزیز' علمی وتحقیقی مجلہ فقہ اسلامی کراچی' محرم الحرام 1433' دسمبر 2011ء)

تراشہ نمبر 194

وہ وادی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا بچپن گزارا

میں بڑی مدت سے منصوبہ بنا رہا تھا کہ کسی وقت ریاض سے بنو سعد کے علاقے کو دیکھنے جاؤں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا بچپن گزارا تھا چنانچہ اپنے ایک دوست کی کار میں

طائف پہنچ گیا۔ یہ پہاڑی علاقہ ہے اور بالکل زرخیز نہیں۔ پہاڑوں پر کھیتی باڑی بھی زیادہ نہیں ہوتی۔ پہاڑی وادیوں اور نشیب میں کہیں کہیں تھوڑی سی جگہ پر زراعت ہو سکتی ہے۔ یہاں خاردار جھاڑیاں بھی کم ہی ہیں۔ لوگوں کا ذریعہ معاش اونٹوں اور بکریوں سے حاصل ہونے والی آمدنی ہے۔ وہ ان کا دودھ پیتے' ان کی کھال سے فائدہ اٹھاتے' کبھی کبھار ان کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھاتے ہیں۔ اگر قسمت ساتھ دے اور بارش ہو جائے تو کچھ کھیتی باڑی کی صورت نکل آتی ہے جس سے گیہوں کی فصل حاصل ہوتی ہے۔

بنو سعد کے علاقے میں قبیلہ سعد بن بکر دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ خاندان اصل میں بنو ہوازن کی ایک شاخ ہے' یہ وہی قبیلہ ہے جس نے حنین کے میدان میں حضرت محمد ﷺ رسول خدا کا مقابلہ کیا تھا۔ یہاں کا موسم اور آب و ہوا نہایت صحت افزا تھی۔ ہر سال کچھ عورتیں مکہ مکرمہ آتیں اور وہاں کے خوشحال اور امیر قریشی گھرانوں کے شیر خوار بچوں کو لے جاتیں۔ دو سال انہیں دودھ پلاتیں' پھر واپس پہنچا دیتیں اور بچے کے والدین سے حسب توفیق انعام و اکرام حاصل کرتیں۔

چودہ سو سال قبل ایک دن انہی دس بدوی خواتین کا قافلہ مکہ مکرمہ روانہ ہوا۔ قافلے میں ایک خاتون حلیمہ بنت ابی ذوئیب (رضی اللہ عنہا) بھی تھیں۔ ان کے خاوند کا نام حارث بن عبد العزیٰ تھا۔ دونوں میاں بیوی قبیلہ بنو سعد بن بکر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی دو بیٹیاں انیسہ اور شیما تھیں اور ایک بیٹا عبداللہ تھا جو سب سے چھوٹا بچہ تھا۔ جب اللہ کے نبی ﷺ حلیمہ سعدیہ کی چھاتی سے دودھ پیتے تو یہی عبداللہ رضاعی بھائی کے طور پر ان کی گود میں تھے۔

جب قافلہ مکہ پہنچا تو تمام خواتین دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں نکل گئیں' حلیمہ سعدیہ آپ کی والدہ سیدہ آمنہ کے پاس گئیں اور ان سے آپ ﷺ کو گود لے لیا۔ سیدہ آمنہ خوش تھیں کہ ان کا بیٹا دیہات کی صاف و شفاف آب و ہوا میں نشو و نما پائے گا اور بنو سعد کی خالص اور فصیح و بلیغ عربی ہوش سنبھالتے ہی آپ ﷺ کے کانوں میں پڑے گی' آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: میں تم میں سب سے زیادہ شستہ اور فصیح عربی بولنے والا ہوں' میں قریشی ہوں اور قبیلہ بنو سعد میں میں نے دودھ پیا (جو فصاحت و بلاغت میں ایک اعلیٰ مقام کا حامل ہے)۔

گاڑی کا ڈرائیور علی العتیبی ہمیں علاقے کی تاریخ سے بھی آگاہ کرتا گیا۔ ایک وقت تھا جب یہاں قبائل میں جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ایک قبیلے کا فرد دوسرے علاقے میں نہیں جا سکتا تھا۔ آل سعود کی حکومت قائم ہونے کے بعد یہاں امن وامان قائم ہو گیا دور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر ہمیں بکریاں چرتی نظر آ رہی تھیں' سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے گاؤں کا نام شوطہ ہے جو ایک وادی میں آباد ہوا' مکہ سے 160 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

اس وادی پر گویا ابر رحمت چھایا ہوا تھا۔ بہت سکون اور اطمینان کی فضا تھی۔ یہ کوئی بڑی وادی نہیں' پندرہ سے بیس ایکڑ پر محیط ہوگی۔ سیدہ حلیمہ کے گاؤں کے حالات اب وہ نہیں رہے جو کبھی تھے۔ اس واقعے کو 1400 سال سے زائد گزر چکے۔ پتھروں کے نشانات ہیں' چھوٹی موٹی چار دیواریاں ہیں۔ کسی نے سفیدی سے شکستہ خط میں لکھا ہوا تھا بیت حلیمہ یہ نہایت چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ غالباً بارش کے وقت ہی ان میں رہا جاتا ہوگا اور باقی وقت خیموں میں۔ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے گھر والی جگہ کی اگر پیمائش کی جائے تو کل دس پندرہ مرلے سے زائد نہ ہوگی۔ کسی پاکستانی نے اس جگہ مسجد بنانے کی کوشش کی مگر اعلیٰ حکام نے غالباً بدعات اور خرافات کے ڈر سے اسے مکمل نہ ہونے دیا۔ تاہم پتھروں کے نشانات سے محراب اور مسجد کی نشاندہی موجود ہے۔

میں بار بار اس وادی کی طرف دیکھتا' اس کے ذرے ذرے پر غور کرتا کہ سبحان اللہ! یہ وہی جگہ ہے جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا بچپن گزارا۔ میں ادھر اُدھر چل کر اس سرزمین کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چلنا شروع کیا۔ ننھے سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی رضاعی بہن شیما کتنا پیار کرتی ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود میں اٹھاتی' لوریاں سناتی' کھلاتی پلاتی اور ناز اٹھاتی ہوگی۔ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے بہ قول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے بچوں کے مقابلے میں اس تیزی سے بڑھ رہے تھے کہ دو سال پورے ہوتے ہوتے خاصے بڑے معلوم ہونے لگے۔ (الرحیق المختوم)

سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری چھاتی کی دائیں جانب سے ہی دودھ پیتے اور جب میں بائیں جانب آگے کرتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منہ ہٹا لیتے' مجھے اس پر حیرت ہوتی۔ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کو کیا معلوم تھا کہ یہ وہ بچہ ہے جو بڑا ہو کر قناعت کا معلم' مساوات کا علم بردار اور

عدل وانصاف کا پیکر بنے گا۔

ایک دن گھر سے قدرے دور آپ ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو پکڑ کر زمین پر لٹا دیا۔ سینہ چاک کر کے دل نکالا اور اس میں سے خون کا ایک لوتھڑا نکال کر فرمایا: یہ تم سے شیطان کا حصہ تھا' پھر دل ایک طشت میں زم زم کے پانی سے دھویا اور پھر اسے واپس اس کی جگہ جوڑ دیا۔ اُدھر بچے دوڑ کر اپنی والدہ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ گھر والے بھاگم بھاگ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ آپ ﷺ کا رنگ اترا ہوا تھا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں' فرماتے ہیں: میں سلائی کے نشانات آپ ﷺ کے سینہ مبارک پر دیکھا کرتا تھا۔

ہم نے اس وادی میں کم وبیش دو گھنٹے کا وقت گزارا۔ بلاشبہ یہ میری زندگی کا بہت یادگار سفر تھا۔ یہاں اس قدر لطف آیا کہ واپس آنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر مغرب کے بعد امام و خطیب حرم شیخ عبدالرحمٰن السدیس کے ساتھ ملاقات طے تھی' اس لیے قطعاً نہ چاہتے ہوئے بھی ہم نے وہاں سے واپسی کے لیے رختِ سفر باندھا۔ (عبدالمالک مجاہد)

(اُردو ڈائجسٹ' جنوری 2012ء)

تراشہ نمبر 195

مرزائیوں کی تردید میں......فرمانِ ذیشان

(انوارِ قمریہ...... سے)

شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ملفوظ

حدیث پاک حضرت عنبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو کنز العمال' ج 6 ص 263 ' باب: الرباط عن عنبسہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہے۔

شیخ الاسلام علیہ الرحمہ' مرزائی کی سرکوبی و تردید میں اکثر بیان فرمایا کرتے ہیں:

لایزال الجهاد حلوا خضرا ما امطرت السماء وانبتت الارض و سينشانشو من قبل المشرق يقولون لا جهاد ولا رباط اولئك هم وقود النار بل رباط يوم في سبيل الله خير من عتق الف رقبة ومن صدقة اهل الارض جميعًاابن عساكر

انس رضی اللہ عنہ۔(کنزالعمال'ج6ص263'فی باب:الرباط عن عنبسہ رضی اللہ عنہ)

مرزا قادیانی اپنی کتاب کشتی نوح میں لکھتا ہے کہ اگر کوئی کسی ایسی حدیث پاک کے متعلق ضعیف ہونے کا قول کرے جس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیشن گوئی کے طور پر فرمایا ہواس پر تنقید کرتے ہوئے ضعیف کا کوئی قول کرے تو وہ حدیث صحیح ہوتی ہے۔ضعیف نہ سمجھی جاوے۔

لہٰذا مندرجہ بالا حدیث قادیانیوں مرزائیوں کے باطل ہونے اوران کے جہنم کا ایندھن ہونے کا واضح ثبوت ہے کیونکہ وہ جہاد کے منکر ہیں۔درثمین میں مرزا لکھتا ہے:

چھوڑ دو دوستو جہاد کا خیال حرام ہے دین کے لیے لڑنا اور قتال

تراشہ نمبر196

کتاب حجۃ اللہ کا ایک مختصر اقتباس

مولانا ابراہیم رضا خاں امام احمد رضا کے بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا کے فرزند تھے۔مولانا ریحان رضا خاں اور مفتی اختر رضا خاں ازہری آپ ہی کے صاحبزادگان ہیں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ' بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ' لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ. وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ. (البلد:1-3)

مجھے قسم ہے اس شہر(مکہ مکرمہ) کی اور مقیم ہیں اس شہر میں......

یہ ترجمہ اس تقدیر پر ہے جب''لا''کوزائد مان لیں اوراس صورت میں''لا''کوحرف زائدنہ مانیں تو ترجمہ ہوگا:مجھے اس شہر(مکہ مکرمہ) کی قسم نہیں کیونکہ اے محبوب تم مقیم ہو'اس شہر(مدینہ منورہ) میں اور یہ دونوں تفسیریں شفاء شریف(علامہ قاضی عیاض متوفی500ھ)اور مدارج النبوۃ(حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی900ھ) میں موجود ہیں'جس کو تحقیق مقصود ہوان کتابوں کا مطالعہ کرے۔

تو''لا''حرف زائدتھا'جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ مکرمہ میں جلوہ فرماتھے اورحرف زائدنہیں'

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں مقیم ہوئے تو عزت و شرف وابستہ ہے قدموں سے جناب سرورِ کائنات محبوب رب الارض والسمٰوٰت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ حضور نے ہجرت فرمائی تو اس شرف نے ہجرت فرمائی اور اس میں کلام الٰہی جل وعلیٰ کے کمال کا ظہور ہے، پھر بہ تقدیر ''لا'' زائد ہونے کے قسم ہے مکہ مکرمہ کی تو قسم جو اظہار شرف وعظمت کے لیے ہے تو یہ شرف وعظمت مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ کے یہاں کس چیز سے ملا تو اس کے لیے وجہ قسم میں حق تعالیٰ نے بیت اللہ، کعبہ معظمہ، صفا، مروہ، مزدلفہ، منیٰ وعرفات ومسجد حرام وزمزم ومقام ابراہیم کسی کا تذکرہ نہ فرمایا۔ فرمایا: تو یہ ''وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' اس لیے کہ اے محبوب آپ مقیم ہیں اس شہر میں۔ معلوم ہوا کہ قرآن شریف میں کسی چیز کی قسم یاد فرمانا اس چیز کے شرف وعزت وعظمت کے اظہار کے لیے اور شرف وعظمت کسی چیز کو جو حاصل ہوتی ہے وہ نسبتِ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتی ہے۔ ''المواہب للدنیہ'' میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جنازۂ مبارک پر حاضر ہوئے اور عرض کرتے ہیں: ''بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' نداء یارسول اللہ بعد وصال شریف۔ ''لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِيْلَتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ'' میرے ماں باپ آپ پر قربان! یارسول اللہ آپ کی فضیلت ومرتبہ اللہ کے یہاں یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے خاکِ پاک کی قسم قرآن شریف میں ذکر فرمائی۔ ''لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ''۔ پس یہ تفسیر جو اوپر ذکر ہوئی صحیح تر ہے اور قرآن شریف کے کلمات سے قریب تر ہے اور بغیر کسی تکلف کے ہے اور حدیث عمر رضی اللہ عنہ کے موافق و مطابق ہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

پس خاک، جو کچھ بھی شرف نہیں رکھتی ہر چیز سے حقیر وذلیل وپست تر ہے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک سے نسبت پا کر یہ عزت وعظمت حاصل کرتی ہے کہ حق تعالیٰ اس خاک کی قسم یاد فرماتا ہے۔ ؎

کھائی قرآن نے خاکِ گزر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

''اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا نِسْبَةً اِلٰی قَدَمِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَبِّتْنَا عَلٰی ذٰلِكَ وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا'' تو اس میں یہ عزت ونصیحت ہے کہ جو وابستہ ہوگا اللہ کے محبوب کے قدموں سے اور اُن کی تعظیم وتوقیر کرے گا وہ اللہ کے یہاں عزت پائے گا اور جو

اس جناب سے تکبر کرے گا وہ ذلیل وتباہ ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ كَمَا هُوَ اَهْلُهٗ۔

اور بخاری شریف کی حدیث ہے:

وَاَنَا الْحَاشِرُ یُحْشَرُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی قَدَمِیْ.

میں حاشر ہوں لوگ حشر کیے جائیں گے (جمع کیے جائیں گے) روزِ قیامت میرے قدموں پر۔

(یہ قدم شریف وہی ہیں جن سے مس ہو کر خاکِ مکہ نے یہ شرف حاصل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم یاد فرمائی، پس روزِ قیامت جب حق و باطل واضح ہو جائے گا، لوگ اُنہی قدموں پر جھکتے ہوئے نظر آئیں گے) اور اسی مناسبت سے قرآن شریف کی آیۂ کریمہ میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَالِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِیْنَ ۝ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ ۝ اَیَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ ۝ كَلَّا.

تو آج کیا ہے ان ناشکروں اور کافروں کو کہ آپ کی طرف دوڑ چلے آرہے ہیں گروہ در گروہ، کیا طمع کرتے ہیں کہ ان کو جنت میں داخل کرلیا جائے گا، ہرگز نہیں۔

(المعارج: 32-38)

تو لوگ دوڑیں گے روزِ قیامت حضور علیہ السلام کی طرف اور یہ اس طمع میں کہ انہیں جنت میں داخل کرلیا جائے گا مگر انہیں پہلے ایسا کرنا تھا۔

آج لے اُن کی پناہ آج مدد مانگ اُن سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

جو آج اُن کی طرف جا رہا ہے کل جاسکے گا اور جو آج ان کے روضے کی حاضری اور ان کی تعظیم اور ان کی شفاعت کا منکر ہے کل اسے اس سرکار سے روک دیا جائے گا۔

(معارفِ رضا، کراچی)

تراشہ نمبر 197

آبِ زم زم

نعمت غیر مترقبہ

تحریر: معین الدین احمد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مترجم: حارث غازی

1971ء کی بات ہے جب ایک مصری ڈاکٹر نے یورپ کے اخبارات میں ایک مراسلہ شائع کروایا جس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ آبِ زم زم مضرِ صحت ہے اس لیے یہ ہرگز پینے کے لائق نہیں ہے۔ ڈاکٹر نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ خانہ کعبہ ایک ایسی نشیبی سطح پر واقع ہے جو سطح سمندر سے نیچے ہے اور چونکہ چاہ زم زم شہر مکہ کے عین وسط میں واقع ہے اس لیے شہر کا تمام گندہ پانی چاہ زم زم میں جمع ہوتا ہے۔ مصری ڈاکٹر کی ہرزہ سرائی جیسے ہی شاہ فیصل کے کانوں تک پہنچی انہیں شدید طیش آیا اور انہوں نے اس یاوہ گوئی کو اپنے انجام تک پہچانے کے لیے متعلقہ حکام کو ضروری کاروائی کرنے کے احکام صادر فرمائے۔ مزید برآں شاہ فیصل نے وزارتِ زراعت وآب رسانی کو حکم دیا کہ آبِ زم زم کے نمونے تمام یورپی تجربہ گاہوں کو ارسال کیے جائیں تاکہ اس کے قابلِ استعمال ہونے کے بارے میں جدید سائنسی شواہد حاصل کیے جائیں۔ ان دنوں میں جدہ میں بطور کیمیکل انجینئر تعینات تھا۔ دوسرے انجینئروں کے ساتھ مل کر ہم سمندر کے پانی کو قابل استعمال بنانے والے پلانٹ میں کام کررہے تھے۔ چونکہ یہ پلانٹ انتہائی جدید مشینری پر مشتمل تھا اور اس کی کارکردگی شہرہ آفاق تھی اس لیے وزارتِ زراعت وآب رسانی نے مجھے یہ ہدایات جاری کیں کہ آبِ زم زم کے قابلِ استعمال ہونے یا نہ ہونے کے لیے میں جملہ امور کی نگرانی کروں اور اس ضمن میں ہر ممکن کارروائی اندرون وبیرون ملک سرانجام دوں۔ ہدایات ملتے ہی میں جدہ سے مکہ معظّمہ پہنچا جہاں خانہ کعبہ کے منتظمین سے رجوع کیا۔ انہوں نے فی الفور مجھے ہر قسم کی اعانت فراہم کی اور ایک رابطہ کی خدمات مہیا کیں تاکہ میں وقت ضائع کیے بغیر اپنے فرائض منصبی سے عہدہ برآ ہوسکوں۔ چاہ زم زم کے سرسری جائزے نے مجھے ایک عجیب وغریب استعجاب میں مبتلا کردیا۔ میری عقل یہ باور کرنے پر تیار نہ تھی کہ 14 x 18 کا یہ مختصر تالاب صدیوں سے کس طرح لاکھوں گیلن پانی

حجاج کرام اور زائرین کو مہیا کر رہا ہے۔ میں نے اپنی تحقیقات کا آغاز کیا اور چاہ زم زم کی پیمائش شروع کی۔ سب سے پہلے میں نے اس کی گہرائی معلوم کرنا چاہی' چنانچہ میں نے اپنے معاون کو کنویں میں اترنے کے لیے کہا تو پہلے اس نے پاک پانی سے غسل کیا اور پھر وہ کنویں میں اتر گیا اور تہہ میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ پانی کی سطح تقریباً اس کے کندھوں کے برابر تھی۔ جب کہ اس کا قد تقریباً 5 فٹ 8 انچ تھا۔ اب میری ہدایت کے مطابق اس شخص نے چاہ زم زم کی سطح پر قدم بہ قدم چلنا شروع کیا اور یوں اس نے کنویں کی تمام سطح کا احاطہ کر لیا اس نے بتایا کہ کنویں کی دیواروں سے پانی نہیں رس رہا۔ یوں ثابت ہوا کہ پانی کا منبع چاہ زم زم کے اندر کہیں واقع ہے۔ اس کے بعد مزید تحقیق کے لیے میں نے حکم دیا کہ نکاسی آب کے لیے چاہ زم زم میں جو بڑے بڑے ٹرانسفر پمپ لگائے گئے ہیں وہ تمام بیک وقت چلائے جائیں تاکہ کسی طرح چاہ زم زم میں موجود پانی مکمل طور پر ممکنہ حد تک خارج کر دیا جائے تاکہ پانی کا منبع دریافت ہو سکے۔ یہ پمپ ایک سیکنڈ میں کئی ہزار گیلن آب زم زم کا اخراج عمل میں لا سکتے تھے۔ لیکن میرے تعجب کی انتہا نہ رہی جب ہم سب نے یہ دیکھا کہ پانی کی سطح میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی یعنی جس تیزی سے پانی کا اخراج ہو رہا تھا اسی تیزی سے زیر زمین ذخیرہ پانی کی کمی کو پورا کر رہا تھا۔ میں نے اپنے مددگار سے کہا کہ اب وہ ایک جگہ جم کر کھڑا ہو جائے اور کسی تبدیلی کے بارے میں مشاہدہ کرے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے چلا کر کہا: الحمد للہ مجھے منبع آب کا سراغ مل گیا ہے۔ اس نے بتایا کہ اس کے قدموں کے نیچے سے ریت اچھل رہی تھی جیسے زیر زمین پانی اوپر دھکیل رہا تھا۔ اب اس نے قدم بقدم چاہ زم زم میں کھڑا ہو کر مزید مشاہدہ کیا کہ ہر جگہ سے ایک ہی دباؤ سے پانی کا اخراج ہو رہا تھا جس کی بدولت چاہ زم زم میں سطح آب برقرار تھی۔ اپنے مشاہدات کی تکمیل کے بعد میں نے مختلف اوقات میں آب زم زم کے نمونے جمع کیے تاکہ انہیں تجربے کے لیے یورپ کی لیبارٹریوں کو روانہ کروں۔ خانہ کعبہ سے رخصتی سے قبل میں نے حکام مکہ سے دوسرے کنوؤں کے بارے میں استفسار کیا جو چاہ زم زم کے قرب وجوار میں واقع تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ خشک سالی کی وجہ سے تمام کنویں تقریباً خشک ہو چکے ہیں اور ان سے پانی کی کسی بھی مقدار میں نکاسی ممکن نہ تھی۔

جدہ پہنچ کر میں نے اپنے افسر اعلیٰ کو اپنے مشاہدات سے آگاہ کیا۔ اس نے اگرچہ میری

باتیں بہت غور سے سنیں لیکن آخر میں اس نے عجیب یادہ گوئی کی' عین ممکن ہے بحیرہ احمر جو کہ مکہ معظمہ سے صرف 75 کلومیٹر دور واقع ہے' چاہ زم زم کو پانی فراہم کر رہا ہو۔ بہرحال اس کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا کہ چاہ زم زم تو بحیرہ احمر سے 75 کلومیٹر دور ہونے کے باوجود پانی سے لبریز ہے جبکہ بے شمار کنویں جو بہت کم فاصلے پر واقع تھے قطعی طور پر خشک پڑے ہیں۔

یورپی لیبارٹریوں اور ہماری اپنی تجربہ گاہ میں آب زم زم کے نمونے ٹیسٹ کئے گئے' ان کے نتائج میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ آب زم زم میں کیلشیم (چونے) اور میگنیشم کے نمکیات کی مقدار زیادہ پائی گئی۔ شاید اسی لیے آب زم زم نوش کرنے والے حجاج کرام اور زائرین بہت جلد اپنی تھکن پر قابو پالیتے ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ آب زم زم کا ایک گھونٹ حیات نو بخشتا ہے۔ مزید برآں آب زم زم میں موجود فلورائیڈ کی مناسب مقدار جراثیم کش ہے اس لیے حج کے ایام میں لوگ وبائی امراض سے محفوظ رہتے ہیں۔ یورپی لیبارٹریوں نے مہر تصدیق ثبت کردی کہ آب زم زم پینے کے لیے بہترین اور محفوظ ترین مشروب ہے۔ اس تصدیق نے شاہ فیصل کو بے حد خوش کیا اور انہوں نے ہدایت جاری کی کہ بطور خاص اس امر کی تشہیر یورپی اخبارات اور جرائد میں کی جائے' آب زم زم کا کیمیائی تجزیہ نمایاں طور پر یورپی اخبارات میں شائع کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آب زم زم پر جتنی بھی تحقیق اور ریسرچ کی جائے کم ہے اس لیے کہ ہر مرتبہ اس کا ایک اور روشن گوشہ نمودار ہوتا ہے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہے:

* چاہ زم زم آج تک خشک نہیں ہوا اور اس نے ہمیشہ لاکھوں حجاج کرام اور زائرین کی پیاس بجھائی ہے۔
* اس میں موجود نمکیات کی مقدار ہمیشہ یکساں رہتی ہے اور اس کے ذائقے میں روز اول سے لے کر آج تک کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔
* آب زم زم کی شفا بخشی کے سبھی قائل ہیں۔ لاکھوں حجاج کرام اور زائرین اس کی صحت بخش اقدار کے معترف ہیں۔
* آب زم زم وسیع پیمانے پر مکہ معظمہ اور گردونواح بلکہ مدینہ منورہ میں بھی فراہم کیا جاتا ہے۔ اسے اصلی حالت میں سپلائی کیا جاتا ہے نہ تو اس میں کلورین یا کسی اور جراثیم کش کیمیکل کی آمیزش کی جاتی ہے۔ اس کے باوجود آب زم زم پینے کے لیے بہترین صحت

بخش مشروب ہے۔

* دوسرے کنوؤں میں نباتاتی اور حیاتیاتی افزائش ہوتی ہے۔ انواع واقسام کی جڑی بوٹیاں پودے اور حشرات الارض پیدا ہو جاتے ہیں' کائی جم جاتی ہے جس سے پانی کا ذائقہ بدل جاتا ہے۔ رنگت تبدیل ہو جاتی ہے اور بسا اوقات مضر صحت بھی ہو جاتا ہے جبکہ آب زم زم دنیا کا واحد پانی ہے جو ہر قسم کی نباتاتی افزائش سے پاک وصاف رہتا ہے۔

صدیوں پیشتر' بی بی ہاجرہ پہاڑیوں کے درمیان' اپنے نوزائیدہ بچے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیاس بجھانے کے لیے پانی کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ تک دوڑتی ہیں اور مایوس ہو کر لوٹتی رہیں۔ اسی اثناء میں ان کے معصوم بچے نے پیاس سے بے قرار ہو کر اپنی ایڑیاں زمین پر رگڑیں جہاں جہاں گرم' تپتی ہوئی ریت پر ان ایڑیوں نے اپنے نشان ثبت کئے' قدرتِ خداوندی سے وہاں زم زم کا ایسا چشمہ پھوٹا جو رہتی دنیا تک تشنگی فرو کرتا رہے گا۔ یہ رب تبارک وتعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے جس پر مکہ معظمہ ہمیشہ نازاں وشاداں رہے گا۔

(روزنامہ ''ڈان'' مورخہ 12 جولائی 1996ء)

تراشہ نمبر 198

بارہ مہینوں کے نام کیسے پڑے؟

سال کے 365 دن 12 مہینے رکھتے ہیں۔ ان میں کوئی 30' کوئی 31 اور کوئی 28 یا 29 دن کا ہوتا ہے۔ ان مہینوں کے نام کس طرح رکھے گئے' یہ داستان دلچسپ پس منظر رکھتی ہے۔

جنوری

عیسوی سال کے پہلے مہینے کا نام' رومیوں کے ایک دیوتا جانس (Janus) کے نام پر رکھا گیا۔ جانس دیوتا کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی پوجا صرف جنگ کے دنوں میں کی جاتی تھی' امن میں نہیں۔ دیوتا کے دو سر تھے' جن سے وہ بیک وقت آگے پیچھے دیکھ سکتا تھا۔ اس مہینے کا نام جانس یوں رکھا گیا کہ جس طرح دیوتا اپنے دو (2) سروں کی وجہ سے آگے پیچھے دیکھ سکتا ہے' اسی طرح انسان بھی جنوری میں اپنے ماضی وحال کا جائزہ لیتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

جنوری کا لفظ لاطینی زبان کے لفظ جنوا (Janua) سے اخذ کیا گیا جس کا مطلب ہے: دروازہ' یوں جنوری کا مطلب ہوا: سال کا دروازہ۔ ماہ جنوری 31 دنوں پر مشتمل ہے۔

فروری

ایک زمانے میں فروری سال کا آخر اور دسمبر دوسرا مہینہ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں فروری سال کا دوسرا مہینہ قرار پایا۔ یہ مہینہ اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ سب سے کم یعنی 28 دن رکھتا ہے جبکہ لیپ (Leap) کے سال میں فروری کے 29 دن ہوتے ہیں۔ چنانچہ لیپ کا سال 366 دنوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر چوتھا سال لیپ کا سال ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج کرۂ ارض کے گرد اپنے مدار کا سفر 1/4 365 دنوں میں طے کرتا ہے۔ لیکن 3 سال کے دوران اس کا ہر سال 365 دنوں کا ہی شمار ہوتا ہے جبکہ چوتھے سال میں 1/4 حصے جمع کریں تو یہ ایک دن کے برابر بن جاتا ہے۔ یوں ایک دن زیادہ جمع کر کے یہ 366 دن کا یعنی لیپ کا سال کہلاتا ہے۔ لفظ فروری بھی لاطینی زبان فیبرام (Februum) سے اخذ کیا گیا جس کا مطلب ہے: پاکیزگی کا ذریعہ۔

مارچ

اس مہینے کا نام رومی دیوتا مارس (Mars) کے نام پر رکھا گیا۔ مارس کو اُردو میں مریخ کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ دیوتا بڑا خطرناک تھا۔ رومی دیومالا کے مطابق اس کے رتھ میں انتہائی منہ زور گھوڑے جتے ہوئے۔ رتھ میں دیوتا نیزہ تھامے کھڑا ہوتا۔ نیزے کی انی کا رُخ آسمان کی طرف تھا۔ دوسرے ہاتھ میں ڈھال ہوتی۔ دیوتا کا چہرہ آسمان کی طرف اٹھا ہوتا۔ اہلِ روم اسے سب سے طاقتور دیوتا سمجھتے تھے۔ ان کے عقیدے کے مطابق بارش' بجلی' بادل اور گرج چمک سب مارس دیوتا کے ہاتھ میں تھا۔ یہ مہینہ بھی 31 دنوں پر مشتمل ہے۔ لفظ مارچ لاطینی زبان کے لفظ مارٹیس (Martius) سے اخذ کیا گیا۔ اسی لفظ سے سیارہ مریخ کا نام (Mars) بھی بتایا گیا۔ مارچ کے مہینے میں عموماً موسمِ بہار کا آغاز ہوتا ہے۔

اپریل

یہ مہینہ 30 دنوں پر مشتمل ہے۔ اپریل لاطینی لفظ' اپریلس (Aprilis) سے بنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کھولنے والا' آغاز کرنے والا۔ اس مہینے میں چونکہ نئے پودوں اور درختوں کی

نشوونما کا آغاز ہوتا ہے' چنانچہ اسے کسی دیوی یا دیوتا نہیں بلکہ بہار کے فرشتے سے منسوب کیا گیا۔

مئی

یہ سال کا پانچواں مہینہ ہے۔ 31 دن رکھتا ہے۔ اس مہینے میں بھی بہار کے کچھ اثرات باقی ہوتے ہیں۔ لفظ مئی انگریزی زبان میں فرانسیسی لفظ مائی (MAI) سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ لاطینی زبان کے لفظ مائیس (Maius) سے اخذ شدہ ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مہینے کا نام ایک رومی دیوی میا (Maia) کے نام پر رکھا گیا۔ رومیوں کے نزدیک اس وسیع وعریض زمین کو دیوتا نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ اس دیوتا کی سات بیٹیاں تھیں جن میں میا دیوی کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

جون

سال کا چھٹا مہینہ اور اس میں 30 دن ہوتے ہیں۔ لفظ جون بھی انگریزی زبان میں فرانسیسی زبان کے ایک لفظ' جونیس (Junius) سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس مہینے کا نام بھی ایک دیوی جونو (Juno) کے نام پر رکھا گیا۔ البتہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ نام روم کے مشہور شخص جونی لیس کے نام پر رکھا گیا۔ جونو دیوتاؤں کے سردار جیوپیٹر کی بیٹی تھی جبکہ جونی لیس ایک بے رحم اور سفاک انسان تھا۔

جولائی

اس مہینے میں 31 دن ہوتے ہیں۔ جون کی طرح یہ بھی ایک گرم مہینا ہے بلکہ بعض اوقات حبس اور شدید گرمی اسے جون سے بھی گرم بنا دیتی ہے۔ اس مہینے کا نام دیوی دیوتا نہیں بلکہ روم کے ایک مشہور حکمران جولیس سیزر کے نام پر رکھا گیا۔ ایک زمانے میں یہ پانچواں مہینہ تھا۔ جولیئس سیزر قدیم روم کا مشہور شہنشاہ تھا۔ مشہور شاعر وڈراما نگار ولیم شیکسپیئر نے ''جولیئس سیزر'' پر ایک ڈراما بھی لکھا۔

اگست

سال کا آٹھواں مہینہ' اس میں 31/ دن ہوتے ہیں۔ پہلے یہ چھٹا مہینہ تھا کیونکہ تب

سال کا آغاز مارچ سے کیا جاتا تھا اور کل دس مہینے ہوتے یعنی مارچ تا دسمبر۔ وہ اس طرح کہ قمری سال اور شمسی سال کے مہینوں میں فرق ہوتا تھا۔ قمری سال کے تو بارہ مہینے ہوتے تھے جبکہ شمسی سال کے 10 ماہ بنتے تھے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے دو مہینوں کا اضافہ کیا گیا...... جنوری اور فروری۔ یوں شمسی سال میں بھی 12 مہینے ہو گئے۔ شمسی سال میں اضافے کے بعد اگست کا نام ایک قدیم رومی شہنشاہ آگسٹس (Augustus) کے نام پر رکھا گیا۔ (اس مہینے میں پہلے 29 دن تھے' بعد میں جولیئس سیزر نے 2 دن کا اضافہ کر کے 31 دنوں کا مہینہ کر دیا)۔ پہلے رومی شہنشاہ آگسٹس کا نام کچھ اور تھا۔ جب اس نے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے بہت زیادہ کام کیے تو رومی لوگ اس کے اتنے گرویدہ ہو گئے کہ اسے آگسٹس کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اس نام کا مطلب ہے: دانا' دانشمند۔ چنانچہ اس مہینے کو آگسٹس کے نام پر اگست کہا گیا۔

ستمبر

30 دن رکھتا ہے' لاطینی زبان کے لفظ سیپٹ (Sept) سے بنا جس کا مطلب ہے ساتواں' اس لیے ستمبر کا مطلب ہے ساتواں مہینہ' مگر پھر کیلنڈر کی نئی ترتیب سامنے آئی تو یہ نویں درجے پر چلا گیا۔

اکتوبر

لاطینی میں آٹھ کو اوکٹو (Octo) کہا جاتا ہے۔ اسی سے سال کے آٹھویں مہینے کا نام اکتوبر رکھا گیا۔ اکتوبر کا مطلب ہے آٹھواں مہینہ' اس میں 31 دن ہوتے ہیں۔ اب یہ دسواں مہینہ ہے۔

نومبر

اس میں 30 دن ہوتے ہیں۔ لاطینی زبان میں 9 کو نووم (Novum) کہتے ہیں۔ اسی نام سے مہینے کا نام نکلا۔ نومبر کا مطلب ہے نواں مہینہ۔ ستمبر کو ساتواں' اکتوبر کو آٹھواں اور نومبر کو نواں مہینہ اس وقت کہا گیا جب جنوری اور فروری کے مہینے سال میں شامل نہیں تھے۔ بعد میں ان مہینوں کے نام تو وہی رہے' البتہ ستمبر نواں' اکتوبر دسواں اور نومبر گیارھواں مہینہ بن گئے۔

دسمبر

یہ مہینہ 31 دن رکھتا ہے۔ لاطینی زبان کی گنتی میں دس کا مطلب ہے دسم (Decem)۔ اس لفظ کی مناسبت سے دسویں مہینے کو دسمبر کہا گیا۔ اب یہ سال کا بارھواں مہینہ ہے۔

مہینوں کے انگریزی نام اس وقت وجود میں آئے جب انسان جاہلیت کا شکار اور کفر میں ڈوبا ہوا تھا۔ آج لوگ دیوی دیوتاؤں کی حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ وہ انہیں محض تصوراتی ہستیاں سمجھتے اور ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں' چونکہ ان مہینوں کے نام صدیوں سے یہی چلے آ رہے ہیں' اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ اس تاریک دور کی یاد دلاتے ہیں۔

(رانا محمد شاہد' اُردو ڈائجسٹ' جنوری 2012ء)

تراشہ نمبر 199

تصور اور تصدیق کی اقسام کا بیان اور ایمان کی تعریف

جامع منقول و معقول استاذ العلماء حضرت مولانا عطاء محمد بندیالوی دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّانَبِیَّ بَعْدَهٗ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَوْلِیَاءِ اُمَّتِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

جب فتنہ قادیانیت کا آغاز ہوا تو کئی علماء قادیانی سے مناظرہ کرنے گئے لیکن اسی کے ہو کے رہ گئے' اس لیے جب حضرت مجدّد گولڑوی کے مناظرہ کا اعلان ہوا تو حضرت خواجہ شاہ اللہ بخش صاحب تونسوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا خدشہ کی بنا پر کئی آدمی آپ کے پاس بھیجے اور فرمایا کہ وہ بڑا مکار ہے آپ مناظرہ کے لیے نہ جائیں تو حضرت مجدّد گولڑوی نے جواب میں فرمایا کہ حضرت تونسوی سے عرض کریں کہ فکر کی کوئی بات نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ہاتھ میری پشت پر ہے۔

غرضیکہ جب آپ نے دیکھا کہ علماء اس فتنہ کے مقابلے سے عاجز ہیں تو مرزا غلام احمد قادیانی کی دعوت مناظرہ کو قبول فرمایا' اور تین سو جید علماء کرام کی قیادت فرماتے ہوئے لاہور پہنچے' کئی دن لاہور میں قیام فرما رہے لیکن زندیق قادیانی سامنے نہ آیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی

نے کہا کہ میں سورہ فاتحہ کی عربی میں فصیح و بلیغ اور غیر منقوط تفسیر لکھتا ہوں اور پیر صاحب بھی ایسی ہی تفسیر لکھیں اور تین اہل علم حلفیہ فیصلہ دیں کہ کس کی تفسیر اچھی ہے' جس کی تفسیر اچھی ہو گی وہی مناظرہ میں کامیاب سمجھا جائے۔ حضرت قبلہ عالم مجدّد گولڑوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ایسی تفسیر نہ معجزہ ہے اور نہ کرامت کیونکہ دین الٰہی کے بانی فیضی نے قرآن حکیم کی ایسی تفسیر سواطع الالہام کے نام سے لکھی ہے اس لیے یہ کوئی کمال نہیں ہے کمال تو یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی قلم دوات اور کاغذ میز پر رکھ دے اور میں بھی قلم دوات اور کاغذ میز پر رکھتا ہوں جس کا قلم ازخود لکھنا شروع کر دے وہ سچا ہو گا' لیکن قادیانی نے سامنے آنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے اور پھر انگریز کو درخواست دی کہ پیر صاحب کے ساتھ ان کے افغانی مرید ہیں' اگر مناظرہ ہوا تو فتنہ وفساد برپا ہو جائے گا۔ جب اس کی اطلاع حضرت مجدّد گولڑوی کو ہوئی آپ کے ایک افغانی مرید سیٹھی کریم بخش نے ساٹھ ہزار طلائی اشرفیاں نقد ضمانت داخل کرنے کی پیش کش کی کہ ہماری طرف سے فساد ہو تو یہ تمام ضمانت ضبط کر لی جائے' مگر مرزا قادیانی اس کے باوجود نہ آیا اور خطرہ جان کا سہارا لیے رہا۔ جب حواریوں نے اصرار کیا تو قادیانی نے کہا کہ دراصل یہ لوگ ضمانت کے بدلے میرا قتل چاہتے ہیں۔ اگر میں قتل ہو گیا اور فریق مخالف کی ضمانت ضبط ہو گئی تو مجھے اس کا کیا فائدہ ہو گا۔

حضرت قبلہ عالم مجدّد گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قادیانی کے ردّ میں ''سیف چشتیائی'' اور ''شمس الہدایت'' ہر دو کتابیں تصنیف فرمائیں اس فقیر کو مستند ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب دیوبندی نے جب ان کتابوں کا مطالعہ کیا تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا کون کہتا ہے کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فوت ہو گئے ہیں وہ تو پیر مہر علی شاہ کی صورت میں زندہ ہیں۔ حضرت مجدّد گولڑوی قدس سرہ کہ اس مناظرہ کی تفصیلات مصر کے اخبارات میں چھپی تھیں کہ ہندوستان میں ایک شخص نے دعویٰ نبوت کیا ہے اور وہاں کے ایک گیلانی فاضل سید مہر علی شاہ نے اس متنبی کو میدان مناظرہ میں شکست فاش دی۔ جب یہ خبر اس وقت کے نقیب الاشراف سجادہ نشین بغداد شریف نے پڑھی تو بڑے خوش ہوئے اور فرمایا: الحمد للہ ہمارے گیلانی بھائی نے یہ خدمت دین سرانجام دی ہے۔ 1948ء میں بندہ نے اپنے حضرت سلطان العارفین محبوب الٰہی حضرت قبلہ غلام محی الدین قدس سرہ العزیز سے سنا: آپ نے بتایا

کہ مصر کا وہ اخبار جس میں مناظرہ کی خبر چھپی تھی میں نے خود اس وقت کے نقیب الاشراف کو پیش کی اور انہوں نے مذکورہ بالا الفاظ میں خوشی کا اظہار فرمایا۔

قادیانی کو شکست دینا علماء کا روگ نہیں تھا اس لیے حضرت مجدّد گولڑوی نے یہ معرکہ سرانجام دیا۔ اس کی نظیر حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں کہ آپ نے شاہ مصر سے عہدہ مانگا تھا کہ مجھے اناج کے ذخیرہ کا محافظ مقرر کیا جائے' حالانکہ کوئی عہدہ طلب کرنا درست نہیں تو فقہاء امت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جب کسی عہدہ کا مستحق صرف ایک آدمی ہو تو وہ عہدہ طلب کرسکتا ہے بلکہ طلب کرنا ضروری ہے اسی طرح جب اعلیٰ حضرت مجدّد گولڑوی قدس سرہ العزیز نے دیکھا کہ زندیق مکار قادیانی کے ساتھ فیصلہ کن مناظرہ دیگر علماء کی طاقت سے باہر ہے تو اس فریضہ کو سرانجام دینے کے لیے آپ نے میدان عمل میں قدم رکھا اور کندن ہو کر نکلے۔ اعلیٰ حضرت مجدّد گولڑوی کا طریقہ اظہار کرامت نہیں تھا لیکن وقتی ضرورت کے لیے قادیانی کو قلم کے از خود لکھنے کا چیلنج دیا' اسی طرح خواجہ غریب نواز اجمیری قدس سرہ نے دین کی تقویت کے لیے کرامت کا اظہار فرمایا' اور لاکھوں افراد مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت مجدّد گولڑوی قدس سرہ اگرچہ بحر العلوم تھے لیکن کبھی زبان مبارک سے اپنے علم وفضل کا اظہار نہ فرماتے تھے بلکہ دقیق علمی مباحث میں صرف یہ فرماتے: میں نے بھی طالب علمی کی ہے اور اسی طرح نجیب الطرفین گیلانی سید ہونے کے باوجود صرف یہ فرماتے تھے:
گھنگریالی زلفیں ہم ہاشمیوں کی علامت ہیں۔

جس قرن الشیطان کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس کا ظہور نجد میں ہوگا ہندوستان میں اسی شیطانی سینگ کا اثر سب سے پہلے مولوی اسماعیل کے ذریعہ دہلی میں ہوا۔ علماء اہل سنت نے اس کا شدید مقابلہ کیا۔ ان علماء کرام کے سرخیل مجاہد ملّت حضرت مولانا علامہ محمد فضل حق خیر آبادی قدس سرہ العزیز تھے۔ اس کے بعد اسی قرن الشیطان کا زیادہ اثر پنجاب میں موضع واں بھچراں ضلع میانوالی میں ہوا' جس کے مظہر اتم مولوی حسین علی صاحب تھے۔ حضرت قبلہ عالم مجدّد گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ مع دیگر علماء کے بہ نفس نفیس واں بھچراں تشریف لے گئے۔ مولوی حسین علی کے ساتھ مسئلہ علم غیب پر گفتگو کی' مولوی حسین علی کے ساتھ بھی اس کے ہم مسلک علماء تھے۔ حضرت مجدّد گولڑوی قدس سرہ نے مولوی حسین علی سے فرمایا: مسئلہ علم غیب پر

آپ کے پاس جوقوی دلیل ہے اسے پیش کرو۔

مولوی حسین علی نے کہا: مجھے کچھ مہلت دیجئے' میں اپنے علماء کے ساتھ مشورہ کرلوں' حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے مہلت دے دی۔مولوی حسین علی اور اس کے حامی علماء کچھ دیر بعد آئے اورآیت مبارکہ''عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ'' پڑھی۔یعنی غیب کی کنجیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اس کے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا۔حضرت قدس سرہ نے مولوی حسین علی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا آپ لوگوں کا اس آیت مبارکہ کے سامنے ایمان اورتصدیق ہے۔

مولوی حسین علی نے اثبات میں جواب دیا' اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا: تصدیق کی کتنی اقسام ہیں' کتنی مقبول اور کتنی مردود ہیں اور آپ کو اس آیت مبارکہ کے ساتھ کون سی تصدیق ہے؟ مولوی حسین علی یہ سن کر مبہوت ہوگیا اور لگا کہنے کہ ہم دیہاتی لوگ ہیں ایسی پیچیدگیوں کونہیں جانتے آپ ہم سے ہماری استعداد کے مطابق بات کریں۔حضرت صاحب قدس سرہ نے فرمایا: اگر آپ دیہاتی لوگ ہوتے تو مسلمانوں کو نماز اور روزہ کے مسائل سکھاتے آپ نے تو خاتم الانبیاء کے علم پر ہاتھ ڈالا ہے اس لیے آپ کو میرے سوال کا جواب دیناہوگا۔

اس کے بعد مولوی حسین علی مراقبہ میں چلا گیا اور پھر ایک دم اٹھ کر بھاگ کھڑا ہوا' لوگ پکڑتے ہی رہ گئے۔جب مولوی حسین علی اٹھ کر بھاگا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ جگہ تر تھی' اب جگہ کا تر ہونا ایک لطیفہ ہوگیا' کوئی پیشاب اور کوئی پسینہ کی توجیہ کرتا' اس کے علاوہ بھی کئی توجیہات ہیں' اگر ان کا ذکر کیا جائے تو مضمون طویل ہوجائے گا۔حضرت استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا غلام محمد گھوٹوی فرماتے تھے کہ میں اس مناظرہ میں موجود تھا۔جب مولوی حسین علی مجلس مناظرہ سے فرار ہوا تو میری زبان سے بے ساختہ نکلا''فَـرَّتْ مِنْ قَسْـوَرَہ'' (المدثر:51)۔

حضرت علامہ گھوٹوی فرماتے تھے کہ حضرت مجدّ د گولڑوی قدس سرہ نے جو سوال مولوی حسین علی سے کیا تھا اس کا جواب نہ تو مولوی حسین علی کو معلوم تھا اور نہ ہی علماء کو معلوم تھا جو اعلیٰ حضرت گولڑوی قدس سرہ کے ہمراہ تھے' اور اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ اس

فقیر نے حضرت استاذ جناب مولانا غلام محمود صاحب رحمہ اللہ ساکن پپلاں ضلع میانوالی (جو کہ اس مناظرہ کے شرکاء میں سے تھے) سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے: میں کافی عرصہ تک کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا کہ حضرت قدس سرہ کے اس سوال کا ماخذ کیا ہے۔ ایک عرصہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ اس سوال کا ماخذ فتوحات مکیہ ہے۔ یہ کتاب ویسے بھی مشکل ہے لیکن شیخ اکبر نے اس سوال کو اس قدر مشکل پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ سمجھنا بڑا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مجدد گولڑوی کے اس مناظرہ کے ساتھ ہی یہاں وہابیت کے خلاف زور و شور سے کام شروع ہو گیا جو آج تک جاری ہے۔ یہ فقیر سراپا تقصیر بھی مدت مدید تک سوچتا رہا کہ تصدیق کی کتنی قسمیں ہیں' کون سی مقبول اور کون سی مردود ہیں' جیسا کہ حضرت مجدد گولڑوی قدس سرہ نے مولوی حسین علی سے سوال کیا ہے' یہ عاجز اپنی بے بضاعتی کے باوجود صرف طلبہ کے فائدے کے لیے اسی بحث کا کچھ ذکر کرتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ اعلیٰ حضرت مجدد گولڑوی قدس سرہ کی بھی یہی مراد ہو۔ ملاحظہ فرمائیے:

علم کی دو قسمیں ہیں: اول تصور دوم تصدیق۔ ان دونوں کی تعریف کتب منطق میں مذکور ہے' پھر تصور کی آٹھ قسم اور تصدیق کی سات قسم ہیں' تصور کی آٹھ اقسام سے چار قسم ایسی ہیں کہ ہر ایک کا کوئی مخصوص نام نہیں ہے بلکہ چاروں کو تصور ہی کہا جاتا ہے۔

(1) صرف ایک چیز کا علم و ادراک جیسا کہ زید کا علم'

(2) متعدد چیزوں کا علم و ادراک جن میں کوئی نسبت نہیں ہے نہ تامہ اور نہ ناقصہ جیسے زید' عمرو' بکر' واحد' اثنان' ثلثہ کا علم و ادراک'

(3) متعدد چیزوں کا علم و ادراک کہ ان میں نسبت غیر تامہ اور ناقصہ جیسے مضاف اور مضاف الیہ' صفت اور موصوف کا علم و ادراک' جیسے ''غلامُ زیدٍ'' اور ''رجلٌ فاضلٌ''

(4) متعدد چیزوں کا علم و ادراک جن میں نسبت تامہ انشائی ہے' جیسے ''اضرب لا تضرب'' کا علم و ادراک' یہ تصور کی وہ چار قسم ہیں جن کا کوئی مخصوص نام نہیں ہے بلکہ سب کو تصور کے عام نام سے تعبیر کیا جاتا ہے' اور ان چاروں تصورات میں نسبت تامہ خبری نہیں ہے' اور پہلی دو قسم میں کوئی نسبت نہیں ہے' نہ تامہ اور نہ ناقصہ اور تیسری قسم میں نسبت غیر تامہ اور ناقصہ ہے اور چوتھی قسم میں نسبت تامہ انشائی ہے۔

اور تصور کی چار قسم وہ ہیں جن کا خاص خاص یعنی الگ الگ نام ہے اور چاروں میں نسبت تامہ خبری کا ادراک ہوتا ہے۔

(1) تخییل: مثلاً ''زید قائم'' کسی نے سنا تو نسبت تامہ خبری کا ادراک اور علم تو حاصل ہو گیا لیکن اس طرح توجہ نہ کی کہ واقع میں بھی ایسا ہوا یا نہیں۔

(2) تکذیب: کہ نسبت تامہ خبری کا ادراک ہوا اور توجہ کی تو انکار پیدا ہوا کہ ایسا نہیں ہے۔

(3) شک: کہ نسبت تامہ خبری کا علم وادراک حاصل ہوا اور توجہ بھی کی لیکن دونوں جانب برابر ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایسا ہوا اور توجہ بھی کی لیکن دونوں جانب برابر ہیں ہوسکتا ہے کہ ایسا ہوا اور ہوسکتا ہے کہ ایسا نہ ہو۔

(4) وہم: کہ نسبت تامہ خبری کا علم وادراک حاصل ہوا اور توجہ کی تو ایک راجح اور دوسری جانب مرجوح ٹھہری جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک جانب کی طرف خیال قوی اور راجح ہے اور دوسری جانب کمزور اور مرجوح تو مرجوح اور کمزور جانب کا علم اور ادراک یہ وہم ہے اور یہ تصور کی آخری قسم ہے' اور راجح اور قوی جانب کے علم وادراک کا نام ظن ہے اور یہ تصدیق کی پہلی قسم ہے تصدیق کا آغاز ظن سے ہوتا ہے' یہاں تک تصور کی آٹھ قسم مکمل ہوگئیں۔

یہ اقسام تصور کی ابتدائی اور اوّلی ہیں اور ان کو اگر آگے بڑھایا جائے تو سینکڑوں اقسام ہو جاتے ہیں جن کو اجمالی طور پر یہاں ذکر کیا جاتا ہے' ملاحظہ ہو مذکورہ آٹھ تصور یا تو مَا شَارِحَہ کے جواب میں آئیں اور یا مَا حقیقیہ کے جواب میں تو اب سولہ قسم ہوگئیں' اور پھر یہ سولہ پہلی دفعہ ذہن میں آئیں گی یا ذھول کے بعد دوسری دفعہ جیسا کہ تعریف لفظی ہوتی ہے تو اب بتیس 32 قسم ہوگئیں اور پھر ہر ایک تصور یا تو حد تام سے حاصل ہوگا یا حد ناقص سے اور یا رسم تام یا رسم ناقص سے حاصل ہوگا تو تمام اقسام ایک سو اٹھائیس 128 ہوئیں اور پھر ہر ایک بداہۃً حاصل ہوگا یا فکر ونظر سے تو اب تمام اقسام دو سو چھپن 256 ہوئیں۔

اس کے بعد تصدیق کی سات قسم ملاحظہ ہوں:

(1) ظن جس کی تعریف قبل ازیں گزر چکی ہے کہ ظن اس جانب غالب کا نام ہے کہ دوسری جانب مرجوح اور کمزور ہو'

(2) جہل مرکب کہ نسبت تامہ خبری کا جزم ہوتا ہے اور دوسری جانب کو جائز نہ سمجھا جائے اور واقعہ کے خلاف ہو اور کسی کی تشکیک سے زائل نہ ہو'

(3) تقلید مخطی کہ یہ جہل مرکب کی طرح ہوتی ہے لیکن تشکیک سے زائل ہو جائے'

(4) تقلید مصیب کہ جزم واقع کے مطابق ہو اور تشکیک سے زائل جائے'

(5) علم الیقین'

(6) عین الیقین'

(7) حق الیقین۔

یقین کی ان تینوں اقسام میں نسبت تامہ خبری کا جزم ہوتا ہے اور جانب مخالف کو جائز نہیں سمجھا جاتا اور مطابق واقع کے ہوتا ہے اور تشکیک سے زائل نہیں ہوتا لیکن علم الیقین میں جو جزم ہے اس کی بنا حس اور تجربہ پر نہیں ہے جیسا کہ مسلمانوں کو عذاب قبر کا یقین ہے لیکن یہ یقین حس اور تجربہ سے حاصل نہیں بلکہ دلائل نقلیہ سے حاصل ہے اور عین الیقین میں یقین کی بنا حس پر ہے' جیسا کہ کوئی مسلمان دیکھے کہ مردہ کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے تو اس مسلمان کو قبل ازیں صرف علم الیقین تھا اور دیکھنے کے بعد عین الیقین حاصل ہوگا اور جس کو عذاب قبر ہو رہا ہے اسے حق الیقین کا درجہ حاصل ہے' اب یہاں ضروری ہوا کہ قرآن پاک کی ایک آیت مبارکہ کو حل کیا جائے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَ لٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ''۔ (البقرۃ:260)

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے رب العزت کے دربار میں عرض کی کہ اے میرے رب! تو مردوں کو کس طرح زندہ فرمائے گا تو رب العزت نے فرمایا: کیا تجھے اس پر ایمان نہیں ہے؟' تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا: ایمان تو ہے لیکن اطمینان قلبی مطلوب ہے تو یہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبل ازیں علم الیقین تھا اور اب حق الیقین مطلوب تھا اس لیے انہوں نے پرندوں کو خود ذبح کیا اور مختلف پہاڑوں پر ان کا گوشت رکھا اور ہر پرندہ کا سر اپنے پاس رکھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر سب پرندوں کو زندہ کیا تو اب آپ کو حق الیقین حاصل ہوا یہاں تک تصدیق کی سات قسم آگئی ہیں۔

اب دیکھنا ہے کہ ان اقسام سے مقبول کتنی ہیں اور مردود کتنی ہیں تو جاننا چاہیے کہ جہل مرکب اور تقلید مخطی ہر دو بالا تفاق مردود ہیں اور بعض ائمہ کے نزدیک اعتقادیات میں تقلید مصیب بھی مقبول نہیں اور یہ ایمان مقلد کا مسئلہ ہے کہ تقلید کے ذریعہ جو ایمان لائے تو یہ ایمان مقبول ہے یا نہیں تو اس میں شیخ اشعری اور ابوالمنصور ماتریدی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے اور چونکہ اعتقادیات دو قسم ہیں: قطعی اور ظنی اور قطعی اعتقاد دلیل ظنی سے حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے تو یہاں تصدیق ظنی کافی اور مقبول نہیں ہے' البتہ اعتقاد ظنی میں تصدیق ظنی کافی ہے جیسے یہ مسئلہ کہ فرشتے افضل ہیں یا آدمی افضل ہیں تو یہ ظنی عقیدہ ہے اور قرآن پاک میں ہے: ''اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا'' اور ''اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ'' مراد یہ ہے کہ جہاں قطعیت مقصود ہو وہاں ظن فائدہ نہیں دیتا اور یہ ظن گناہ ہے ہر ظن گناہ نہیں ہے تو خلاصہ یہ ہوا کہ چار تصدیق مقبول نہیں۔ باقی جو یقین کی اقسام ہیں یہ سب مقبول ہیں۔

بندہ نے اپنی بے بضاعتی کے باوجود حضرت مجدّد گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سوال کی کچھ تفصیل ذکر کی ہے۔ بندہ کو اہل علم کی بے حسی پر افسوس ہوتا ہے کہ کسی اہل علم نے حضرت صاحب مجدّد گولڑوی سے اس سوال کی تفصیل پوچھ کر بغرض افادہ عام نہیں کی ہے چونکہ یہ سوال بڑا اہم تھا اس لیے موافق اور مخالف علماء نے اس پر ضرور غور کیا ہوگا اور کچھ نہ کچھ تفصیل وہ جانتے ہوں گے لیکن آج ہم ان تفصیلات سے بالکل بے خبر ہیں۔

(مہر منیر' مؤلفہ: علامہ فیض احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ' میں بھی ایک اور انداز میں تفصیل ہے)

جنگ عظیم اول کی بات ہے کہ اس دور میں ترکی مسلمان خلافتِ عثمانیہ کے سلطان کو عالم اسلام کا خلیفہ مانتے تھے۔ انگریز نے دوسری اسلام دشمن طاقتوں سے مل کر خلافت عثمانیہ کو ختم کر دیا۔ ہندوستان کے ہندوؤں نے مسلمانوں کو ورغلایا کہ انگریز نے تمہاری خلافت کو ختم کیا ہے اس لیے ہم ہندوستان کے باشندے آپس میں مل کر متحدہ محاذ قائم کرتے ہیں اور انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں اور ترکوں کی مدد کرتے ہیں' چونکہ ہندوستان کے مسلمان ترکوں کی شکست کی وجہ سے بہت آزردہ تھے اور انگریز کے خلاف ان کے جذبات مشتعل تھے اس لیے مسلمان ہندو کانگریس سے مل گئے اور اس ہندو مسلم اتحاد میں اتنا غلو کیا کہ گاندھی وغیرہ کی مسجدوں کے ممبروں سے تقریریں کرائیں اور بڑی قربانیاں دیں' پھر ہندوؤں

نے مسلمانوں کو یہ سبق دیا کہ ہجرت مسلمانوں کی ایک شاندار روایت ہے' اس لیے ہندوستان کے مسلمان یہاں سے ہجرت کر جائیں۔

مسلمان ہندوؤں کی اس چال میں آگئے اور اپنی جائیدادیں نہایت ارزاں فروخت کر کے افغانستان ہجرت کر گئے لیکن شومئی قسمت سے اس وقت کی حکومت نے ان مہاجرین سے کچھ اچھا سلوک نہیں کیا تو ان لوگوں کی اکثریت کس مپرسی کا شکار ہو کر رہ گئی۔ اس صورت حال سے مسلمانوں کو شدید مالی و جانی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ بعض دوسرے اسلامی ممالک کی طرف نکل گئے اور بعض کو افغانیوں نے پچاس روپے فی کس کے حساب سے انگریزوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس ہجرت سے ہندوؤں کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ایک مجاہد قوم ہے اور ہمیشہ ہم پر مسلط رہی ہے۔ اگرچہ ہندوستان میں یہ اقلیت ہیں مگر ہجرت کے بعد یہ اقلِ قلیل ہو جائیں گے اور ہمارے کسی کام میں رکاوٹ نہیں بن سکیں گے۔ حضرت مجدّد گولڑوی قدس سرہ نے اس تحریک کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے چند وجوہ تھے:

(1) اگر انگریز اس ملک سے چلے گئے تو سارا ہندوستان مسلمانوں اور ہندوؤں کا مشترک ہو گا۔ اگر مسلمان ہجرت کر گئے تو ہندو مزید اکثریت میں ہوں گے اور مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا بلکہ مسلمان انگریز کے بجائے ہندوؤں کے غلام ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کو اپنا علیٰحدہ وجود اور حیثیت قائم کرنی چاہیے جس کی واحد صورت یہ ہے کہ تمام مسلمان مل کر اسلامی اصولوں کے مطابق علیٰحدہ تنظیم قائم کریں' یہاں تک کہ مستند روایات کے مطابق حضرت مجدد گولڑوی قدس سرہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی ایسی علیٰحدہ تنظیم کے لیے میں لنگر کی ہر چیز امداد کے طور پر دینے کو تیار ہوں۔

(2) حضرت مجدد گولڑوی قدس سرہ نے ہندو مسلم اتحاد کے ان اثرات پر سخت تنقید فرمائی کہ گاندھی وغیرہ مشرکین کو مساجد میں منبر رسول ﷺ پر بٹھا کر ان کی عزت افزائی کی جائے اور تقاریر کا موقع دیا جائے' یہ شرع شریف میں نہایت قبیح ہے۔

(3) حضرت مجدد گولڑوی قدس سرہ کا فرمان تھا کہ مسلمانوں نے ہزار سال ہندوستان پر حکومت کی اور یہ ان کا اپنا ملک ہے۔ مسلمان ہجرت کر کے اپنے ملک کو چھوڑ کر کابل وغیرہ کیوں جائیں۔ ہندوؤں نے جو مسلمانوں کو ہجرت کا مشورہ دیا ہے یہ بدنیتی پر مبنی

ہے۔اس طرح یہ مسلمانوں سے ہزار سالہ دور حکومت کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔

حضرت مجدد گولڑوی قدس سرہ کو اپنے اس مسلک کی وجہ سے بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑتا جس کو آپ نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ بہت سے اتحادی لیڈروں نے جید علماء کو اس امر پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ آپ کے ساتھ ہندو مسلم اتحاد کی شرعی حیثیت پر گفتگو کریں مگر کسی میں تاب سخن نہ تھی۔آخر وہی ہوا جو اعلیٰ حضرت مجدّد گولڑوی نے فرمایا تھا۔ تحریک خلافت اور کانگریس میں ہندو مسلم اتحاد کے لیے مسلمانوں نے بیش بہا قربانیاں دیں لیکن یہ تمام قربانیاں گاندھی کے کھاتہ میں لکھی گئیں اور مسلمان اکابر نے جب ہندوؤں کو نزدیک سے دیکھا تو ان پر یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ ان ہندوؤں کے دلوں میں ہماری کوئی جگہ نہیں بلکہ ان کا خیال ہے کہ انگریز ہندوستان سے چلے جائیں تو مسلمانوں کو غلام بنا کر ان پر حکومت کی جائے اس لیے مسلمانوں کی بالادستی کے لیے کوشاں ہونا چاہیئے۔حضرت مجدّد گولڑوی قدس سرہ کے کارناموں کا احاطہ کرنا اس فقیر بے بضاعت کی طاقت سے باہر ہے۔ تاہم مشتے نمونہ ازخروارے تین مقامات کا یہاں ذکر کیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبولوں کے طفیل اس فقیر کو معہ اپنے اہل وعیال کے دین ودنیا میں کامیاب وکامران فرمائے' اور خاتمہ ایمان پر ہو اور قیامت میں بوسیلہ اپنے محبوب پاک صاحب لولاک جنت الفردوس عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین!

حررہ: الفقیر عطا محمد چشتی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

تجلیات مہر انور' مصنف: شاہ حسین گردیزی

جامعہ حامدیہ رضویہ گلشن رضا' کراچی

21 جمادی الثانیہ 1414ھ/22 فروری 1984ء

(تجلیات مہر انور' بعنوان: ابتدائیہ' مصنف: سید علامہ شاہ حسین گردیزی)

تراشہ نمبر 200

اجتہاد کی آڑ میں الحاد کی یلغار

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

آج کل ہمارے ہاں مجتہدین کی بہار آئی ہوئی ہے' جدھر دیکھو کوئی نہ کوئی مجتہد نظر آئے گا' کسی دفتر میں چلے جائیں' کسی اجتماع میں چلے جائیں' کسی گاڑی میں سفر کریں' کوئی نہ کوئی امت کے غم میں مارا ہوا مجتہد مل جائے گا۔ جو لوگ کالجوں یونیورسٹیوں کے پڑھے ہوئے ہیں اور اگر انہوں نے کچھ اسلامی کتابوں یا کسی تفسیر کا مطالعہ کر لیا ہے تو وہ نہ صرف مجتہد بلکہ مجدد بھی نظر آئیں گے۔

اجتہاد سے اہل علم میں سے کسی کو کبھی بھی انکار نہیں رہا' جناب رسالت مآب ﷺ کے زمانے کے بعد سے ہر دور میں اہل علم و فضل نے اس پر عرق ریزی سے کام کیا اور امت مسلمہ کو صراط مستقیم سے بھٹکنے سے بچایا۔ اسلام کے پھلنے پھولنے پر منافقت پر ہیجان طاری تھا' اس نے رسول اکرم ﷺ کے دور سے ہی سازشیں شروع کر دیں تھیں جو کہ ہر دور میں نئے زاویوں سے جاری رہیں۔ آج کل میڈیا کی ترقی کی وجہ سے اس میں تیزی آ چکی ہے۔

انگریز جب برصغیر میں آیا تو اس نے سب سے پہلے یہاں پر اپنے پاؤں مضبوط کرنے کے لیے اپنے کلچر اور نظام تعلیم کو فروغ دینے کی کوشش کی' اقتدار چونکہ اس وقت مسلمانوں کے پاس تھا اس لیے ضروری تھا کہ ان کو نہ صرف بے دین بلکہ بددین بنا دیا جائے' 1835ء میں وزیر ہند لارڈ میکالے نے برطانوی دارالعوام میں جو تعلیمی پالیسی پر تقریر کی اس کا لُب لُباب یہی تھا کہ سیکولر نظام تعلیم ہو اور مذہب کو ذاتی درجہ دے کر ثانوی حیثیت دیدی جائے۔ بہ قول اس کے: ہندوستان میں ایسی تعلیم رائج کی جائے جس کے ذریعے ہر ہندوستانی لباس' بول چال' رہن سہن اور طرز تمدن میں انگریز معلوم ہونے لگے چاہے وہ عیسائی نہ بھی ہو مگر زندگی کے ہر شعبہ میں انگریز دکھائی دے۔

1857ء کی جنگ (جہاد) آزادی کے بعد انگریز نے باقاعدہ ''تحریک آزادیٔ فکر'' کے پُرکشش عنوان سے اس کو اُبھارا گیا جس کو مذہب سے بےزار لوگوں اور برطانوی سامراج کے آلہ کاروں نے بڑی خوشی سے خوش آمدید کہا۔ ان لوگوں کو یورپ کے دورے کرائے گئے' ان کو یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھا کر ان کی ذہن سازی کی گئی۔ 1870ء میں سرسید احمد خان کو برطانیہ کا دورہ کرایا گیا' وہ نہ صرف انگریز کے نظام تعلیم سے متاثر ہوئے بلکہ انتہائی مرعوب بھی ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے واپس تشریف لا کر علی گڑھ میں ایک تعلیمی ادارہ سر ولیم میور کی زیر نگرانی قائم کیا' پھر اس کے بعد اسلام کی متفقہ تعلیمات میں موشگافیاں کرنے لگ گئے۔ سرسید احمد خان نے انگریز کی حمایت سے اپنی عقل کے مطابق دین کو سمجھنے کی بنیاد پر نیچری مذہب کی داغ بیل ڈالی۔ چنانچہ قرآن پاک کی ہر آیت کو اپنی عقل کے مطابق پرکھا اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے تاویل کر ڈالی۔ نص قطعی میں اپنی عقل کے مطابق موشگافیاں کیں' مثلاً!

جنت اور دوزخ کے خارجی وجود سے انکار۔ فرشتوں اور جنوں کے وجود کا انکار۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار' خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے حکم کا انکار۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے' ماں کی گود میں کلام کرنے اور زندہ آسمان پر اُٹھائے جانے سے انکار۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج جسمانی کا انکار۔ (دیکھئے: سرسید کی تفسیر القرآن)

مشہور مؤرخِ اسلام مولانا نجم الحسن رامپوری (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی کتاب ''مذاہب اسلام'' کے صفحہ 643 پر سرسید کے متعلق لکھتے ہیں:

راجہ رام موہن رائے ایک بنگالی ہندو نے اسلام اور پادریوں کی کتب سے واقف ہو کر ایک نئے مذہب برہمو سماج کی بنیاد رکھی۔ سرسید نے کلکتہ میں جب ان سے ملاقات کی اور برہمو سماج مذہب کو ہونہار دیکھا اور اس کے اصولوں کو یورپ کے فلاسفروں اور ایشیاء کے معلموں کے مطابق خیال پا کر اس کو ازحد پسند کیا اور دل میں جو مراد تھی' اس کو بلا محنت و مشقت پایا۔

پس دل میں یہ سوچ کر کہ برائے نام تو اسلام ہو مگر اس کو برہمو سماج مذہب کے مطابق کیجئے۔ لفظ نبی' جبرائیل' جنت اور دوزخ' وحی والہام' شیطان بلکہ آسمان و جن کو تو بحال رہنے دیجئے اور ہر مسلمان سے کہیے کہ میں ان چیزوں پر ایمان رکھتا ہوں تا کہ مسلمانوں کو مجالِ تکفیر نہ

ہواوران الفاظ کے معنی بالکل پلٹ دیجئے۔

سرسید کہتے ہیں کہ نبوت ایک فطری ملکہ ہوتا ہے (تہذیب الاخلاق مصنفہ سرسید احمد خاں) اور جس شخص میں جس فن کا ملکہ بدرجہ کمال ہوتا ہے وہ اسی فن کا امام یا پیغمبر ہے۔ لوہار بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے۔ شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے۔ ایک طبیب بھی فن طب کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے' مگر جو شخص روحانی امراض کا طبیب ہوتا ہے اور جس میں اخلاق انسانی کی تعلیم وتربیت کا ملکہ ہو' بمطابق اس کی فطرت کے' خدا سے عنایت ہوتا ہے' وہ پیغمبر کہلاتا ہے۔ خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکہ نبوت کے جس کو ناموسِ اکبر کہتے ہیں اور زبان شرعی میں جبرائیل کہتے ہیں اور کوئی جسم ایلچی یا پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ خود اس کے دل سے فوارے کی مانند وحی اٹھتی ہے اور خود اس پر نازل ہوتی ہے۔ وہ اپنا کلامِ نفس ان ظاہری آنکھوں سے اس طرح پر دیکھتا ہے جیسے دوسرا شخص اس کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔

(مذاہب اسلام' ص 644' مصنفہ مولانا نجم الحسن رام پوری)

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت کے صاحب بصیرت علماء نے سرسید احمد خان پر ان کی عقلی خرافات کی بنیاد پر کفر کا فتویٰ جاری کردیا' سرسید کی ان خرافات نے ہر اس شخص کے لیے مذہب اسلام میں تحریف کا راستہ کھول دیا جو کہ اسلام سے کسی نہ کسی بہانے سے بےزار تھا۔

1857ء کے بعد تسلسل سے اسی طرح مختلف فرقوں اور گروہوں نے جنم لیا' جس کی بنیاد فکری آزادی' اسلاف کی تقلید سے بیزاری پر تھی۔ قرآن اور حدیث کے معانی اور مفہوم کو بدل دیا۔ یہاں تک کہ نئی نبوت کی بنیاد ڈالدی گئی۔ مگر اس وقت کے علماء (خصوصاً علماء لدھیانہ کے خاندان) کی دینی بصیرت نے کام دکھایا اور مرزا غلام احمد قادیانی پر کفر کا فتویٰ جاری کرکے مسلمانوں کے عقیدۂ ختم نبوت کو محفوظ تر کردیا۔ یہ زمانہ وہ تھا جس میں کفر کے فتوے کا اتنا بڑا فیصلہ کرنا انتہائی دشوار تھا کیونکہ اسلام کے نام سے اتنے فتنے اُبھر کر سامنے آچکے تھے کہ ان میں کھرے اور کھوٹے کا امتیاز کرنا مشکل تھا۔ بڑے بڑے علمی مراکز بشمول دارالعلوم دیوبند ودیگر مکاتب فکر کے علمائے کرام اس سلسلے میں متذبذب تھے۔ بعد میں ان تمام اہل علم نے علماء لدھیانہ کے اس علمی فیصلے کو نہ صرف قبول کیا بلکہ ایک تحریک کے ذریعے ختم نبوت کے منکروں کو قانونی طور پر دائرہ اسلام سے خارج بھی کردیا۔

جہاں پر جہاد کی بات ہوتی ہے وہیں پر اجتہاد کی بات کی جاتی ہے گویا کہ اجتہاد کا سب سے بڑا مقصد جہاد کو اسلامی عقائد سے نکالنا ہے۔ اس کام کے لیے نئی نبوت کی بنیاد ڈالی گئی اور مرزا غلام احمد قادیانی نے اس پر عمل کیا کیونکہ جہاد ہی مسلمانوں میں ایک جذبہ تھا اور ہے جو کہ غیر ملکی اور غیر مسلم حکمرانوں سے نجات کا راستہ دکھاتا تھا۔

آج کل پھر جہاد کی تردید کا چرچا ہے' مگر مشکل یہ ہے کہ اب نئی نبوت کی بنیاد نہیں ڈالی جا سکتی کیونکہ مسلمان قوم اس سلسلہ میں اتنی حساس ہو چکی ہے کہ اب یہ کھیل نہیں کھیلا جا سکتا۔ اس لیے ضروری ہو چکا ہے کہ اجتہاد کو عام کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اب آپ جہاں بھی بیٹھیں ایک ہی موضوع ملتا ہے وہ ہے اجتہاد۔ ہر ایک نے اپنا فہم اسلام بنا لیا۔ جو شخص اجتہاد تو بڑی دور کی بات ہے اس کے اصولوں سے بھی واقف نہیں تھا اس نے اپنا اجتہاد ایجاد کر لیا۔ اس کے لیے اہل علم ہونا ضروری نہیں صرف نام کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ آپ کا نام مسلمان ہونا چاہیے' اور کبھی کبھار کسی موقع پر اسلام پر آپ کا خطاب ہو جائے یا آپ نے کسی کتاب کا مطالعہ اسلام کے نام پر کر لیا ہو تو بس پھر سمجھ لیجئے آپ مجتہد بن گئے۔

آج کل ہمارے مجتہدین کے موضوع دو ہیں: ایک جہاد دوسرا کسی کو کافر نہ کہا جائے۔ جہاد کے متعلق بہت کچھ ہمارے اہل علم نے لکھا ہے کہ مزید کی گنجائش نہیں۔ البتہ کافر کے متعلق کچھ عرض کریں گے۔ ان حضرات کا خیال ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے بعد قیامت تک کسی کو اجازت نہیں ہے کہ کوئی کسی کو کافر کہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اور احادیث میں عقائد اور اعمال کے متعلق جو کچھ کہا جا چکا ہے وہ صرف دورِ نبوی ﷺ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اب اس کے بعد وہ لوگ پیدا ہونا ہی بند ہو گئے۔ یعنی لوگ کافر ہونا بند ہو گئے' ساری دنیا مسلمان ہو گئی۔ اسی طرح قرآن نے منافق کا لفظ استعمال کیا ہے' معلوم ہوتا ہے دورِ نبوی ﷺ کے بعد منافقت ختم ہو گئی' اس لیے کسی کو منافق نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح فاسقین کا لفظ آتا ہے' لگتا ہے کہ فسق و فجور ختم ہو گیا۔ قرآن میں ظالم کا لفظ آتا ہے اب ان کے مطابق دنیا میں ظلم ختم ہو چکا ہے' کسی کو ظالم نہ کہا جائے۔ گویا کہ کسی میں اگر کفر کے عقائد یا اعمال پائے جاتے ہیں تو اس کو کافر نہ کہا جائے۔ اسی طرح فسق' منافقت' ظلم جس میں پایا جائے تو اس کو کچھ نہ کہا جائے۔

قرآن وحدیث میں مؤمن اور مسلم کا لفظ بھی آتا ہے' وہ تو اس وقت تھے' اب ان مجتہدین کے نظریے کے مطابق لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو مؤمن اور مسلم کہنا بند کردیں۔ آج کل اس پر بھی بحث ہو رہی ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ ایک ٹی وی چینل پر نجم الدین سیٹھی صاحب فرما رہے تھے کہ لوگوں کو آج کل اسلام فوبیا ہو گیا ہے' اگر کسی سے پوچھا جائے کہ آپ کون ہیں تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں' حالانکہ چاہیے کہ وہ اپنے ملک کا تعارف کرائے کہ میں پاکستانی ہوں' یا کسی دوسرے ملک کا باشندہ ہوں اس روش کو بدلنا چاہیے۔

اصل میں ان حضرات کا مقصد یہ ہے کہ مولوی لوگوں کو کافر بناتا ہے اس لیے اس سے کسی نہ کسی طرح سے جان چھڑائی جائے' حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مولوی کسی کو کافر نہیں بناتا بلکہ کافر بتاتا ہے' جس طرح حکیم و ڈاکٹر لوگوں کو مریض نہیں بناتے بلکہ مریض بتاتے ہیں' کہ یہ شخص مریض ہے۔ یہ لوگ لفظ کفر کے لغوی اور اصطلاحی معنی سے بحث کر کے عوام الناس کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں۔ یہ وہی طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے جو کہ سرسید اور مرزا قادیانی نے اختیار کیا تھا۔ مطلب یہ کہ الفاظ کے لغوی معنوں میں قوم کو الجھا کر قوم کا ایمان تباہ کیا جائے۔ مرزا قادیانی نے لفظ خاتم کا معنی مہر کر کے رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کے معنی بدل دیئے تھے اور اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔

کچھ مجتہدین زمانہ کا خیال ہے کہ مولوی حالات زمانہ کا خیال نہیں کرتے اور پرانی ہی باتوں کو آگے بڑھاتے رہتے ہیں جبکہ قرآن نے بھی سابقہ انسانی تجربات کو دہرایا ہے' نیز خود جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے دور میں جاری معاشرتی قوانین سے بھی استفادہ کیا' اور ان کو جاری فرمایا' لہٰذا موجودہ دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آج کل کے رسوم و رواج کو بھی اہمیت دینی چاہیے۔ اس لیے نئی فقہ پارلیمنٹ کے ذریعے بنائی جائے' جس میں ہر کوئی اپنی پسند کے مطابق اپنے مسئلے کا حل نکالے۔

ماشاء اللہ کیا خوب دور کی کوڑی لائے ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ موجودہ دور کا وہ کون سا تقاضا ہے جس پر علماء کی گہری نظر نہیں ہے۔ الحمد للہ علماء نے ہر دور میں ہر چیلنج کا مقابلہ کیا اور ہر مسئلہ کا حل نکال کر پیش کر دیا' یہ الگ بات ہے کہ علماء نے حرام کو حلال قرار نہیں دیا جس کو یہ لوگ حلال کروانا چاہتے ہیں' مثلاً سود کو کسی نہ کسی طرح سے حلال کروانا چاہتے ہیں

اس کو موجودہ دور کا تقاضا کہا جاتا ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی یہ حالات کا تقاضا تھے تب بھی رسول اللہ ﷺ کے دور میں اس کی کسی شکل کو حلال قرار نہیں دیا گیا۔ اسی طرح جہاد کو یہ لوگ حرام قرار دینا چاہتے ہیں' اس کو بھی حالات کا تقاضا بایں معنی قرار دیتے ہیں کہ یہ صرف حکومت وقت کا کام ہے' اس بات کے تو ہم بھی قائل ہیں مگر کون سی حکومت' جو اپنے ملک کے باشندوں کو رقم لے کر غیروں کے حوالے کر دے۔ اپنے ملک میں غیروں کو ہر قسم کی غیر قانونی سرگرمیوں کی اجازت دیدے۔

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کا اپنے دور میں جاری معاشرتی قوانین سے بھی استفادہ کرنے کا معاملہ ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ وہ صاحب نبوت و شریعت تھے' ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن میں واضح طور پر فرما دیا ہے:

وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ جس کا نبی حکم دے اس پر عمل کرو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ نبی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہی کچھ کہتا ہے جس کی اس کو وحی کی جاتی ہے۔

تو اللہ کا رسول' اللہ کی اجازت و حکم سے یہ سب کچھ کرتے ہیں' مگر ہمارے مجتہدین یہ چاہتے ہیں کہ ان کو بھی یہ اختیار حاصل ہو جائے' اصل مسئلہ ان مجتہدین کا یہ ہے کہ اجتہاد کا اختیار ان ہی بے عملوں کو دے دیا جائے جن کے نزدیک صرف مسلمان ہونا کافی ہے۔ یہ اسلام میں اجتہاد کے نام سے ایسا معاشرہ تشکیل دینا چاہتے ہیں کہ رند کے رند بھی رہیں اور ہاتھ سے جنت بھی نہ جائے۔

میرا 1981ء سے یورپی ممالک اور امریکہ و کینیڈا جانا رہتا ہے' وہاں پر میں نے مجتہدین' مفسرین' مجددین' مفکرین کا انبوہ دیکھا ہے۔ ہر شخص اپنے مطالعہ کے زور پر ان تمام خصوصیات کا مالک بن بیٹھا ہے۔ علماء کے متعلق ان کا نظریہ وہی ہے جو کہ ہمارے مجتہدین کا ہے۔

ایک دفعہ امریکہ میں اسی قسم کے ایک مجتہد صاحب سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ وہ اس طرح کہ جس مسجد میں میرا قیام تھا وہاں پر ایک وکیل صاحب اتوار کے دن درس قرآن دینے

کے لیے آتے تھے‘ ان کا تعلق وہاں کے کسی اسلامی سرکل سے تھا۔ ان کے درس قرآن میں سب سے زیادہ زور اجتہاد پر تھا‘ اور وہ بھی اس انداز میں کہ اس کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے‘ بس خود ہی پڑھ لو‘ خود ہی سمجھ لو اور خود ہی عمل کر لو‘ کیونکہ آج کل کثیر تعداد میں قرآن کی تفاسیر اور احادیث کے مجموعے آچکے ہیں۔ انہوں نے اپنے بیان میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی حدیث بیان کی‘ جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان سے پوچھا کہ تم وہاں جا کر کس طرح نظام چلاؤ گے۔ اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ قرآن سے رہنمائی لوں گا‘ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ اگر قرآن سے مسئلہ حل نہ ہوا تو کیا کرو گے‘ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر میں حدیث سے رہنمائی حاصل کروں گا‘ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ اگر حدیث سے بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو کیا کرو گے تو حضرت معاذ نے عرض کیا کہ میں اجتہاد کروں گا۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں کہ جس کے رسول کے قاصد نے اس کی موافقت کی‘ پھر اپنا فلسفہ بکھیرتے ہوئے لوگوں سے فرمایا کہ آج کل اجتہاد کی بڑی ضرورت ہے‘ امت میں جمود نہیں ہونا چاہیے‘ کوئی بھی صاحب بصیرت اجتہاد کر سکتا ہے‘ اس میں کسی مخصوص گروہ کی تقلید کی ضرورت نہیں‘ پھر میری طرف رخ کر کے پوچھا کہ مولوی صاحب میں نے ٹھیک کہا۔

میں نے کہا کہ جہاں تک آپ نے حدیث بیان کی وہ بالکل درست ہے مگر اس کا مفہوم جو آپ نے اخذ کیا وہ غلط ہے۔ وہ ایک دم غضب ناک نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگے کہ میں نے مفہوم میں کیا غلطی کی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے اپنے اخذ کردہ مفہوم میں ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت دیدی ہے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس واقعے کے بعد کیا تمام صحابہ نے اجتہاد شروع کر دیا تھا؟ کیا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مجتہد مطلق بن گئے تھے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد بھی صحابہ کرام کا یہی طریقہ تھا‘ اہل علم صحابہ سے ہی مسائل پوچھے جاتے تھے یا ہر صحابی (رضی اللہ عنہ) مفتی بن گیا تھا؟ اس پر وہ صاحب خاموش ہو گئے۔ لازمی بات ہے کہ اس کا جواب نہیں میں تھا۔ ان کے ساتھ ایک ڈاکٹر صاحب بھی موجود تھے جو کہ امراض قلب کے ماہر تھے۔

میں نے عرض کیا کہ آپ وکیل ہیں اسی طرح یہ ڈاکٹر صاحب بھی بیٹھے ہوئے ہیں‘ آپ

اپنے کسی جونیئر کو کسی مقدمے کی پیروی کے لیے کسی دوسری عدالت میں بھیجتے ہیں' اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تم وہاں کس سے رہنمائی لو گے جبکہ میں وہاں موجود نہیں ہونگا تو لازمی بات ہے کہ آپ کا شاگرد کہے گا کہ قانون کی جو کتاب ہے اس سے مدد لونگا' آپ پوچھتے ہیں کہ اگر اس قانون کی کتاب سے تمہارا معاملہ حل نہ ہوا' تو وہ کہے گا کہ آپ کے ساتھ رہ کر جو میں نے تجربہ حاصل کیا ہے اس تجربے سے مدد لونگا' پھر آپ پوچھتے ہیں کہ اگر اس میں بھی مدد نہ مل سکی تو کیا کرو گے' تو وہ کہتا ہے کہ میں پھر وہاں کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کروں گا کہ میں نے کیا کرنا ہے۔ آپ کو اپنے شاگرد پر اعتماد ہو تو آپ نے کہا ہے لیکن اگر مجھ جیسا ملّا وہاں پر کھڑا ہو یا مجھے آپ کے اس عمل کی اطلاع ملے اور میں نے قانون یا ڈاکٹری کی کتاب نہ پڑھی ہو یا اس کا صرف مطالعہ کیا ہو مگر آپ لوگوں سے تجربہ حاصل نہ کیا ہو تو کیا میں بھی وہی کچھ کر سکتا ہوں؟ تو اس پر وہ سٹپٹا گئے' فرمانے لگے کہ آپ نے مولویانہ طریقہ اختیار کر کے مجھ سے مناظرہ شروع کر دیا ہے' مولویوں کا یہی کام ہے۔ میں نے تمام دینی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور فلاں فلاں تفسیر پڑھ رکھی ہے' قرآن اور نبی ﷺ کی تعلیمات عام ہیں اس کے لیے کسی سے پوچھنے کی مجھے ضرورت نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ملکی قانون بھی سب کے لیے عام ہوتا ہے' اس کو عام لوگ بھی پڑھتے ہیں' مگر ہر شخص وکیل یا جج نہیں بن جاتا' وکلاء حضرات بھی قانون کی تشریح کے لیے عدالت کی طرف رجوع کرتے ہیں' حالانکہ تمام وکیل قانون کے ماہر ہوتے ہیں' اس کے باوجود عدالت سے تشریح کرانا پڑتی ہے۔ عدالتیں تو قائم ہی اس لیے کی جاتی ہیں تا کہ وکلاء میں کسی قانونی نقطہ پر بحث ہو جائے تو اس کی تشریح کی جائے۔

نیز جہاں تک تفاسیر یا فقہی کتابوں کے مطالعہ کی بات ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ جو بھی قانون یا میڈیکل کی کتابیں لکھی جاتی ہیں چاہے وہ کسی وکیل یا ڈاکٹر نے اپنے مقدمات یا میڈیکل کے تجربات پر لکھی ہوں یا کسی جج نے اپنے فیصلوں کے متعلق لکھی ہیں وہ تمام کی تمام کتابیں جج حضرات یا وکلا یا ڈاکٹروں کے لیے لکھی جاتی ہیں تا کہ بعد میں آنے والے وکلاء یا جج یا ڈاکٹر ان کتابوں سے مدد حاصل کر سکیں۔ اسی طرح جتنی بھی تفاسیر یا فقہی کتابیں لکھی گئی ہیں یہ تمام کی تمام علماء اور مفتیوں کے لیے ہیں تا کہ وہ آئندہ آنے والے حالات پر ان تفاسیر اور فقہی تجربات کو مدنظر رکھتے ہوئے فتویٰ دے سکیں یا اجتہاد کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ اس کا

مطلب ہے کہ عام آدمی تفسیر یا فقہی کتابیں نہ پڑھے' میں نے عرض کیا کہ یہ کتابیں ضرور پڑھے تا کہ معلومات حاصل ہوں مگر مفتی یا مجتہد نہ بنے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کا وہ جو فرمان ہے: ''بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً'' میری طرف سے لوگوں تک بات پہنچاؤ اگر چہ ایک آیت ہی ہو' اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے عرض کیا: اس سے کسی کو بھی اختلاف نہیں مگر یہاں پر پہنچانے کی بات کی ہے اجتہاد کرنے کی بات نہیں کی۔

یہ صرف ایک واقعہ نہیں' اس قسم کے بیسیوں لوگوں سے ہمیں واسطہ پڑتا ہے جو کہ قرآن و حدیث یا چند فقہی کتابوں کا مطالعہ کر کے مجتہد بن جاتے ہیں۔ مجھے اکثر لوگ ایسے ملتے ہیں کہ جب وہ ہم سے بات کرتے ہیں تو یہاں سے شروع کرتے ہیں کہ ''جہاں تک میرا نالج ہے'' (لفظ جہاں کو لمبا کرتے ہوئے اپنا چہرہ نیچے سے آسمان کی طرف اٹھاتے چلے جاتے ہیں) پھر وہ اپنا نالج ہم پر انڈیلنا شروع کر دیتے ہیں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ آج کل کے مجتہدین یہ کہتے ہیں کہ دلیل سے بات کی جائے۔ اس کے ہم بھی قائل ہیں مگر یہ حضرات دلیل کے لیے اپنی عقل کو سب کچھ سمجھتے ہیں کہ بس ہم نے جو دلیل دے دی اب اس کے بعد آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ہم بھی عقلی دلیل کے قائل ہیں مگر ہم اپنی عقل کو نبی کی نقل کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ خالی عقل ہی شریعت کی حجیت کا مدار نہیں۔ دلائل گھڑنا عقل کا کام ہے اپنی عقل سے جیسے مرضی دلائل بنالیں۔

شمع اور پروانہ کے محاورے اکثر استعمال ہوتے ہیں' کہتے ہیں کہ پروانہ شمع کا عاشق ہوتا ہے' جب شمع جلتی ہے تو پروانہ اس پر نثار ہو جاتا ہے' اس کی آگ میں جل جاتا ہے۔ یہ ایک طبقہ کی رائے ہے' اس پر شاعروں کے دیوان بھرے پڑے ہیں۔ مگر ایک اور طبقہ ہے جس کا خیال ہے کہ پروانہ شمع کا نہیں بلکہ اندھیرے کا عاشق ہوتا ہے' وہ اپنی عقل سے دلیل یوں دیتے ہیں کہ پروانہ اندھیرے کا عاشق ہوتا ہے' وہ اندھیرے میں بڑے سکون کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے کہ کوئی شمع جلا دیتا ہے تو پروانے کا شمع کے جلنے کی وجہ سے اندھیرا چھن جاتا ہے تو اس پر پروانہ غصے میں آ کر شمع کو بجھانے کے لیے اس پر جھپٹتا ہے تو شمع کی آگ میں جل جاتا ہے۔

اسی طرح سے پاکستان کے صوبہ پنجاب کے ضلع گجرات کے ''سوہنی مہینوال'' کا قصہ

مشہور ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے عشق میں مبتلاء تھے۔ سوہنی کا والد مٹی کے برتن بنانے کا کام کرتا تھا۔ پہلے پانی اور مٹی ملا کر کچے برتن بنائے جاتے ہیں پھر ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال کر پکا کیا جاتا ہے جس سے وہ سرخی مائل ہو جاتے ہیں۔ سوہنی اور مہینوال کے گھروں کے درمیان دریا حائل تھا' دریا پار کرنے کے لیے اس زمانے میں پکے گھڑے کو استعمال کیا جاتا تھا' اس پر تیر کر دریا پار کیا جاتا تھا' کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سوہنی اپنے عاشق مہینوال کو ملنے کے لیے دریا پار جانے لگی تو جلدی میں اس نے پکے گھڑے کی جگہ کچا گھڑا لے لیا۔ ہوا یہ کہ جب دریا میں گھڑا ساتھ لے کر اتری تو گھڑا کچا ہونے کی وجہ سے دریا کے بیچ میں ہی ٹوٹ گیا اور سوہنی ڈوب کر مر گئی۔ اس پر لوگوں نے کہانیاں لکھیں اور شاعروں نے دیوان لکھے کہ ''کچے گھڑے نے وفا نہیں کی کہ سوہنی کو ڈبو دیا''۔ گویا کہ کچے گھڑے کو بے وفائی کا طعنہ دیا گیا۔ یہ ایک طبقہ کی دلیل ہے' جبکہ دوسرا طبقہ یہ کہتا ہے کہ کچے گھڑے نے تو وفا کی ہے' مگر کس کے ساتھ' اپنے مالک کے ساتھ وفا کی' وہ یوں کہ کچے گھڑے نے اپنے مالک کی عزت و غیرت کو ڈبو تو دیا مگر تار تار ہونے سے بچا لیا۔ گویا کہ ان کے نزدیک کچے گھڑے نے وفا کی بے وفائی نہیں کی۔ ہیر رانجھا کی عشقیہ داستان مشہور ہے' عشقی قبیلہ کے نزدیک ہیر اور رانجھا اس میدان کے ہیرو ہیں' اور کیدو کا ایک کردار ہے' کیدو کا کردار عشقی قبیلہ کے نزدیک ایک ظالم کا کردار ہے جو دو محبت کرنے والوں کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ مفکر احرار چوہدری افضل حق مرحوم (جو کہ سیاست دان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑے ادیب و افسانہ نگار بھی تھے) نے ''معشوقۂ پنجاب'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے' اس میں ان کا نظریہ ہے کہ ہیر کا کردار ایک بہکی ہوئی عورت کا ہے' اور رانجھا معاشرے کے ایک لوفر لڑکے کا کردار ہے' جبکہ کیدو ایک غیرت مند کا کردار ہے۔

عدالتوں میں بھی جو فیصلے ہوتے ہیں وہ صرف دلائل پر ہی نہیں بلکہ ان میں شواہد اور واقعات اہم ہوتے ہیں۔ ورنہ دونوں فریقوں کے وکیل دلائل دیتے ہیں' کوئی بھی وکیل دوسرے وکیل کے دلائل سن کر اپنا مقدمہ واپس نہیں لے لیتا۔ جج کا فیصلہ ہی حرف آخر ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن پاک میں دلائل دیئے ہیں مگر کتنے لوگ ہیں جنہوں نے ان دلائل سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا ہے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دور

جاہلیت کا دور تھا' مگر آج کا دور تو تعلیم کی معراج کا ہے' تو کتنے پڑھے لکھے عقلمند لوگوں نے قرآن میں اللہ تعالیٰ کے دلائل پڑھ کر اسلام کو قبول کرلیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صرف دلائل کو حرف آخر نہیں بنایا بلکہ حکم ہی کو حرف آخر بنایا' اس لیے اگر کسی کی عقل میں دلائل نہیں سماتے تو اس سے حکم نہیں ٹل جاتا۔ شیطان نے حضرت آدم کی طرف منہ کر کے سجدہ نہ کرنے پر دلائل ہی تو دیئے تھے مگر اللہ نے اپنے حکم کو ہی باقی رکھا۔

حاصل کلام یہ کہ اجتہاد سے کسی کو بھی اختلاف نہیں' مگر مسئلہ یہ ہے کہ اجتہاد کون کرے۔ خودساختہ مجتہدین کا خیال ہے علماء کو ایک طرف کر دیا جائے بس صرف آج کل کے زمانے کے فلسفی گُرگے' سطحی ذہن کے حامل پروفیسر' فکری آوارگی کے دلدادہ پی ایچ ڈی ڈاکٹر' سیکولرسٹ جج' سول سروس یا فوج سے ریٹائرڈ کرنیل' جرنیل' یا اسی قبیل کے لوگ اجتہاد کریں' اگر کوئی مولوی اجتہاد کرے تو بھی صرف اس اجتہاد کو قبول کیا جائے جو کہ اسی قبیل کے لوگوں کے معیار پر پورا اترتا ہو۔

جب کہ اصولاً اجتہاد کا حق صرف اور صرف ان اہل علم کو ہے' جنہوں نے نہ صرف اس کے لیے زندگیاں وقف کر رکھی ہیں' بلکہ اعمال میں بھی پورے اُترتے ہیں' جو اجتہاد کرتے وقت اپنے علم اور عقل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو سامنے رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کن مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہے یہ بھی وہی اہل علم فیصلہ کریں گے' ان لوگوں کو اجتہاد کا کوئی حق نہیں جو کہ اجتہاد میں سب سے پہلے مسلمان کی شکل مسخ کرتے ہیں اور پھر عقل پر حملہ آور ہو کر اس کو الحاد کا راستہ دکھاتے ہیں۔ آج کل کے مجتہدین کا کام مسلمانوں کی شکل' عمل اور عقل کو الحاد کی راہ دکھانا ہے۔ شکل سے مراد مسلمان کی ظاہر شناخت (جو کہ چہرے سے لے کر لباس اور بود و باش تک) سب کو ختم کر کے کافر اور مسلمان میں فرق ختم کرنا ہے۔ عملی زندگی میں مسلمان کو بے عمل اور بدعمل بنانا ہے' اسلام کے فرائض' واجبات' اور سنن کو ثانوی حیثیت دے کر اس کو ذاتی عمل قرار دے کر دین سے دور کرنا ہے۔ عقلی طور پر مسلمان کو اس کی اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام مسخ کر کے بددینی کی راہ کو کھولنا ہے' تاکہ مسلمان کے لیے توبہ کا راستہ تک بند ہو جائے۔ اگر کوئی مسلمان کوئی گناہ کا کام کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے تو اس کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے کیونکہ وہ

گناہ کو گناہ سمجھ کر کرتا ہے۔ جبکہ ایسا شخص جو کہ گناہ کو جائز سمجھ کر اس کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی' اس لیے کہ جو عمل جائز ہو اس سے توبہ کے کیا معنی۔

(بشکریہ: ماہنامہ ''ملیہ'' ربیع الاول 1431ھ بمطابق فروری' مارچ 2010ء)

تراشہ نمبر 201

انسانی حیات اور تقویم نفس
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

(الثقافت الاسلامیہ' شیخ زید اسلامک سنٹر یونیورسٹی' کراچی)

* کوئی عمل رسول اللہ کی سنت کے خلاف نہ ہو۔

اور مندرجہ بالا امور کی انجام دہی کے پیش نظر مندرجہ ذیل شرائط کا ہونا لازم ہے:

* تمام امور کی انجام دہی خالصتاً مالک حقیقی کے لیے ہو۔
* تمام احوال وافعال آداب رسول ﷺ کے مطابق ہوں۔
* آخری سانس تک سب کچھ پوری استطاعت کے ساتھ لگا دیا جائے۔
* اجر ورحمت کی امید صرف مالک حقیقی سے ہو۔

مذکورہ بالا بحث وتحقیق سے جو نفسی تقویم کی کامل صورت اور سیرت (The Exalted Character) کی تلاش ہے وہ درج ذیل ہے:

کامل صورت اور سیرت The Exalted Character

مقصدیت حیات کو حاصل کرنے کے لیے جس انسانی رویہ اور برتاؤ کی ضرورت ہے اس کے لیے فرمان خالق ملاحظہ فرمائیے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. (الانعام:162)

تم فرماؤ! بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو رب سارے جہاں کا۔

اس رویے اور برتاؤ کے عملی مظاہرہ کے نمونہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ

بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر

حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا. (الاحزاب:21)
ہے اس کے لیے جو اللہ اور آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔

اس تقویم کامل کی صورت اور سیرت کیا اور کیسی ہے؟ مندرجہ ذیل قرآنی آیات میں اس صورت وسیرت کو ملاحظہ فرمایئے' رب العزت نے فرمایا:

✻ محمد ﷺ بن عبداللہ کون ہیں' اور کس کے رسول ہیں؟......فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. (الاحزاب:40)
محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے ہیں۔

✻ محمد رسول ﷺ کس کی طرف سے اور کس کس کے لیے رسول ہیں؟......فرمایا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ. (الاعراف:158)
تم فرماؤ: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کو ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جلائے اور مارے۔

✻ ان کا شرح صدر' سینہ نورانی کیسا ہے؟......فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ. (الم نشرح:1)
کیا ہم نے تمہارے لیے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا؟

✻ اس سینے میں دل کیسا ہے؟......فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ. (آل عمران:159)
تو کیسی اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تندمزاج' سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے۔

✻ وہ دل کیسے دیکھتا ہے؟......فرمایا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى. (النجم:11)
دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔

✻ ان پر وحی کیسی فرمائی؟......فرمایا:

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآاَوْحٰی. (النجم:10) پس وحی فرمائی اپنے بندے پر جو وحی فرمائی۔

* پیٹھ مبارک کیسی ہے؟......فرمایا:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ. (الم نشرح:23) اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔

* مبارک ہاتھ کیسے ہیں؟......فرمایا:

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی. (الانفال:17) وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

* ان ہاتھوں کی قوت کیا ہے؟......فرمایا:

وَانْشَقَّ الْقَمَرُ. (القمر:1) شق ہو گیا چاند۔

* زبان مبارک کیسی ہے؟......فرمایا:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی. (النجم:2) اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔

* کان مبارک کیسے ہیں؟......فرمایا:

قُلْ اُذُنُ خَیْرٍ لَّكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ. (التوبہ:61) تم فرماؤ: تمہارے بھلے کے لیے کان ہیں اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔

* مبارک آنکھیں کیسی ہیں؟......فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی. (النجم:71) آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

* چہرہ مبارک کیسا ہے؟......فرمایا:

وَالضُّحٰی. (الضحی:1) چاشت کی قسم (چہرہ مبارک)۔

* مبارک چہرے کا اٹھانا کیسا ہے؟......فرمایا:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا. (البقرۃ:144) تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے۔

* قدم مبارک کا چلنا کیسا ہے؟......فرمایا:

مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَاغَوٰی. تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ

(النجم:2) چلے۔

* لباس مبارک کیسا ہے؟......فرمایا:

وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ. اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے

(الاعراف:26) بھلا ہے۔

* مبارک چادر کیسی ہے؟......فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ. (المدثر:1) اے بالاپوش اوڑھنے والے!

* کالی کملی کیسی ہے؟......فرمایا:

یٰٓاَیُّهَاالْمُزَّمِّلُ. (المزمل:1) اے جھرمٹ مارنے والے!

* مزاج مبارک کیسا ہے؟......فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ. اور بے شک تمہاری خوبو (خلق) بڑی

(القلم:4) شان کی ہے۔

* غلاموں کے ساتھ تعلقات کیسے ہیں؟......فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ. مومنوں پر کمال مہربان۔

(التوبہ:128)

* ان کا شہر کیسا ہے؟......فرمایا:

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ مجھے اس شہر کی قسم کہ تم اس شہر میں

بِهٰذَا الْبَلَدِ. (البلد:1-2) تشریف فرما ہو۔

* ان کی رسالت کہاں سے کہاں تک پہنچی ہے؟......فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر

بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا. (السبا:28، النساء:79) ایسی رسالت سے جو تمام انسانوں کو گھیرنے والی ہے اور تمہیں سب لوگوں کے لیے رسول بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ۔

* ان کی رحمت کا حلقہ کہاں تک ہے؟......فرمایا:

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ. (الانبیاء:18)
اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے۔

* ان کی نماز' قربانی اور زندگی کس کے لیے؟......فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (الانعام:162)
تم فرماؤ! بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہان کا۔

* ان کی اطاعت' اس کی اطاعت ہے؟......فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء:80)
جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

* ان کے فرماں برداروں کا مقام اور مرتبہ کیا ہے؟......فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ. (آل عمران:110)
تم بہتر لوگ ہو سب امتوں میں جو لوگوں کے لیے ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

* ان سے محبت ووفا کیسی ہے؟......فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ. (آل عمران:31)
اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو محبت کرتے ہو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

* ان کا احترام وادب کیا ہے؟......فرمایا:

لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ. (الحجرات:2)
اپنی آوازیں اونچی نہ کرو نبی کی آواز سے۔

* ان کے لیے ادب اور ہمہ تن گوشی کیسی؟......فرمایا:

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا. (البقرہ:104) راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو: حضور ہم پر نظر کرم رکھیں اور پہلے ہی بغور سنو۔

* ان کے لیے مقام محمود کا ذکر ہے؟......فرمایا:

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. (بنی اسرائیل:79) قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

* ان کو ان کے رب تعالیٰ کی طرف سے کیا عطا کیا گیا؟......فرمایا:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ O (الکوثر:۱) اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔

* مدحت اور عظمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسی ہے؟......فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. (الاحزاب:56) بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

* ان کا حال کیسا ہے؟......فرمایا:

لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ. (الفتح:2) تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

* ان کو کیا سیر کرائی اور کیا کیا دکھایا؟......فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا. (بنی اسرائیل:1) پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد ہم نے برکت رکھی ہے کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔

* اور فرمایا:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی. بے شک اپنے رب کی بہت بڑی

نشانیاں دیکھیں۔ (النجم:18)

* ان کے ساتھ والوں کا حال کیسا ہے؟......فرمایا:

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ. (الفتح:5)

تاکہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں لے جائے جن کے نیچے رواں نہریں ہمیشہ ان میں رہیں اور ان کی برائیاں ان سے اتار دے۔

* اس رسول ﷺ کو کون نہیں دیکھ سکتا؟......فرمایا:

وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ. (الاعراف:198)

اور تو انہیں دیکھے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں (بحیثیت محمد بن عبداللہ) اور انہیں کچھ بھی نہیں سوجھتا (بحیثیت رسول ﷺ)۔

* محمد رسول اللہ ﷺ لوگوں میں فیصلے کیسے کرتے ہیں؟......فرمایا:

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا. (النساء:105)

اے محبوب! بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے اور دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو۔

تراشہ نمبر 202

شانِ اولیاء اللہ

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں:

ہر کس کہ کمال اولیاء را نہ شناخت ایں نعمتے بے بہا را نہ شناخت
پس شکر نگفت و حب ایشان نگزید مے دان بہ یقین کہ او خدا را نہ شناخت

''جس نے اولیاء کرام کے کمال کو نہیں پہچانا اور اللہ تعالیٰ کی بے بہا اور انمول نعمت کی قدر و قیمت کو نہیں پہچانا اور ان کی محبت کو اختیار کر کے خدا تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا اس نے خداوند تعالیٰ کی معرفت اور پہچان حاصل نہیں کی''۔

ان کی شان یہ ہے کہ طبرانی نے روایت کیا ہے کہ

بِهِمْ تَقُوْمُ الْاَرْضُ وَبِهِمْ تُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ تُنْصَرُوْنَ. (طبرانی)

ان (اولیاء) کرام کے سبب سے زمین قائم ہے ان کے صدقے بارشیں برستی ہیں اور ان کی بدولت تمہیں فتح و نصرت نصیب ہو گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی عِبَادًا اِخْتَصَّهُمْ بِحَوَائِجِ النَّاسِ يَفْزَعُ النَّاسُ اِلَيْهِمْ فِيْ حَوَائِجِهِمْ اُولٰئِكَ الْاٰمِنُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ. (طبرانی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی حاجت روائی کے لیے مختص فرمایا ہے' لوگ اپنی حاجتوں میں پریشاں حال اور گھبرائے ہوئے ان کے پاس حاضر ہوتے ہیں' یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہیں۔

تراشہ نمبر 203

جب قائد سجدہ ریز ہو گئے

مولانا حسرت موہانی

ایک روز ضروری کام سے علی الصبح قائد اعظم محمد علی جناح کی کوٹھی پر پہنچا' ملازم سے کہا کہ وہ جناح صاحب کو میرے آنے کی اطلاع دے۔ ملازم نے کہا کہ آپ تشریف رکھیں' جناح صاحب تھوڑی دیر میں خود ہی باہر تشریف لائیں گے۔ اس وقت کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں۔ چونکہ میں ایک ضروری بات بہت جلد ان تک پہنچانا چاہتا تھا' اس لیے مجھے ملازم پر غصہ آیا اور خود ہی قائد اعظم محمد علی جناح کے کمرے میں داخل ہو گیا لیکن انہیں وہاں موجود نہ پایا۔ اس کے ساتھ والے کمرے میں دیکھا' جناح وہاں بھی نہ تھے۔ آخر جب میں تیسرے کمرے میں پہنچا تو وہاں کسی کے بلک بلک کر رونے کی آواز آئی۔ جناح کی آواز پہچان کر میں نے گھبراتے ہوئے آہستہ سے پردہ اٹھایا۔ اب سارا منظر میرے سامنے تھا۔ جناح سجدہ میں پڑے ہیں اور نہایت بے قراری سے دعا مانگ رہے ہیں۔ میں فوراً دبے پاؤں وہاں سے

واپس آ گیا۔ اب جب بھی ملازم سے یہ الفاظ سنتا ہوں کہ جناح اندر ہیں، سجدے کا منظر میری آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے کہ وہ سجدہ میں پڑے اپنے پروردگار سے التجائیں کر رہے ہوں گے، چنانچہ میرے تصور میں ان کی وہی تصویر اور آواز رہتی ہے۔

تراشہ نمبر 204

اسم با مسمّٰی

مولانا فیض احمد فیض رحمہ اللہ تعالیٰ، مصنف مہر منیر

مولانا قاری مصلح الدین علیہ الرحمہ سے ایک بار دارالعلوم امجدیہ، کراچی میں مختصر ملاقات ہوئی تھی۔ دیکھنے سے علماء سلف کی یاد تازہ ہوگئی، کراچی کے ایک دوست کی زبانی ان کی تقریر کی جامعیت اور تاثیر کا ذکر بھی سنا لیکن میرے خیال میں ان کے متعلق ان کے شیخ طریقت حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ کا ایک جملہ سب سے زیادہ وقیع ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اس ناچیز کو دربار گولڑہ شریف پر قیام کے چوتھے سال 1963ء میں حج کے موقع پر حضرت سید پیر غلام محی الدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی تو اتفاقاً اسی سفر میں جناب مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ سے ملاقات ہوگئی۔ راقم نے اپنے پیرومرشد حضرت مجدد ملت مولانا سید پیر مہر علی گیلانی علیہ الرحمہ کی سوانح حیات ''مہر منیر'' کی تدوین کے سلسلہ میں حضرت مذکور موصوف اور حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی آپس میں ملاقات کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

میں نے پہلی بار حضرت پیر صاحب علیہ الرحمہ کی زیارت طالب علمی کے زمانہ میں کی جب آپ نے انجمن نعمانیہ لاہور کے سالانہ جلسہ منعقدہ 1331ھ میں فضیلت علم پر ایک معرکہ آراء تقریر فرمائی تھی اور انجمن والوں نے شائع بھی کرائی تھی۔ اگرچہ برصغیر کے مشاہیر، اہل سنت و جماعت کے علماء کرام جلسہ میں شریک تھے مگر اس موقعہ پر حضرت فاضل بریلی تشریف نہیں لا سکے تھے، البتہ ان کے خاص مخلص دوست مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ جو حضرت پیر صاحب گولڑی علیہ الرحمہ کے بھی دوست اور سہارنپور کے درس حدیث میں آپ کے ساتھی بھی تھے، شریک تھے۔

پھر فرمایا کہ ممکن ہے اس بارے میں مولانا ضیاء الدین صاحب کو مزید معلومات ہوں' چنانچہ جب مدینہ عالیہ حاضری ہوئی تو حسن اتفاق سے حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ سے مسجد نبوی میں ملاقات ہوئی۔ کچھ دیگر اہل علم حضرات بھی آپ کے ساتھ تھے۔ سعادت سلام بحضور سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حصول کے بعد جب آپ مع رفقاء تھوڑی دیر کے لیے رکے تو کراچی کے علمائے اہل سنت کی دینی خدمت کا تذکرہ ہوا۔ جب ایک صاحب نے مولانا قاری مصلح الدین صاحب کا ذکر کیا تو حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ نے خوش ہو کر فرمایا: وہ اسم بامسمّٰی ہیں۔

اس کے بعد راقم کے استفسار کے جواب میں فرمایا کہ ان دونوں حضرات کی ملاقات کا تو علم نہیں' البتہ مرزا قادیانی کو شکست فاش دینے کے بارے میں حضرت پیر صاحب گولڑوی کا ذکر خیر بریلی شریف میں نمایاں طور پر مجلس خاصہ میں ہوتا رہتا تھا۔ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ بڑی عزت و توقیر سے آپ کا نام لیتے اور آپ کی بعض تصانیف بھی وہاں موجود تھیں۔ حضرت فاضل بریلوی گفتگو میں ان کے حوالے بھی دیتے رہتے۔

(ماہنامہ ''مصلح الدین'' کراچی' جمادی الاخریٰ 1430ھ/مئی 2009ء)

تراشہ نمبر 205

سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا

سوال: ننگے سر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: ننگے سر نماز کی چند صورتیں ہیں:

(1) مجبوری کی حالت میں بلا کراہت جائز ہے۔

(2) سستی کی وجہ سے کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو مکروہ تنزیہی ہے جس کی وجہ سے ثواب کم ہو جائے گا۔

(3) ننگے سر نماز کو سنت سمجھے بغیر عادت بنالی جائے تو مکروہ تحریمی ہے۔

(4) ننگے سر نماز کو سنت سمجھ کر اختیار کرنا بدعت ہے۔

(5) ننگے سر نماز کو افضل و سنت سمجھنا اور نماز میں سر ڈھانپنے کو حقیر جاننا' کفر ہے۔

ملاحظہ کیجئے: (فتاویٰ عالمگیری' ج 1 ص 106' درمختار' ج 1 ص 474' ردالمحتار' ج 1 ص 482' فتاویٰ قاضی خان' ج 1 ص 118)

قرآن کریم میں حکم ہے:

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ. نماز کے وقت اپنا خوبصورت لباس اختیار کرو!
(الاعراف: 31)

کیونکہ عمامہ اور ٹوپی بھی لباس ہے' لہٰذا اس آیت کے بموجب نماز میں عمامہ یا ٹوپی پہننا چاہیے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک باب ہے "بَابُ مَنْ كَانَ يَسْجُدُ عَلٰى كَوْرِ الْعِمَامَةِ وَلَا يَرٰى بِهٖ بَأْسًا" ترجمہ: ان لوگوں کے دلائل کا بیان جن کے نزدیک پگڑی کے بل پر سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس باب میں آٹھ حدیثیں درج ہیں اور دوسرا باب ہے۔ "بَابُ مَنْ كَرِهَ السُّجُوْدَ عَلٰى كَوْرِ الْعِمَامَةِ" ترجمہ: ان لوگوں کے دلائل کا بیان جن کے نزدیک پگڑی کے بل پر سجدہ کرنا مکروہ ہے' اس باب میں بارہ احادیث ہیں صرف ان دو بابوں کی بیس حدیثوں کو ہی دیکھ لیں تو ان سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت طریقہ سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا ہے۔

غیر مقلد علماء کی تحقیق

(1) جماعت اہل حدیث کے بانی شمس العلماء شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین فرماتے ہیں: جمعہ کی نماز ہو یا کوئی اور نماز' رسول اللہ ﷺ اور صحابہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھتے تھے۔ اس شہنشاہ احکم الحاکمین نے اپنے دربار میں حاضر ہونے کی نسبت یہ حکم کیا ہے کہ تم لوگ ہر نماز کے وقت اپنے کپڑے لے لیا کرو' یعنی اپنے کپڑے پہن کر نماز پڑھا کرو اور کپڑے میں عمامہ بھی داخل ہے کیونکہ عمامہ ایک مسنون کپڑا ہے۔

(فتاویٰ نذیریہ' ج 3 ص 372)

(2) مشہور غیر مقلد عالم مولانا سید داؤد غزنوی فرماتے ہیں: ابتداء عہد اسلام کو چھوڑ کر جب کہ کپڑوں کی قلت تھی اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گزری جس میں بصراحت مذکور ہو کہ نبی کریم ﷺ نے یا صحابہ کرام نے مسجد میں اور وہ بھی نماز با جماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو' چہ جائیکہ معمول بنا لیا ہو' اس لیے اس بدرسم کو جو

پھیل رہی ہے' بند کرنا چاہیے' اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبیہ ہوگی اور اگر سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔ غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسند عمل ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث' ج 4 ص 290)

(3) شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں: صحیح مسنون طریقہ نماز کا وہی ہے' جو حضور نبی کریم ﷺ سے بالدوام ثابت ہوا ہے یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہوا پگڑی سے ہو یا ٹوپی سے۔ (فتاویٰ ثنائیہ' ج 1 ص 524)

(4) شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی صاحب فرماتے ہیں: غرض کسی حدیث سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کی عادت اختیار کرنا ثابت نہیں۔ محض بے علمی یا بدعملی یا کسل (سستی) کی وجہ سے یہ رواج بڑھ رہا ہے بلکہ جہلاء تو اسے سنت سمجھنے لگے ہیں۔ العیاذ باللہ (اللہ کی پناہ) نیز فرماتے ہیں: کپڑا موجود ہو تو ننگے سر نماز ادا کرنا یا ضد سے ہوگا یا قلت عقل سے۔ (فتاویٰ علماء حدیث' ج 4 ص 286-289)

(5) شیخ الحدیث مولانا ابوسعید شرف الدین فرماتے ہیں: بحکم ''خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ'' (ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہنو) رسول اللہ ﷺ کا سر پر عمامہ رکھنے سے عمامہ سنت ہے اور ہمیشہ ننگے سر کو نماز کا شعار بنانا بھی ایجاد بندہ (یعنی بدعت) ہے اور خلاف سنت ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ' ج 1 ص 592)

(6) غرباء اہل حدیث کے امام و مفتی مولانا عبدالستار صاحب فرماتے ہیں: ٹوپی یا عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنی اولیٰ وافضل ہے کیونکہ ٹوپی اور عمامہ باعث زیب و زینت ہے۔

(فتاویٰ ستاریہ' ج 3 ص 59)

(7) غیر مقلد عالم عبدالمجید سوہدروی فرماتے ہیں: ننگے سر نماز ہو جاتی ہے مگر بطور فیشن لاپرواہی اور تعصب کی بناء پر مستقل یہ عادت بنا لینا جیسا کہ آج کل دھڑلے سے کیا جا رہا ہے ہمارے نزدیک صحیح نہیں' نبی علیہ السلام نے خود یہ عمل نہیں کیا۔

(8) غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم مولانا سید محب اللہ شاہ راشدی فرماتے ہیں: یہ کہنا کہ سر ڈھانپنے پر پسندیدہ ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا اس سے راقم الحروف کو اختلاف ہے۔ احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر اوقات حضور نبی کریم ﷺ

اور صحابہ کرام سر پر عمامہ باندھے رہتے یا سر پر ٹوپیاں رکھتے تھے اور راقم الحروف کے علم کی حد تک سوائے حج وعمرہ کے کوئی ایسی صحیح حدیث دیکھنے میں نہیں آئی جس میں یہ ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ننگے سر گھومتے پھرتے تھے یا کبھی سر مبارک پر عمامہ وغیرہ تھا لیکن مسجد میں آ کر عمامہ وغیرہ اتار کر رکھ لیا اور ننگے سر نماز پڑھنی شروع کی۔۔۔۔ہم نے بڑے بڑے علماء فضلاء کو دیکھا وہ اکثر و بیشتر سر ڈھانپ کر چلتے پھرتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ یہ آج کل نئی نسل خصوصاً اہلحدیث جماعت کے افراد نے معمول بنا رکھا ہے اسے چلتے ہوئے فیشن کا اتباع تو کہا جاتا ہے' مسنون نہیں۔

(الاعتصام' لاہور' ج 45' شمارہ 27' 30 جولائی 1993ء)

(9) غیر مقلدین کے مشہور عالم مورخ اسلام مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب فرماتے ہیں:
مشاہیر علمائے حدیث ننگے سر نماز پڑھنے کو معیوب قرار دیتے تھے لیکن نئے دور کے اہلحدیث علماء ننگے سر نماز پڑھنے کے حق میں دلائل فراہم کرتے ہیں۔

(ماہنامہ ''الرشید'' لاہور)

نوٹ: اگر غیر مقلدین صحیح حدیث میں دکھا دیں کہ پوری زندگی میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یا کسی صحابی نے کپڑا ہونے کے باوجود بغیر مجبوری کے مسجد میں فرض نماز ننگے سر پڑھی ہے اور اس حدیث کو امتیوں کے اقوال وآراء کی تقلید کیے بغیر صحیح ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔ (دیدہ باید' ماہنامہ ملیہ' فیصل آباد)

تراشہ نمبر 206

نا انصاف حکمران عذاب ہوتا ہے

شیخ سعدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

یکے از ملوک بے انصاف پارسائے را پر سید کہ کدام عبادت فاضل تر ست؟ گفت ترا خواب نیم روز تا دراں یک نفس خلق را نیا زاری۔ قطعہ

ظالم را خفتہ دیدم نیم روز گفتم این فتنہ است خوابش بُردہ بہ
وانکہ خوابش بہتر از بیدار یست آں چناں بد زندگانی مُردہ بہ

''ایک بے انصاف بادشاہ نے ایک نیک آدمی سے پوچھا کہ کون سی عبادت سب سے افضل ہے؟ اس نے جواب دیا: تیرے لیے دوپہر کے وقت سونا سب سے بہتر عبادت ہے تاکہ اس لمحہ میں تو لوگوں کو نہ ستائے''۔

''میں نے ایک ظالم کو دوپہر میں سویا ہوا دیکھا تو میں نے کہا کہ یہ فتنہ ہے اس کا سویا ہوا رہنا بہتر ہے' جس آدمی کا سونا اس کے جاگنے سے بہتر ہو ایسی بری زندگی والا مردہ ہو تو بہتر ہے''۔ (گلستان باب اوّل)

تراشہ نمبر 207

ظالم سے کوئی خوش نہیں ہوتا

زمیندار نے ترنگ میں آکر سوال کیا؟ میرزادے! (بعض جگہ میر میراثی کو کہتے ہیں) ایمانداری سے بتاؤ ہم زمیندار لوگ خوشحالی کے دنوں میں اچھے لگتے ہیں یا قحط سالی اور تنگ دستی کے دور میں ہمارا طرز عمل بہتر ہوتا ہے' حاضر جواب میرزادے نے ہاتھ جوڑ کر کہا: حضور! فصلیں اچھی ہو جائیں اور گھر میں دانے اور جیب میں نوٹ ہوں تو آپ لوگ ہم غریبوں کے لیے عذاب الٰہی ثابت ہوتے ہیں' عزت و آبرو کچھ بھی محفوظ نہیں رہتا' اگر بارشیں نہ ہوں' زمینیں پیاسی اور کھیت ویران ہو جائیں تو پھر بھی ہماری کم بختی آجاتی ہے' آپ اپنا پیٹ بھرنے کے لیے ہمارے منہ کا نوالہ چھیننے سے باز نہیں آتے۔ ہاں البتہ جب آپ سرکار کے زیر عتاب ہوں اور تھانے کچہری کے چکر لگانے پڑیں تو آپ انسان کے بچے بن جاتے ہیں' سچی بات ہے ہم تو ہمیشہ یہ خواہش کرتے ہیں کہ آپ کسی نہ کسی مصیبت میں پڑے رہیں تاکہ غریبوں کو سکھ کا سانس لینے کا موقع ملے۔ (ارشاد احمد عارف' روزنامہ جنگ' لاہور 27 جنوری 2011ء)

تراشہ نمبر 208

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ اور علم دین کی اہمیت

قرآن مجید سے محبت و تعلق کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ملاقاتی دیر تک آپ سے آپ کے فکروفن کے بارے میں گفتگو کرتا رہا' پھر اچانک سوال کیا: علامہ صاحب! آپ نے مذہب' سیاست' اقتصادیات' فلسفہ اور تاریخ پہ بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ آپ کو سب سے بلند

پا یہ کتاب کون سی لگی؟ اس سوال پر علامہ اقبال خاموشی سے اٹھے اور اندر چلے گئے۔ جب دو تین منٹ بعد واپس آئے تو ایک کتاب سوال کرنے والے کے ہاتھ میں دے دی۔ ملاقاتی نے کتاب کھول کر دیکھی وہ قرآن مجید تھا۔ علامہ نے کہا: میں نے اس کتاب سے بلند پایہ اور کسی کتاب کو نہیں پایا۔

دین اسلام سے محبت کا اندازہ اقبال کے اس ایک خط سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے اپنی چھوٹی بہن کو لکھا۔ انہوں نے اپنے خط میں لکھا: ''میں اپنی گزشتہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ یورپ کا فلسفہ پڑھنے میں ضائع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت اچھی ذہنی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ اگر یہ صلاحیتیں میں دینی علوم پڑھنے میں استعمال کرتا تو آج اللہ تعالیٰ کے دین کی بہتر خدمت کر سکتا تھا۔ جب مجھے یہ یاد آتا ہے کہ والد محترم مجھے دینی علوم ہی پڑھانا چاہتے تھے تو مجھے اور بھی افسوس ہوتا ہے کہ اس کے باوجود کہ صحیح راہ معلوم تھی، مگر حالات نے اس راہ پر نہ چلنے دیا۔ بہر حال جو کچھ اللہ کے علم میں تھا' وہ ہوا اور مجھ سے جو کچھ ہو سکا' میں نے کیا ہے' لیکن دل چاہتا ہے کہ جو کچھ ہوا' اس سے بڑھ کر ہونا چاہیے تھا اور تمام زندگی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بسر ہونی چاہیے تھی۔

ایک محفل میں علامہ اقبال سے کسی نے پوچھا: آپ عالم بھی ہیں اور فلسفی بھی کیا آپ اللہ تعالیٰ کا وجود فلسفہ سے ثابت کر سکتے ہیں؟ علامہ اقبال نے کہا: نہیں! یہ سن کر اس شخص نے علامہ سے کہا: تو پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کا وجود کیونکر تسلیم کیا' علامہ نے اس شخص کو جواب دیا: خدا کی ہستی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے کسی فلسفیانہ دلیل کی ضرورت نہیں۔ میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ کہ میرے پیغمبر ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اس بات کو حضور ﷺ کے دشمن بھی مانتے تھے' جب رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے تو اللہ یقیناً موجود ہے۔

(تعلیم وتربیت' ص34' نومبر 2011ء)

تراشہ نمبر 209

چند منتخب اشعار

ہم نے بھی گہرا ایسے چنے کانِ سخن سے — امید ہے رکھیں گے نصیر اہل زبان یاد

معنیٰ تازہ کہ جوئیم و نیا بیم کجاست؟ — مسجد و مکتب و میخانہ عقیم اند

صحرا کی ریت پیاس کی شدت سے جل اٹھی — دریا پہ حسن فیض کا بادل دکھائی دے

(خاتون شاعرہ)

ہمارے ساتھ دریا بہہ رہا ہے — زمینیں اپنی بارانی ہیں پھر بھی

عاملاں درزمان معزولی — ہمہ شبلی وبا یزید شوند

باز چوں برسر عمل آیند — ہمہ چوں شمرؔ و چوں یزید شوند

حکمران اپنی معزولی کے زمانہ میں شرافت وغیرہ میں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا مظہر بن جاتے ہیں' پھر جب ان کا اقتدار دوبارہ بحال ہو جاتا ہے تو اسی طرح پھر شمر و یزید بن جاتے ہیں۔

تراشہ نمبر 210

اچھی باتیں

(1) ہمیشہ اپنے رب سے پُر امید رہنا کیونکہ جتنے جلدی رب راضی ہو جاتا ہے کائنات میں اتنے جلدی کوئی راضی نہیں ہوتا۔ (سبحان اللہ)

(2) برائی کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑ سے نیچے اترنا ایک قدم اٹھاؤ تو باقی اُٹھتے چلے جاتے ہیں' اور اچھائی کی مثال ایسے ہے جیسے پہاڑ پر چڑھنا' ہر قدم اٹھانا دوسرے قدم سے مشکل ہوتا ہے۔ لیکن ہر قدم پر انسان خود کو پہلے سے بلندی پر محسوس کرتا ہے۔

(المصباح' ص 42)

(3) توحید متاعیست کہ بردار فروشند — گل نیست کہ درکوچہ و بازار فروشند

''توحید وہ مال ہے جو دار پر بکتا ہے۔ پھول نہیں کہ کوچہ و بازار میں بکتا ہو''۔

تراشہ نمبر 211

اسلام میں ہستی باری تعالیٰ کا تصور

کتاب کا نام......مشاہدہ حق

مصنف: الحاج واحد بخش سیال' ریٹائرڈ کپتان

ہستی باری تعالیٰ کے متعلق کچھ کہنے اور سننے سے پہلے ہم سب کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا میں یہ مضمون یا مسئلہ سب سے زیادہ مشکل' ادق' نازک اور لطیف ہے۔ یہ مسئلہ مشکل اس لیے بن گیا کہ موجودہ زمانے کے لوگ اس مسئلے کو روایتی وجدان سے نہیں جو اس کا حقیقی حل ہے بلکہ عقل سے سمجھنا چاہتے ہیں' وہ جانتے ہیں کہ انسانی عقل محدود ہے' عقل کا انحصار حواس خمسہ پر ہے جو خود محدود ہیں۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی ہستی لامحدود' لاانتہا' اور بے پایاں ہے۔ تمام منطق اور معقولات اس بات پر متفق ہے کہ لامحدود محدود میں سما نہیں سکتا۔ (INFINITE CAN NOT BE CONTAINED BY FINITE)۔ اس بنیادی اصول کو ذہن نشین کر لینے سے باقی امور سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اسلام یا ہستی باری تعالیٰ عقل کے خلاف ہے' عقل کے خلاف ہونا اور بات ہے اور عقل سے ماوریٰ اور بلندتر ہونا بالکل دوسری بات ہے۔ ہماری عقل اس بات کی گواہی تو ضرور دیتی ہے کہ قانون علت و معلول (LAW OF CAUSE AND EFFECT) کے تحت دنیا کی کوئی چیز خود بہ خود وجود میں نہیں آسکتی' لیکن کائنات کا وجود اور اس کے ہر ذرہ میں عظیم الشان حکمت (INTELLIGENCE) کا وجود اس بات کا پتہ بتاتا ہے کہ کوئی عظیم الشان حکیم پس پردہ ضرور کارفرما ہے لیکن اس حکیم کی ہستی اس قدر ارفع و اعلیٰ اور لامحدود ہے کہ انسان کی محدود عقل کے لیے اس کا پوری طرح سمجھنا ناممکن ہے۔

منطقی استدلال

قانون علت و معلول کے مطابق بحث کرنے کا نام منطقی استدلال ہے۔ اگرچہ استدلال سے حقیقت پوری طرح آشکار نہیں ہوسکتی تاہم اس کے ہونے کا ثبوت مل جاتا ہے۔ ایک دفعہ ایک عیسائی نے راقم الحروف سے سوال کیا کہ ثابت کرو کہ خدا ہے۔ ہم نے کہا: اگر ہم آپ

سے یہ سوال کریں کہ ثابت کرو کہ جس کرسی پر آپ بیٹھے ہیں اس کا کوئی بنانے والا نہیں ہے تو آپ میری عقل کے معیار کے متعلق کیا کہیں گے۔ آپ یہی کہیں گے کہ پاگل خانہ کی رونق بننے کے لائق ہے۔ اس نے کہا: بالکل درست ہے' ہم نے کہا: جب اس معمولی سی کرسی جس میں صرف یہ حکمت ہے کہ آدمی کو زمین سے دو فٹ اوپر اٹھا رکھتی ہے' کے بنانے والے کی ہستی کے انکار کرنے والے کا مقام آپ کے نزدیک پاگل خانہ ہے تو آپ خود فرمائیں کہ اس پوری کائنات جس کے ذرہ ذرہ میں علم اور حکمت کے خزانے بھرے پڑے ہیں اس کائنات کے خالق کی ہستی کا انکار کرنے والے کا مقام کہاں ہوگا۔ اس نے کہا: یہ دنیا تو ہزاروں سال پرانی ہے۔ ہمیں کیا معلوم کس طرح وجود میں آئی۔ ہم نے کہا: آپ اس اہم سوال کا جواب دینے سے کیوں راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ سوال یہ نہیں کہ کائنات کس طرح وجود میں آئی سوال یہ ہے کہ یہ کائنات اپنے عظیم الشان حکمت کے خزانوں کے ساتھ آپ کے سامنے ہے۔ ادھر تو آپ مسلمانوں کے کشف و کرامات اور خوارق و عادات کے قصوں پر یقین نہیں کرتے کیونکہ یہ قانون علت و معلول کے خلاف ہیں اور دوسری طرف آپ اتنی بڑی کائنات کے کرشموں اور عجیب و غریب حکمت و سائنس کے خزانوں کے متعلق خیال کرتے ہیں کہ خود بہ خود وجود میں آئی ہے یہ کیا حماقت ہے۔ اس کا جواب اس سے نہ بن آیا اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔

ایک روسی سے بحث

اسی طرح ایک دفعہ ریل گاڑی میں ایک روسی سے بحث ہوئی' اس نے کہا: آپ ثابت کریں کہ خدا ہے۔ ہم نے کہا کہ آپ ثابت کریں کہ خدا نہیں ہے۔ اس نے کہا: کیوں؟ ہم نے کہا: اس لیے کہ جب آپ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ اس ریل گاڑی کو کوئی بنانے والا نہیں ہے تو اس ساری کائنات کے بنانے والے کی کس طرح نفی کر سکتے ہیں' یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا اور سوچتا رہا۔

اسحاق نیوٹن (ISSAC NEWTON) کا واقعہ

انگلستان کے مشہور مفکر ڈاکٹر نیوٹن نے ایک ایسی مشین بنوائی تھی جو نظام فلکی کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا۔ اس مشین کو چلانے سے تمام مصنوعی ستارے زمین' سورج اور چاند حرکت میں آ جاتے تھے اور اپنے اپنے راستے پر چلتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک دہریہ (ATHEIST)

وہ مشین دیکھنے گیا۔ مشین دیکھ کر اس نے نیوٹن سے دریافت کیا کہ یہ مشین کس نے بنائی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کسی نے نہیں بنائی خود بہ خود بن گئی ہے۔ اس پر دہریے نے کہا: یہ کیونکہ ممکن ہوسکتا ہے۔ نیوٹن نے کہا: جس نظامِ فلکی کا ایک چھوٹا سا لوہے کا بنا ہوا نمونہ خود بہ خود نہیں بن سکتا تو وہ اصلی اور اس سے کہیں زیادہ بڑا اور مکمل نظامِ فلکی کس طرح خود بہ خود وجود میں آ سکتا ہے۔ یہ سن کر وہ ذاتِ حق کا قائل ہوگیا۔

سیدنا امام ابوحنیفہ امامِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دہریوں کی ایک جماعت کو اسی طرح مسلمان کیا تھا۔ دہریوں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ ہستی باری تعالیٰ پر بحث کرنے آئی۔ آپ نے فرمایا: کل بارہ بجے آنا۔ چنانچہ وہ دوسرے دن بارہ بجے آپ کے مکان پر پہنچ گئے۔ آپ مکان پر نہ تھے۔ آپ تین گھنٹے دیر کر کے گھر آئے اور ان لوگوں سے کہا کہ معاف کیجئے مجھے دیر ہوگئی۔ وجہ یہ تھی کہ میں دریائے دجلہ کی طرف گیا ہوا تھا۔ جب واپس آیا تو دریا پر کوئی کشتی نہ تھی' میں ناچار کھڑا ہوگیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ لکڑی کے تختے دریا کے کنارے پر خود بخود آ گئے اور آپس میں جڑ کر کشتی کی شکل اختیار کر لی۔ اس کے بعد وہ کشتی پانی میں داخل ہوگئی اور چل کر میرے سامنے کھڑی ہوگئی۔ جب میں اس میں بیٹھا تو وہ خود بخود چل پڑی اور مجھے دریا کے پار پہنچا دیا۔ یہ سن کر دہریوں نے کہا کہ مسلمانوں کے امام جھوٹ بولتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جھوٹ نہیں بالکل سچ ہے۔ انہوں نے کہا: یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر یہ ممکن نہیں تو کائنات کا یہ عظیم کارخانہ کیسے خود بہ خود چل رہا ہے۔ اس پر وہ خدا کی ہستی کے قائل ہو گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ (مشاہدہ حق' الحاج واحد بخش سیال' ناشر الفیصل' غزنی سٹریٹ' اردو بازار' لاہور)

تراشہ نمبر 212

ہمارے ایٹمی سائنس دانوں کی غیر منصبی خدمات

(روزنِ دیوار' عطاء الحق قاسمی' روزنامہ جنگ لاہور' 2012ء)

آپ سب کی طرح مجھے بھی اپنے ایٹمی سائنس دانوں پر فخر ہے' فخر کی ایک وجہ ان کی قومی خدمات ہیں مگر دوسری وجہ قدرے مختلف ہے یعنی دوسرے ملکوں کے سائنسدانوں کی

طرح وہ سنگل ٹریک نہیں ہیں کہ سائنسدان ہیں تو ساری توجہ صرف سائنس ہی پر مرکوز کی ہوئی ہو جبکہ ہمارے ایٹمی سائنس دان الحمدللہ آل راؤنڈر ہیں۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہی کو لے لیں' آپ ایک بہترین کالم نگار بھی ہیں۔ مذہب اور ادب کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں۔ کتابوں پر نہایت دقیق تبصرہ فرماتے ہیں۔ قرآن وحدیث کے مطالعہ کی روشنی میں بھٹکی ہوئی قوم کو صراط مستقیم پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ایک محب وطن پاکستانی کے طور پر سیاست سے بھی انہیں گہری دلچسپی ہے چنانچہ اس موضوع پر بھی لکھتے ہیں۔ گزشتہ ہفتے انہوں نے ایک کالم میں تحریک انصاف کے علاوہ تمام سیاسی جماعتوں کے قائدین کا نام لے لے کر انہیں خوب رگیدا اور اس امر کی قطعاً پرواہ نہ کی کہ ان جماعتوں کے ووٹرز میں ان کی شخصیت متنازع ہو جائے گی' یہ ایک سچے لکھنے والے کی نشانی ہے' وہ کسی سیاسی یا مذہبی جماعت کے پیروکاروں کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر اپنے دل کی بات بیان کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کا نقصان اٹھانا پڑے گا' ایک بڑے حلقے میں اس کی مقبولیت داؤ پر لگ جائے گی لیکن وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان جماعتوں اور ان کے قائدین کے بارے میں جو الفاظ استعمال کیے' ان سے بہتر لفظوں کا انتخاب بھی ممکن تھا اور یوں ان سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے لیکن وطن کی محبت میں جذبات پر قابو کہاں رہتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کچھ عرصہ قبل تحریک انصاف کے بارے میں اپنے کچھ تحفظات کا اظہار کیا تھا اور انہیں اس کے منفی ردعمل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس دفعہ انہوں نے اس جماعت کو نظر انداز کیا ہے۔ شاید یہی ان کے لیے بہتر ہے' میں ڈاکٹر قدیر خان کو محسن پاکستان سمجھتا ہوں اور ان کے لیے میرے دل میں بہت عقیدت ہے' میری دعا ہے کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں قوم کی اسی طرح رہنمائی فرماتے رہیں اور ہر بڑے آدمی کی طرح وہ بھی ذاتی مقبولیت کو اپنی رائے کے اظہار میں کبھی رکاوٹ نہ بننے دیں۔

ہمارے دوسرے ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر سلطان بشیر محمود ہیں' انہوں نے بھی ڈاکٹر قدیر خان صاحب کی طرح خود کو ایٹمی سائنسدان تک محدود نہیں رکھا بلکہ وہ تبلیغ اسلام میں بھی سرگرم رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک پبلشنگ ادارے کے زیر اہتمام ایک نادر کتاب ''اسلام کا ہمہ گیر نظام صحت اور فطری طریق علاج'' کے عنوان سے حال ہی میں شائع کی ہے' جس پر ایلو پیتھک ڈاکٹروں کی مہر تصدیق بھی ثبت ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق

کینسر، شوگر، بلڈ پریشر جیسی بیماریاں فطری طریق علاج کے ذریعے جڑ سے اکھاڑی جا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے بواسیر، قبض، جوڑوں کا درد ہڈیوں کی کمزوری اور دوسری کمزوریاں، ناک، کان، گلے کے مسائل اور اس کے علاوہ جس مرض کا نام بھی آپ نے سن رکھا ہے ان سب کا شافی علاج ڈاکٹر صاحب نے اسلام کے ہمہ گیر نظام صحت اور فطری طریقہ علاج میں مضمر بتایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کتاب کے سرورق پر ایک بچے کو نماز پڑھتے دکھایا ہے اور اس کے اردگرد پھلوں، سبزیوں، جڑی بوٹیوں اور انہیں کھرل کرنے والی کونڈی کی تصویر شائع کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس طریق علاج کو "طب نبوی" کا نام دیا ہے اور بہت اچھا کیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گاہے بہ گاہے بیماریوں کے ازالے کے لیے جو نسخے خود استعمال کئے یا اپنے صحابہ کو بتائے وہ ان پر وحی کی صورت میں نہیں اترتے تھے۔ چنانچہ اگر کسی کے لیے اس طرح کا کوئی نسخہ مفید ثابت نہیں ہوتا تو اس سے طب نبوی کے حوالے سے کوئی غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان نہیں رہتا۔ بہت منفرد قسم کی یہ کتاب میرے خاندانی دوست اور ممتاز آئی سپیشلسٹ ڈاکٹر آئی اے خواجہ نے مجھے بطور تحفہ پیش کی ہے اور میں کل سے اس کے مطالعہ میں غرق ہوں۔ ہمارے ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر سلطان بشیر محمود نے مختلف امراض کے جو چند نسخے کتاب میں درج کئے ہیں ان میں سے صرف ایک آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

کینسر کا روحانی علاج

اللہ تعالیٰ نے اگر بیماری پیدا کی ہے تو اس کا علاج بھی، اس لیے اسلامی نظام صحت میں کوئی بھی لاعلاج نہیں، علاج کے لیے سب سے پہلی بات اللہ تعالیٰ پر یقین کے ساتھ مسلسل دعا کرنا ہے اور خشوع و خضوع سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افکار کے ذریعے اپنے حال کے مطابق اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے۔ مثلاً اول و آخر درود شریف کے ساتھ مندرجہ ذیل آیت کریمہ کسی علیحدہ جگہ پر بیٹھ کر یکسوئی سے پڑھی جائے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" (ترجمہ:) اے اللہ! تیرے سوا کوئی اللہ نہیں تو ہر عیب سے پاک خوبیوں میں لازوال ہے بے شک میں ہی قصوروار ہوں مجھے معاف فرما دے، آیہ مبارکہ کو درمیانی آواز میں تنہا بیٹھ کر اپنی زندگی کی کوتاہیوں اور غلطیوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے پوری توجہ سے پڑھتے رہیں، وقت اور تعداد مقرر نہیں، جتنا پڑھ سکتے ہیں پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نام نہاد لاعلاج بیماریوں سے اپنے اس

پاک کلام کی برکت سے شفا دیتا ہے۔ میرے ایک دوست چودھری فتح محمد جو امریکہ میں رہائش پذیر ہیں اور ورلڈ بینک کے ایڈوائزر رہے ہیں انہوں نے اپنا قصہ سنایا کہ مجھے کینسر آخری سٹیج پر تھا۔ ڈاکٹر نے چھ ماہ زندگی کا کہا لیکن جب آیت کریمہ کا ذکر کیا تو بیماری غائب ہوگئی اور اب اس بات کو پانچ سال گزر گئے ہیں۔ الحمد اللہ صحت مند ہوں' یہی حقیقت بعض دوسرے لوگوں کے حالات سے بھی عیاں ہے۔ کینسر کا علاج بالغذا' صحت مند لوگوں کو کینسر سے بچنے اور جو مریض ہیں ان کی صحت کے لیے پھلوں میں خوبانی' بلو بیریز' لیمن' گریپ فروٹ اور آم کا کھانا فائدہ مند ہے۔ خوراک میں جو اور بن چھنے گندم کے آٹے کی روٹی مفید ہوگی۔ سبزیوں میں پھول گوبھی اور بند گوبھی پراسٹیٹ کینسر' بریسٹ کینسر اور دل کی بیماریوں میں بہت فائدہ مند ہیں۔ مشروب میں لیمن کے رس والا شہد کا شربت بار بار پینے سے ان شاء اللہ بہت فائدہ ہو گا۔ لیمن کیموتھراپی کا نعم البدل ہے' اگر شوگر کی وجہ سے شہد نہیں ڈال سکتے تو سادہ لیمن اور پانی ملا کر پیتے رہیں۔ جاپان اور اسٹریلیا میں کینسر ریسرچ کرنے والے سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ معدہ کا کینسر' ہڈیوں کا کینسر اگر روزانہ ایک ٹیبل سپون شہد کو ایک ٹی سپون دار چینی کے پاؤڈر کے ساتھ ملا کر ایک مہینے تک استعمال کیا جائے تو ان بیماریوں سے افاقہ ہوگا۔

لیمن

کینسر کی کیموتھراپی کا نعم البدل کینسر کے آپریشن کے بعد ریڈی ایشن علاج کے ساتھ ساتھ کینسر کا علاج کیموتھراپی سے کیا جاتا ہے۔ یہ سخت کیمیکلز ہیں جو مریض کو کمزور کر دیتے ہیں۔ ذیل میں جو قدرتی نسخہ دیا جا رہا ہے ان شاء اللہ کیموتھراپی کا نعم البدل ہے۔ اس میں ہر طرح کے کینسر کے لیے شفا ہے۔ اس کے علاوہ گلٹی' فنگی (FUNGUS) بیکٹیریا یا انفیکشن اور پیٹ کے کیڑوں کو بھی دور کرتا ہے اور بلڈ پریشر کو معمول پر لاتا ہے۔ ڈپریشن کی بیماری اور ذہنی پریشانیوں کو دور کرنے میں بھی معاون ہے جو میڈیکل سائنس کے مطابق 12 قسم کے کینسروں میں خراب خلیات (Maliganant Cell) کو ختم کر دیتا ہے جس میں کولون (Colon) بریسٹ (Breast) پراسٹیٹ (Prastreate) پھیپھڑے (Lungs) اور پنکریا (Pancreas) کے کینسر بھی شامل ہیں۔

کھانے کا طریقہ

لیمن جوس اور شہد ہم وزن لے کر پانی میں ملا کر شربت بنالیں۔ ناشتے' دوپہر کے کھانے اور رات کے کھانے سے آدھا گھنٹہ پہلے گھونٹ گھونٹ پیتے رہیں۔ اگر میٹھا پسند نہیں یا شوگر زیادہ ہے تو سادہ یا نمک اور لیمن کی سکنجبین بنا کر پی سکتے ہیں۔ پکا ہوا لیمن چھلکے کے ساتھ یا چھلکے کے بغیر دن میں کم از کم تین مرتبہ کھائیں۔ سلاد میں لیمن کا رس ملا کر کھائیں۔ ان شاء اللہ بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت بڑھے گی اور لا علاج مرض بھی ٹھیک ہونے لگیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے لیمن کو صحت کا قدرتی کپسول بنایا ہے۔ دیسی لیمن سب سے بہتر نتائج دیتا ہے۔

میں نے ڈاکٹر صاحب کی تحریر جوں کی توں نقل کر دی ہے۔ تاہم اس کے استعمال کی ذمہ داری مریض پر ہے۔ وہ اپنا نفع نقصان خود سوچے' میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مریض کو شفائے کاملہ عطا فرمائے!

تراشہ نمبر 213

جلدی شیطان کی طرف سے ہے مگر پانچ چیزوں میں نہیں

(1) کھانا کھلانے میں جب مہمان حاضر ہو جائے۔

(2) میت کو دفنانے میں جب وہ فوت ہو جائے۔

(3) کنواری کی شادی میں جب وہ بالغ ہو جائے۔

(4) قرض کی ادائیگی میں جب وہ واجب الادا ہو جائے۔

(5) گناہ سے توبہ میں جب وہ سرزد ہو جائے۔

(حلیۃ الاولیاء' ج 8 ص 78' از: ماہنامہ ملینہ' جمادی الاول 1433ھ بمطابق اپریل 2012ء)

تراشہ نمبر 214

نیکی کا بدلہ

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرا ایک چراگاہ سے گزر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ایک حبشی غلام بکریوں کی رکھوالی کر رہا ہے۔ ایک کتا آیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا' حبشی غلام نے ایک روٹی نکال کر اس کو دے دی' پھر دوسری اور اس کے بعد تیسری بھی اس کے

سامنے ڈال دی۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اس سے پوچھا کہ اے غلام! تجھے روز کتنی روٹی ملتی ہے؟ اس نے جواب دیا: وہی جو آپ نے دیکھی ہے۔ اس پر میں نے پوچھا کہ پھر تو نے ساری روٹی اٹھا کر کتے کو کیوں دے دی؟ غلام نے جواب دیا کہ یہ اس جگہ کا نہیں ہے۔ یہ کتا کہیں دور سے امید لے کر آیا ہے اس لیے میں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ اس کی محنت ضائع کی جائے۔

عبداللہ کہتے ہیں کہ اس کی یہ بات مجھے اتنی پیاری لگی کہ میں نے اس غلام سمیت اس چراگاہ اور بکریوں کو ان کے مالک سے خرید لیا۔ غلام کو آزاد کر دیا اور اس سے کہہ دیا کہ یہ سب بکریاں اور چراگاہ تیری ملکیت ہیں۔ میں نے یہ سب تمہیں بخش دیا۔ غلام نے مجھے دعا دی، بکریاں اور چراگاہ سب کچھ صدقہ کیا اور وہاں سے چلا گیا۔

(بشکریہ ''ماہنامہ ملیہ'' جمادی الاول 1433ھ بمطابق اپریل 2012ء)

تراشہ نمبر 215

فلاح کا راستہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا. (مریم:59-60)

ان کے بعد کچھ نالائق اور نا اہل لوگ ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات نفسانی کے غلام بن گئے، پس عنقریب یہ جہنم کے عذاب سے دو چار ہوں گے مگر جس نے توبہ کر لی، ایمان لایا اور اچھے اعمال کیے ایسے لوگ یقیناً جنت میں جائیں گے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیاء، صلحاء اور ان کے تابعین کا ذکر فرمانے کے بعد ان بد طینت انسانوں کا ذکر فرمایا ہے جو نمازوں کو ضائع کرنے والے اور شہوات کے غلام تھے۔ نماز کا ذکر فرما کر وضاحت کر دی کہ وہ لوگ خیر و فلاح کے کاموں کو چھوڑ بیٹھے کیونکہ

نماز ایسا وظیفہ عمل ہے جس کا تارک ہر چیز اور نیکی سے محروم ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نماز کو ضائع کرنے سے مراد اس کے وقت میں سستی اور کاہلی کا شکار ہونا ہے کیونکہ اس کا چھوڑنا تو کفر ہے۔ امام قرطبی نے اس سے مراد گھروں میں نماز پڑھنا لیا ہے۔ اسی طرح نماز کے آداب واحکام اور ارکان کا صحیح خیال نہ کرنا اور اسے سنت کے مطابق ادا کرنے کی کوشش نہ کرنا بھی نماز کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ نماز کو چھوڑ کر ان لوگوں نے خواہشات کی پیروی کی۔ شہوات سے مراد دنیا کی وہ لذتیں ہیں جو انسان کو اللہ کی یاد اور نماز سے غافل کریں۔

امام قرطبی امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ شاندار مکانوں کی تعمیر اور ایسی شاندار اور قیمتی سواریاں جن پر لوگوں کی نظریں اٹھیں اور ایسا لباس جس سے تمام لوگوں میں امتیاز کی شان نظر آئے شہوات مذکورہ میں داخل ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں: شہوات سے مراد یہ کہ انہوں نے مساجد کو ویران کر دیا اور صنعت وتجارت میں اپنا دل لگا لیا' یہ لوگ جہنم کی وادی ''غی'' میں ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ جہنم کی ایسی وادی ہے جہاں ہر قسم کے عذاب ہوں گے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے بہت بڑے گھاٹے اور نقصان سے تعبیر فرمایا ہے۔ انجام بد اور ہلاکت بھی اسی سے مراد لی گئی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مزید فرماتے ہیں: یہ جہنم کی ایسی وادی ہے جس سے جہنم بھی پناہ مانگتی ہے۔

(بشکریہ: ماہنامہ دعوت التوحید' جلد 13' شمارہ 146' ربیع الثانی 1433ھ بمطابق مارچ 2012ء)

تراشہ نمبر 216

دیوبندی حکیم الامت کا مبہوت ہونا

قیام ہند کے دوران ایک دفعہ استاذ العلماء حضرت مولانا یار محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی دیوبندی حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی سے ملاقات ہوگئی تو اثنائے گفتگو آپ نے فرمایا کہ مولوی صاحب! حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اسماء سکھائے تو

اس آیہ کریمہ میں ''الاسماء'' جمع معرف باللام استغراق ہے اور ''کلھا'' اس کی تاکید ہے اور اس کا عموم قطعی ہوتا ہے۔ اس کی تخصیص نہیں ہوسکتی اور یہی علم کلی ہے' پھر تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے علم کلی ماننے کو شرک و کفر کیوں قرار دیا جارہا ہے؟ جواباً مولوی اشرف علی صاحب گویا ہوئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو صرف اسماء سکھائے گئے تھے جس طرح کوئی آدمی کسی ملک کے باشندوں کے نام یاد کرلے' مسمیات اور ذاتیں نہیں سکھائی گئی تھیں' لہٰذا علم مسمیات ثابت نہ ہوا جس سے علم کلی کی نفی ہوگئی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ کی یہ تفسیر تو خود قرآن مجید کے خلاف ہے کیوں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ'' یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے مسمیات کو فرشتوں پر پیش کر کے فرمایا کہ ان کے نام بتاؤ۔ اس سے یہی پتا چلتا ہے کہ آدم علیہ السلام مسمیات کو بھی جانتے تھے' تب ہی تو ان کے ناموں کے متعلق پوچھا جارہا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ صرف اسماء پیش کیے گئے تھے اور پوچھا گیا کہ ان کے نام بتاؤ تو یہ بالکل اسی طرح ہوگا کہ کوئی پوچھے بتاؤ زید کا نام کیا ہے؟ اور ظاہر ہے کہ یہ لغو اور بے معنی بات ہے اور قرآن مجید اس کا متحمل کسی صورت میں نہیں ہوسکتا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا تھا کہ مولوی صاحب لگے دائیں بائیں دیکھنے اور بغلیں جھانکنے اور ایسے مبہوت ہوئے کہ شاید زندگی میں انہوں نے اس طرح ندامت محسوس کی ہو۔ (حیات استاذ العلماء' مکتبہ دارالسلام' لاہور)

تراشہ نمبر 217

نام پاک رفتگاں ضائع مکن

امام اہل سنت' حکیم الامت' مفسر قرآن' شارح حدیث' شیخ الحدیث والتفسیر حضرت

علامہ مولانا الحاج مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم جامعہ غوثیہ نعیمیہ' گجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَآءِ

مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰى وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْبَرَرَةِ التُّقٰى.

امابعد! زندہ قومیں اپنے بزرگوں کی یادیں تازہ رکھتی ہیں' مردہ قومیں ان کو بھلا دیتی

ہیں۔ اسلام نے گزشتہ بزرگوں کی یادیں مختلف طریقوں سے زندہ رکھی ہیں۔ سورۃ قصص اور سورۃ نمل شریف اللہ والوں کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ قربانی' ارکان حج' حضرت ابراہیم' اسماعیل اور بی بی ہاجرہ علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندہ جاوید یادگاریں ہیں۔

ہم اہل سنت کا طریقہ امتیاز یہی ہے کہ ہم لوگ بزرگوں کے ساتھ ان کی یادگاروں کو دفن نہیں کر دیتے' میلاد شریف' گیارہویں پاک' عرس بزرگان دین اور سوانح عمریوں کی اصل یہی چیز ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے: ''لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ'' حضرت مولانا صوفی عارف باللہ' شریعت پناہ' طریقت دست گاہ' استاذ العلماء مولانا یار محمد صاحب بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے برصغیر پاک و ہند کے ممتاز مشہور بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے بڑے بڑے نامور علماء بنائے' جن سے آج دین روشن ہے۔

(حیات استاذ العلماء' مکتبہ دارالاسلام' لاہور)

تراشہ نمبر 218

توبہ کی توفیق

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ جو ایک ولی گزرے ہیں ایک روز اپنے مریدوں کے ہمراہ کشتی میں سوار دریائے نیل میں جا رہے تھے۔ سامنے سے ایک دوسری کشتی آئی جس میں لوگ خوب گا بجا اور خوشیاں منا رہے تھے اور انہوں نے کشتی میں طرح طرح کی شرارتوں سے اودھم مچا رکھا تھا۔ مریدوں نے آپ سے عرض کیا: اے شیخ! ان لوگوں کے لیے بددعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو غرق کر دے اور ان کی نحوست سے اپنی مخلوق کو پاک فرمائے۔

حضرت ذوالنون اسی وقت کھڑے ہوئے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر کہا: اے میرے خدایا! ان لوگوں کو آپ نے جیسے اس دنیا میں خوشی عطا فرمائی ہے اسی طرح آخرت میں بھی خوش رکھنا۔

مرید یہ دعا سن کر بہت حیران ہوئے۔ اتنے میں وہ کشتی بالکل آپ کے سامنے آ گئی۔ ان لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی سخت ندامت اور پشیمانی کا اظہار کیا' اپنے گانے بجانے والے آلات توڑ کر سمندر میں پھینک دیئے اور توبہ کر کے آپ کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔ آپ

نے اپنے مریدوں سے فرمایا: تم نے دیکھ لیا سب کی مراد پوری ہوگئی۔ تمہاری مراد بھی حاصل ہو گئی اور وہ بھی اپنی مراد کو پہنچ گئے۔

پیارے بچو! بزرگ اور نیک لوگ کسی کے لیے بددعا نہیں کرتے۔ وہ ہر کسی کے بھلے کی بات کرتے ہیں اور ہر مسلمان کو چاہیے کہ دوسرے کے لیے وہی کچھ کرے جس میں اس کا بھلا ہو۔ (بشکریہ: ماہنامہ ملیہ' جمادی الاول 1433ھ بمطابق اپریل 2012ء)

تراشہ نمبر 219

ہمیں اپنے کام کے بارے میں جہاں محتاط ہونے کی ضرورت ہے' وہیں اپنے آپ کو مضبوط رکھنے کی ضرورت ہے وہ ''رجوع الی اللہ'' ہی ہے جسے سلاح المؤمن بھی کہا گیا ہے۔

ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ امیر وقت ان سے ناراض ہوگیا جوان کا شاگرد بھی تھا' حکم دیا کہ میری سلطنت سے نکل جاؤ' انہوں نے ہرکاروں کو کہا کہ اس سے کہہ دو کہ میں تیرا حکم نہیں مانوں گا' امیر نے پیغام دیا کہ جا کر بتلاؤ۔ نہ نکلے تو میں اپنی فوج لے کر آتا ہوں' ملا (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا: اسے کہو کہ ضرور لے آئے اور خادم کو کہا: ذرا لوٹا پکڑاؤ اور میرا جائے نماز بچھاؤ تاکہ میں بھی تیاری کرلوں' جب امیر کو معلوم ہوا کہ شیخ مصلے پر بیٹھ گئے ہیں اور تیاری کرلی ہے' تو کہا: ان کا میں اب مقابلہ نہیں کرسکتا' اور دست بستہ حاضر ہوا اور معافی چاہی۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہم نے اپنی ذات پر محنت سے زیادہ دوسروں پر تنقید پر توجہ شروع کردی ہے آج خود باطنی ترقی اور اس کے حیرت انگیز ثمرات سے ہم کوسوں دور ہیں گویا ہمیں اپنے بڑوں کے حالات پڑھنے' سمجھنے' اور بار بار غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا ہم اس کسوٹی اور پیمانے کے قریب بھی ہیں جو کہ انبیاء کے وارثین اور اولیاء کے روحانی جانشینوں کا ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو کم از کم نقل ہی کو معیار بنالیں اور متقدمین کی نقل ہی شروع کردیں شاید یہ نقل ہی کام آجائے۔ آدمی مُصلّی سے صرف مُصلّی نہیں بلکہ مُصلح بھی ہوسکتا ہے۔

(بشکریہ'' ماہنامہ ملیہ'' فیصل آباد' جمادی الاول 1433ھ بمطابق مارچ 2012ء)

تراشہ نمبر 220

مولوی حسین علی جو کہ مولوی رشید احمد گنگوہی کا شاگرد تھا اور تھل کے علاقہ میں نجدیت

وہابیت کا سب سے بڑا مشتہر بلکہ ایک چلتا پھرتا اشتہار تھا اور سادہ لوح لوگوں کے ایمان اس کے بے رحم ہاتھوں میں آ کر ختم ہو رہے تھے اور اسے اپنے علم پر بڑا ناز تھا' مگر جب وہ حضرت قبلہ مولانا یار محمد بندیالوی قدس سرۂ العزیز کے مقابلہ پر آیا تو دنیا نے حق و باطل کا امتیاز کر لیا۔

علم غیب کے مسئلہ پر اس نے حضرت قبلہ سے ایک دفعہ گفتگو کی اور اپنے مسلک کی حمایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ پیش کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم غیب کی نفی کی اور کہا کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو علم غیب ہوتا تو حضرت خضر علیہ السلام پر اعتراض نہ کرتے۔

آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب! پھر آپ کے نزدیک تو حضرت خضر علیہ السلام خدا بن گئے کیوں کہ وہ تو علم غیب جانتے تھے۔ اب مولوی حسین علی صاحب کی یہ حالت تھی کہ ''گویم مشکل و نہ گویم مشکل''۔ (حیات استاذ العلماء' مکتبہ دارالاسلام' ہلا ہور)

تراشہ نمبر 221

مامون اور امین کا امتحان

ایک دن ملکہ زبیدہ نے امیر المؤمنین ہارون الرشید سے شکوہ کیا کہ آپ مامون کو بہت پیار کرتے ہیں اور محمد امین سے بے توجہی برتتے ہیں' حالانکہ وہ مامون سے بڑا ہے' اس کا حق اسے ملنا چاہیے۔

ہارون نے جواب دیا: تمہیں یوں ہی خیال ہو گیا ہے' ورنہ دونوں میرے لخت جگر اور نور نظر ہیں' اس لیے میری نظر میں برابر ہیں' بلکہ میں تمہاری وجہ سے امین ہی کا کچھ زیادہ خیال کرتا ہوں' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مامون اس شفقت کا زیادہ حق دار ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو ابھی امتحان لے لیتے ہیں۔

یہ کہہ کر ہارون الرشید نے ایک خادم سے کہا کہ فوراً محمد امین کے پاس جاؤ اور بلا اجازت اندر چلے جاؤ' دیکھو کس حال میں ہے' کیا کر رہا ہے' اور کون کون شخص اس کے پاس بیٹھا ہے؟ ساتھ ہی اس کو میرا یہ حکم بھی پہنچاؤ کہ وہ جس لباس میں بیٹھا ہے اسی لباس میں یہاں چلا آئے۔

خادم دوڑا ہوا محمد امین کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ وہ عیش و عشرت کا لباس پہنے کنیزوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہوا رنگ رلیاں منا رہا ہے۔ خادم نے امیر المومنین کا حکم پہنچایا اور وہ اسی حالت میں باپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

امیر المومنین نے بڑے پیار سے پاس بٹھایا اور بولا: کوئی ضرورت ہو تو بیان کرو' محمد امین نے جواب دیا: یا امیر المومنین! فلاں مقام پر ایک بہت حسین اور شاداب باغ ہے اور اس کے ساتھ ایک عالی شان محل بھی ہے' سیر و تفریح کے لیے نہایت دلچسپ جگہ ہے' اگر امیر المومنین یہ مقام مجھے عنایت فرمادیں تو میری تفریح کے لیے موزوں رہے گا۔ کمال بندہ نوازی ہو گی۔

امیر المومنین نے فرمایا: بہت اچھا' وہ باغ اور محل تمہیں دیا' اور کچھ مانگو' محمد امین نے عرض کی: فلاں! فلاں! گھوڑا مجھے بہت پسند ہے' میری سواری کے لیے بہت اچھا رہے گا' اگر امیر المومنین مہربانی فرمائیں تو بہت خوب ہو۔

امیر المومنین نے یہ عرض بھی قبول کی اور کہا: اچھا اب تم جاؤ' جب وہ چلا گیا تو زبیدہ کو مخاطب کر کے بولا: محمد امین کا لباس تم نے دیکھ لیا' اس کی درخواستیں سن لیں؟ اس کی مجلس کا حال معلوم کر لیا؟ اب مامون کی باری ہے۔

خادم کو حکم دیا: اب مامون کے پاس جاؤ اور جس حالت میں بیٹھا ہو اسی حالت میں اسے یہاں لے آؤ۔

خادم مامون کے پاس پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس نے جنگی لباس پہن رکھا ہے اور ہتھیار باندھ رکھے ہیں' بہت سے مسلح غلام فرش پر بیٹھے ہیں اور خود ایک چوکی پر بیٹھا رحل پر کتاب رکھے شمع کی روشنی میں اس کا مطالعہ کر رہا ہے۔ خادم نے خلیفہ کا حکم پہنچایا تو اٹھ کھڑا ہوا اور فوراً باپ کی خدمت میں پہنچا۔ ہارون نے پوچھا: یہ ہتھیار کیوں باندھ رکھے ہیں؟ کہاں کا ارادہ ہے؟ آج کل تو کوئی جنگی مہم درپیش نہیں ہے۔

مامون نے ادب سے زمین کو بوسہ دے کر جواب دیا: دنیا میں امیر المومنین کے دشمن بہت ہیں اور موقع کی تاک میں رہتے ہیں۔ اگر اچانک حملہ کر دیں اور ہم تیار نہ ہوں تو خدانخواستہ بہت برے نتیجے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے' اس لیے میں اور میرے غلام ہر وقت کیل کانٹے سے لیس رہتے ہیں اگر ایسا وقت آ جائے تو دشمن ہمیں مقابلے کے لیے تیار پائے۔

یہ سن کر امیر المومنین اس کی احتیاط پسندی اور پیش بینی پر بہت خوش ہوا۔ خوشی سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا' پیار سے بولا: بے شک احتیاط اور دانائی کا یہی طریقہ ہے جو تم نے اختیار کیا' پھر پوچھا: اس وقت کون سی کتاب کا مطالعہ ہو رہا تھا؟

مامون نے جواب دیا: عام طور پر بادشاہوں کے حالات و واقعات کی کتابیں پڑھتا رہتا ہوں۔ اس وقت بھی ایک ایسی ہی کتاب پڑھ رہا تھا۔ میری خواہش ہے کہ اگلے بادشاہوں کے اخلاق و عادات سے واقفیت حاصل کرلوں تاکہ ان کی پیروی کی جا سکے۔

امیر المومنین نے کہا: اگر کوئی حاجت ہو تو بیان کرو پوری کی جائے۔

مامون نے جواب دیا: امیر المومنین کا سایہ میرے سر پر سلامت رہے۔ ایران اور عرب کے بہت سے عالم اور امیر قید خانوں میں بے کار بند ہیں۔ انہیں قید رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں' سوائے اس کے کہ سرکاری خرچ بڑھے اور دوسرے اخلاقی قیدیوں کو تکلیف ہو۔ اگر امیر المومنین حکم دیں تو ان کو شرعی احکام کے مطابق سزا دے کر یا جرمانہ کر کے چھوڑ دیا جائے۔ سب لوگ دعائیں دیں گے اور امیر المومنین کے اقبال و عمر و دولت کی ترقی کا سبب ہوگا۔

امیر المومنین نے فرمایا: جیسا تم کہتے ہو' ویسا ہی ہوگا' اور کوئی درخواست؟

مامون نے جواب دیا: امیر المومنین ہمیشہ سلامت رہیں۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ فوج کے سپاہی اور دوسرے اہل کار خرچے سے تنگ ہیں' تنخواہ ملنے کا زمانہ بھی ہے' اگر ان کی تنخواہیں دے دی جائیں تو مناسب ہوگا کیونکہ سلطنت اور حکومت کے تمام امور کا انحصار انہی لوگوں کی ذات پر ہے۔

امیر المومنین نے کہا: بہتر ہے کل خود ہی ہمارا فرمان پہنچا دینا کہ سب کی تنخواہیں ادا کر دی جائیں' اور کوئی حاجت ہو تو کہو۔

مامون نے جواب دیا: بغداد اور اس کے آس پاس کے دیہاتیوں کی مالی حالت بہت خراب ہے۔ حکومت کو زیادہ مال کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ خدا کے فضل سے خزانہ مالا مال ہے' اس لیے اگر ان علاقوں کے مظلوم دیہاتیوں کو محصول معاف کر دیا جائے تو وہ اپنی حالت سنبھال سکیں گے اور امیر المومنین کے حق میں دعا کریں گے۔

امیر المومنین نے کہا: میں نے بغداد اور اس کے ضلعوں کا ایک سالہ لگان معاف کیا' یہ سن

کر مامون نے ادب سے سلام کیا اور اپنی اقامت گاہ کی طرف چلا آیا۔

اس کے جانے کے بعد امیر المومنین نے زبیدہ کو مخاطب کر کے کہا: تم نے امین کا لباس بھی دیکھا اور مامون کا بھی؟ امین کی درخواستیں بھی سنیں اور مامون کی بھی۔ امین کے حالات بھی معلوم کیے اور مامون کے بھی؟ مامون نے ایک درخواست میں عرب وعجم کے کتنے مشہور عالموں اور امیروں کو قید سے چھڑوایا۔ دوسری درخواست سے تمام لشکر کی چڑھی ہوئی تنخواہیں دلوادیں۔ تیسری درخواست سے بغداد اور اس کے علاقے کا لگان معاف کرادیا۔ اب دیکھو یہ ہزاروں لوگ جن کو اس نے قید سے چھڑوایا' تنخواہیں دلوائیں اور محصول معاف کرایا' اسے اور ساتھ ہی مجھے کتنی دعائیں دیں گے اور اس کے دل پر اس کی نیکیوں کا کتنا اثر ہوگا' پھر میں ایسے بیٹے کو کیوں نہ پیار کروں؟

یہ سن کر زبیدہ نے جواب دیا: امیر المومنین کی رائے ہمیشہ صائب ہوتی ہے۔ اخلاق اور حرص دونوں کو خدا نے پیدا کیا ہے' جو خدا چاہے گا وہی ہوگا میرا چاہنا کیا چیز ہے؟

(اختر شیرانی' ماہنامہ چشم بیدار' اپریل 2012ء)

تراشہ نمبر 222

چشمے کے قطروں سے سبق

مشہور امام اور مفسر قفال شاشی ابتدائے عمر میں لوہاروں کا کام کرتے تھے اور اپنے فن میں نظیر نہ رکھتے تھے' کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک فولادی صندوقچہ بنایا۔ اس کا قفل اس طرح بنایا کہ اس کی کنجی دوسرے قفل میں منتقل کردی جس کا وزن نصف قیراط سے زیادہ نہ تھا۔ جب یہ صندوقچہ' اس کا قفل اور کنجی تیار ہو گئے تو وہ ان کو لے کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچے اور تحفے کے طور پر پیش کیے۔

بادشاہ اور اس کے درباری اس نادر تحفے پر بہت حیران ہوئے اور تعریف کرنے لگے' اتنے میں اس زمانے کا کوئی عالم بادشاہ سے ملنے آیا۔ اسے دیکھ کر بادشاہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بڑی تعظیم وتکریم کے ساتھ اسے اپنی جگہ لا کر بٹھایا اور خود ادب سے ایک طرف بیٹھ گیا۔

لوہار نے یہ کیفیت دیکھی تو اپنے دل میں سوچنے لگا کہ اس شخص کی اتنی تعظیم علم کے سبب

سے ہے، ایک میں ہوں کہ ساری عمر قفل سازی کے کام میں ضائع کی اور دین و دنیا کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ بہتر یہ ہے کہ اب سے میں بھی شریعت کا علم سیکھنا شروع کروں اور باقی عمر اسی کی تحصیل میں صرف کر دوں۔

یہ سوچ کر وہ دربار سے نکلے اور سیدھے ایک بہت بڑے عالم کی خدمت میں پہنچے، اس وقت ان کی عمر تیس سال تھی۔ جب انہوں نے اس عالم کو اپنا مقصد بتایا تو وہ بہت حیران ہوا، بولا: تیس سال کے بوڑھے طوطے ہو کر اب کیا پڑھو گے، سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شامل ہونے سے کیا حاصل؟

مگر امام نے ایک نہ سنی اور شریعت کا علم سیکھنے پر اڑے رہے۔ مجبوراً عالم نے کہا: تم مانتے ہی نہیں ہو تو آؤ تمہارا امتحان کرتا ہوں۔ دیکھو ایک فقرہ تمہیں بتاتا ہوں، کل صبح اسے یاد کر کے لانا اور مجھے سنانا۔ دیکھوں تو سہی کہ کیسا یاد کرتے ہو، یہ کہہ کر اس عالم نے امام شافعی کے مذہب کے مطابق یہ فقرہ بتایا: ''قَالَ الشَّیْخُ جِلْدُ الْکَلْبِ لَا تَطْھُرُ بِالدِّبَاغِ''۔

امام قفال ایک ستون کے پیچھے جا کر بیٹھ گئے اور اس فقرے کو یاد کرنے لگے۔ ایک ہزار مرتبہ اسے دہرا کر دوسرے دن حاضر ہوئے، عالم نے پوچھا: کل والا سبق یاد ہو گیا ہو تو سناؤ۔

امام قفال نے کہا: ''قَالَ الْکَلْبُ جِلْدُ الشَّیْخِ لَا تَطْھُرُ بِالدِّبَاغِ'' شیخ کی جگہ کلب اور کلب کی جگہ شیخ'' پڑھنے کی وجہ سے دوسرے طلباء ہنسنے لگے، استاد نے ان کو منع کیا اور نئے شاگرد کو ایک اور سبق پڑھا دیا۔ اس طرح ایک سال گزر گیا مگر امام قفال جیسے پہلے علم سے کورے تھے ویسے ہی کورے رہے۔

آخر تنگ آ کر سیاحت کی ٹھانی۔ وطن سے باہر نکل کر پہاڑوں کا رخ کیا، دھوپ تیز اور ہوا گرم ہو گئی تو ایک سائے دار مقام پر پہنچے، جہاں ایک چشمہ پہاڑ کی اونچائی سے نکل کر قطروں کی شکل میں رس رس کر پہاڑ کے دامن میں ایک پتھر پر گر رہا تھا اور ان قطروں کے اثر سے پتھر میں سوراخ ہو گیا تھا۔

اس پتھر پر نظر پڑی تو امام پر بہت اثر ہوا، سوچا کہ علم اس پانی سے زیادہ نرم اور میرا دل اس پتھر سے زیادہ سخت نہیں ہے۔ اگر پانی کے حقیر قطرے اس پتھر پر اپنا اثر کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ میں محنت کروں تو علم میرے سخت دل پر اپنا نقش نہ جما سکے۔

یہ سوچ کر اسی وقت شہر لوٹ آئے اور دل و جان سے پڑھنے میں مشغول ہو گئے' پورے تیس سال تک محنت کر کے ساٹھ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے' ان ریاضتوں اور مشقتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے ان پر علوم کے دروازے کھول دیے اور وہ اپنے وقت کے امام مانے گئے۔

کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تیس سال کی عمر میں پڑھنا شروع کیا' تیس سال پڑھا' تیس سال پڑھایا اور تیس سال فتوے دینے میں مشغول رہے۔

(جوامع الحکایات سے' بشکریہ: ماہنامہ چشم بیدار' اپریل 2012ء)

تراشہ نمبر 223

بے وقوفی اللہ کا عذاب ہے

کسی شخص نے ایک دفعہ دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ کی طرف اس طرح تیز بھاگے جا رہے تھے کہ گویا کوئی ان کی جان کے درپے ہو۔ وہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے بھاگ پڑا۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دوڑتے دوڑتے پوچھا کہ آخر آپ کہاں بھاگے جا رہے ہیں جبکہ آپ کے پیچھے کوئی آ بھی نہیں رہا مگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ شخص اور کچھ دور تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے بھاگا اور ان کے ذرا قریب ہو کر ان سے سوال کیا: خدا کی خاطر کچھ دیر رک جائیں' میں آپ تک نہیں پہنچ پا رہا' آخر آپ کس کے خوف سے بھاگے جا رہے ہیں' نہ کوئی شیر آپ کے پیچھے لگا ہے اور نہ کوئی اور خطرہ آپ کو لاحق ہے تو پھر یہ بھاگنا کس کے ڈر سے ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: میں ایک بے وقوف کے خوف سے ڈر کر بھاگ رہا ہوں' مجھے نہ روکو میں اپنی جان چھڑا کر بھاگ رہا ہوں۔

اس شخص نے پوچھا: آپ وہی مسیحا ہیں جن کے دم سے اندھے بہرے تندرست ہو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں' پھر اس شخص نے سوال کیا: کیا آپ کے دم سے مردہ زندہ نہیں ہو جاتا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! بالکل ہو جاتا ہے' پھر اس شخص نے پوچھا: کیا آپ مٹی کے پرندے بنا کر ان پر پھونک مار کر انہیں زندہ نہیں کر دیتے' اور وہ ہوا میں اڑنے نہیں لگتے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! تو اس شخص نے پوچھا: اے مقدس روح! آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں' پھر یہ خوف کیسا؟ ایسی روشن دلیلوں کے ہوتے ہوئے دنیا میں کون ہوگا جو آپ کے

غلاموں میں سے نہ ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس پاک ذات کی قسم! جس کے لیے آسمان اپنا گریبان چاک کئے ہوئے ہے کہ وہ اسم اعظم جو میں نے بہرے' اندھے پر پڑھا وہ بھلا چنگا ہو گیا' پتھر پر پڑھا تو وہ شق ہو گیا' میں نے مردہ جسم پر پڑھا تو وہ زندہ ہو گیا اور ناچیز پر پڑھا تو وہ چیز ہو گیا' مگر میں نے محبت کے ساتھ اس بے وقوف کے دل پر لاکھوں بار پڑھا مگر اس پر اثر نہ ہوا' اور پتھر کا پتھر رہا' اس کے من کی زمین ریت ہی رہی اور بنجر ہی رہی۔ اس شخص نے سوال کیا: یہ کیا راز ہے' اس اسم اعظم نے وہاں کام کیا اور یہاں بے اثر رہا حالانکہ بے وقوفی بھی ایک مرض ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! بے وقوفی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ اندھے پن کی بیماری عذاب نہیں وہ آزمائش ہے جو رحم لاتی ہے' یعنی آزمائش میں مبتلا شخص اللہ کی رحمت کا طلب گار رہتا ہے مگر بے وقوف اپنی حماقت اور نادانی کو اپنی عقل اور دانائی سمجھتا ہے' اس لیے بے وقوفی مرض کو مزید بڑھاتی ہے' ایسے شخص کے دل ودماغ پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے اور پھر کوئی تدبیر وہاں کارگر نہیں ہوتی۔ (فاروق الحسن چشتی' ماہنامہ چشم بیدار' اپریل 2012ء)

تراشہ نمبر 224

ایک ہی خواب

ٹیچر -- تم بڑے ہو کر کیا کرو گے؟

شاگرد -- شادی'

ٹیچر -- نہیں! میرا مطلب ہے کہ کیا بنو گے؟

شاگرد -- دولہا'

ٹیچر -- اوہو! بھئی بڑے ہو کر کیا حاصل کرو گے؟

شاگرد -- دلہن'

ٹیچر -- نالائق! میرا مطلب یہ ہے کہ بڑے ہو کر ماں باپ کے لیے کیا کرو گے؟

شاگرد -- بہولاؤں گا'

ٹیچر -- تمہارے پاپا تم سے کیا چاہتے ہیں؟

شاگرد -- پوتا'

ٹیچر ۔۔ (غصے سے) ''تمہاری زندگی کا کیا مقصد ہے؟

شاگرد ۔۔ شادی! (ماہنامہ چشم بیدار اپریل 2012ء)

تراشہ نمبر 225

مدرس کے لیے رہنما اصول

نام: محمد عبدالعزیز استاذ العلماء' مفتی علامہ' کوٹ رادھا کشن

نصیحت: آپ مدرس ہیں' لہٰذا آپ کے لیے میری نصیحت یہ ہے

(1) مدرس کے لیے پہلی شرط اخلاص ہے۔

(2) دوسری شرط عفت اور پارسائی

(3) تیسری شرط یہ ہے کہ مطالعہ میں کوتاہی نہ کرے مطالعہ باقاعدگی سے کرے۔

(4) مدرس بارعب رہے طالب علموں کے ساتھ ہنسی مذاق سے پرہیز کرے۔

(5) جو مقامات نہیں آتے ان کو پوچھنے سے عار نہ کرے۔

(6) اور پڑھنے میں اخفاء سے بچے (یعنی لوگوں کے سامنے پڑھنے سے شرم محسوس نہ کرے)۔ مولانا یار محمد صاحب اوکاڑہ میں تھے' انہوں نے کہا: مجھے در پردہ پڑھا دیا کرو' میں نے کہا: چلو ٹھیک در پردہ پڑھ لیا کرو' اگر کوئی عار محسوس کرے تو اس کو در پردہ بھی پڑھا دینا چاہیے۔

(7) مدرس کو متقی اور باعمل ہونا چاہیے۔

(8) استقامت (مدرس کے لیے استقامت بہت ضروری ہے) مظہر جان جاناں کا شعر ؎

براہل استقامت فیض نازل می شود مظہر نمی دانی تجلی گرد کوہ طور می گردد

دستخط .... ابوالمکارم محمد عبدالعزیز غفرلہ

تراشہ نمبر 226

سفر نامہ...... ثاقب اکبر صاحب

علمائے کرام کے ساتھ ترکی اور مصر کا خوش گوار سفر رفاقتوں کی بہت سی انمٹ اور انمول

یادوں کا حامل تھا۔ لفظوں کی پھل جھڑیاں تو قدم قدم پر چھٹتی اور چلتی رہیں، شعروں کی تو پھوار پڑنے لگتی، عربی، فارسی، اردو، پنجابی اور سرائیکی سب زبانوں میں ایک سے ایک خوبصورت اور معنی آفریں شعر، مفتی منیب الرحمٰن پر عربی شعر اترنے لگتے تو یہ کیفیت ہوتی کہ ؎

آئی جو ان کی یاد تو آتی چلی گئی

مولانا یاسین ظفر اچھے اچھے شعر سناتے لیکن ان کی وجہ سے اچھے شعر کا تکرار ضرور ہوتا چونکہ وہ قلم اور دفتر بدست بیٹھے ہوتے اور پسندیدہ شعر، اچھے جملے اور شاندار لطیفے سب کچھ قلم بند کرنے کے درپے رہتے۔ راشد بخاری کو ایسے اچھے اچھے شعر یاد ہیں، یہ تو اس سفر میں کھلا جب وہ برموقع اور برجستہ کسی استاد کا شعر سناتے۔

(1) قاری صاحب کے لطائف

لطیفے سنانے میں بھی کوئی پیچھے نہ تھا۔ قاری محمد حنیف جالندھری گاہے گاہے شعر بھی چھوڑتے لیکن لطائف کے بلا اعلان مقابلے میں وہ بازی لے گئے۔ ان کے ایک لطیفے نے اسکندریہ سے قاہرہ کے سفر کے دوران میں سب کے پیٹ میں بل ڈال دیے۔ لطیفہ تو میں اس وقت پیش نہیں کروں گا۔ چونکہ وہ فائیو اسٹار ہوٹل کے پینڈو مہمان کے متعلق تھا۔ کہیں کوئی ناراض ہی نہ ہو جائے۔ پینڈو کا قضائے حاجت کے لیے ہوٹل سے باہر بہت دور جانا اور آم ٹھنڈے کرنے کے لیے ہوٹل میں مقام ادائے حاجت سے استفادہ کرنا۔ چھوڑیئے، تفصیل رہنے دیجیے۔

(2) دعوت کے بعد مولوی صاحب کی واپسی

لطیفوں میں سب سے بہتر کون سا تھا شاید کوئی اور جج ہو تو مولانا افضل حیدری کے چنیدہ لطیفوں میں سے کسی کو پہلا نمبر دے۔ ان کے ایک لطیفے نے تو سب کو کھانے پینے کے امور میں محتاط کر دیا۔ گویا سب ان کے لطیفے کے متاثرین میں سے تھے۔ بہر حال کسی لطیفے کی طویل اثر پذیری کے پہلے انعام کے حقدار وہی ہیں۔ ان کے لطیفے کے مولوی صاحب جب دعوت سے واپس آرہے تھے تو دیوار کے سہارے یا کسی کے کندھے کا سہارا لے کر چل رہے تھے۔ بیگم نے جوان کے حرم میں نئی تھیں، اس عالم میں انہیں دیکھا تو حیران ہوئیں۔ مولوی صاحب نے کہا: اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟ بیگم گویا ہوئیں: حیرت اس بات پر ہے کہ آپ کندھے کا

سہارا لے کر آ رہے ہیں' بابا حضور تو دعوت کے بعد کندھوں پر آیا کرتے تھے۔ یہ لطیفہ سن کر ہر دعوت کے بعد سب کی کوشش ہوتی کہ کسی دیوار کے سہارے کے بغیر چل کر دکھائے۔

(3) بیوی کے فوت ہونے پر خواتین کیوں بدل گئیں

مفتی صاحب کے دل میں بھی کئی لطائف چٹکیاں لیتے رہے۔ ایک لطیفے سے علمائے کرام نے بہت حظ اٹھایا بلکہ اس پر طرح طرح کے تبصرے بھی کیے۔ بلیغ تبصروں میں قاری صاحب کو جو ید طولیٰ حاصل ہے ہر کسی کا دستِ رسا وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ مفتی صاحب گویا ہوئے: ایک صاحب کہنے لگے: میری والدہ فوت ہوئیں محلے کی اور رشتے کی بڑی بوڑھیاں تسلی دیتیں: غم نہ کریں۔ ہم آپ کی ماں کی حیثیت رکھتی ہیں: مجھے اپنی ماں ہی سمجھو۔

بہن فوت ہوئیں تو اِدھر اُدھر سے خواتین دلاسے دینے کو آئیں: مجھے اپنی بہن جانیں' آپ میرے بھائی ہیں' ہر موقع پر میں آپ کو بہن بن کر دکھاؤں گی۔

میری بیٹی فوت ہوئی' تب بھی لڑکیوں نے اسی طرح تسلی دی۔ اب میری بیوی فوت ہوگئی ہے' کوئی نہیں کہتی کہ مجھے اپنی بیوی جانو' میں آپ کی بیوی بن کر دکھاؤں گی۔

قاری صاحب کا یادگار تبصرہ' چلیں پھر بھی سہی۔

(4) بیوی کی فرماں برداری

ڈاکٹر محمد حنیف ایک تو پٹھان' پھر دینی تعلیم یافتہ' وزارت تعلیم میں علماء اور دینی مدارس سے رابطے کے ذمہ دار' کیا خبر تھی اس فضا میں ان کے اندر سے بھی حسِ ظرافت پھڑک اُٹھے گی۔ ایسا شاندار لطیفہ سنایا کہ فقیر کا کاسۂ لطائف جس کے بغیر لبریز نہ ہو۔

ایک روز قاہرہ میں ہوٹل کی لابی میں کھڑے تھے' پھل جھڑیاں چل رہی تھیں۔ زیر بحث موضوع ''بیویوں کے فرماں بردار شوہر'' تھا۔ ڈاکٹر محمد حنیف کہنے لگے: ایک روز کسی خطیب نے لوگوں کے سامنے جنت کی خوبیاں بیان کیں اور وہاں ملنے والی طرح طرح کی نعمتوں اور حاصل ہونے والی لذتوں کا ذکر کیا۔ حوروں کا ذکر تو خاص طور پر ہوا' پھر وہ لوگوں سے پوچھنے لگے: تم میں سے کون کون جنت میں جانا چاہتا ہے؟ سب نے ہاتھ کھڑا کر دیا۔ کونے میں بیٹھے ایک شخص کا ہاتھ بلند نہ ہوا۔ خطیب نے پوچھا: کیا تم جنت میں نہیں جانا چاہتے؟ وہ کہنے لگا: حضور جانا چاہتا ہوں لیکن بیوی نے کہا تھا: نماز کے بعد سیدھے گھر آنا۔

(5) مولوی کی بیوی کی منت

قاہرہ سے استنبول کے راستے ہماری واپسی تھی‘ سب کھڑے بورڈنگ پاس کے انتظار میں تھے‘ سفر کی خوش گوار یادیں تازہ کی جارہی تھیں‘ میں نے کہا کہ علماء کرام نے اس سفر میں اتنے لطیفے سنائے ہیں کہ اکٹھے کیے جائیں تو ''لطائف العلماء'' نام سے ایک کتاب بن سکتی ہے۔ پروفیسر اعجاز الحسن صاحب کہنے لگے: ضرور لکھنے چاہییں تاکہ لوگوں کو پتا چلے کہ علماء بھی ہماری طرح کے شریف لوگ ہیں۔ سب نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

مفتی صاحب نے اس موقع کو فرصت زریں جانا اور لطائف العلماء میں ایک اور اضافہ کیا۔ کہنے لگے: ایک مولوی صاحب کے ہاں اولاد نہیں ہورہی تھی۔ ان کی بیوی نے منت مانی: یااللہ! اگر تو ہمیں ایک بیٹا عطا کرے تو ہم منبر پر بیٹھ کر ڈھول بجائیں گے۔ اللہ کا کرنا کیا ہوا کہ کچھ عرصے بعد ان کے ہاں ایک پسر متولد ہوا۔ بیوی نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ منبر پر چڑھ کر ڈھول بجائیں چونکہ یہ میری منت ہے۔ مولوی صاحب کہنے لگے: اللہ کی بندی! میں تو ساری عمر لوگوں سے کہتا رہا ہوں کہ ڈھول بجانا حرام ہے۔ اب میں کس طرح خود منبر پر بیٹھ کر ڈھول بجاؤں‘ بیوی نے بہت ضد کی‘ آخر کار مجبور ہو گئے۔ جمعہ کا دن تھا‘ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے‘ انہوں نے وہاں ڈھول منگوایا۔

لوگوں کے سامنے پہلے دائیں طرف مارا‘ پھر بائیں طرف مارا‘ پھر دونوں ہاتھوں سے اسے اکٹھا بجایا‘ ساتھ کہتے جاتے تھے: دیکھیں چاہے دائیں ہاتھ سے بجائیں‘ چاہے اس طرح بائیں ہاتھ سے اور چاہے اس طرح دونوں ہاتھوں سے تینوں صورتوں میں ڈھول بجانا حرام ہے۔ فضا کتنی دیر تک قہقہوں سے آباد رہی۔ خدا جانے مفتی صاحب کا لطیفہ زیادہ بلیغ تھا یا پروفیسر صاحب کا؟ ایسے سوالات کے بجائے ہمیں خوش گوار رفاقتوں کی خوش گوار یادوں سے لطف اندوز ہونے دیجئے۔ (ثاقب اکبر‘ ماہنامہ پیام‘ اسلام آباد‘ نومبر 2010ء)

تراشہ نمبر 227

کبوتر

(قیام پاکستان اور آزادی کے حصول پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنے کا خوبصورت انداز'
نیز پاکستان کے ایٹمی طاقت بننے پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے شکر کا اظہار)

اِک پنجرے وچ کئی کبوتر غٹ کوں غٹ کوں کر کے روندے
پر اونہاں دے کٹے ہوئے دن نوں چین نہ راتیں سوندے
او اپنی فطرت دے ہتھوں پھڑ پھڑ کر دے ایدھر اودھر
پر نکلن داراہ نہ پاوندے کیویں میل مقدراں دھوندے
اک پنجرے وچ کئی کبوتر غٹ کوں غٹ کوں کر کے روندے
کدی کدی بلی وی آوندی گھور گھور کے پئی ڈراوندی
مجبوری دی کند دے اوہلے سہک سہک کے لنگدے ویلے
اک دن ایک فرشتے آ کے پنجرے دا بوہا کھول دتا
اڈے انج کبوتر جیویں جان عذابوں چھٹی وِیخ کے ظالم پیچھے نے
ظلم تے خون دی ہولی وچ کئی کبوتر مڑ کے پھڑ لئے
جیہڑے بچ گئے نس کے اڈ گئے پاک فضاواں دی دھرتی تے
سوہنے رب نوں سجدہ کیتا گیت خوشی دے گائے لکھ سلام اوس قاید نوں جنہیں آن چھڈائے
ہن ساڈے پر وڈے ہو گئے اُچی ہور اڈاری ہو گئی
دیکھ کے' ظالم خوش نہ ہوندے نویاں نویاں چالاں چلدے
کدی نشانہ بن دے ساہنوں کدی اسیں چکراں وچ آوندے
نہ بچدے اسیں مزاراں تے نہ مسجد دے مینا راں تے
ایس مسئلے دا اکو ہی حل اے قاید دی اے سچی گل اے
نہ اڑنا کدی کلّے کلّے ڈاروں و چھڑی کونج نہ رلے

(محترمہ سیّدہ عارفہ بصیر صاحبہ)

تراشہ نمبر 228

امریکی پروفیسر اور سکالر مسٹر نوم چومسکی کہتا ہے

Terrorrisom is a weapon of the weak, but mostly used by the strong.

دہشت گردی کمزور کا ہتھیار ہے لیکن اسے زیادہ تر طاقتور استعمال کرتا ہے۔

تبصرہ (نصیر الدین)

دہشت گردی سے دہشت گردی کو مٹانا بجائے خود غلط ہے کیونکہ ظلم کبھی ظلم سے نہیں مٹا' مرزا عبدالقادر در بیدل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بسعیِ ظلم' کے' رفعِ مظالم می شود بیدل
بآبِ خنجر و شمشیر' نتواں کشت آتش را

بیدل! ستم کوشی سے مظالم ختم نہیں ہوتے
آبِ خنجر و شمشیر سے آگ نہیں بجھائی جا سکتی

مٹانا ظلم سے ہے غیر ممکن' ظلم کو بیدل!
بجھائی ہے کسی نے آگ' آبِ تیغ و خنجر سے؟

(کتاب بہار ایجادیٔ بیدل' سید حامد علی الحامد پرنواسہ' جگر مرآبادی' حال مقیم مدینہ منورہ)

امریکی فوج کا ایک سینئر جرنیل عمر بریڈلے (Omer Bradley) کہتا ہے

Ours is a world of the knowledge without wisdom, of power without conscience. We know more about killing than we know about living more about war than. We know

آج ہماری دنیا میں علم تو بہت ہے عقل نہیں ہے' طاقت تو بہت ہے زندہ ضمیر موجود نہیں ہے' ہم انسانوں کو قتل کرنے کا طریقے تو بہت جانتے ہیں' زندہ رہنے کا سلیقہ ہمیں حاصل نہیں' ہم یہ تو خوب جانتے ہیں کہ جنگ کیسے کرنی ہے لیکن یہ نہیں جانتے یا بہت کم جانتے ہیں کہ امن کیسے قائم کرنا ہے' ہم

(امریکی) جوہری ہتھیاروں پر عبور کے حوالے سے تو دیو بن چکے ہیں لیکن اخلاقی لحاظ سے ہم بونے ہیں۔

about peace. We are a nation of nuclear glants and athical infants.

(بحوالہ: روزنامہ جنگ' لاہور' 28 نومبر' 2001ء)

تراشہ نمبر 229

پھوڑے' پھنسیوں اور کینسر کا ایک عجیب علاج

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ بڑے درجے کے علماء میں سے ہیں' ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ میرے گھٹنے میں سات سال سے ایک پھوڑا نکلا ہوا ہے' ہر طرح کا علاج کرا چکا ہوں' بہت سے اطباء سے بھی رجوع کیا' لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: جاؤ! کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں پانی کی قلت ہو اور لوگ پانی کے ضرورت مند ہوں' وہاں جا کر ایک کنواں کھودو' مجھے امید ہے کہ وہاں کوئی پانی کا چشمہ جاری ہو گا تو تمہارا خون رک جائے گا۔ اس شخص نے ان کے کہنے پر عمل کیا تو تندرست ہو گیا۔

الحمد للہ رب العالمین علیٰ کل حالٍ ھو الشافی

یہ واقعہ علامہ منذری نے امام بیہقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

تراشہ نمبر 230

نکتہ

صاحب روح البیان فرماتے ہیں:

الصلوٰۃ والسلام کا جو اعزاز اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا ہے یہ اس اعزاز سے بڑھ کر ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرا کر عطا فرمایا تھا کیونکہ اس اعزاز میں اللہ رب العزت خود بھی شریک ہیں بہ خلاف حضرت آدم علیہ السلام کے' اعزاز کے وہاں صرف فرشتوں کو حکم فرمایا:

یُصَلِّیْ عَلَیْهِ اللّٰهُ جَلَّ جَلَالُهٗ   بِهٰذَا بَدَا لِلْعَالَمِیْنَ کَمَالُهٗ

عقل دور اندیش میداند کہ تشریفے چنیں   ہیچ دیں پرور ندید وہیچ پیغمبر نیافت

تراشہ نمبر 231

قوموں کے عروج وزوال کا راز

سلجوقی بادشاہوں کے نامور وزیراعظم نظام الملک طوسی نے جب سلطنت کے طول وعرض میں تعلیمی اداروں کا جال بچھا دیا اور تعلیم کے لیے بجٹ کا اتنا بڑا حصہ مختص کیا کہ طلبہ کتابوں کی فراہمی اور خورد ونوش کے خرچ سے بے نیاز ہو گئے تو سلطان (ملک شاہ) نے شکوہ کیا کہ جناب وزیراعظم اس رقم سے تو پورا لشکر تیار ہو سکتا ہے آخر جن لوگوں پر آپ نے زر کثیر لٹا رہے ہیں ان سے کیا کام نکل سکتا ہے؟ معمر وزیراعظم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' عالیجاہ! میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اگر نیلام کیا جاؤں تو پانچ دینار سے زیادہ بولی نہ ہو۔ آپ ایک نوجوان ترک ہیں تاہم مجھے امید نہیں کہ تیس دینار سے زیادہ آپ کی بھی قیمت آئے۔ اس پر بھی خدا نے بادشاہ بنایا ہے۔ بات یہ کہ ممالک فتح کرنے کے لیے آپ جو لشکر بھرتی کرنا چاہتے ہیں ان کی تلواریں زیادہ سے زیادہ دو گز کی ہوں گی اور ان کے تیر تین سو قدم سے زیادہ نہیں جا سکیں گے لیکن میں ان تعلیمی اداروں میں جو فوج تیار کر رہا ہوں ان کے تیر فرش سے عرش تک جائیں گے۔

یہ تو کل کی بات تھی' آج حالت یہ ہے کہ تعلیم کا شعبہ زبوں حالی کا شکار ہے۔ بجٹ ہو یا عمارتیں' اساتذہ کی اہلیت ہو یا نظم وضبط ہر طرف تاریکی ہے۔ پٹواری اور ایس ایچ او اور سیکشن افسر سب کی عزت ہے اگر نہیں تو تو استاد کی نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جسے کوئی کام نہیں ملتا جو نوجوان فوج میں افسر نہیں بن سکتا' مقابلے کے امتحان میں ناکام ہو جاتا ہے' بنک کی ملازمت نہیں لے سکتا' ریڈیو ٹی وی میں پروڈیوسر نہیں بن سکتا' صحافت میں نہیں چل سکتا' کاروبار کرنے کا اہل نہیں' سکول یا کالج میں استاد بن جاتا ہے۔

ایک پاکستانی بیوروکریٹ کو پیشہ ورانہ تربیت کے ضمن میں کچھ عرصے کے لیے ایک یورپی ملک میں قیام کرنا پڑا۔ پہلے دن جو ہدایات اسے دی گئیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ اگر کسی وقت وہ قیام گاہ یا اپنے تربیتی ادارے سے راستہ بھٹک جائے یا پاسپورٹ یا شناختی دستاویزات گم ہو جائیں یا رقم پاس نہ ہو' تو لوگوں کو صرف یہ بتائے کہ وہ پروفیسر ہے۔ پاکستانی افسر نے تعجب سے پوچھا کہ آخر کیوں' تو اسے بتایا گیا کہ جو عزت واحترام پاکستان میں ڈپٹی

کمشنر یا کمشنر کا ہے وہی یورپ میں پروفیسر کا ہے۔ اسی بیوروکریٹ نے ٹرین میں بارسلونا سے روم تک سفر کیا۔ ایک ہسپانوی خاندان شریک سفر تھا اس نے تجربے کے طور پر اپنے آپ کو بطور پروفیسر متعارف کرایا۔ اس کا بیان ہے کہ انہوں نے پورے سفر کے دوران اس کا اس طرح خیال رکھا جیسے مرید مرشد کا رکھتے ہیں۔ (محمد اظہار الحق' روزنامہ جنگ لاہور' 18 پریل 2003ء)

تراشہ نمبر 232

روزمرہ کے لیے مفید طبی مشورے

اگر کوئی چیز زیادہ کھالی جائے تو بدہضمی یا دیگر برے نتائج سے بچنے کے لیے (اور دوا کھائے بغیر) کون سے ایسی چیزیں کھائی جائیں جو صورتحال کا نہایت خوبی سے مداوا کرسکیں۔ جس چیز کی جس سے اصلاح ہوتی ہے وہ قارئین کے فائدہ کے لیے درج ذیل ہے:

* چھاچھ (لسی) کی اصلاح لیموں نمک یا کالی مرچ سے
* خربوزے کی لیموں یا شہد سے
* دہی کی سونٹھ' نمک زیرہ سے
* سرکہ کی مٹھائی سے
* سنگترہ کی گڑ سے
* سیب کی دارچینی سے
* فالسہ کی گلقند سے
* کیلے کی نمک' سونٹھ یا شہد سے
* کریلے کی نمک' سونٹھ یا شہد سے
* کھجور کی چھاچھ سے
* کھیر کی مونگ کی دال سے
* کھیرے کی اجوائن یا نمک سے
* گاجر کی گڑ سے
* گڑ کی کھٹائی سے
* گنے کی عرق اجوائن یا ادرک سے

* گوبھی کی ادرک' گرم مصالحہ سے
* گوشت کی گڑ سے
* گھی کی گرم پانی یا لیموں سے
* گیہوں کی سرکہ' کانجی یا سوڈے سے
* لوبیا کی سونف' نمک یا زیرے سے
* مچھلی کی آم کے رس یا شہد سے
* مکھن کی شہد' کھانڈ یا نمک سے
* ماش کی سونٹھ' ہینگ' کالی مرچ' ادرک سے
* مسور کی گھی یا سرکے سے
* چنے کی اجوائن سے
* مولی کی اس کے پتے یا گڑ سے
* مٹر کی نمکین گرم پانی سے
* لیموں کی نمک' بنفشہ یا سوڈے سے
* سرخ مرچ کی شہد اور گھی سے

تراشہ نمبر 233

آئینہ حق و باطل

ایمان' اتحاد' تنظیم ...... کا موثر ترین نسخہ

(از ...... حضرت مولانا علامہ عطاء محمد بندیالوی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ الْکَامِلَ حَبِیْبَهٗ وَعَلَّمَهٗ وَمَا یَکُوْنُ وَمَا کَانَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْاِتْمَّانِ الْاَکْمَلَانِ عَلٰی سَیِّدِ بَنِیْ عَدْنَانَ الْمَاحِیْ اٰثَارَ الْکُفْرِ وَالطُّغْیَانِ الْاُمِّیِّ الْعَالِمِ بِالْبُطُوْنِ وَالظُّهُوْرِ الْکَاشِفِ لِظُلُمَاتِ الظُّلْمِ وَالشُّرُوْرِ.

امابعد: یہ امر شمس وامس سے بھی روشن تر ہے کہ ایمانِ کامل اور اسلام مکمل کی دو جزو ہیں:

(۱) عقائد: جن کا تعلق دل سے ہے' اور (۲) اعمال: جن کا صدور جوارِح اور اعضاء سے ہوتا ہے۔

لیکن جزو اعلیٰ اور اصل' عقیدہ ہے اور اعمال فروع کا درجہ رکھتے ہیں۔ عقیدہ صحیحہ سے دل کی طہارت ہوتی ہے۔ اس لیے بغیر درستی عقیدہ کے کوئی عمل مقبول نہیں ہے اور اختلاف مذاہب کی مدار اختلاف عقائد پر ہے' نہ کہ اختلاف عمل پر۔ اسی لیے مذاہب اربعہ باوجود اختلاف اعمال کے وحدۃ عقیدہ کی وجہ سے اہل السنۃ والجماعۃ کہلاتے ہیں اور تَوَھُّب' تشیُّع' اعتزال' خروج اختلاف عقائد کی مختلف تعبیرات ہیں۔ اہل السنت والجماعت نے درستی اعمال کی اہمیت کو ملحوظ رکھنے کے باوجود صحت عقائد پر بڑا زور دیا ہے۔

* اور عقائد میں توحید اور رسالت کا عقیدہ اہل سنت کے نزدیک بہت اہم ہے۔ اس تمہید میں یہ واضح کرنے کی کوشش کروں گا کہ اہل سنت کے نزدیک توحید و رسالت کا مفہوم کیا ہے؟ اور اہل بدعت و بطالت کو اس عقیدہ میں کیا کیا ٹھوکریں لگی ہیں۔ ملت اسلامیہ سمحہ بیضاء کی اساس اور بنیاد توحید و رسالت کے عقیدہ پر ہے' اور ان ہر دو امر کی صحت ہی صحت ایمان ہے۔

* اہل سنت و جماعت کا عقیدہ توحید جس پر قرآن کریم دلالت کرتا ہے' یہ ہے کہ عالم جو کہ جمیع موجودات ماسواء اللہ سے عبارت ہے۔ یہ سب موجودات توحید باری پر دلائل ہیں اور ان دلائل کے علم سے توحید خداوندی کا علم حاصل ہوتا ہے' جتنا زیادہ دلائل کا علم ہوگا اتنا ہی توحید کا علم بھی کامل ہوگا اور کم دلائل کا علم نقصان توحید کو مستلزم ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ. (الانعام:75)	اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے۔

علامہ علی قاری نے اس آیت مبارکہ کا جو معنی بیان فرمایا ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے جیسا کہ آپ کو زمین و آسمان کے

عجائب دکھائے ہیں۔

اسی طرح ہم نے ابراہیم علیٰ نبیا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان وزمین کے علوم دیئے تھے تاکہ وہ اپنے مولیٰ تعالیٰ پر استدلال قائم کریں تو ان امور سے واضح ہو گیا کہ زمین و آسمان و ما بینہما اللہ تعالیٰ جل شانہ کی توحید کے دلائل ہیں اور ان علوم سے توحید مکمل ہوتی ہے اور پھر یہ بات تو معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ عالم کی وجہ تسمیہ ہی یہ ہے کہ اس کے ساتھ صانع پر دلیل دی جاتی ہے۔

یہاں علامہ علی قاری اور دیگر شراح حدیث نے ایک نکتہ بیان فرمایا ہے' اس کو بھی ذرا سن لیجئے۔ وہ یہ کہ آیت مذکورہ بالا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے علم اور رویۃ کو مشبہ بہ اور خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ کے علم واراءۃ کو مشبہ سے تعبیر فرمایا' اور یہ امر مسلّم ہے کہ مشبہ بہ وجہ شبہ میں اقویٰ ہوتا ہے' تو پھر آنحضرت ﷺ کا علم ورؤیۃ جناب خلیل اللہ علیہ السلام سے کس طرح اقویٰ ہے۔ شراح حدیث نے اس کا جواب دیا کہ آیت مذکورہ بالا میں خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ کو پہلے اراءۃ ہوئی اور بعد میں ایقان اور جس حدیث شریف میں حبیب ﷺ کا ذکر ہے اس میں رویت باری عزّ اسمہٗ مقدم اور علم جمیع مافی السمٰوٰت والارض مؤخر ہے تو حاصل کلام یہ ہوا کہ حبیب ﷺ نے مؤثر اور خالق سے اثر اور مخلوق کی طرف انتقال فرمایا اور خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ کا معاملہ بالعکس ہے' علی قاری فرماتے ہیں: ''وبینھما بَوْنٌ بَائِنٌ'' یعنی ان دونوں علوم میں بڑا عظیم فرق ہے۔

قرآن وسنت سے جو عقیدہ توحید ثابت ہوتا ہے' اس کا ذکر اوپر بیان ہو چکا اور اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی بھی نبی علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ اس کو فلاں چیز کا علم نہیں ہے تو یہ عقیدہ اس امر کو مستلزم ہے کہ اس نبی کی توحید مکمل نہیں ہے' چہ جائیکہ افضل الانبیاء صلوٰات اللہ علیہ کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ فلاں چیز کا علم نہیں تھا تو بتائیے جب آپ ﷺ کی توحید مکمل نہیں ہے تو دنیا میں کس کی توحید مکمل ہو سکتی ہے؟

اور بعض اہل بدعت نے عقیدہ توحید کو الٹا جامہ پہنا دیا کہ اگر کسی کا نبی ﷺ کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عالم کی ہر ایک چیز کا علم عطاء فرمایا ہے تو یہ عقیدہ شرک ہے یعنی عقیدہ توحید کو جو براہین سے ثابت ہوتا ہے اس کو تو شرک قرار دیا اور ان اہل بدعت نے عقیدہ

توحید یہ اختراع کیا کہ کامل موحدوہ ہے جس کو دیوار کے پیچھے کا علم بھی نہ ہو اور پھر طرفہ یہ کہ ان اہل بدعت کے نزدیک شیطان لعین کی وسعت علمی تو نص قرآنی سے ثابت ہے اور افضل الانبیاء کے علم پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ شیطان کی توحید انبیاء علیہم السلام کی توحید سے اکمل۔ (نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات)

ع خرد کا نام جنون رکھ دیا جنوں کا نام خرد

یہاں تک بندہ نے یہ واضح کیا ہے کہ ملت اسلامیہ کی اساس اول توحید کو اہل ضلالت نے کتنا غلط رنگ دیا ہے، اب آیئے آپ کو دینِ متین کی بنیاد ثانی یعنی رسالت سے روشناس کرائیں اور پھر اہل بدعت نے اس بنیاد میں جو قہر سامانیاں کیں ان پر سے پردہ اٹھائیں۔

اوّلاً: آپ کو یہ بیان کرتے ہیں کہ اہل السنّت والجماعت کے نزدیک عقیدہ رسالت کیا چیز ہے؟ قرآن پاک میں ہے:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً. میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ (البقرۃ:30)

اس آیت مبارکہ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ خلیفہ اس وقت مقرر کیا جاتا ہے جب اصل کام انجام نہ دے سکے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر قسم کے عجز سے پاک ہے، پھر اس نے اپنے لیے خلیفہ کیوں مقرر فرمایا؟ اس اشکال کا جواب علامہ بیضاوی نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

''اِسْتَخْلَفَهُمُ اللّٰهُ فِیْ عِمَارَةِ الْاَرْضِ وَسِیَاسَةِ النَّاسِ وَتَكْمِیْلِ نُفُوْسِهِمْ وَتَنْفِیْذِ اَمْرِهٖ فِیْهِمْ لَا لِحَاجَةٍ بِهٖ تَعَالٰی اِلٰی مَنْ یَّنُوْبُهٗ بَلْ لِقُصُوْرِ الْمُسْتَخْلَفِ عَلَیْهِ عَنْ قَبُوْلِ فَیْضِهٖ وَتَلَقِّیْ اَمْرِهٖ بِغَیْرِ وَسْطٍ''۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا جتنی مخلوق ہے اس میں اتنی استعداد نہیں ہے کہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے فیض حاصل کریں۔ اس حکمت کی وجہ سے خلیفہ کی تخلیق ہوئی۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی فاضل لاہوری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اپنے حاشیہ میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ مخلوق میں کیوں استعداد فیضان نہ تھی۔ ملاحظہ ہو:

''لِمَا اَنَّهٗ فِیْ غَایَةِ الْكُدُوْرَةِ وَالظُّلْمَةِ الْجِسْمَانِیَّةِ وَذَاتُهٗ تَعَالٰی فِیْ غَایَةِ

التَّقَدُّسِ وَالْمُنَاسَبَةُ شَرْطٌ فِیْ قُبُوْلِ الْفَیْضِ عَلٰی مَاجَرَتْ بِهِ الْعَادَةُ الْاِلٰهِیَّةُ فَلَا بُدَّ مِنْ مُتَوَسِّطٍ ذَا جِهَتَیِ التَّجَرُّدِ وَ التَّعَلُّقِ یَسْتَفِیْضُ مِنْ جِهَةٍ وَیُفِیْضُ بِاُخْرٰی''۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا تمام ارضی مخلوق میں کدورت یعنی میلا پن اور سیاہی ہے اور اللہ تعالیٰ میلا پن اور سیاہی سے بالکل پاک ومنزہ ہے بلکہ کدورت اور ظلمت اللہ تعالیٰ میں محال ہے اور مفیض اور مستفیض میں مناسبت شرط ہے اور یہ شرط عادی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان ایک واسطہ پیدا کیا ہے جو کہ تجرد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مناسبت رکھتا ہے اور اس مناسبت سے باری عزّ اسمہ سے استفادہ کرتا ہے اور تعلق بدنی کے لحاظ سے مخلوق کے مناسب ہے اور اس مناسبت کی وجہ سے مخلوق اس سے استفادہ کرتی ہے۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حیوانی بدن میں اس کی مثال دی ہے کہ مثلاً ہڈیاں گوشت سے خوراک حاصل کرتی ہیں اور ان دونوں کے درمیان مناسبت نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے عادی طور پر نرم ہڈی کو پیدا کیا' جو کہ ظاہری رنگ کے لحاظ سے ہڈی ہے اور نرمی کے لحاظ سے گوشت سے مناسبت ہے اور ہڈیاں نرم ہڈی کے واسطے سے خوراک حاصل کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں جو کہ ذوجہتین ہیں۔ان میں تجرد اور نورانیت بھی ہے اور تعلق بشریت بھی۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ انبیاء ورسل صلوٰات اللہ علیہم اجمعین نہ تو خدا ہیں اور نہ ہی محض بشر کہ ان کی حقیقت محض بشری ہو۔ اہل بطالت کو ہمارا چیلنج ہے کہ علامہ بیضاوی نے جس اعتراض واشکال کی طرف اشارہ فرمایا ہے اہل بدعت اور صنادید دیوبند تقریر مذکور کے بغیر اس کا جواب دیں' اہل بطالت کا جو یہ مذہب ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت صرف حقیقت بشری ہے فرق صرف نزول وحی ہے وجوداً وعدماً تو اس پر سابقہ اشکال لوٹ آئیگا کہ پھر انبیاء علیہم السلام بھی عدم مناسبت کی وجہ سے استفادہ از باری عز اسمہ نہیں کر سکتے' حقیقت میں مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ نبی کی حقیقت صرف اور صرف بشری ہے اور اسی وجہ سے ان کا یہ اعتراض تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کسی اور پر کیوں نازل نہ ہوئی' یہ تو ترجیح بلا مرجح ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ. اللہ تعالیٰ مقام رسالت کو خوب جانتا ہے۔ (الانعام:124)

جس کا مطلب واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حقیقت ایسی ہے کہ اس میں استعداد رسالت ہے اور مشرکین جن کا تم نام لیتے ہو ان کی حقیقت میں یہ استعداد ندارد ہے۔ اب اگر رسالت کے متعلق اہل بدعت کا مذہب مان لیا جائے کہ حقیقت انبیاء علیہم السلام صرف حقیقت بشری ہے تو پھر کفار کے اعتراض ترجیح بلا مرجح کا جواب آیت مذکورہ بالا سے کس طرح بیان کیا جائے گا۔

حیرت اس امر پر ہے کہ بانی دیوبند اور اہل بطالت کے پیر مغاں مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بھی آیۃ مذکورہ بالا کی یہی تقریر کرتے ہیں جس کو بندہ نے اوپر بیان کیا ہے بلکہ مولوی صاحب مذکور نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ زمین کا وہ حصہ مبارکہ جس پر کعبہ مکرمہ ہے اس کی حقیقت دوسرے اجزاء ارضی سے مختلف ہے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔ شاید اہل بدعت یہ جواب دیں کہ ہمارے پیر مغاں نے یہ تقریر اہل سنت کو دھوکا دینے کے لیے تقیۃً فرمائی ہے تو لاجرم ہمارے پاس اس جواب کا کوئی جواب الجواب نہیں ہے مذکورہ بالا کلام تو تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہے اور پھر افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آیت مندرجہ ذیل میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''قولہ تعالی یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْئُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ'' (النور:35)۔

علامہ فاضل عبدالحکیم سیالکوٹی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

یعنی...... ''لِاَ نَّھَا تَکَا دُ تَعَلَّمَ وَلَوْ لَمْ یَتَّصِلْ بِمِلْکِ الْوَحْیِ وَالْاِلْھَامِ الَّذِیْ مِثْلُ النَّارِ مِنْ اَنَّ الْعُقُوْلَ یَشْتَغِلُ عَنْھَا وَ فِیْہِ اِشَارَۃٌ اِلٰی مَاسَیَجِیْءُ مِنْ اَنَّ قَوْلَہٗ تَعَالٰی ''اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تَمْثِیْلٌ لِلْقُوَّۃِ الْعَقْلِیَّۃِ فِیْ مَرَا تِبِھِمَا''۔

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ ''قولہ تعالیٰ اللہ نور السموات' الایۃ'' میں انبیاء علیہم السلام کے عقول کا بیان اور ان کی استعداد کی تمثیل ہے کہ اگر ان پر وحی والہام نہ بھی ہوتا تو اس میں استفادہ کی استعداد موجود تھی اسی لیے محققین اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اگر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بالفرض وحی نازل نہ بھی ہوتی تو بھی آپ ذاتی طور پر تمام مخلوقات سے افضل ہوتے آپ کو جو منصب نبوت اور رسالت عطاء فرمایا گیا ہے یہ نور علیٰ نور ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''قولہ تعالیٰ نُوْرٌ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَاءُ'' (النور:35)۔

یعنی اس نور علی نور کو غلاف بشریہ سے ڈھانک لیا جاوے گا اور اسی نور تک مخصوص نفوس کی رسائی ہوگی اور اذہان عالیہ اور نفوس قدسیہ کو ہی اللہ تعالیٰ اس نور تک پہنچائے گا' باقی رہے اذہان قاصرہ سافلہ تو وہ صرف غلاف بشریہ پر رُک کر اسفل السافلین میں گر جائیں گے۔

یہاں تک بندہ نے توحید و رسالت اور اہل سنت اور اہل بدعت کو بیان کر دیا ہے' اور یہ ذکر اجمالی ہے'' والتفصیل لایسعہ ھذا المقام بل الاذھان '' اب روز اول سے اہل حق اور اہل بطالت یا یوں کہہ لیجئے کہ ابتداء سے اولیاء الرحمٰن اور عباد الشیطٰن ستیزہ کار رہیں ولنعم ما قیل:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

(توضیح البیان' مصنفہ: علامہ غلام رسول سعیدی' تقریظ از استاذ العرب والعجم مولانا حافظ عطا محمد صاحب بندیالوی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

تراشہ نمبر 234

بریلی یاد آتی ہے

شمالی ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کا ایک چھوٹا اور خوب صورت شہر بریلی نہ صرف ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے' بلکہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے اس کی شناخت روہیل کھنڈ کے تاج میں جڑے ہوئے ایک نگینے کی سی ہے۔ ہمالہ کی برف پوش چوٹیوں سے ٹکراتی ہوئی سرد ہوائیں جب ترائی کے علاقے سے گزرتی ہوئی اپنے جلو میں کالے بادلوں کو لیے بریلی کا رخ کرتی ہیں تو پھر یہ بادل اپنے دامن کے سفید موتیوں جیسے بارش کے قطرے اس خطے پر نچھاور کر دیتے ہیں اور پھر کچی مٹی سے اٹھنے والی مسحور کن سوندھی خوشبو سے سارا شہر مہک اٹھتا ہے۔ مغل گورنر مکرندرائے نے 1537ء میں بریلی شہر کی بنیاد ڈالی' لیکن اس خوب صورت جگہ کو روہیلوں نے اپنا مرکز بنالیا۔ افغانستان کے قصبہ روہ سے حافظ رحمت خان بریلی پہنچے' یہاں اپنی سلطنت قائم کی اور روہیل کھنڈ نام رکھا۔ اس شہر کی مقبولیت کے بہت سے عوامل ہیں' جن میں جناب احمد رضا خان صاحب کا بریلی میں مسکن اور مدفن اور دوسری سب سے بڑی وجہ جنگِ آزادی میں انگریزوں کے خلاف پہلا اور آخری معرکہ جنگِ آزادی کی پہلی جنگ اسی خطے میں لڑی گئی۔ اس جنگ میں بریلی کے جاں فروشوں نے وطن کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

بریلی کے نامور جنرل بخت خان جس کے نام سے انگریزی سپاہیوں میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا' انہوں نے شہنشاہ ہند بہادر شاہ ظفر کو عسکری مدد کی پیشکش کی' لیکن بہادر شاہ کا مشیر خاص ننگِ وطن غدار الٰہی بخش انگریزوں سے جاملا اور چند سکوں کے عوض مادرِ وطن کا سودا کرلیا' بریلی کے سرفروشوں نے وطن کی آزادی کی خاطر اپنی جانون کا نذرانہ پیش کیا اور بریلی کی حکایت خونچکاں اپنے لہو سے رقم کی۔ حافظ رحمت خان شہید ہوئے' اور اس طرح روہیل کھنڈ کی حکومت کا سورج غروب ہو گیا۔

میرا تعلق بھی بریلی سے ہے اور وہیں سے میں نے پاکستان ہجرت کی۔ عرصہ گزر جانے کے باوجود وہ گھر' وہ گلیاں' وہ کوچے' وہ اسکول' وہ استاد' وہ اعزاء جو وہاں رہ گئے' آج بھی یاد آتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اپنی جائے پیدائش کو کبھی نہیں بھولتا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کو یاد کرنا بھی ایک سنت ہے' کیونکہ نبی کریم ﷺ بھی مدینہ شریف میں رہتے ہوئے مکہ شریف کو اکثر یاد کیا کرتے تھے۔ سرشار صدیقی کا کتنا خوبصورت شعر ہے: ؎

ترکِ وطن تو سنت بھی ہے اور ہماری قسمت بھی
ہجرت پر مجبور نہیں تھے' ہجرت پر مامور تھے ہم

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جن لوگوں نے ہجرت کی ان کے دلوں میں آج بھی اپنے وطن کی محبت تازہ ہے' ہندوستان کے وزیر اعظم من موہن سنگھ پاکستان (چکوال) میں اپنی جائے پیدائش' اپنا گھر دیکھنے کے لیے بے چین ہیں۔ سابق صدر مملکت پاکستان پرویز مشرف بھی اپنا گھر دہلی دیکھ آئے۔ اخبار ''جنگ'' اور ''ٹائمز آف انڈیا'' کی امن کی آشا رنگ لائی ہے اور امید ہے کہ بہت سے بچھڑے ہوئے اپنے پیاروں سے مل سکیں گے۔ مشہور شاعر صہبا اختر کا تعلق بھی بریلی سے تھا۔ ان کی شاعری میں پاکستان سے عشق بہت نمایاں ہے۔ ان کا ایک مشہور شعر ہے: ؎

ہم پہ گزریں قیامتیں لیکن
تو سلامت رہے قیامت تک

صہبا اختر بھی بریلی کی کسک اپنے دل میں لیے دنیا سے سدھار گئے۔ ان کی ایک مشہور اور طویل نظم ''بریلی یاد آتی ہے'' کے چند اشعار پیش خدمت ہیں: ؎

خموشی پیار کے بھولے ہوئے نغمے سناتی ہے
گھٹا جب آنسوؤں کے روپ میں موتی لٹاتی ہے
مرے ویرانہ دل میں ہوا جب گنگناتی ہے
بریلی یاد آتی ہے، بریلی یاد آتی ہے

خزاں میں بھی جو تازہ تھیں وہ کلیاں آج کیسی ہیں
وہ رستے اور وہ کوچے، وہ گلیاں آج کیسی ہیں
محبت سوچ کر تصویر جب ان کی بناتی ہے
بریلی یاد آتی ہے، بریلی یاد آتی ہے

وہ گلشن اور میداں، وہ قلعہ، وہ کتب خانہ
خموشی ساری یادوں کو بصد افسوں و افسانہ
بنا کر ایک کہانی دیدہ و دل کو سناتی ہے
بریلی یاد آتی ہے، بریلی یاد آتی ہے

وہ آنکھیں اور ان آنکھوں کے کاجل یاد ہیں اب بھی
وہ بادل، وہ گھنی زلفوں کے بادل یاد ہیں اب بھی
کسی ماتھے کی سرخی دل میں جب دیپک جلاتی ہے
بریلی یاد آتی ہے، بریلی یاد آتی ہے

وہی رشتہ نظر کا ہے مرے پیاروں کے افسوں سے
زمانہ ہوگیا بچھڑے مگر یادوں کے افسوں سے
نہ دل دامن چھڑاتا ہے نہ یہ دامن چھڑاتی ہے
بریلی یاد آتی ہے، بریلی یاد آتی ہے

جو غیروں کے لیے شعلہ تو اپنوں کے لیے شبنم
فضا میں جس کی لہر ہے رحمت خان کا پرچم
روہیلوں کی جہاں پر اب بھی عظمت گنگناتی ہے
بریلی یاد آتی ہے، بریلی یاد آتی ہے

شہیدِ صبحِ آزادی کے ہر پیغام کو سن کر
سر تاریخ جنرل بخت خان کے نام کو سن کر
فرنگی راج کی طاقت بھی جس دم سر جھکاتی ہے
بریلی یاد آتی ہے، بریلی یاد آتی ہے
یہاں جو تو نے پایا ہے وہ تیرے ساتھ ہے صہبا
تجھے شاعر بنانے میں جس کا ہاتھ ہے صہبا
ادب کی وہ فضا جب آئینہ دل کو دکھاتی ہے
بریلی یاد آتی ہے، بریلی یاد آتی ہے

(روزنامہ جنگ' خالد صدیقی)

تراشہ نمبر 235

مکتوب چشتیاں

ادا کیسے کروں لفظ وبیاں میں　　جو خوشبو ہے دیار چشتیاں میں

سرزمین بہاول پور کم وبیش ہزار برس سے اولیاء حق اور اہل اللہ کی عظمتوں کی امین ہے' میکلوڈ گنج سے تحصیل صادق آباد کے آخری سرے تک ایسے بے شمار قبرستانوں اور خانقاہوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے جس میں ایک طرف بڑے جلیل القدر اولیاء اللہ' علماء اور صلحاء محو خواب استراحت ہیں تو دوسری طرف بہت سے صاحب ثروت امراء ورؤساء بھی مدفون ہیں۔ ضلع بہاولنگر کی تحصیل چشتیاں شریف (جسے انٹرنیٹ کی زبان میں شہر محبت کہتے ہیں) مزارات اولیاء اللہ کی وجہ سے بہت زیادہ مشہور ہے اور یہ فخر صرف اسی علاقہ کو حاصل ہے کہ یہاں فرید ملت اور شیخ بحر و بر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد محو خواب ہے۔

چشتیاں کے موسس وبانی حضرت شیخ بابا تاج الدین سرور چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہاں ساتویں صدی ہجری کے وسط میں بعہد سلطان غیاث الدین بلبن بابلا اور نینوا کے ہم عصر قلعہ گنبہ کے کھنڈرات پر دریائے ستلج کے بائیں کنارے تشریف لائے' گزیٹر بہاول پور کے مطابق آپ کے دست مبارک پر بے شمار قبائل مسلمان ہوئے جن میں بیکانیر کے سوڈھے اور راٹھ سرفہرست ہیں۔

آپ نے خطہ راجپوتانہ میں 80 برس تک اسلام کی خوب تبلیغ فرمائی' خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے لائے پیغام حق کو پھیلاتے ہوئے تکالیف ومصائب تو آتے ہی ہیں لیکن بسا اوقات مبلغ ومجاہد کو کلمہ حق بیان کرتے ہوئے شہادت کے اعلیٰ مقام کا مستحق بننا پڑتا ہے۔ بالآخر آپ اقوام راجپوت کے سامنے کلمہ حق بیان فرماتے ہوئے حق وباطل کے ایک زبردست معرکہ میں شہادت عظمیٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے' خوش بخت شہداء کی تدفین چشتیاں شریف کے اسی قدیم ترین قبرستان میں ہوئی جو نہ صرف پاکستان بلکہ ایشیاء کا دوسرا بڑا قبرستان ہے۔ بدقسمتی سے قبضہ گروپ قابض ہے۔ یہاں حضرت سید چراغ دین شاہ ہراتی چشتی' حضرت بابا محمد شہید چشتی' حضرت خواجہ نور محمد مہاروی' حضرت سید محمد علی المعروف بابا کالیے شاہ' حضرت سید سبحان شاہ بخاری' سید غفور الحسن شاہ ٹوہانی' ولی کامل بحر العلوم حضرت علامہ مولانا غلام مہر علی گولڑوی قدس سرہٗ العزیز کا مزار پُر انوار بھی چشتیاں شریف میں مرجع خلائق ہے (راقم) اور بے شمار اولیاء اللہ اور حفاظ کرام آسودہ خاک ہیں۔ یہ مختلف سلاسل تصوف خصوصاً سلسلہ عالیہ چشتیہ کا پاکپتن شریف کے بعد اہم محور ومرکز ہے۔ یہ قبرستان برصغیر میں مذہبی روحانی شہر کا حامل مدینہ اولیاء ثانی ہے۔ (ایم ایم اکرم' ماہنامہ الہام اکتوبر 2012ء)

تراشہ نمبر 236

شہزادی کا دورہ ہندوستان

گزشتہ دنوں خادم الحرمین شریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی صاحب زادی شہزادی عدیلیہ بنت عبداللہ السعود نے بھارت میں 6 دن قیام کیا۔ شہزادی عدیلیہ بنت عبداللہ السعود جو سعودی تحفظِ آثار قدیمہ سوسائٹی کی چیئر پرسن بھی ہیں' 12 رکنی وفد کے ساتھ انڈین کونسل برائے ثقافتی روابط کی دعوت پر ہندوستان کے دورہ پر تھیں' شہزادی تاج محل سے بے حد متاثر ہوئیں۔ اپنے قیام کے دوران انہوں نے لوک سبھا کی اسپیکر میرا کمار' صدر کانگریس سونیا گاندھی اور دیگر اہم شخصیات سے بھی ملاقات کی۔ (روزنامہ جنگ' 6 اکتوبر 2012ء)

تبصرہ: اللہ تعالیٰ شہزادی صاحبہ کو حجاز مقدس کے مقامات مقدسہ اور آثار متبرکہ کے تحفظ کی توفیق بخشے۔ آمین

تراشہ نمبر 237

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

پیارے بچو! آج ہم آپ کو ایک عظیم صوفی شاعر کے بارے میں بتاتے ہیں' مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ بلند پایہ روحانی شخصیت' فلاسفر اور شاعر تھے' وہ 30 ستمبر 1207ء کو پیدا ہوئے' ان کے والد کا نام بہاؤالدین تھا۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی ایسی کتاب ہے جو 738 سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد بھی ترکی اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے روحانی فلسفے کا منبع بنی ہوئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال مولانا رومی (رحمۃ اللہ علیہ) کو اپنے مرشد کا درجہ دیتے تھے۔ مولانا رومی افغانستان کے صوبے بلخ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ مثنوی رومی دراصل چھ کتابوں کا مجموعہ ہے اور اس میں تقریباً 25 ہزار اشعار ہیں' مثنوی کی پہلی دو کتابوں کا موضوع نفس ہے' دوسری دو کتابوں کا موضوع علم اور عقل ہے جبکہ آخری دو کتابوں میں انسانی وجود کی نفی کر کے خدا کو پانے کو موضوع بنایا گیا ہے۔

مولانا رومی کے والد منگولوں کے متوقع حملوں کے پیش نظر مغرب کی طرف ہجرت کر کے سلجوق سلطنت کی حدود میں چلے گئے تھے۔ انہوں نے قونیا شہر میں قیام کیا جو اب ترکی کا خوبصورت شہر ہے' اس شہر میں مولانا رومی نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ گزارا۔ انہیں رومی اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ قونیا کو اس وقت ''دیار روم'' کہا جاتا تھا۔

مولانا رومی کی زندگی پر دو بزرگوں فریدالدین عطار اور شمس الدین تبریزی نے گہرے اثرات مرتب کئے۔ ان بزرگوں کی تعلیمات نے آپ کو صوفی ازم کی طرف راغب کیا۔ جلال الدین رومی نے مثنوی میں ایک جگہ واقعہ بیان کیا ہے: ایک چوہے نے اونٹ کی رسی کو تھاما اور اس کے آگے آگے چلنے لگا جیسے وہ اس کا رہنما ہو' تمہیں آگے چل کر سبق ملے گا' اونٹ نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔ وہ چلتے چلتے ایک دریا کے کنارے پہنچے' آگے بڑھو دریا میں داخل ہو جاؤ' تم میرے رہنما ہو' اونٹ نے چوہے سے کہا۔ چوہا خوفزدہ ہو گیا اور کہنے لگا: میں ڈوب جاؤں گا' اونٹ دریا میں اترا اور کہا: پانی تو صرف گھٹنوں تک ہے' یہ سن کر کہا: تمہارے گھٹنے تو میرے سر کی اونچائی سے بہت زیادہ اوپر ہیں' اونٹ اس کی بات سن کر مسکرایا اور اس نے کہا:

میری کوہان پر چڑھ جاؤ میں تمہارے جیسے سینکڑوں چوہوں کو دریا پار کرا سکتا ہوں۔

یہ واقعہ بیان کر کے جلال الدین رومی کہتے ہیں: اس واقعہ میں تمہارے لیے سبق ہے کہ تم نبی نہیں لیکن تمہیں نبیوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہے' اپنی الگ سے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد نہ بناؤ' تم اللہ کے ترجمان بننے کی کوشش نہ کرو بلکہ ایک ایسا کان بن جاؤ جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے احکامات سننے کے لیے تیار ہو اور اس وقت بولو جب تمہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تفصیل پوچھنی ہو' مولانا رومی کا ایک قول ان کے فلسفے کو سمجھنے میں آسانی فراہم کرتا ہے' وہ کہتے ہیں ''میں رشتہ داروں اور اجنبیوں کے درمیان فرق نہیں کرتا''۔

پیارے بچو! مولانا رومی پیدائشی طور پر فارسی زبان اور علاقے سے تعلق رکھتے تھے' انہوں نے ترکی کے شہر قونیا میں بیٹھ کر فارسی ادب میں شاہکار ادب تحریر کیا۔ مولانا رومی جب تقریباً 55 سال کے تھے اس وقت انہوں نے مثنوی لکھنے کا آغاز کیا اور اپنی زندگی کے آخری ایام تک مثنوی لکھتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخری یعنی چھٹی مثنوی نامکمل رہ گئی۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی میں قرآن پاک اور احادیث کے واقعات کو فارسی شعروں میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا ان اشعار کی حقیقت' تفصیل اور اخلاقی نتائج میں کھو جاتا ہے۔ ترکی کے علاوہ دنیا بھر کے کئی ممالک میں مولانا رومی کے فلسفے اور شاعری پر تحقیق ہو رہی ہے۔ جن علاقوں میں فارسی بولی جاتی ہے وہاں کے سکولوں' کالجوں اور مدرسوں میں ان کا کلام پڑھایا جاتا ہے۔ آپ کی شاعری میں بچوں اور بڑوں سب کے لیے اخلاقی درس ہے۔

پیارے بچو! مولانا رومی نے قونیا میں 17 ستمبر 1273ء کو وفات پائی اور اسی شہر میں ان کا مزار موجود ہے۔ آپ کے مزار پر آج بھی ہزاروں عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے عقیدت مندوں اور بیٹے سلطان وِلاد (Sultan Vilad) نے ''درویشی دھمال'' یا گھومنے والا رقص متعارف کروایا۔ اس رقص کو مقامی زبان میں سیما (SEMA) کہا جاتا ہے جس میں متعلقہ شخص دایاں ہاتھ آسمان کی طرف اور بایاں ہاتھ زمین کی طرف کر کے گھومتا ہے اور ہر جگہ پر اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ یوں انسان دائیں ہاتھ سے فیض و برکات لے کر بائیں ہاتھ سے دوسرے انسانوں میں بانٹتا ہے۔ مولانا رومی کے مزار پر ہر

سال دس لاکھ سے زائد افراد حاضری دیتے ہیں۔ ان میں دو لاکھ سے زائد غیر ملکی بھی شامل ہوتے ہیں۔ (بشکریہ روزنامہ جنگ' اعجاز احمد بٹ)

تراشہ نمبر 238

عالم اور جاہل میں فرق

سقراط کا مقولہ ہے کہ دنیا عالم کی موت پر اور جاہل کی زندگی پر صبحِ قیامت تک آنسو بہاتی رہے گی' بے شک یونان کے اس عظیم حکیم اور فلسفی کا قول' قول فیصل ہے۔ کسی بھی جلیل القدر عالم اور دانش ور انسان کی موت پر اہل زمین اپنے غم کا اظہار کرتے ہیں اور روتے بھی ہیں۔ حتیٰ کہ سمندروں کی مچھلیاں اور چیونٹیاں بھی غم کا اظہار کرتی ہیں تو انسان کیوں نہ روئیں۔

تراشہ نمبر 239

لکل داء دواء یستطب به............ الا الحماقة اعیت من یداویها

ہر بیماری کی دوائی ہے جس سے اس کا علاج کر کے اس کو ٹھیک کیا جا سکتا ہے' مگر حماقت کا علاج نہیں اس کے علاج سے معالجین عاجز ہیں۔

عِشْ قَانِعًا .... وَعَاشِرِ النَّاسَ مُتَوَاضِعًا

قناعت کے ساتھ جیو! .... اور لوگوں کے ساتھ تواضع کے ساتھ رہو۔

خَیْرُ الْمَوَاهِبِ الْعَقْلُ' وَشَرُّ الْمَصَائِبِ الْجَهْلُ

بہترین عطیہ خدائی عقل ہے' اور بدترین مصیبت جہالت ہے۔

تراشہ نمبر 240

حماقت کا کوئی علاج نہیں کیونکہ وہ عذاب ہے

''العالم و المتعلم شریکان فی الخیر'' عالم اور متعلم دونوں نیکی میں شریک ہیں۔

سَأَلَ عُمَرُ رَجُلًا عَنْ شَيْءٍ' فَقَالَ: اَللّٰهُ اَعْلَمُ' فَقَالَ عُمَرُ: لَقَدْ شَقِيْنَا اِنْ كُنَّا

لَانَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ اَعْلَمُ، اِذَا سُئِلَ اَحَدٌ مِنکُمْ عَنْ شَيْءٍ لَایَعْلَمُهُ فَلْیَقُلْ: لَااَدْرِیْ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرد سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا، اس نے کہا: اللہ ہی خوب جانتا ہے، آپ نے فرمایا: تب تو ہم بدبخت ہوں گے، اگر ہم اتنا بھی نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوب علم والا ہے، (آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) جب تم میں سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا جائے اور جواب معلوم نہ ہو تو جواب دینے والے شخص کو یہ کہنا چاہیے کہ ''لا ادری'' میں نہیں جانتا۔

تراشہ نمبر 241

راؤ شفیق الرحمٰن (رُجنرل، چک نمبر 73/4R ہارون آباد) نے ایک کہانی کے اختتام پر لکھا تھا: بچو! اس کہانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ضروری نہیں کہ ہر کہانی کا کوئی نتیجہ بھی ہو۔

تراشہ نمبر 242

تجدید و احیائے دین کے ایک روشن مہتاب
پیر مہر علی شاہ قدس سرہ

(مفسر قرآن و شارح صحیحین، علامہ غلام رسول سعیدی
دامت برکاتہم العالیہ، اطال اللہ عمرہ)

فخرِ علم و آگہی، نشانِ ولایت، نباض تقاضا ہائے عصر، متلاشیان حق کے ملجا، حکمت معرفت کے سیلاب آفریں دریا، بادۂ توحید میں سرمست، عشق رسالت میں غرقاب، ناظرین حدیث کے امام اور استاذ، وارفتگانِ شوق کے کعبہ، عابدوں کے رہنما، زاہدوں کے قافلہ سالار، صوفیوں کے پیشوا اور علماء کے لیے افتخار کا زرنگار سہرا، اقلیم فقر کے تاجدار، جود و سخا کے بحر بیکراں، اللہ کے سامنے فقیر شاکر، اکابرین کا فخر، معاصرین کے رشک، پیشرو حکماء کی آرزو اور آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ، صاحب تصانیف کثیرہ، واصل مراتب عظیمہ، حرمتِ قرآن کے نگہبان، ناموسِ احادیث کے پاسبان، ابوحنیفہ کی فقہ کو دلائل سے آبدار کرنے والے، عصر حاضر کی گتھیاں سلجھانے والے، ابن عربی کے علوم کو حیات نو بخشنے والے، ابن سینا کے پژمردہ افکار کو رنگ و نکہت عطا کرنے والے، سلمان اور ابوذر کے پرتو، سہیل اور بلال کا آئینہ، غزالی اور رازی کے

علوم کے جامع' آلوسی وطنطاوی کی شان' تفسیر اور حدیث کے نکتہ دان' بے مہار عقل اور تقلید جامد میں متوازن راہ کے سالک' شریعت کے سنگم' معرفت اور حقیقت کے مرج البحرین' یہ تھے پیر مہر علی شاہ رضی اللہ عنہ۔

جہالت وضلالت کی تاریکیاں نہ جانے کب سے کسی ہدایت دینے والے آفتاب کی منتظر تھیں' نہ جانے کب سے ان گنت ہونٹوں پر دعائیں مچل رہی تھیں۔ کتنی آہیں مضطرب تھیں اور کتنی فریادیں تڑپ رہی تھیں۔ وہ آئے تو زمانے نے ان کو یوں گلے لگایا جیسے کب سے ان کی راہ دیکھ رہا تھا۔ وہ جس میدان میں گئے چھا گئے۔ مکتب میں گئے تو اساتذہ نے ان کو پڑھانا اپنا فخر سمجھا' طلباء کے جھرمٹ میں ایسے جیسے ستاروں میں چاند' علماء میں آفتاب' آزروں میں ابراہیم' فراعنہ میں موسیٰ' ان کی نثر میں دلائل کی فراوانی اور نظم میں جذبات کی جولانی' ان کی شخصیت کا ہر پہلو ایک مکمل کتاب۔

ہندوستان پہلی جنگ آزادی کے خونی دور سے گزر رہا تھا۔ سلطنتِ مغلیہ دم توڑ چکی تھی' برصغیر ظلم کی چکی میں پستا ہوا مکمل طور پر افرنگ کے پنجہ استبداد میں آ چکا تھا' دین اسلام کے اساطین جو زندہ تھے وہ پابندہ سلاسل تھے' اور جو امر ہو چکے تھے وہ اپنی یادوں کے چراغ جلتے چھوڑ گئے تھے۔ غلامی کی اس تنگ وتاریک فضا میں حریت کا یہ چراغ یکم رمضان 1275ھ بروز پیر رونق سرائے عالم ہوا اور اللہ تعالیٰ کی جو سنت جاریہ ہے کہ وہ بداعمالیوں' گمراہیوں اور بدعات کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں تجدید واحیائے دین کے لیے ایک روشن مہتاب ظہور میں لاتا رہا ہے' اسی سنت کے مطابق آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔

بچپن ہی سے آپ کو شہروں سے وحشت اور ویرانوں سے الفت تھی' آپ کی اکثر راتیں پہاڑوں' وادیوں اور گھاٹیوں میں گزرتیں۔ آپ کو ناظرہ قرآن مجید پڑھنے کے لیے مکتب میں داخل کرایا لیکن آپ قرآن کے حافظ بن کر نکلے۔ کرم خوردہ اوراق کو بھی آپ مسلسل عبارت کی طرح روانی سے پڑھتے' پڑھنے لکھنے میں اس قدر منہمک اور مستغرق ہوتے کہ عشاء سے فجر تک موسم سرما کی سرد اور طویل راتیں مسلسل مطالعہ میں گزر جاتیں۔ آپ تدریجاً تعلیم کے مراحل طے کرتے رہے۔ مولانا سلطان محمود انگوی' مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری ایسے مشاہیر عصر کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے رہے۔

صوفیاء نے اپنے اپنے مزاج کے مطابق وحدت کے جلووں کو دیکھا۔ کوئی بحرِ توحید میں اس طرح غرقاب اور سرمست ہوا کہ اس عالمِ رنگ و بو میں اسے الوہیت کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ پھولوں کی مہک ہو یا ستاروں کی چمک، پانی سے چھلکتے ہوئے آبشار ہوں یا ابلتے ہوئے چشمے، آفتاب کی نور افگن شعاعیں ہوں یا مہتاب کی روپہلی کرنیں، سر بہ فلک پہاڑوں کی چوٹیاں ہوں یا لہلہاتی کھیتیاں، برساتی ندیاں ہوں یا نیلگوں سمندر، وہ کہتے ہیں: کچھ نہیں، یہ سب کچھ نہیں، یہ محض اعتبارات ہیں۔ ان سب کا وجود اعتباری، انتزاعی اور ظلی ہے۔ "کل شیء هالك الا وجهه" مابہ الموجودیت تو وجود حقیقی ہے جو واحد بالشخص اور واجب بذاتہ ہے "هو معكم اينما كنتم، وفي انفسكم افلا تبصرون" بس حقیقت میں وہی ہے، اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ ایک انتزاع اور اعتبار ہے، جیسے فوق اور تحت، یمین اور یسار، قدام اور خلف، سراب نہیں، فریب نظر نہیں، لا ادریہ کا واہمہ نہیں۔ اس کے باوجود یہ سب نسبتیں ہیں۔ حقیقت تو وہ ذات ہے جس کے ساتھ یہ نسبتیں قائم ہیں۔ اسی طرح صوفیاء کہتے ہیں: یہ جو کچھ تمہیں نظر آتا ہے ایک اعتبار ہے، حقیقت تو وہ ذات ہے جس کے ساتھ موجودات کا یہ نظام قائم ہے، پس وہی حقیقت ہے، وہی وجود واحد ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں اور یہی وحدۃ الوجود ہے، پیر صاحب نے وحدۃ الشہود اور وحدۃ الوجود کے درمیان یہ کہہ کر ربط و تعلق پیدا فرمایا ہے کہ وحدۃ الشہود ابتدائے سلوک اور نفسِ ایمان ہے اور وحدۃ الوجود انتہائے مقام اور کمال ایمان ہے۔ اس مرتبے کے لیے نہ تو امت سابقہ مکلف تھی اور نہ امت محمدیہ مکلف ہے، یہ اخص الخواص کا مشاہدہ ہے۔ یہ حال ہے قال نہیں، منصور حلاج ہو یا بایزید بسطامی، ابن عربی کی "فتوحات" ہو یا فضلِ حق کی "الروض المجوذ" یہ سب حال ہیں اور نظرِ قال میں آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق میں سے سب سے افضل حضور کو بنایا، اللہ اللہ! ان کی عظمتوں کا کیا کہنا جن کی مرضی بدلے تو قبلہ بدل جائے، جن کی توجہ ہٹے تو بیت المقدس اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ جن سے اللہ تعالیٰ کہے: مشرق و مغرب میں سے کسی جگہ کے ساتھ ہماری خصوصیت نہیں، تم جس طرف رخ کرلو گے وہی ہمارا قبلہ ہے۔ دل بے لگام ہوتا ہے، اس پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے صاف کہہ دیا: جس شخص نے ان کے حکم کے خلاف دل میں بھی ناگواری رکھی اس کا ایمان نہیں رہے گا۔ یہاں بے قابو دل کو قابو میں رکھنا ہوگا۔

پسند وہ ہو جو ان کو پسند ہے' ناپسند وہ ہو جو ان کو ناپسند ہے۔ طبیعت ان کی طبیعت میں ڈھل جائے' مزاج ان کے مزاج میں بدل جائے' وہ جنہیں دنیا میں مغفرت کی نوید سناتا ہے'' عسی ان یبعثك ربك مقامامحمودا'' کا مژدہ دیا'' ولسوف یعطیك ربك فترضی'' کی بشارت دی۔ ساری مخلوق اسے راضی کرنے کے لیے نماز پڑھتی ہے' ان سے کہا کہ تم نماز اس لیے پڑھو تاکہ تم راضی رہو'' فسبح واطراف النھار لعلك ترضی'' ساری مخلوق اسے دیکھتی ہے وہ انہیں دیکھتا ہے'' الذی یراك حین تقوم وتقلب فی الساجدین'' ابراہیم نے مانگا:'' رب لاتخزنی یوم یبعثون'' انہیں بن مانگے فرمایا:'' یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنوامعه'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مانگا:'' رب ارنی انظر الیك'' انہیں بن مانگے فرمایا:'' الم ترالی ربك'' حضرت داؤد علیہ السلام سے کہا:'' لاتتبع الھوی'' اور ان کے بارے میں فرمایا:'' ماینطق عن الھوی'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں:'' رب اشرح لی صدری'' رب کہتا ہے:'' الم نشرح لك صدرك'' جس زمانے میں جب بھی کوئی نبی آیا تو کہتا تھا: تم میرا کلمہ پڑھتے ہو' یاد رکھو جب وہ آجائیں گے پھر میں بھی ان کا کلمہ پڑھوں گا۔ تم بھی ان کا کلمہ پڑھنا' میں بھی ان کا منتظر ہوں تم بھی ان کا انتظار کرو' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:'' واکتب لنا فی ھذہ الدنیا حسنة وفی الاخرۃ'' اے اللہ! ہمارے لیے دنیا اور آخرت میں بھلائی مقدر کر دے' اللہ تعالیٰ نے کہا: میں دنیا و آخرت کی بھلائی لکھ دوں گا' مگر ان کے لیے فرمایا:'' الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل'' دیکھو مانگ حضرت موسیٰ علیہ السلام رہے اور مل رہا ہے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کو' آپ کے غلاموں کو۔ زمانہ کسی نبی کا ہو' کسی رسول کا ہو' سکہ چلتا تھا تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چلتا تھا۔ بول بالا تھا تو میرے نبی کا بالا تھا۔ جس زمانے میں کچھ لوگ مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کم کر رہے تھے' آپ کے ذکر کو گھٹا رہے تھے۔ کوئی آپ کے علم کو کم بتاتا تھا۔ کوئی آپ کی قدرت میں کمی ثابت کرتا۔ کوئی معاذ اللہ آپ کی حیات کا انکار کرتا۔ حضرت پیر صاحب ایسے لوگوں سے معرکہ آراء ہوئے۔ اصحاب تنقیص کے ہر سوال کا جواب دیا' ہر اعتراض کو اٹھایا' ناآشنا لوگوں پر مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واضح کیا اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خالی دلوں میں عشق رسالت کی آگ بھڑکا دی۔

صحابہ کرام جن کے سر پر "اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم" کا سایہ ہے' ابرو ہیں یا اللہ اللہ فی اصحابی کی کمانیں ہیں۔ رخساروں پر "ماانا علیه واصحابی" کا غازہ ہے۔ جن کا سراپا رسول اللہ کا اسوہ جو رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی سند ہیں' بعد کے لوگوں کے لیے "والذین اتبعواهم باحسان" کی ضمانت ہیں۔ عشرہ مبشرہ ہیں' خلفاء راشدین ہیں' جو سرکار کی تربیت کے شاہکار ہیں' نگاہ نبوت کے فیض یافتہ اور جامعہ رسالت کے فارغ التحصیل' جن کی محبت میں کمی ہو تو نفاق کا اندیشہ' جن کی تعظیم میں فرق آئے کفر کا فتویٰ۔

پیر صاحب نے صحابہ کے مرتبے اور مقام کو واضح کیا' اصحاب ثلاثہ کی خلافت کو نص قرآن سے ثابت کیا۔ ایک اثناء عشری عالم نے کہا کہ خلافت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا' آپ نے فرمایا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: "وعد الله الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنهم فی الارض" لہٰذا اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ نے ایک دو نہیں بلکہ دو سے زیادہ اصحاب رسول سے زمین میں خلافت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اور بعد کے واقعات سے یہی ثابت ہوا' اگر امامیہ حضرت علی کے علاوہ حضرت حسن کی شش ماہ خلافت کو بھی شامل کر لیں تب بھی وعدۂ الٰہی دو اصحاب رسول تک ہی محدود رہتا ہے' حالانکہ آیت کریمہ میں لفظ "هم" کم از کم تین خلفاء کا تقاضا کر رہا ہے' پھر وہ تیسرے خلیفہ برحق ثابت کرنے کے لیے کس کو پیش کریں گے جس کی خلافت زمین پر قائم رہی۔

حضرت پیر صاحب جس دور میں پیدا ہوئے اس زمانے میں اقتدار افرنگ کا آفتاب کہیں غروب نہیں ہوتا تھا۔ برصغیر کے امراء اور والیان ریاست فرنگیوں کی حکومت کا دم بھرتے تھے' علماء مشائخ اور رؤسان میں کچھ ایسے تھے جو سرکار انگریز کی آنکھوں کا کاجل بنے ہوئے تھے۔ کچھ ایسے تھے جو افرنگ کے پاؤں کی مہندی بنے ہوئے تھے' اور کچھ ایسے تھے جو انگریز ریذیڈنٹ (Resident) کی بگھی میں گھوڑوں کی طرح جت جانا اپنے ماتھے کا جھومر سمجھتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز کی خوشامد خوش نصیبی کی علامت تھی اور انگریز سے احتراز اور اجتناب یا اس کا عتاب تباہی اور بربادی کا نشان تھا۔ بعض مصلحت کوش اور ابنائے وقت انگریز کے قرب کو مسلمانوں کی معاشی بہبود' خوشحالی اور سیاسی اقتدار کا باعث خیال کرتے تھے۔ ابتلاء کے اس دور میں کچھ مردانِ خدا ایسے تھے جو ہر کٹھن آزمائش سے گزر گئے۔ سختیوں کے سارے

وار تنہا اپنی جان پر جھیل گئے' لیکن اپنے دامن کو انگریز کی خوشامد سے داغ دار ہونے نہیں دیا۔ اہل جرأت کے اس قافلے میں حضرت پیر صاحب کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔ 1911ء میں جارج پنجم دہلی میں اپنا دربار سجا رہا تھا اور ہر طبقے سے نمائندہ حضرات دربار میں شریک ہو کر جارج پنجم کو سلامی دے رہے تھے' دینی رہنماؤں کی فہرست میں آپ کا نام بھی شامل تھا۔ جارج کے دربار میں آپ کو بھیجنے کے لیے ہر طرف سے کوشش کی گئی۔ متعدد طریقوں سے آپ پر دباؤ ڈالا گیا' آپ علیہ الرحمہ نے ہر چیلنج کو قبول کیا۔ لیکن پیہم اصرار کے باوجود جارج پنجم کے دربار میں حاضری نہیں دی۔

یہ گفتگو ادھوری رہے گی اگر مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ آپ کے معرکہ کا ذکر نہ کیا جائے' غلام احمد قادیانی 1840ء میں پیدا ہوا' 1864ء میں مروجہ علوم سے فارغ ہوا' 1882ء میں مبلغ کی حیثیت سے ظاہر ہوا' 1886ء میں الہام کا دعویٰ کیا' 1891ء میں مسیح موعود کا دعویٰ کیا۔ 1901ء میں پچھلے تمام دعووں کو غلط قرار دے کر ظلی نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اس کے بعد بتدریج مستقل اور صاحب تشریع نبی کی منازل طے کرتا رہا۔ بالآخر 1908ء میں اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غلام احمد قادیانی کے تمام دعووں کا رد کیا۔ اس کی تصانیف میں علمی اغلاط' خیانت اور سرقے کی نشاندہی کی۔ روبرو گفتگو کی دعوت دی لیکن وہ آپ کے سامنے آنے کی ہمت نہ کر سکا۔

آپ کی پوری زندگی سعی پیہم اور جہد مسلسل سے عبارت ہے۔ آپ نے علم و آگہی کے چراغ جلائے۔ طریقت اور معرفت کی قندیلیں روشن کیں۔ غلامی کی زنجیریں کاٹنے کے لیے قوم کے مردہ تن میں حریت کی روح پھونکی' باطل سے ٹکرائے' بیگانوں کو یگانہ اور پرائیوں کو اپنایا۔ امیروں سے دور رہے' غریبوں کو گلے لگایا۔ بیماروں کی عیادت کی' حاجت مندوں کے کام آئے' کمزروں اور ناتواں لوگوں کا بوجھ اٹھایا۔ مصائب میں شاکر اور فراغت میں فیاض رہے۔ کفار کے لیے شمشیر برہنہ اور مسلمانوں کے لیے ریشم کی طرح نرم' حیات مستعار کے 82 سال یوں ہی گزر گئے اور 1356ھ میں ان گنت ارادتمندوں کو سوگوار چھوڑ کر واصل بحق ہو گئے۔

حضرت پیر مہر علی عالم' فاضل' عابد و زاہد' فیاض اور جواد' ان کا چہرہ خوف الٰہی سے زرد اور

محبت رسول سے روشن رہتا تھا۔ان کے فیضان کا جو سلسلہ ان کی زندگی میں قائم ہوا مسلسل بڑھ رہا ہے۔ اصول وفروع اور عقائد واعمال میں امت مسلمہ کو صراطِ مستقیم پر جو استقامت اور تصلب حاصل ہے اس میں پیر صاحب کا وافر حصہ ہے۔انہوں نے آیاتِ قرآن کا صحیح محمل بیان کیا۔احادیثِ رسول کی وضاحت کی ان کے حلقے میں شریک ہوکر نجانے کتنے افراد دنیائے شریعت وطریقت میں امر ہوگئے۔ انہوں نے ذروں کو اٹھایا تو رشک ماہتاب بنادیا ننگِ انسانیت کو فخرِ ملائکہ بنادیا۔

سلام ہو اس رجل عظیم پر جس نے جھلملاتے چراغوں کو سورج کی توانائیاں بخشیں۔ آفرین ہو اس مرد کامل پر جس نے علوم اسلامیہ کو رعنائیاں دیں۔آج سلسلہ چشتیہ میں انہی کے فیض کے دھارے بہہ رہے ہیں۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کی اللہ عزوجل نے ان کے ذکر کو ایک عالم میں پھیلا دیا۔دلوں میں ان کی محبت وعقیدت کے چراغ روشن کردیئے۔ جب تک مکاتب میں قیل وقال کی محفل سجی رہے جب تک خانقاہوں میں خرقہ پوشوں کی مجلس جمی رہے آسمانِ رحمت سے ان کی قبر پر انوار وتجلیات کی برسات ہوتی رہے گی اور جن وانس کا ایک جہان مہر علی کو سلام کرتا رہے گا۔(مقالاتِ سعیدی ص615۔621)

فاضل بریلوی کا فقہی مقام

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فقہی مقام پیش کرنا حقیقتاً اس شخص کا کام ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فقہی کارناموں آپ کے معاصرین اور متقدمین فقہاء کی کاوشوں پر گہری نظر رکھتا ہو۔مجھ جیسے ہیچ مداں شخص کو جسے اپنی علمی بے بضاعتی کا مکمل اعتراف ہے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مقام پر لکھنے کا مکلف کرنا یقیناً زیادتی ہے۔تاہم محسن اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ سے جو مجھے عقیدت ومحبت ہے اس کے اقتضاء نے مجھے یہ جرأت رندانہ عطا کی کہ میں اپنی محبت وعقیدت کو صفحات قرطاس پر پیش کرسکوں۔اس مرحلہ پر اگرچہ عقل وخرد روکتی رہی لیکن عشق عقل کی زنجیروں میں کبھی جکڑا نہیں گیا اور ہوش کا جیب ودامن کبھی شوق کے ہاتھوں سلامت نہیں رہا۔

اعلیٰ حضرت کے فقہی مقام پر کچھ تفویض قلم کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اختصاراً اعلیٰ حضرت کا ایک سوانحی خاکہ تحریر کیا جائے' پھر فقہ کی تعریف اور طبقات فقہاء بیان کیے جائیں تا کہ قارئین کرام فقہ اور طبقات فقہاء کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کی فقہی بصیرت کا اندازہ کرسکیں۔

مختصر سوانح

اعلیٰ حضرت' عظیم البرکت الشاہ مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت 10 شوال 1272ھ مطابق 14 جون 1856ء بروز اتوار شہر بریلی کے محلہ جسولی میں ہوئی۔ پیدائشی نام محمد اور تاریخی نام المختار ہے۔ جدامجد حضرت مولانا رضا علی خاں نے آپ کا نام احمد رضا رکھا۔ خود اعلیٰ حضرت نے اپنی ولادت کا سن ہجری اس آیہ کریمہ سے مستنبط کیا ہے: ''اولئك كتب في قلوبهم الايمان و ايدهم بروح منه'' یہ ہیں وہ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی پسندیدہ روح سے ان کی مدد فرمائی۔ چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا۔ چھ سال کی عمر میں ربیع الاوّل کی تقریب میں منبر پر رونق افروز ہوئے اور ایک مجمع عظیم میں میلاد شریف پڑھا' اردو فارسی کی کتب پڑھنے کے بعد ''میزان منشعب'' وغیرہ کی تعلیم مرزا غلام قادر بیگ سے حاصل کی' پھر تمام دینیات کی تعلیم اپنے والد حضرت مولانا نقی علی خاں رضی اللہ عنہ سے مکمل کی۔ تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں تفسیر' حدیث' کلام' فقہ وغیرہا تمام علوم دینیہ کی تکمیل کر لی اور 14 شعبان المعظم 1286ھ میں دستارِ فضیلت کو اعزاز بخشا اور اسی دن مسئلہ رضاعت سے متعلق ایک فتویٰ لکھ کر اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا۔ جواب بالکل صحیح تھا' والد صاحب نے جودتِ ذہنی دیکھ کر اسی وقت سے افتاء کا کام آپ کے سپرد کر دیا۔ تمام عمر درس وتدریس' افتاء وتصنیف میں بسر ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ عشق تھا' ذکر وفکر کی ہر مجلس میں تصور رسالت سے ذہن شاداب رہتا تھا۔

آپ نے دین متین کے ہر گوشہ کو محبت رسول میں سمو دیا۔ عشق ومحبت کی پاکیزہ لطافتوں کو جن لوگوں نے بدعت کا نام دیا' انہیں سنت وبدعت کا فرق سمجھایا' عظمتِ رسول میں تنقیص کرنے والوں کا عاشقانہ غیرت سے اختساب کیا۔ علم وعمل کے ہر پہلو میں عظمتِ رسول کو اجاگر کیا۔ عرب وعجم کے علماء نے آپ کی تکریم کی' ریاضی اور جفر کے بڑے بڑے ماہرین نے

آپ کی علمی عظمت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور شرق وغرب میں آپ کا علمی اور روحانی فیض جاری ہو گیا۔

25 صفر 1920ء بروز جمعۃ المبارک دو بج کر 38 منٹ پر آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ ادھر مؤذن نے ''حی علی الفلاح'' کی صدا بلندی کی' ادھر آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی' جس وقت آپ کا وصال ہوا اسی وقت بیت المقدس کے ایک شامی بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ نبی پاک ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے منتظر ہیں۔ انہوں نے عرض کیا: حضور کس کا انتظار ہے؟ فرمایا: احمد رضا کا۔ (ماخوذ از سوانح امام احمد رضا خاں)

فقہ کی تعریفات

اصولین' فقہاء اور متصوفین تینوں طبقوں نے فقہ کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ ہم قارئین کی ضیافت طبع کے لیے یہ تینوں تعریفیں پیش کرتے ہیں۔

اصولیین کی تعریف

فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو دلائل تفصیلیہ سے مکتسب ہو اور اس تعریف کے اعتبار سے فقہ مجتہدین کا خاصہ ہے۔

فقہاء کی تعریف

فقہ مسائل فرعیہ کے حفظ کو کہتے ہیں عام ازیں کہ ان مسائل کا اکتساب دلائل تفصیلیہ سے کیا گیا ہو یا اقوال مجتہدین سے۔ اس تعریف کے اعتبار سے مقلدین کے علم کو بھی فقہ کہہ سکیں گے' فقہ مسائل فرعیہ کے حفظ کو کہتے ہیں عام ازیں کہ ان مسائل کا اکتساب دلائل تفصیلیہ سے کیا گیا ہو یا اقوال مجتہدین سے۔ اس تعریف کے اعتبار سے مقلدین کے علم کو بھی فقہ کہہ سکیں گے۔

متصوفین کی تعریف

فقہ دنیا سے اعراض کرنا' آخرت کی طرف رغبت کرنا' دین پر بصیرت رکھنا' عبادت پر مواظبت کرنا اور خلائق کو نصیحت کرنا ہے۔ اس تعریف کے اعتبار سے فقیہ کی تعریف عالم باعمل

اور متقی کامل پر صادق آئے گی۔ (محصلہ از شامی)

فقہ اصولیین کے آئینہ میں

اصولیین کی تعریف کے اعتبار سے فقہ کی تعریف صرف مجتہدین پر صادق آتی ہے۔ ہم اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اجتہاد مطلق کا دعویٰ تو نہیں کرتے لیکن یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی شخصیت میں واضح طور پر اجتہاد کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ نے بے شمار ایسے قواعد مقرر فرمائے کہ اگر وہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیے جاتے تو وہ یقیناً ان کی تحسین فرماتے۔ آپ نے متعدد ضوابط ارقام فرمائے۔ جو کتب فقہ میں کہیں نہیں ملتے لیکن ان کا وجود ناگزیر ہے' کیونکہ فقہ کی بے شمار جزئیات اپنے انطباق کے لیے ان قواعد کی مرہون منت ہیں۔ ہم ان شاء اللہ اس مضمون میں ان قواعد وضوابط کی نشاندہی کریں گے۔ چونکہ اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں صاحب نے ان تمام قواعد کا کتاب وسنت سے اکتساب کیا ہے اس لیے یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت اجتہادی شان کی حامل تھی اور جس شخص نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی فقہی تحقیقات کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے اس کے لیے یہ کوئی نظری مسئلہ نہیں۔ ہم آپ کے سامنے ایسی دو مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فقیہانہ عظمت کا اندازہ ہو سکے گا اور آفتاب سے زیادہ روشن طریقہ پر ثابت ہو جائے گا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اگرچہ مجتہد فی الشرع یا مجتہد مطلق تو نہیں ہیں' لیکن آپ کی تحریروں میں اجتہاد کا رنگ جھلکتا ہے اور آپ کی تقریروں سے استنباط کی مہک آتی ہے۔

رنگ اجتہاد

عام طور پر کتب اصول میں احکام شرعیہ کی سات قسمیں بیان کی جاتی ہیں: (1) فرض (2) واجب (3) مستحب (4) مباح (5) حرام (6) مکروہ تحریمی (7) مکروہ تنزیہی' لیکن اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے احکام کی گیارہ قسمیں بیان فرمائی ہیں جن کی تفصیل ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں:

(1) فرض: جس فعل کا لزوم ثبوتاً اور دلالتاً قطعی ہو اور اس کا انکار کفر ہو اور اس کا ترک موجب استحقاق عذاب ہو' خواہ ترک دائماً ہو یا نادراً۔

(2) واجب: جس فعل کا لزوم ثبوتاً یا دلالتاً ظنی ہو' اس کا انکار کفر نہ ہو' لیکن اس کا ترک موجب استحقاقِ عذاب ہو' خواہ ترک دائماً ہو یا نادرًا۔

(3) سنت مؤکدہ: جس فعل کا تاکد مواظبت رسول سے ثابت ہو اس کا عادتاً ترک کرنا موجب استحقاقِ عذاب ہو اور نادراً ترک کرنا موجب استحقاق عتاب ہو۔

(4) سنت غیر مؤکدہ: جس کام کا ترک کرنا موجبِ استحقاق عتاب ہو' خواہ ترک کرنا عادتاً ہو یا نادراً۔

(5) مستحب: جس کام کے کرنے پر ثواب ہو اور ترک کرنے پر نہ ثواب ہو نہ عتاب' خواہ ترک عادتاً ہو یا نادرًا۔

(6) مباح: جس کام کا کرنا نہ کرنا برابر ہو' نہ فعل پر عتاب نہ ترک پر' خواہ ترک عادتاً ہو یا نادراً۔

(7) حرام: جس کام سے رکنے کا لزوم ثبوتاً و دلالتاً قطعی ہو' اس کا انکار کرنا کفر ہو اور اس کا فعل یعنی کرنا موجبِ استحقاقِ عذاب ہو' خواہ فعل دائماً ہو یا نادرًا۔

(8) مکروہ تحریمی: جس کام سے رکنے کا لزوم ثبوتاً یا دلالتاً ظنی ہو' اس کا انکار کفر نہیں' لیکن اس کا فعل موجبِ استحقاق عذاب ہو' خواہ فعل دائما ہو یا نادرًا۔

(9) اساءت: جس کا عادتاً کرنا موجب استحقاق عذاب ہو اور نادراً کرنا موجب عتاب ہو۔

(10) مکروہ تنزیہی: جس کام کا کرنا مطلقاً موجب استحقاق عتاب ہو' خواہ عادۃً کیا جائے یا نادرًا۔

(11) خلاف اولیٰ: جس کام کا نہ کرنا موجب استحقاق ثواب ہو اور کرنا نہ موجب استحقاق عذاب ہو نہ عتاب' خواہ عادتاً کیا جائے یا نادرًا۔

یہ وہ تقسیم ہے جس کے بارے میں خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ اس تقریر منیر کو حفظ کر لیجئے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی اور ہزار ہا مسائل میں کام دے گی اور صدہا عقدوں کو حل کرے گی۔ کلمات اس کے موافق' مخالف سب طرح کے ملیں گے۔ مگر بحمد اللہ تعالیٰ حق اس سے متجاوز نہیں۔ فقیر طمع رکھتا ہے کہ اگر حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حضور یہ تقریر عرض کی

جاتی' ضرور ارشاد فرماتے کہ یہ عطر مذہب وطراز مذہب ہے' انتھی کلامه الشریف۔

(ماخوذ از فتاویٰ رضویہ' ج 1 ص 173۔175)

اسی طرح تیمم کے بارے میں اعلیٰ حضرت نے تین سو گیارہ امور بیان فرمائے ہیں جن میں سے ایک سو اکیاسی سے تیمم جائز ہے اور ان ایک سو اکیاسی میں سے چوہتر وہ ہیں جنہیں فقہاء متقدمین نے بیان کیا ہے اور ایک سو سات وہ ہیں جن کو اعلیٰ حضرت نے اپنے اجتہاد سے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر بیان فرمایا۔ اسی طرح ایک سو تیس اشیاء فقہاء متقدمین نے بیان فرمائی ہیں اور بہتر کا عدم جواز اعلیٰ حضرت نے اپنے استنباط سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب پر بیان فرمایا۔ (ملخصاً از فتاویٰ رضویہ' ج ا ص 692۔701)

ہم نے یہ دو مثالیں آپ کے سامنے پیش کی ہیں اور وہ بھی انتہائی اختصار اور اجمال کے ساتھ ورنہ ''فتاویٰ رضویہ'' کے جہازی سائز کے بارہ ضخیم مجلدات اس قسم کی تحقیقات سے بھرے پڑے ہیں اور جن کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے دماغ میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مجتہدانہ ذہانت ہے' آنکھوں میں خصاف کی ضیاء ہے' عقل ابوبکر رازی کی ہے اور حافظہ قاضی خاں کا معلوم ہوتا ہے۔

فقہاء کے پیمانے سے

فقہاء کی تعریف کے اعتبار سے فقہ کی تعریف اس شخص پر صادق آتی ہے جسے کم از کم تین فرعی مسائل حفظ ہوں' خواہ اس کے پیشِ نظر ان مسائل کے دلائل بھی ہوں یا ان کی بناء صرف اقوال مجتہدین پر ہو۔ اس اعتبار سے اعلیٰ حضرت کا فقہ میں بہت اونچا مقام ہے۔ تمام مسائل فرعیہ مع دلائل شرعیہ آپ کو ہمیشہ مستحضر رہتے تھے' چنانچہ مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کی فتویٰ نویسی املاء کی صورت میں ہوتی تھی۔ تمام سوالات ایک ہی بار پڑھ کر سنا دیئے جاتے اور پھر آپ ان کا نمبر وار جواب لکھواتے۔ (ملخص از دیباچہ فتاویٰ رضویہ' ج 3' ص)

مولوی محمد حسین میرٹھی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اعلیٰ حضرت کی عیادت کو گیا۔ آپ بستر علالت پر لیٹے ہوئے تھے' اس وقت گرداگرد چار لکھنے والے بیٹھے ہوئے تھے۔ چاروں نے سوالات سنائے' پھر آپ نے چاروں کو بیک وقت جواب املاء کرانا شروع کیا' بایں طور کہ ایک جملہ پہلے کے لیے بولتے' پھر دوسرے کے لیے' تیسرے کے لیے اور پھر چوتھے کے لیے۔

چاروں اپنا اپنا جواب لکھتے رہتے۔ جب تک باقی تینوں کو املاء کراتے' پہلا لکھ چکتا' پھر اس سے ابتداء فرماتے۔ علی ہذا القیاس چاروں کو بیک وقت جوابات لکھوائے۔

(ملخصلہ دیباچہ فتاویٰ رضویہ' ج3 ص1)

آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے' بے شمار علمی تحقیقات کا گنجینہ ہے۔ اس میں بے شمار ایسے فتاویٰ موجود ہیں جن میں آپ نے مسئلہ کو نہ صرف دلائل سے مبرہن کیا بلکہ اقوال ائمہ سے بھی مزین کیا' مثلاً حرمت سجدہ تحیہ کے ثبوت میں آپ نے متعدد آیات' چالیس احادیث اور ڈیڑھ سو نصوص فقہیہ پیش فرمائی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دافع البلاء کہنے کے جواز پر ایک مستقل رسالہ لکھا اور اس کو دو بابوں میں منقسم فرمایا' پہلے باب میں میں اسی طرح ہے' آیات اور ساٹھ حدیثیں ذکر فرمائیں اور دوسرے باب میں چوالیس آیتیں اور دو سو اٹھارہ حدیثیں ذکر فرمائیں' جواز استمداد پر تینتیس حدیثیں اور متعدد اقوال ذکر فرمائے۔ ''انوار الانتباہ'' میں ندائے یارسول اللہ کے جواز پر احادیث کے علاوہ پینسٹھ اقوال علماء سے استشہاد فرمایا۔ غرض کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی جملہ تصنیفات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ فقہ میں ایک عظیم مقام رکھتے تھے اور آپ نے مسائل کا استنباط اور استخراج دلائل شرعیہ اور اقوال ائمہ سے یکساں طور پر کیا ہے۔

فقہ صوفیاء کے آئینہ میں

متصوفین فقہ کی تعریف میں لکھتے ہیں: دنیا سے اعراض کرنا' آخرت کی طرف رغبت کرنا' دین پر بصیرت رکھنا' عبادت پر مداومت کرنا اور خلقِ خدا کو وعظ و نصیحت کرنا' آیئے! اب اس تعریف کے لحاظ سے اعلیٰ حضرت میں عکس فقہ دیکھئے۔

اعراضِ دنیا اور رغبت آخرت

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جس قدر علم و حکمت سے نوازا تھا اتنا ہی استغناء کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ جس وقت نام نہاد علماء اپنے علم و فضل کو جنسِ تجارت بنا کر حکامِ برطانیہ اور ہندو بنیوں سے نذرانے وصول کر رہے تھے اور اہل ثروت حضرات سے رابطہ قائم کر کے اپنی تصانیف کو کثیر تعداد میں چھپوا کر اپنے مبتدع عقائد کی ترویج و اشاعت کر رہے تھے' اس وقت اعلیٰ حضرت کی حمیت دینی کا یہ عالم تھا کہ حکام برطانیہ اور ہندو بنیئے تو

بجائے خود رہے اپنے ہم مسلک اور معتقد نوابوں اور رئیسوں کی مسلسل درخواستوں اور شدید تقاضوں کے باوجود کبھی ان سے ملاقات کے لیے جانا منظور نہیں کیا اور یہی فرمایا: ؎

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارہ ناں نہیں

آپ کے استغناء پر عظیم ترین شہادت یہ ہے آپ کی بے شمار علمی تصانیف اور دینی تحقیقات آپ کی حیات مبارکہ میں طبع نہ ہو سکیں' حالانکہ بڑے بڑے رئیس آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ اگر آپ ارکانِ دولت کی طرف ذرا بھی توجہ اور التفات فرماتے تو کوئی وجہ ہی نہ تھی کہ آپ کی تمام تصانیف زیور طبع سے آراستہ نہ ہوتیں۔ اسی طرح آپ نے اپنے منصب کے شایانِ شان کوئی وسیع دار العلوم بھی تعمیر نہیں کیا' حالانکہ دوسرے فرقہ والوں نے رئیسوں کے تعاون سے قلعہ نما مدارس بنا لیے' کیونکہ اس کام کے لیے نوابوں اور رئیسوں سے ملاقات' ان سے مروت و محبت' ان کی خاطر و مدارت' عزت و تکریم ضروری ہے اور ان لوگوں میں فساق و فجار اور نیک و بد ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ کے مزاج و فطرت میں اللہ تعالیٰ نے زہد اور استغناء رکھا تھا۔ آپ سے یہ متصور ہی نہ تھا کہ کسی پاک باز دولت مند کی طرف بھی متوجہ ہوتے' چہ جائیکہ ہر کس و ناکس کی طرف۔ صرف مال و دولت ہی نہیں دنیا کی ہر چیز سے آپ کو نفرت تھی اور دنیا کی جس شئی سے بھی آپ کو تعلق یا علاقہ رہا تو وہ دنیا کی وجہ سے نہ تھا' بلکہ دین کے سبب تھا۔ چنانچہ آپ خود ایک موقعہ پر بطور تحدیث نعمت کے فرماتے ہیں کہ الحمد للہ کہ میں نے مال ''من حیث ھو'' مال سے کبھی محبت نہ رکھی' صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لیے اس سے محبت ہے۔ اسی طرح اولاد ''من حیث ھو'' اولاد سے بھی محبت نہیں' صرف اس سبب سے کہ صلہ رحم عمل نیک ہے' اس کا سبب اولاد ہے اور یہ میری اختیاری بات نہیں' میری طبیعت کا تقاضا ہے۔ (الملفوظ حصہ چہارم' ص 76)

معلوم ہوا کہ زہد و تقویٰ کو آپ نے اس درجہ کمال پر پہنچایا کہ وہ آپ کی طبیعت کا مقتضیٰ بن گیا اور جب انسان اپنی طبعی اور جبلی خواہشات کو فنا کر کے انہیں رضائے الٰہی کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے تو اسے فنافی الذات کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ پس جب رضائے الٰہی اعلیٰ حضرت کی طبیعت کا اقتضاء بن گئی تو معلوم ہوا کہ آپ کو فنافی الذات کا مرتبہ حاصل تھا۔

الحمد لله علی ذالك

تراشہ نمبر 243

عمر خیام کی ایک رباعی کے دوسرے شعر کا مضمون ملاحظہ ہو:

من در عجبم زمے فروشاں کا یشاں
بہ از آنچہ فروشند چہ خواہند خرید

''میں جب مے فروشوں کو دیکھتا ہوں تو حیرت زدہ رہ جاتا ہوں کہ اس کی قیمت سے اس سے بہتر کیا چیز خریدیں گے''۔

فارسی شاعر طالب آملی کا ایک شعر ہے:

بے نیازانہ از ارباب کرم مے گزرم چوں سیاہ چشم بر سرمہ فروشاں گزرد

''ارباب کرم اور فیاض لوگوں کے سامنے سے میں اس طرح بے نیازانہ گزر جاتا ہوں جیسے سیاہ چشم سرمہ فروشوں کے سامنے سے گزر جاتے ہیں''۔

اصلاح کا حکیمانہ انداز......(چور کے لیے دعا)

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث اور ولی اللہ ہیں' عبادت و زہد میں اپنی نظیر آپ تھے' ایک مرتبہ ان کا ایک گھوڑا چوری ہو گیا' لوگوں نے کہا کہ چور کے لیے بددعا کیجئے۔ حضرت ربیع نے فرمایا: نہیں! میں اس کے لیے یہ دعا کر رہا ہوں کہ اگر وہ مالدار ہے تو اللہ اس کے دل کی اصلاح کر دے اور اگر وہ تنگ دست ہے تو اسے خوشحالی عطا فرمائے۔

(حلیۃ الاولیاء' ج2 ص 111)

عقل مند مجذوب

بہلول (مجذوب) ہارون الرشید کے زمانے میں ایک مجذوب صفت بزرگ تھے۔ ہارون الرشید ان کی باتوں سے ظرافت کے مزے لیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی جذب کے عالم میں پتے کی باتیں بھی کہہ دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بہلول مجذوب رحمہ ہارون کے پاس پہنچے' ہارون الرشید نے ایک چھڑی اٹھا کر اسے دی اور مزاحاً کہا کہ بہلول! یہ چھڑی تمہیں دے رہا ہوں' جو شخص تمہیں اپنے سے زیادہ بے وقوف (کم عقل) نظر آئے اسے دے دینا' بہلول نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ چھڑی لے کر رکھ لی اور واپس چلے آئے۔ بات آئی گئی ہو گی۔ شاید

ہارون الرشید بھی بھول گئے ہوں گے۔ عرصہ بعد ہارون الرشید کو سخت بیماری لاحق ہوگئی' بچنے کی امید نہ تھی۔ اطباء نے جواب دے دیا۔ بہلول مجذوب (رحمۃ اللہ علیہ) عیادت کے لیے پہنچے اور سلام کے بعد پوچھا: امیر المؤمنین کیا حال ہے؟ ہارون الرشید نے کہا: بڑا لمبا سفر درپیش ہے' بہلول نے پوچھا: کہاں کا سفر؟ جواب دیا: آخرت کا' بہلول نے سادگی سے پوچھا: واپسی کب ہوگی؟ جواب ملا! بہلول تم بھی عجیب آدمی ہو' بھلا آخرت کے سفر سے کوئی واپس ہوا ہے' بہلول نے تعجب سے کہا: اچھا آپ واپس نہیں آئیں گے تو آپ نے کتنے حفاظتی دستے آگے روانہ کیے اور ساتھ کون کون جائے گا؟ جواب دیا: آخرت کے سفر میں کوئی ساتھ نہیں جاتا۔ خالی ہاتھ جارہا ہوں' بہلول بولا: اچھا اتنا لمبا سفر کوئی معین و مددگار نہیں تو پھر لیجئے' ہارون الرشید کی چھڑی بغل سے نکال کر کہا: ہم آپ کی امانت آپ کو واپس کرتے ہیں' ہمیں تو آپ کے سوا کوئی انسان اپنے سے زیادہ بے وقوف نہیں مل سکا۔ آپ جب کبھی چھوٹے سفر پر جاتے تھے تو ہفتوں پہلے اس کی تیاریاں ہوتی تھیں۔ حفاظتی دستے آگے چلتے تھے' حشم و خدم کے ساتھ لشکر ہم رکاب ہوتے تھے' اتنے لمبے سفر میں جس میں واپسی بھی ناممکن ہے آپ نے تیاری نہیں کی؟ ہارون الرشید نے یہ سنا تو رو پڑے اور کہا: بہلول ہم تجھے دیوانہ سمجھا کرتے تھے مگر آج پتہ چلا کہ تم تو بہت بڑے فلسفی اور دانا ہو۔ (کتابوں کی درسگاہ میں' ص 186' ابن الحسن عباسی)

اٹھ فریدا ستیا تیری ڈاڑھی آیا بور اگا آگیا نیڑے تے پچھا رہ گیا دور

تراشہ نمبر 244

کامیابی کے لیے نصب العین کا تعین ضروری ہے

حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے طلبہ کرام سے ارشاد فرمایا: آپ یہاں تعلیم حاصل کرنے آئے ہیں تو اپنا مقصد حیات متعین کر لیں پھر خود ہی ارشاد فرمایا: زندگی میں کامیابی کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں:

(1) پہلی چیز یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی کے لیے ایسا مقصد متعین کر لیں کہ جس کے بعد آپ کو کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت نہ پڑے۔

(2) دوسری چیز اس مقصد کے حصول کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہنا۔

[illegible]

نصب العین متعین

کی جستجو نے عشق بکجا تو رہ سکی
نہ سراغ فہم روشن نہ چراغ شناسی!

"یعنی عشق کی تلاش میں اس حد تک جہاں پہنچ جاتا ہے کہ نہ منزل کا تصور (ذہن میں واضح) ہے اور نہ مقصود سے آشنائی۔"

لہٰذا ایک نصب العین متعین کرو جو "ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین" ہو اور اخلاص اور رہبر و رہنمائے کامل کی رہنمائی میں چلو تو انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی خود تمہارے قدم چومے گی۔

تراشہ نمبر 245

لطائف علمیہ

حضرت مفتی سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ بہت شگفتہ مزاج اور حاضر جواب تھے' ایک دفعہ اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبران جمع تھے گفتگو کے دوران ایک شیعہ عالم نے ان سے کہا: آپ کی فقہ میں چور کا ہاتھ نیچے سے کاٹا جاتا ہے اور ہماری فقہ میں انگلیوں سے۔ اگر اسلامی نظام نافذ ہوگیا تو ہماری فقہ کی زیادہ تبلیغ ہوگی' کیونکہ جس کا بھی ہاتھ کاٹا جانا ہوگا وہ اپنا

ہاتھ بچانے کے لیے کہے گا: میں شیعہ ہوں: مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے برجستہ جواب دیا: یہ فائدہ تو خیر آپ کو ہوگا لیکن اس کا نقصان یہ ہوگا کہ لوگ سمجھیں گے کہ جتنے چور ہیں وہ سب شیعہ ہیں' یہ جواب سن کر وہ شیعہ عالم مبہوت رہ گیا۔

(مقالات سعیدی' ص625 'فرید بک سٹال لاہور)

تراشہ نمبر 246

سوال قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ نبوت جاری ہے وہ اس عقیدے کے دلائل میں بڑی دلیل ایک حدیث "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" پیش کرتے ہیں۔ حدیث کے معنی ہیں کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کے مثل ہوں گے۔

جواب ہمارے بعض علماء نے اس حدیث کو ضعیف قرار دے کر مسترد کر دیا' حالانکہ ان کو ایسا جواب دینا چاہیے تھا جو قادیانیوں کے لیے قابل قبول ہوتا۔ حدیث مسترد کر دینے سے محدث کی عزت اور حدیث کی حیثیت مجروح ہوتی ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اس حدیث میں جو لفظ مثل ہے وہ نوعی یا جنسی نہیں ہے بلکہ تعددی اور تکثری ہے۔ اب اس کے معنی یہ ہو گئے کہ میری امت میں اتنی کثرت سے علماء ہوں گے جتنی کثرت سے قوم بنی اسرائیل میں انبیاء علیہم السلام ہوئے ہیں اور یہ بات قطعی حق ہے کہ ہمارے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں کثیر علماء آج بھی موجود ہیں' لہٰذا اجرائے نبوت بالکل باطل ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(ختم نبوت' ص39 'علامہ حافظ محمد ایوب دھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ' مکتبہ رازی' کراچی)

تراشہ نمبر 247

حافظ عبدالقادر روپڑی اور دو مرزائی

(1) لاہوری مرزائیوں کا مرکز چونکہ مسجد قدس کے قریب ہے اس لیے حیلوں بہانوں سے ان کی آمد و رفت ہوتی رہتی تھی اور مسجد قدس میں وقتاً فوقتاً مناظرے ہوتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مرزائی مبلغ عبداللطیف ایک مناظر کو لے کر آ گیا کہ ہم نے حیات مسیح پر مناظرہ کرنا ہے۔ جب مناظرہ شروع ہوا تو مرزائی نے حیات مسیح علیہ السلام پر قرآن پاک

کی آیت ''قد خلت من قبله الرسل'' پیش کی' یعنی آپ علیہ السلام سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔) پیش کی۔ اور کہا کہ الرسل کا الف لام استغراقی ہے جو سب انبیاء کو شامل ہے دیگر انبیاء علیہم السلام چونکہ موت کے ذریعے دنیا سے منتقل ہوئے' لہٰذا اس عموم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں دوبارہ زمین پر ان کی آمد نہیں ہو گی۔

اس کے جواب میں حافظ عبدالقادر روپڑی صاحب نے کہا کہ سورۃ الدھر میں اللہ عزوجل کا فرمان مبارک ہے''انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه''ہم نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔ یہاں الانسان میں بھی الف لام استغراقی ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عمومی ضابطہ سے یہاں مستثنیٰ ہیں عین اس طرح''قد خلت من قبله الرسل''میں بھی عیسیٰ مستثنیٰ ہیں۔ اسی ایک نکتہ پر آپ مناظرہ جیت گئے اور مرزائی مناظر کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

دوسرے کسی موقع پر ایک مرزائی بڑے فخر یہ انداز میں گفتگو کر رہا تھا مجھے احمدی بننے سے قبل نماز میں بہت وسوسے اور خیالات آتے تھے۔ جب سے احمدی مسلک اختیار کیا خیالات آنے بند ہو گئے۔ اس کے نزدیک یہ بات مرزائی مذہب کی حقانیت کی دلیل ہے۔

جواباً حافظ روپڑی صاحب نے کہا: دراصل بات یہ ہے جب تو اہل اسلام میں داخل تھا اس وقت تیرے پاس چونکہ ایمان کی قیمتی دولت موجود تھی اس لیے شیطان ڈاکہ ڈالنے کے لیے آتا تھا اور جب اس نے سمجھا کہ یہ بھی میرا ہم نوا بن گیا ہے جو کام میں نے کرنا تھا یہ کر رہا ہے تو ڈاکہ ڈالنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ (ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث' لاہور' ص 10)

تراشہ نمبر 248

ذہانت کا امتحان

آیئے! آپ کو کچھ ایسا طریقہ بتائیں کہ آپ چاہے کسی شخص کو جانتے تک نہ ہوں مگر اس کے بھائیوں اور بہنوں کی تعداد بتا سکتے ہیں۔

فارمولا کچھ اس طرح ہے کہ جس شخص کو اس کے بہن بھائیوں کی تعداد بتانا ہو تو اس سے یہ بات کہہ دیں کہ وہ جتنے بھائی ہیں ان کی تعداد اپنے ذہن میں رکھے اور اس تعداد میں 2 جمع

کر دے اور پھر 10 سے ضرب دے دے پھر اس میں بہنوں کی تعداد جمع کر دے اس کے بعد 20 تفریق کر دے جو جواب آئے وہ پوچھ لیں اس میں اکائی کا ہندسہ بہنوں کی تعداد ظاہر کرے گا اور دہائی کا ہندسہ بھائی کی تعداد۔

فرض کریں ایک شخص پانچ بھائی اور تین بہنیں ہیں تو اس کا جواب اس طرح ہوگا کہ وہ پانچ کو اپنے ذہن میں رکھے اس میں دو جمع کر دے تو سات بن گیا سات کو 10 سے ضرب دی تو 70 بن گیا' 70 میں بہنوں کی تعداد 3 کو جمع کیا تو 73 ہوئے اور 73 سے 20 نکال دیئے تو 53 بچے اس سے اکائی 3 بہنوں کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے اور پانچ کا عدد بھائیوں کی تعداد۔

تراشہ نمبر 249

میڈیکل لیبارٹری اور اطباء کے مابین کمیشن کا شرعی حکم

تحصیل مال کے مروجہ طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے' جس کا تعلق میڈیکل لیبارٹری اور اطباء (ڈاکٹر) سے ہے' پہلے زمانے میں مرض کی تشخیص قارورہ یا اس جیسی چیزوں کو دیکھ کر کی جاتی تھی اور اس طرح اطباء اپنے تجربہ کی بناء پر مرض کی تشخیص' پھر اس کے ازالہ کی خود ہی تدبیر کرتے تھے' لیکن موجودہ سائنس وٹیکنالوجی کا دور ہے' اب مرض کی تشخیص کا تجربہ پر مبنی قدیم طریقہ متروک ہو چکا ہے اور اس کی جگہ لیبارٹری اور سائنسی آلات نے لے لی ہے' جن کا مرض کے انکشاف میں کلیدی رول ہوتا ہے' ڈاکٹر اہم بیماریوں کی تشخیص از خود نہیں کر پاتا بلکہ اس کے لیے لیبارٹری کی مدد لینا ناگزیر سمجھتا ہے' ان لیبارٹری میں سائنسی آلات کے مختلف نام ہوتے ہیں' مثلاً ایکسرے مشین' الٹراساؤنڈ' بلڈ یورین' ٹیسٹ مشین وغیرہ' ان مشینوں کے چلانے والے بالعموم وہ اطباء (ڈاکٹر) نہیں ہوتے جو دوا علاج کرتے ہیں' نسخہ لکھتے ہیں بلکہ ان مشینوں سے متعلق علم وتجربہ رکھنے والے الگ ہوتے ہیں جنہیں پیتھولوجسٹ (Pathologist) وغیرہ کہا جاتا ہے۔

جب مریض کسی ڈاکٹر وطبیب کے پاس پہنچتا ہے' اور ڈاکٹر محض ظاہری علامات واحوال سے مرض کی تشخیص پر اطمینان حاصل نہیں ہوتا تو وہ ایک مخصوص کاغذ یا سادے کاغذ میں چیک اَپ (Checkup) کے لیے کسی خاص لیب (Lab) کا پتہ دیتا ہے' مریض وہیں جاتا ہے

اورالٹرساؤنڈ' ایکسرے یا بلڈ ٹیسٹ وغیرہ کرا کے اس کی رپورٹ لے کر متعلقہ ڈاکٹر کے پاس پہنچتا ہے۔ اس قسم کے لیب چونکہ متعدد ہوتے ہیں اور رفاہی نہیں بلکہ کاروباری نوعیت کے ہوتے ہیں۔ مریض جتنی تعداد میں جانچ کرتے ہیں میڈیکل لیبارٹری والوں کو اتنا فائدہ ہوتا ہے۔ اس لیے ڈاکٹروں اور جانچ کرنے والوں میں ایک خفیہ معاہدہ ہوتا ہے' وہ ہے کمیشن کا معاہدہ جس میں جانچ فیس کے تناسب سے ڈاکٹر کو کمیشن ملتا ہے' اور کمیشن کی مقدار باہم رضا مندی سے طے ہوتی ہے' جب مریض الٹرا ساؤنڈ' ایکسرے' یا خون پیشاب وغیرہ کی رپورٹ لے کر ڈاکٹر کے پاس پہنچتے ہیں' تو ڈاکٹر طے شدہ کمیشن لیب والے سے لیتے ہیں۔ مذکورہ تفصیل کی روشنی میں چند سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

(1) اطباء (ڈاکٹروں) کا لیبارٹری سے یہ کمیشن لینا ایجنٹی ودلالی ہے یا اجارہ یا کچھ اور؟ اور بہرصورت جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو اس کے جواز کا کوئی حیلہ آپ کی نظر میں ہے یا نہیں؟

(2) اسی ضمن میں یہ سوال بھی ہے کہ ڈاکٹر نسخہ لکھ کر مریض کو دیتے ہیں اور کسی مخصوص میڈیکل اسٹور کا پتہ بتاتے ہیں' جہاں سے ڈاکٹر کو کمیشن ملتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور وہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

فیصلے

(1) ڈاکٹر مریض کو کسی خاص لیب کا پتہ بتا کر لیب والوں سے کمیشن حاصل کرتے ہیں یہ ناجائز ہے کیونکہ یہ کمیشن اجارۂ مطلقہ نہیں بلکہ دلالی ہے' لیکن اس دلالی کے عوض ڈاکٹر کا کمیشن لینا درست نہیں کہ وہ کسی عمل کا بدل نہیں وہ محض ایک صلاح یا رہنمائی ہے جس پر وہ اجرت کا مستحق نہیں' ردالمحتار میں ہے: ''**الدلالة والاشارة ليست بعمل يستحق به الاجر**'' (کتاب الاجارہ' ج9 ص131) فتاوی رضویہ میں ہے: اگر کارندہ نے اس بارے میں جو محنت وکوشش کی وہ اپنے آقا کی طرف سے تھی' بائع کے لیے کوئی دوا ور نہیں' اگرچہ بعض زبانی باتیں اس کی طرف سے بھی کی ہوں' مثلاً آقا کو مشورہ دیا کہ یہ اچھی چیز ہے' خرید لینی چاہیے یا اس میں آپ کا نقصان نہیں' اور مجھے اتنے روپے مل جائیں گے اس نے خرید لی جب تو یہ شخص عمرو بائع سے کسی اجرت کا مستحق نہیں کہ اجرت

آنے جانے محنت کرنے کی ہے' نہ بیٹھے بیٹھے دو چار باتیں کہنے' صلاح بتانے' مشورہ دینے کی۔ (فتاویٰ رضویہ' ج8 ص146) خانیہ میں ہے: ''قال ابو القاسم البلخی ان کان الدلال عرض وتعنی وذھب فی ذالك دوز کارہ کان له اجر مثله بقدر عناہ وعمله''۔ واللہ تعالیٰ اعلم (خانیہ' ج2' ص236)

(2) ڈاکٹر نسخہ لکھ کر مریض کو دیتے اور کسی مخصوص میڈیکل اسٹور کا پتہ بتاتے ہیں جہاں ڈاکٹر کو کمیشن ملتا ہے' یہ بھی ناجائز ہے کہ ڈاکٹر نے میڈیکل اسٹور یا دواساز کمپنی کے لیے کوئی عمل نہ کیا بلکہ صرف ایک خریدار کی رہنمائی کی جیسا کہ جواب نمبر 1 یک میں گزرا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

(3) اگر لیب و میڈیکل اسٹور والا یا دواساز کمپنی غیر مسلمین زمانہ کی ہو تو ڈاکٹر کا ان کی رضا سے بلا غدر و بدعہدی ایسی رقم لینا جائز و مباح ہے۔ ہدایہ میں ہے: فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیه غدر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ہدایہ اخرین' باب الربا' ص70)

تراشہ نمبر 250

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب کا ایک روشن دماغ سے مکالمہ

شادی کی ایک تقریب میں کھانے کی میز پر رسومات نکاح کے اختتام اور کھانا کھانے کے اعلان کے انتظار میں بیٹھے ہوئے لوگ آپس میں گپ شپ کر رہے تھے کہ ایک صاحب نے ہماری طرف رخ پلٹا اور مولوی نما دیکھ کر دین کے بارے میں اپنی سوجھ بوجھ وبصیرت جتلاتے ہوئے یہ سوال داغ دیا کہ کیا بات ہے کہ ہماری مساجد میں آئمہ وخطباء ابھی تک وہی پرانی طرز کی تقریریں کرتے ہیں جن سے عوام کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور لوگ دورانِ تقریر سوتے رہتے ہیں۔ آخر امام جدید دور کے تقاضوں کے مطابق گفتگو کیوں نہیں کرتا؟ پہلے تو ہم نے ذرا تکلف سے کام لیا اور مناسب نہ جانا کہ میز پر بیٹھے لوگوں کے سامنے انہیں کسی بحث میں الجھایا جائے اور بلاوجہ پریشانی سے دوچار کیا جائے' مگر جب انہوں نے مسلسل فلسفہ بگھارنے اور علماء وآئمہ کو جاہل مطلق گرداننے پر زور دیا تو ہم نے بھی دخل در معقولات کو تقاضائے وقت اور خاموشی وتکلف کو خلاف مصلحت سمجھتے ہوئے بات شروع کی۔ ہم نے کہا آئمہ کے بارے

میں یا دین کی تبلیغ ودعوت کا کام کرنے والے لوگوں کے بارے میں آپ ہی نہیں اکثر روشن خیال اور بیدار مغز لوگوں کو اسی قسم کی شکایات ہیں۔ اکثر آئمہ جدید دور کے تقاضوں سے واقف نہیں مگر آپ کے خیال میں اس کی اصل وہ کیا ہے؟ فوراً بولے: جہالت' مدارس میں دی جانے والی بے کار تعلیم اور تعلیم دینے والوں کا فقدان اور پھر ان لوگوں میں ذہنی پسماندگی۔

ہم نے کہا: ہاں! یہ سب باتیں اپنی جگہ' مگر اس موضوع پر گفتگو سے قبل ذرا تعارف ہو جائے۔ پہلے ہم نے اپنا تعارف کرایا تا کہ ان کے دماغ سے ہر ڈاڑھی والے کے بارے میں قائم جہالت کا تصور اور اپنی علمیت کا خمار اتر جائے چنانچہ اس کا اندازہ یوں ہوا کہ اس تعارف کے دوران ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا محسوس ہوا اور نشست کا انداز بھی بدلا۔ پھر ہم نے ان سے ان کا تعارف پوچھا معلوم ہوا کہ پاک پی ڈبلیوں ڈی میں انجینئر ہیں اور (رشوت کے مال سے) ایک عدد شوروم کے مالک ہیں۔ ہم نے کہا کتنے بچے ہیں؟ کہا جی تین ہیں کیا کرتے ہیں؟ کہا ایک تو شوروم پر بیٹھتا ہے۔ دوسرا ایم بی اے کے لیے امریکہ گیا ہوا ہے' تیسرا ابھی کامرس میں زیر تعلیم ہے۔ میز پر موجود ان کے عزیز انہیں خاں صاحب خاں صاحب کہہ کر بات کرتے تھے ہم نے کہا: خاں صاحب! آپ مسلمان تو ہیں ناں؟ کہا جی اللہ کا شکر ہے میں مسلمان ہوں' خدانخواستہ آپ کو کیوں شک گزرا؟ میں نے کہاں مجھے یوں شک گزرا کہ آپ نے کہیں انشاء اللہ ماشاء اللہ نہیں کہا' خیر آپ کے بھائی کتنے ہیں؟ کہا ہم پانچ بھائی ہیں' کیا کرتے ہیں؟ سب کاروبار میں ہیں۔ میں صرف پاک پی ڈبلیو ڈی میں ملازم ہوں اور اب ریٹائرمنٹ الحمدللہ قریب ہے۔ اللہ کا بڑا شکر ہے ماشاء اللہ سے بچے اپنی اپنی لائن میں سیٹ ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے کہا آپ کی تعلیم؟ کہا میں نے گریجویشن کیا تھا ویسے میں نے سول ٹیکنالوجی میں ڈپلومہ اور B.E. کیا ہے ہم نے کہا خاں صاحب! بڑی خوشی ہوئی آپ کا تعارف سن کر مگر افسوس بھی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سب بھائیوں اور آپ کے تمام بچوں کو علمِ دین کی دولت سے محروم رکھا اور آپ لوگ بقدرِ فرض بھی دین کی معلومات باقاعدہ کسی استاذ سے حاصل نہ کر سکے۔ مدرسہ میں جانا اور پڑھنا تو بعد کی بات ہے۔ ہمارا المیہ ہی یہی ہے کہ ہم خود مدارس کا رخ نہیں کرتے' اپنے بچوں کو بھی ان سے دور رکھتے ہیں کیونکہ ہم انہیں وہ تعلیم اور وہ ڈگری

دلانا چاہتے ہیں جو سکہ رائج الوقت کی طرح فوراً فوراً کیش کرائی جا سکے اور جس کا معاوضہ خوشحال زندگی کی صورت میں جلد مل جائے۔ اب آپ بتائیے کہ آپ نے اپنے کسی بچے کو آپ کے والدین نے آپ کو یا آپ کے بھائیوں میں سے کسی کو دینی تعلیم کے لیے کیوں مدرسہ میں داخلہ نہیں دلوایا؟

اب خاں صاحب آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔ ہم نے کہا سیدھا سا جواب ہے کہ اس تعلیم میں مستقبل تاریک نظر آتا تھا اور ملاگیری پر طبعیت آمادہ نہ تھی۔ جبکہ دوسری طرف چمک ہی چمک تھی اور کسی کا طعنہ وغیرہ بھی نہ تھا۔ چنانچہ آپ نے اس لائن کو اختیار کیا اور بچوں کو بھی اسی لائن میں ڈالا۔ اب غور کیجئے معاشرہ میں اکثریت کی صورتحال کیا یہی نہیں؟ تو پھر جب آپ جیسے شرفاء اور خاندانی لوگوں کے بچے مدارس میں نہیں جائیں گے' بلکہ معاشرہ کا (بہ قول آپ کے) کچرہ اور پسماندہ طبقہ ان مدارس میں جائے گا اور آپ لوگوں کے میل کچیل (زکوۃ وصدقہ) کھا کر تعلیم پائے گا تو پھر مساجد میں آپ کو آپ جیسے روشن دماغ امام وخطیب کہاں سے ملیں گے؟

دوسری بات یہ کہ آئمہ حضرات نے مدارس کا جو نصاب پڑھا ہے اس میں عالم بنانے کی کوشش کی جاتی ہے' سائنس دان' سیاستدان' تاجر' صنعت کار' یا اخبار نویس وکالم نگار نہیں بنایا جاتا۔ ہاں! البتہ مدارس سے فراغت کے بعد اگر کوئی دوسری لائن اختیار کر لے تو یہ اس کی صوابدید پر ہے۔ کیا کسی انجینئرنگ یونیورسٹی سے کبھی کوئی میڈیکل ڈاکٹر یا کسی میڈیکل کالج سے کبھی کوئی انجینئر' کسی لاء کالج (Law Collage) سے کوئی صنعتکار یا کسی زرعی یونیورسٹی سے کوئی بینکار پیدا ہوا ہے؟ اور کیا آپ یہ توقع رکھتے ہیں کہ میڈیکل کالج میں فلسفہ' سیاست' صنعتکاری وبینک کاری کی تعلیم دی جاتی ہوگی اور کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ایک ڈاکٹر ایک اچھا حجام اور اچھا موچی بھی ہو' جب یہ نہیں تو پھر دینی مدرسہ کے پڑھے ہوئے سے آپ یہ توقع کیوں کرتے ہیں کہ وہ ایک اچھا سائنسدان بھی اور سائنسی موضوعات پر گفتگو کرے' وہ اچھا سیاستدان ہو اور سیاسیات پر عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق بولے: آپ تو ویسے بھی اس بات کو ناپسند کرتے ہو کہ کوئی عالم سیاست میں آئے یا کسی اور شعبہ میں کسی نمایاں منصب پر فائز ہو۔ اتنی سی گفتگو کے بعد خاں صاحب کا رویہ معذرت خواہانہ ہو گیا اور انہوں نے تسلیم کیا کہ

پورا معاشرہ اس خرابی کا ذمہ دار ہے اور یہ کہ ان حالات میں جیسے ائمہ حضرات بھی میسر ہیں غنیمت ہیں۔(امام وخطیب کی شرعی اور معاشرتی حیثیت)

تراشہ نمبر 251

انٹرویو

(از......سیّد حسین الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ)

ایک اہم سوال

اسلام کو عالمی سطح پر سیاست' صحافت اور معیشت وتجارت کے شعبوں میں جن چیلنجوں کا سامنا ہے آپ کے خیال میں کیا دینی مدارس کا نصاب اور طریقہ تدریس ایسے افراد پیدا کر رہا ہے جو ان چیلنجوں سے مقابلہ کرنے اور نمٹنے کی صلاحیت رکھتے ہوں؟

جواب

کیا ایک میڈیکل کالج انجینئر بھی پیدا کر رہا ہے؟ کیا وہ ایٹمی سائنسدان بھی پیدا کر رہا ہے؟ کیا وہ ماہرین معاشیات بھی پیدا کر رہا ہے؟ ہماری اکثریت دور دراز دیہاتوں میں بستی ہے۔ہم نے لوگوں کے ایمان کی حفاظت کرنی ہے۔ ہم نے اس قوم کے ایمان کے لیے یہ ادارے بنائے ہیں جب ہمارا طالب علم ایم اے اور پی ایچ ڈی کر لے گا تو کون پاگل ہے جو اسے یہ کہے کہ آپ فلاں دیہات میں چلے جائیں کہ جہاں روٹی بھی نہیں ملتی۔ یہ جو فرق مراتب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے' اس لیے اس پر بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ دیہاتوں میں جائیں' وہاں امامت کروائیں اور لوگوں کے ایمان کی حفاظت کریں۔ اگر یہ نہیں جائیں گے تو پھر وہ لوگ جائیں گے جو بدعقیدہ بھی ہوں گے اور لوگوں کے ایمان کو بھی خراب کریں گے۔ جب وہاں بگاڑ پیدا ہوگا تو پھر ہم شور کریں گے کہ فلاں لوگ بدعقیدہ ہو گئے اور بگڑ گئے۔ کبھی اس پر بھی غور کیا کہ وہ کیوں بگڑ گئے؟ اس لیے کہ ہم نے ان کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں دی ہوتی۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ کچھ علمائے کرام دوسرے شعبوں کی طرف بھی جائیں اور وہ کام بھی کریں لیکن یہ نامناسب ہے کہ سب کو اسی طرف لگا دیا جائے۔ اگر آپ ایک فوجی کو کہیں کہ آپ حدیث پڑھانا شروع کر دیں کہ اس کی بھی بڑی فضیلت ہے تو کیا وہ

حدیث بھی اسی طرح مہارت سے پڑھائے گا کہ جس مہارت سے وہ بندوق چلا لیتا ہے؟ لوگ علماء کے خلاف عجیب پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ فلاں کام نہیں آتے' فلاں کام نہیں کر سکتے وغیرہ وغیرہ۔ لوگ چاہتے ہیں مولوی ہر فن مولا ہو لیکن وہ خود ہر فن مولا نہیں بننا چاہتے۔

تراشہ نمبر 252

استاذ کا ادب واحترام

اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ استاد وہ شخصیت ہے جس کے چپل اٹھانے پر خلیفہ وقت کے بچے مامون اور امین جھگڑتے ہیں کہ یہ سعادت ان کو حاصل ہو جائے۔ خلیفہ ہارون الرشید ایک دن دربار میں ایک نابینا معلم کو ہاتھ دھونے کے لیے خود پانی ڈالتا ہے اور وزراء سے مخاطب ہوتا ہے کہ ابو معاویہ کو میں نے اس لیے پانی ڈالا کہ آپ پر ثابت کروں کہ میری سلطنت میں سب سے بڑا آدمی استاد ہے۔ اقبال اس وقت تک Sir کا خطاب نہیں لیتا جب تک ان کے استاد کو شمس العلماء کا خطاب نہیں ملتا۔ چشم فلک کو ابھی تک یاد ہے کہ خلیفہ بغداد اپنی بیگم کے ساتھ اپنے محل کی چھت پر تشریف فرما تھے اور بیگم سے بار بار مختلف موضوعات چھیڑ کر ان کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن بیگم ہے کہ ان کی طرف توجہ نہیں دیتی۔ ہر بات کا جواب ہوں' ہاں! میں ملتا ہے۔ توجہ کسی اور بات پر مرکوز ہے۔ تنگ آ کر خلیفہ بالآخر احتجاج کرتا ہے تو بیگم یہ پوچھ بیٹھتی ہے کہ ابھی تک یہ بات ان کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ خلیفہ ان کے پاس بیٹھتے ہیں لوگ ہیں کہ ہاتھوں میں پھول لیے باہر بھاگ رہے ہیں۔

کیا خلیفہ سے بڑا بھی کوئی آدمی ہے کہ یہ لوگ ان پر پتیاں بچھاور کرنے جا رہے ہیں؟ اب اس پر اسرار اور معنی خیز خاموشی کا مطلب خلیفہ سمجھ گئے اور کہا کہ ہاں بیگم! آج ایک استاد عبداللہ بن مبارک بغداد تشریف لا رہے ہیں۔ بیگم نے کہا اچھا! میں آج سمجھ گئی کہ خلافت اسلامی کے سب سے بڑے آدمی آپ نہیں بلکہ استاد ہے۔ (افکار معلم' لاہور)

تراشہ نمبر 253

کچھ باتیں کچھ یادیں

مولانا منتخب الحق قادری رحمہ اللہ تعالیٰ زمانہ طالب علمی میں دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام

سیال شریف میں، خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم درس تھے اور دونوں برعظیم کے نامور عالم دین مولانا غلام معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام کی سواسو سالہ خدمات' مطبوعہ 1986ء کے مرتب ڈاکٹر تسخیر احمد نے علامہ منتخب الحق قادری کا تعارف کراتے ہوئے لکھا تھا:

قدرت نے آپ کو بے دریغ ذہانت وفطانت سے نواز کر اور فیاضی کی حد تک فراست وعلمی بصیرت دے کر غالباً جسمانی کمی کی تلافی کرنا چاہی ہے۔ اس چھوٹے سے پیکر میں علوم وفنون کے اس قدر گنج ہائے گراں مایہ سمائے ہوئے ہیں جن کا شمار واحاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ پھر تقریر ایسی شگفتہ ودلکش کہ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔ دنیائے اسلام کی بڑی سے بڑی درسگاہ اعلیٰ سے اعلیٰ جامعہ، بڑے سے بڑے دارالعلوم اور کسی عظیم الشان اسلامی یونیورسٹی کی مسند صدارت ودرس کے لیے جو معدودے چند افراد میسر آسکتے ہیں، ان میں مولانا منتخب الحق ہیں۔

باہمی حال واحوال کے بعد بات مدارس وجامعات میں تعلیم وتدریس کی موجودہ صورت حال کی طرف نکل گئی۔ فرمانے لگے: مجھے مغربی جامعات کی طرف سے متعدد بار تدریسی خدمات کی پیش کش کی گئی ہے لیکن میں ان کے اسلوبِ تدریس کو پسند نہیں کرتا۔ ہمارے ہاں درس نظامی میں شامل نصابی کتب کو سبقاً سبقاً پڑھانے کا رواج ہے جب کہ مغرب کی روایت اس سے مختلف ہے اور وہاں زیادہ تر محاضرات یعنی کسی ایک موضوع پر لیکچر دینے کا طریقہ رائج ہے۔ اس طرح ہمارے مدارس دینیہ کے نظام تعلیم وتدریس میں استاد اور تلامذہ کے درمیان قلبی احترام کا جو رشتہ پایا جاتا ہے وہ وہاں مفقود ہے۔ استاد اور شاگردوں کے مابین تعلق کا ذکر ہوا تو کہنے لگے مدارس دینیہ کے طلباء اور اساتذہ میں ادب واحترام کا گہرا رشتہ پایا جاتا ہے اور یہ روایت آج بھی قائم ہے۔ اس کے برعکس جامعات اور کالجز میں یہ بات دیکھنے میں نہیں آتی۔

ہمارے استفسار پر فرمانے لگے: میرا تو عقیدہ ہے کہ جب تک صاحب کتاب کی روحانی توجہ اور فیضان شامل حال نہ ہو، استاد کتاب کے مفاہیم کو اپنے تلامذہ تک صحیح طریقے سے منتقل نہیں کرسکتا۔ اس لیے میرا معمول ہے کہ میں کوئی سبق پڑھانے سے قبل صاحب کتاب کی روح کو ایصال ثواب کرتا ہوں تاکہ اس کی مدد میرے شامل حال رہے۔ اس ضمن میں آپ نے

ایک حیرت انگیز واقعہ بھی بیان کیا۔فرمایا:

میں ایک مرتبہ مولانا محب اللہ بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سُلّم العلوم کی شرح حمد اللہ کے کسی سبق کی تیاری کر رہا تھا کہ دوران مطالعہ' کتاب کے ایک مقام پر آ کر اٹک گیا' کسی علمی اشکال کے باعث ذہن رک سا گیا تھا اور کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔اسی انہماک اور ذہنی الجھن میں میری آنکھ لگ گئی۔دیکھتا کیا ہوں کہ صاحب کتاب رحمۃ اللہ علیہ کمرے میں تشریف فرما ہیں' مذکورہ کتاب کے اسی صفحہ پر جو میرے زیر مطالعہ تھا' ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ فرما کر سمجھا رہے ہیں کہ بیٹا! ان سطور کو نیچے والی ان سطور کے ساتھ ملا کر پڑھو' میری آنکھ کھلی تو خواب کی سرشاری باقی تھی۔میں نے فوراً کتاب پکڑی اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی دی ہوئی ہدایات کی روشنی میں دوبارہ مختلف سطور کو اندازے سے ملا کر ان سے معانی نکالنے کی سعی کرنے لگا۔ذرا سی کوشش کے بعد ہی میں صاحب کتاب کی بتائی ہوئی سطور کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا۔

(ضیائے حرم)

تراشہ نمبر 254

چھٹیوں کی تنخواہ کا مسئلہ

سوال: کچھ عرصہ قبل نیو کراچی میں ایک مفتی صاحب حلال وحرام کے موضوع پر تقریر کر رہے تھے۔تقریر کے دوران انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اسکولوں میں چونکہ ماہ جون اور جولائی میں تدریس نہیں ہوتی' لہٰذا ان مہینوں کی فیس لینا اسکول والوں کے لیے جائز نہیں۔مفتی صاحب کی تقریر نے اس علاقہ میں اسکول مالکان کے لیے مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔صورت حال یہ ہے کہ قانون کے مطابق اسکولوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسٹاف کو جون اور جولائی کی تنخواہیں پوری پوری ادا کریں' مزید یہ کہ جو اسکول کرائے کی عمارتوں میں قائم ہیں انہیں ان مہینوں کا کرایہ بھی دینا پڑتا ہے۔سوال یہ ہے کہ اگر جون' جولائی کی فیسیس وصول نہیں کی جائیں تو اسٹاف کی تنخواہ اور دیگر اخراجات کیسے پورے ہوں گے؟ جناب سے التماس ہے کہ اس مسئلے پر روشنی ڈالیں اپنی قیمتی رائے کا اظہار فرمائیں۔

(انتظامیہ تاج انگلش اسکول' 25/12 سیکٹر 5-E نیو کراچی)

جواب مفتی منیب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ

معاہدات وعقود بعض مشروط ہوتے ہیں اور یہ زیادہ بہتر ہے' کیونکہ اس سے بعد میں کوئی تنازع پیدا نہیں ہوتا۔لہٰذا اسکول کی انتظامیہ کو چاہیے کہ داخلہ فارم کی شرائط میں واضح طور پر لکھ دے کہ طالب علم کو بارہ ماہ کی فیس پوری ادا کرنی ہوں گی۔سالانہ تعطیلات اس لیے نہیں ہوتیں کہ اسکول کی انتظامیہ یا اساتذہ پڑھانا نہیں چاہتے' بلکہ ان تعطیلات کا نظام حکومت کی طرف سے جبری ہوتا ہے اور یہ ایک عالمی روش ہے۔اگر داخلہ فارم کے معاہدے میں لکھا نہ بھی تب بھی یہ معہود (Understood) ہوتا ہے اور فقہی قاعدہ ہے کہ "المعهود کالمشروط" یعنی یہ ایک ایسی شرط ہے جو فریقین کے ذہن میں بھی تقریباً طے شدہ ہے اور خارج میں بھی تعاملِ عام (General practice) اسی پر ہے۔لہٰذا اسکولوں کے لیے ایامِ تعطیلات کی فیس لینا جائز ہے اور اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔اس تنازع کے حل کے لیے فریقن یہ بھی کر سکتے ہیں کہ سالانہ بارہ ماہ کی فیسوں کی جو مجموعی رقم بنتی ہے' اسے دس ماہانہ قسطوں میں تقسیم کر دیں اور اس طرح تعطیلات کے مہینوں کے بارے میں یہ نزاع پیدا ہی نہیں ہوگا۔اور یہ بات بھی درست ہے کہ اسکول کی انتظامیہ کو اپنے عملے کو بارہ ماہ کی تنخواہ دینی ہوتی ہے' اور اسی طرح بلڈنگ کا کرایہ اور دیگر واجبات بھی ادا کرنے ہوتے ہیں' لہٰذا مفتی صاحب کا حقائق کو معلوم کیے بغیر اس پر حرمت کا فتویٰ لگانا درست نہیں ہے' البتہ ان اعلیٰ کیٹگری (درجہ) کے تعلیمی اداروں کے خلاف آواز اٹھانا درست ہے' جو غیر معمولی فیسیں اور مختلف عنوانات کے تحت دیگر رقوم بھی بٹورتے ہیں' جس کی وجہ سے تعلیم صنعت بن چکی ہے' بلکہ یہ سب سے کامیاب اور منافع بخش صنعت ہے' اور یہی سبب ہے کہ اعلیٰ معیار کے تعلیمی ادارے صرف امراء' صنعت کاروں' اعلیٰ مراتب کے بیوروکریٹ اور اہل ثروت کے لیے مختص ہو کر رہ گئے ہیں۔اور اس طرح تمول وغربت پر مبنی یہ ایک طبقاتی نظام بن چکا ہے' جس میں دولت سے محروم طبقات استحقاق' اہلیت' محنت اور قابلیت کے باوجود افرد دولت نہ ہونے کے سبب مواقع سے محروم رہ جاتے ہیں' اولین مرحلے ہی میں حاکم ومحکوم کی منزلیں جدا ہو جاتی ہیں۔

تراشہ نمبر 255

صلح کلی کا وطیرہ منافقت ہے

واذا قیل لھم لاتفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون الا انھم ھم المفسدون ولکن لایشعرون. (البقرۃ:11-12)

اور جو ان سے کہا جائے زمین میں فساد (دہشت گردی) نہ کرو تو کہتے ہیں: ہم تو سنوارنے والے ہیں سنتا ہے وہی فسادی (دہشت گرد) ہیں مگر انہیں شعور نہیں۔

(ترجمہ از کنز الایمان' امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ' تفسیری حاشیہ' نمبر 16' سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ)

مسئلہ: کفار سے میل جول' ان کی خاطر دین میں مداہنت اور اہل باطل کے ساتھ تعلق وچاپلوسی اور ان کی خوشی کے لیے صلح کلی بن جانا اور اظہار حق سے باز رہنا شانِ منافق اور حرام ہے اسی کو منافقین کا فساد فرمایا گیا۔ آج کل بہت لوگوں نے یہ شیوہ کرلیا ہے کہ جس جلسہ میں گئے ویسے ہی ہو گئے اسلام میں اس کی ممانعت ہے ظاہر و باطن کا یکساں نہ ہونا بڑا عیب ہے۔

تراشہ نمبر 256

روحانیت اور تصوف

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محض کسی بات کا علم ہونا اس پر عمل کے لیے کافی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ارسطو' افلاطون' کانٹ' ہیگل اور برٹرینڈ رسل وغیرہ دنیا کے سب سے نیک بندے ہوتے اور دنیا انہی کی پیروی کرتی' مگر انسان کی طبیعت ایسی نہیں ہے جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں۔ عمل اور کردار کا تعلق اندر کی دنیا سے ہے' انسان کے قلب وضمیر سے ہے اور اس کے اندر کی دنیا کو ٹھیک کرنا اتنا آسان نہیں جتنا کہ لوگ اس کو سمجھتے ہیں۔

دراصل آج کل ہر بات میں یورپ اور امریکہ کی نقالی کو بڑا کمال سمجھا جاتا ہے' ہمارے چند کم تعلیم یافتہ صحافی وتجزیہ نگار عموماً چند مغربی مفکروں کے نام درمیان میں ڈال کر اپنی عقل وفہم کا ڈنکہ بجانا چاہتے ہیں۔ مغرب میں چونکہ سائنس کا بڑا زور ہے اور ٹیکنالوجی کا استعمال بے دریغ ہوتا ہے' یہ علم کو معیشت کی ترقی کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں اس سے ہمارے دانشور متاثر

ہو کر سمجھنے لگے ہیں کہ انسان کا سب سے بڑا مسئلہ خواندگی' سائنس و ٹیکنالوجی' یعنی اگر سب لوگ پڑھنا لکھنا سیکھ لیں' سائنس و ٹیکنالوجی کے ماہر ہو جائیں تو بس بیڑا پار ہے' جنت ہاتھ آ جائے گی۔ کوئی نہیں سوچتا کہ سائنس و ٹیکنالوجی ایک فرد کو انسان نہیں بنا سکتی اور نہ وحشی لوگوں کو مہذب بنا سکتی ہے بلکہ اگر وحشی لوگ ٹیکنالوجی پر عبور حاصل کر لیں تو وہی حشر ہوتا ہے جو ہٹلر نے دوسری جنگ عظیم میں کیا تھا اور جو ابھی بش' اوباما' ہیلری' سرکوزی کے حلیفوں نے عراق کا' افغانستان کا' لیبیا کا اور ہمارا کیا ہے۔

انسان کی شخصیت' سیرت' کردار اور اقدار کی حفاظت' فروغ اور ترقی کے لیے ہمارے سامنے واحد نمونہ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا راستہ ہے اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کا نمونہ ہے۔ ہمارے پاس اس کام کے لیے بہترین نمونہ حضور ﷺ کی حیات مبارکہ ہے۔ انسان کے باطن کو روشن کرنے کا جو کارنامہ آج تک تاریخ میں سب سے بڑا ہے وہ ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ کا ہی ہے۔ آپ نے بمشکل ساڑھے بائیس سال کے قلیل عرصہ میں ایک بہترین معاشرہ' اعلیٰ اقدار کی حامل امت اور ایک ایسی مثالی ریاست قائم کر کے دکھلا دی جس کی مثال تاریخ انسانی میں آج تک ہمارے سامنے نہیں آئی۔ غور کیجئے آپ نے یہ کام اتنے قلیل عرصہ میں کیسے انجام دے دیا؟ آپس میں سیکڑوں برسوں برسر پیکار رہنے والے قبائل کو کیسے آپ نے مساوات' اخوت اور باہمی احترام و محبت کا خوگر بنا دیا؟ کیا آپ نے یہ کام مادی وسائل سے کیا یا ریاست کی طاقت سے آپ نے یہ کام لیا؟ ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہے۔ اس دورانیہ کے آدھے وقت تک تو آپ کے پاس نہ ہی دولت تھی اور نہ ہی سیاسی قوت' پھر جو کچھ وسائل مدینہ منورہ میں فراہم ہونے لگے تو بھی آپ کی قائم کردہ ریاست میں نہ ہی پولیس تھی اور نہ ہی خفیہ ادارے اور لوگ۔ اگر کوئی فرد گناہ کرتا تو خود ہی آ کر اقرار جرم کر کے اپنے لیے سزا کی درخواست و مطالبہ کرتا کہ آخرت کے عذاب سے بچ جائے پھر وہ کیا چیز تھی جس نے مدینہ منورہ میں رہنے والے مسلمانوں کی زندگی بدل ڈالی۔ ان کی سوچ' ان کے رویئے' ان کی پسند ناپسند' دوستی' دشمنی' کھانے کمانے' شادی میل جول' آپس میں لین دین کے طور طریقے سب کے سب اس طرح بدل گئے کہ ماضی کی دشمنی' حسد' بغض' کینہ' لالچ' تکبر' غرور' خود پسندی کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ مکہ سے مدینہ کی ہجرت خود اس کی سب سے بڑی دلیل و ثبوت ہے۔

مہاجر اور انصار میں تمیز نہ رہی سب مسلمان تھے اور ایک دوسرے کے بہن بھائی تھے۔اس تبدیلی کی بنیاد تزکیہ نفس تھی جس کو قرآن نے حضور ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں شمار کیا ہے۔سورہ جمعہ آیت 2 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہی ذات ہے جس نے امی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا تا کہ ان کے سامنے اس کی آیات کی تلاوت کرے اور ان لوگوں کا تزکیہ کرکے ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔غور کیجئے یہاں تعلیم کا ذکر تزکیہ کے بعد آیا ہے۔تو رسول اللہ ﷺ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے دلوں کی دنیا بدل ڈالی لوگوں کے اندر کی آلائشوں کو صاف کیا ان کے باطن کے اندھیروں کو ختم کیا اور جب وہ پاک صاف ہو کر ہدایت۔رسول اللہ ﷺ نے تزکیہ نفس اور روحانی تربیت کا کام اپنے عملی نمونہ سے کیا۔انسانوں کا دلی رشتہ اللہ سے جوڑ دیا۔اللہ تعالیٰ سے دلی رشتہ جوڑنا ہی اصل میں تصوف ہے روحانیت ہے جب یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو دلوں سے خوف اور غم رخصت ہو جاتا ہے۔

کلام مجید میں بار بار فرمایا گیا ہے: خبردار اللہ کے ولی وہ ہوتے ہیں کہ ان پر نہ خوف اثر کرتا ہے اور نہ وہ غم کرتے ہیں جب انسان کا رشتہ اللہ سے مضبوط ہو جاتا ہے تو اس کے سامنے دنیا کی ہر طاقت ہیچ ہو جاتی ہے۔اس کو اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے۔اللہ کی رضا کے مقابلہ میں اس کو کسی کی پرواہ نہیں ہوتی۔یہی روحانیت ہے اور اس کیفیت کا حامل ولی اللہ ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی لاتعداد نامور شخصیات ہیں جنہوں نے اصلاح اور تزکیہ نفس کے میدان میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔جہاں شہنشاہ بادشاہ اور سپہ سالار ناکام ہوئے وہاں روحانیت کی دنیا میں حکومت کرنے والے بزرگ کبھی ناکام نہیں ہوئے۔جب کبھی مسلمانوں پر برا وقت آیا انہی روحانی بزرگوں نے مسلمانوں کے دلوں کو سنبھالا ان کو حوصلہ دیا اور امید کی راہ دکھائی۔جب بغداد تباہ ہوا تو روحانیت کی ایک لہر اٹھی اور اولیائے کرام نے لوگوں کو اپنے باطن کی فکر کرنے کی تلقین کی۔اس طرح انہوں نے یہ سبق دیا کہ مسلمانوں کی اصل قوت ان کی روحانی قوت ہے۔اصل چیز دنیاوی چیزیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے رشتہ محبت ہے معرفت کا اور اطاعت کا رشتہ ہے۔جتنا انسان اللہ کی اطاعت خلوص سے کرتا ہے اتنی ہی اس کی معرفت میں اضافہ اور اللہ سے قربت بڑھ جاتی ہے۔

شیخ فریدالدین عطار کی کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' میں لاتعداد ولی اللہ کے مصدقہ حالات

درج ہیں۔ مولانا جلال الدین رومی (رحمۃ اللہ علیہ) کا ذکر پچھلے کالم میں کیا تھا یہ ایک روحانی معلم اور مربی ہوئے ہیں جنہوں نے انتہائی نازک دور میں جب مسلمان پریشانیوں کا شکار تھے ان کو سنبھالا اور روشنی کے مینار ثابت ہوئے۔ اسپین میں شیخ الکبیر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ وسط ایشا میں حضرت بہاء الدین نقشبندی' بغداد میں حضرت جنید' ہندوستان میں خواجہ معین الدین اجمیری' بابا فرید الدین گنج شکر' حضرت نظام الدین اولیاء (رحمۃ اللہ علیہم) اور ان کے علاوہ تقریباً عالم اسلام کے ہر گوشہ میں روحانیت کا چراغ روشن کرنے والے بزرگ رہے ہیں جنہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات کے مطابق مسلمانوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت کا عظیم الشان کام کیا ہے۔

انہی بزرگوں کا فیض ہے کہ آج بھی ہم لوگ اپنی ساری غلطیوں کے باوجود اسلام کے سیدھے راستے کو پہچانتے ہیں اور اس پر چلنے کی کوشش بھی کرتے ہیں لیکن ہر شعبہ کی طرح اس میدان میں بھی جعلساز ہیں اور ہمیشہ رہے ہیں۔ اسی وجہ سے مولانا روم نے فرمایا ہے کہ یاد رکھو بازار میں کھوٹے سکوں کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ کہیں کھرے سکے بھی رائج ہیں کیونکہ کھوٹے سکے ہی کھرے سکوں کی جگہ چلائے جاتے ہیں لہٰذا جب کبھی ایسے جعلساز لوگ تمہیں نظر آئیں جو روحانیت کے نام پر مادی فوائد سمیٹ رہے ہوں اور لوگوں کی تربیت واصلاح کے بجائے ان سے چندہ' نذرانے بٹورنے میں لگے ہوں تو تمہیں چاہیے کہ ان کو رد کرکے حقیقی اولیائے کرام کی تلاش کرو۔ اگر تم خلوص سے تلاش کرو گے تو تمہیں ضرور ایسے حقیقی نیک و پیارے اللہ کے بندے مل جائیں گے۔ دیکھئے ایسے نیک' پارسا' مخلص' دیندار ولی اللہ لوگوں کو پہچاننا کچھ ایسا مشکل کام نہیں۔ ان کی پہچان کا یہ طریقہ ہے کہ دیکھو کہ کیا (1) وہ جو کہتے ہیں اس پر خود عمل پیرا ہیں (2) ان کی طرز زندگی ہمارے رسول اللہ ﷺ کے نمونہ کے مطابق ہے (3) ان کے اعمال شریعت کے احکام کے مطابق ہیں (4) ان کی صحبت میں بیٹھ کر' ان کی گفتگو نصیحتیں سن کر ایمان مضبوط ہوتا ہے' خوف پیدا ہوتا ہے' آخرت یاد آتی ہے' اللہ سے محبت بڑھتی ہے اور اخلاقی بیماریوں سے حسد' غیبت' بغض' غصہ' ریاکاری اور لالچ سے نفرت اور ان کی جگہ خلوص' سچائی' عاجزی' سخاوت' اعلیٰ ظرفی اور استغفار کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ ان گزارشات کی روشنی میں ہم اپنے لیے صحیح مرشد' صحیح ولی اللہ کا انتخاب کر سکتے ہیں اور اپنی

روحانی زندگی سنوار سکتے ہیں ورنہ محض علم کے ذریعہ اصلاح نہیں ہوسکتی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا ہے: لاتعداد تعلیم یافتہ لوگوں نے اپنا مستقبل اس لیے تباہ کرلیا کہ وہ دین سے نابلد و بے بہرہ تھے' ان کا علم آخرت میں ان کے کچھ کام نہ آیا۔ اپنے پچھلے کالم میں عرض کرچکا ہوں کہ ہر مذہب میں ایسے بندے پائے جاتے ہیں جو محبت الٰہی اور تصوف میں کھوکر اپنی ذات کو بھول جاتے ہیں' خود سے بے تعلق ہوجاتے ہیں اور بعض اوقات مجذوبیت کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور وہ دین و دنیا سے غافل ہوکر صرف اللہ کی محبت و قربت میں اپنے وجود سے بےخبر ہوجاتے ہیں ہمارے یہاں ایسے صوفی کو ولی اللہ تصور کیا جانے لگتا ہے حالانکہ ولی اللہ کا درجہ اس سے بلند ہے اس کی ذات سے عموماً بہت سی کرامات' کشف یعنی ایسی قلبی کیفیت جس کے ذریعہ ان کو پوشیدہ امور کا علم یا احساس ہوجاتا ہے منسوب کی جاتی ہیں۔

(روزنامہ جنگ' ڈاکٹر عبدالقدیر خان 21 جون 2010ء)

تراشہ نمبر 257

عصمت انبیاء علیہم السلام پر استدلال

(تفسیر قرآن' سورہ البقرہ: 38-37)

ہر باطل فرقہ اپنی آواز کو مؤثر بنانے کے لیے بظاہر قرآن کریم ہی کی دعوت لے کر اٹھتا ہے' بالخصوص موجودہ زمانے میں یہ فتنہ بکثرت پھیل رہا ہے' مشہور دیوبندی عالم سلیم اللہ خان صاحب قرآن کریم کی تفسیر میں فرق باطلہ کے مستدلات کا تعاقب کرکے اہل سنت والجماعت کا مؤقف واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت داؤد علیہ السلام پر خواہش نفس کی پیروی کا الزام

حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرماں روا کو زیب نہ دیتا تھا۔ (تفہیم القرآن' طبع اول' ج 4 ص 327 ' سورہ ص' تحت آیہ رقم)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہوکر اوریا

سے [illegible] ہو گئی تھی۔ (تفہیمات حصہ دوم [illegible] طبع [illegible])

حضرت یونس علیہ السلام پر کوتاہی کا الزام

حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں جب [illegible] سے رسالت میں کوتاہی ہو گئی۔ (تفہیم القرآن حصہ دوم سورۂ یونس تحت آیہ نمبر [illegible] طبع [illegible])

حضرت یوسف علیہ السلام پر ڈکٹیٹر شپ کا الزام

حضرت یوسف علیہ السلام کے ارشاد: اجعلنی علی خزائن الارض (سورۂ یوسف:55) مجھ کو ملک کے خزانوں پر مقرر کر دے، کے بارے میں فرماتے ہیں یہ محض وزیر مالیات کے منصب کا مطالبہ نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ ڈکٹیٹر شپ کا مطالبہ تھا اور اس کے نتیجے میں سیدنا یوسف علیہ السلام کو جو پوزیشن حاصل ہوئی وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھی جو اس وقت اٹلی میں مسولینی کو حاصل ہے۔ (تفہیمات ج 2 ص 122 طبع پنجم)

حضرت یوسف علیہ السلام پر ڈکٹیٹر شپ کی طلب کا الزام اور ان کے عدل و انصاف پر مبنی اقتدار کو ایک ظالم اور کافر جابر زمانہ حاکم مسولینی کے اقتدار سے تشبیہ دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام پر بشری کمزوری سے مغلوب ہونے کا الزام بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ و اشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لیے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ (تفہیم القرآن سورۂ ہود تحت آیہ نمبر 46 حصہ دوم طبع چہارم)

سید مودودی صاحب کا لطیف نکتہ

عصمت دراصل انبیاء کے لوازم سے نہیں ہے اور یہ ایک لطیف نکتہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں ہو جانے دی ہیں تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بھی بشر ہیں۔ (تفہیمات ج 2 ص 43 طبع دوم)

انبیاء کی بشریت جاننے کے لیے اس انوکھے معیار کا انکشاف ہمیں اپنی علمی زندگی میں پہلی بار ہوا ہے کیا بشریت کا پتہ لگانے کے لیے یہ کافی نہیں کہ وہ اہل و عیال رکھتے ہیں؟ کھاتے پیتے ہیں؟ الغرض انبیاء علیہم السلام کے متعلق مولانا سید مودودی کے قلم سے نکلنے والے یہ شہ پارے سوئے ادب میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس کا ایک معیار تو یہ قول حضرت لدھیانوی شہید کے یہ ہے کہ

(1) اگر یہی فقرے' یہی تعبیرات وتمثیلات خود مولانا موصوف کے حق میں استعمال کی جائیں تو وہ سوئے ادب میں شمار ہوں گی یا نہیں؟ مثلاً اگر کہا جائے کہ مولانا ڈکٹیٹر تھے' اپنے دور کے مسولینی تھے' جذبہ جاہلیت سے مغلوب ہو جاتے تھے' حاکمانہ اقتدار کا نامناسب استعمال کر جاتے تھے' اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیتے تھے' ان کے کاموں میں خواہش نفس کا بھی کچھ دخل ہوتا تھا۔ یقین جانیے! مولانا کا کوئی مداح اور عقیدت مند یہ الزامات برداشت نہیں کرے گا۔ اگر یہ جملے مولانا کے روبرو دھرائے جاتے تو وہ بھی صدائے احتجاج بلند کرتے۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیں جو الفاظ سید مودودی کی ذات مآب کے لیے تنقیص شان کے آئینہ دار ہوں' وہ انبیاء علیہم السلام جیسے مقدس گروہ کے حق میں محترم اور معزز کیسے ہو سکتے ہیں؟ اپنی شان تقدیس کے متعلق تو لکھتے ہیں۔ خدا کے فضل سے میں نے کوئی کام یا کوئی بات جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں کیا اور کہا حتیٰ کے ایک ایک لفظ جو میں نے اپنی تقریر میں کہا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا حساب مجھے خدا کو دینا ہے' نہ کہ بندوں کو' چنانچہ اپنی جگہ بالکل مطمئن ہوں کہ میں نے کوئی ایک لفظ بھی خلاف حق نہیں کہا۔ (رسائل مسائل' حصہ اول' ص 2' 3' طبع دوم) ایک تقریر میں فرماتے ہیں: میرے رب کی مجھ پر عنایت ہے کہ اس نے میرے دامن کو داغوں سے محفوظ رکھا۔ (تقریر چار روزہ کانفرنس' جماعت اسلامی بمقام لاہور 25 تا 28 اکتوبر 1963' روزنامہ مشرق لاہور' 26 اکتوبر) مولانا غیر معصوم ہوتے ہوئے بھی کبھی جذبات سے مغلوب نہیں ہوئے اور ان کا دامن داغوں سے محفوظ رہا' اور انبیاء کرام علیہم السلام کی معصوم جماعت جن کی راہ نمائی کے لیے عرش الٰہی سے وحی اترتی تھی' وہ ان کے خیال کے مطابق کبھی جذبات سے مغلوب ہو جاتی اور کبھی خواہش نفس کا شکار ہو جاتی۔

فیاللعجب

(2) اس کا دوسرا معیار یہ ہے کہ اہل زبان ان فقروں سے کیا تاثر لیتے ہیں۔ ان کے عرف میں یہ سوئے ادب میں داخل ہیں یا نہیں؟ اگر ان دونوں معیاروں پر جانچنے کے بعد طے ہو جائے کہ ان جملوں اور فقروں میں سوئے ادب کا پہلو نمایاں طور پر پایا جاتا ہے تو ان کے عقیدت مندوں کو چاہیے کہ وہ ایسی تمام تحریریں جو سوئے ادب پر مبنی ہیں ان کی

اشاعت یکسر روک کر اللہ تعالیٰ کے حضور معافی کے خواست گار ہوں' کیوں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے حق میں ادنیٰ تنقیص بھی سلب ایمان کی علامت ہے۔

(ماہنامہ الفاروق کراچی' رمضان المبارک' 1434ھ)

تراشہ نمبر 258

نظام فیل کیوں ہوتے ہیں؟

وجوہ واسباب

فرق لائل پور اور فیصل آباد کا ہے

مشہور کالم نگار محترم ارشاد عارف صاحب لکھتے ہیں:

دو سال قبل ہندوستانی پنجاب کے شہر جالندھر میں کاشتکاروں کے ایک انٹرایکشن میں پوچھا گیا کہ ایک جیسی مٹی' پانی اور موسمی حالات کے باوجود ہندوستانی اور پاکستانی پنجابوں کی فی ایکڑ زرعی پیداوار میں فرق کیوں ہے؟ ماہرین زراعت نے بہت سی وجوہات بتائیں۔ ایک ماہر کا کہنا تھا کہ بھارتی پنجاب کے سکھ کاشتکار مسلمان کاشتکاروں سے زیادہ محنت کرتے ہیں۔ دوسرے ماہر نے خیال ظاہر کیا کہ ہندوستانیوں میں زرعی زمینوں کی حد ملکیت پاکستان کے کاشتکاروں کی حد ملکیت سے کم ہے چنانچہ وہ کم از کم رقبے سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ایک بھارتی سکھ کاشتکار کا جواب سب سے زیادہ چونکا دینے والا تھا۔ اس نے کہا کہ اصل فرق لائل پور اور فیصل آباد ہے۔

وضاحت طلب کرنے پر بتایا گیا کہ ہندوستانی پنجاب کے کاشتکاروں نے زراعت کی تعلیم لائل پور سے حاصل کی تھی اور لائل پور کی زرعی یونیورسٹی وہاں کے کھیتوں اور کھلیانوں میں پھیلی ہوئی تھی مگر قیام پاکستان کے بعد لائل پور فیصل آباد میں تبدیل ہوا۔ تو زرعی یونیورسٹی بھی کھیتوں اور کھلیانوں سے واپس موسمی اثرات سے محفوظ (ایئر کنڈیشنڈ) دفتروں میں چلی گئی۔

تراشہ نمبر 259

جس کا کام اسی کو ساجھے

لیکن ہمارے ہاں تو صورت حال یہ ہے کہ

یہاں ہر شئی جگہ سے بے جگہ محسوس ہوتی ہے
یہاں جو جس جگہ ہے اس کا منصب وہ نہیں ہوتا
(راغب تحسین)

یعنی ؎

لنگڑے کھیڈن کبڈیاں تے گنجے کنڈھ دے چیر
انّے ویکھن سُنیے تے بولے سُن دے ہیر
(راقم الحروف)

جنرل ضیاء الحق کے زمانے کا ذکر ہے کہ اٹلی کے شہر روم میں ورلڈ فورڈ پروگرام کے تحت ایک کانفرس منعقد ہوئی۔ جس کا ایک سیشن جنوبی ایشیاء میں فوڈ سکیورٹی سے متعلق تھا۔ پاکستان سمیت خطے کے سبھی ممالک کے نمائندے موجود تھے۔ اجلاس میں زرعی اجناس کے ضیاع پر ایک رپورٹ پیش کی گئی جس میں انکشاف کیا گیا تھا کہ جنوبی ایشیاء میں اٹھارہ فیصد اجناس کیڑے مکوڑوں کی نذر ہو جاتی ہیں اور اگر ان کا معقول سد باب کر دیا جائے تو یہ ممالک خود کفالت کی منزل کو ہی نہیں پالیں گے بلکہ فالتو پیداوار برآمد کر کے معقول زرمبادلہ بھی کما سکتے ہیں۔ رپورٹ پر عام بحث کا آغاز بھارتی وفد سے ہوا جس کا ہوم ورک دیدنی تھا۔ بتایا گیا کہ 18 فیصد ضیاع تو اناج گھر آنے کے بعد کا ہے۔ داشت سے پہلے کیڑے مکوڑوں اور پرندوں کے ہاتھوں کھڑی فصل کو ہونے والا نقصان اس کے علاوہ ہے۔ جس کا اندازہ انہوں نے 9 فیصد بتایا' گویا ذرا سی محنت سے 26 فیصد اناج ضائع ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ ذخیرہ شدہ اناج پر حملہ آور کیڑوں کے حوالے سے سسری' ڈھورا' کھپرا' تیلا وغیرہ کا خصوصی ذکر کیا اور اس ضیاع سے بچنے کے لیے حکومت ہند کی طرف سے کیے جانے والے اقدامات گنوائے۔

پاکستان کی باری آئی تو سربراہ سمیت وفد کے سبھی ارکان کی ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور موضوع سے متعلق ان کی تیاری نہ ہونے کے برابر تھی' یوں لگتا تھا کہ ان کے ان پٹ (Input) کے بغیر ہی مائیک اگلے رکن ملک کے حوالے کر دیا جائے گا مگر وفد میں شامل پاکستان ایگریکلچرل ریسرچ کونسل کے ایک اہلکار نے کچھ لاج رکھ لی اور دو چار الٹے سیدھے جملے بول دیئے۔ وفد وطن لوٹا تو اس کی کارکردگی کی بھنک جنرل ضیاء الحق کو بھی پڑ گئی۔ ذرا سی کھنچائی ہوئی تو ڈی ایم

جی سے تعلق رکھنے والے سربراہ نے لجاجت سے بتایا کہ وہ تو شہر کا جم پل ہے۔ دیہات اور وہاں کی سرگرمیوں کو اس نے محض پینٹنگز کی حد تک دیکھ رکھا ہے۔ زرعی اجناس اور ان کے کیڑے مکوڑوں سے اس کا کیا تعلق؟ جواب میں جنرل موصوف نے وفد کے لاعلم ارکان کی ٹھیک ٹھاک فہمائش کے ساتھ ساتھ انہیں سسری' ڈھورے' کھپرے اور تیلے کے کرتوتوں اور اوصاف حمیدہ سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ نالائقو! تمہیں اتنا بھی پتہ نہیں ہوتا تو دوروں پر کیوں نکل پڑتے ہو؟ یہ قصہ تو ذرا پرانا تھا مگر آج بھی حالات وہی بلکہ اس سے بھی گئے گزرے ہیں۔ آج بھی چوکوروں میں گولے فٹ کئے جا رہے ہیں۔

کیا آپ یقین کریں گے کہ محض چند برس پہلے حکومت پاکستان میں کاٹن کمشنر کے عہدے پر ایک ایسا اہلکار متعین تھا جس نے زندگی میں کبھی کپاس کا پودا دیکھا ہی نہیں تھا۔ سرکاری اہلکاروں کی کارکردگی کے حوالے سے واویلا ہم بہت کرتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ سب ہمارا اپنا کیا دھرا ہی تو ہے۔ ہم جرنلسٹوں کے عشق میں بری طرح سے مبتلا ہیں اور سی ایس ایس کیڈر' بالخصوص ڈی ایم جی کو امرت دھارا خیال کرتے ہیں کہ وہ ہر مرض کی دوا ہیں یا شاید ان کے پاس جادو کی چھڑی ہے' جس سے وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں' یا پروفیشنل گروپ میں بھرتی ہونے والے سی ایس ایس اہلکاروں کو اپنے اپنے شعبے میں جدید تربیت سے لیس کیا جاتا ہے مگر چند ہی برسوں میں یہ شعبہ جاتی تربیت مذاق بن کر رہ جاتی ہے۔ ٹیکس اور کسٹمز کا ماہر مذہبی امور کی وزارت میں بیٹھا نظر آئے گا' تو انفارمیشن والا صحت کا محکمہ سنبھال رہا ہوگا۔ ملٹری لینڈز میں جرنیل ہوگا' تو ایف پی آر کو ڈی ایم جی یا پرائیوٹ سیکٹر کا کوئی سفارشی افلاطون چلا رہا ہوگا۔ ریلوے کسی ایسے اجنبی کے سپرد ہوگی جو عملی طور پر سگنل ڈاؤن ہونے کے میکانزم کو بھی نہیں سمجھتا اور محکمہ کو زندگی کے 30' 35 برس دینے والا ریلوے گروپ کا افسر اس کی ماتحتی میں جھک مار رہا ہوگا۔ یہ دنیا میں کہیں نہیں ہوتا خالص تکنیکی اور پروفیشنل قسم کے محکمے متعلقہ ماہرین کے حوالے ہوتے ہیں' مگر ہمارے ہاں تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ کیا اس ملک کے ملین بھر اساتذہ (بشمول ہزاروں پی ایچ ڈی) میں سے چار بھی اس اہل نہیں کہ انہیں تعلیم کا صوبائی سیکرٹری متعین کیا جا سکے؟ کیا لاکھوں ڈاکٹروں اور انجینئروں میں سے درجن بھر بھی ایسے نہیں جو اپنے اپنے شعبوں کے خالص پیشہ وارانہ مرکزی اور صوبائی محکمے سنبھال سکیں؟

کرین کی طرح اشیاء کو پکڑا جا سکتا ہے اور جائے مقررہ پر رکھا جا سکتا ہے۔غلام اسحاق خان صاحب نے اس محکمہ کے سربراہ سے کہا کہ وہ ذرا اس کو چلا کر دکھادیں۔ان صاحب کا رنگ زرد ہو گیا اور کہا کہ وہ نہیں جانتے اور ٹیکنیشن جو یہ کام جانتا ہے اس کو آج آنے سے منع کر دیا تھا۔غلام اسحاق خان صاحب ششدر رہ گئے اور مسکرا کر کہا کہ انہوں نے لاتعداد مرتبہ کہوٹہ میں ورکشاپوں کا دورہ کیا ہے وہاں تو محکمے کا سربراہ اپنے محکمے کے تمام آلات استعمال کر سکتا ہے۔یہ میں نے پہلے دن سے ہی ہدایت کی تھی کہ محکمے کے سربراہ کا اپنے محکمے کے آلات سے پوری طرح واقف ہونا لازمی ہے۔تمام سائنسدانوں اور انجینئروں سے درخواست ہے اور نصیحت ہے کہ وہ اپنے محکمے میں استعمال ہونے والے آلات وا یکوپمینٹ سے پوری طرح آگاہی حاصل کریں اور اپنے ماتحتوں اور ساتھیوں کی نگاہ میں باوقار اور باعزت رہیں۔آپ کی عزت جب ہی ہوتی ہے جب دوسروں کو علم ہو کہ آپ اپنے کام سے پوری طرح واقف ہیں اور ان کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔(روزنامہ جنگ' سحر ہونے تک' ڈاکٹر عبدالقدیر خان)

تراشہ نمبر 261

علامت ولایت ایک ولی کی نظر میں

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے مؤسس حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی 791ھ) نے جو بلا شبہ ولایت اور قرب خداوندی کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے' درج ذیل فارسی اشعار میں ولی کی تین علامات بیان فرمائی ہیں گویا حضرت نقشبند کی تصریح ذیل کے مطابق جو شخص کم از کم ان علامات کا حامل ہو' وہ اللہ تعالیٰ کا ولی اور منصب ولایت پر فائز ہوتا ہے فرماتے ہیں:

سہ نشاں بود ولی را زنخست دان بہ معنی

کہ چوں روئے اوبہ بینی دل توبد وگراید

''حقیقی ولی کی تین نشانیاں ہیں۔پہلی نشانی یہ ہے کہ تو اس کے چہرے کو دیکھے تو تیرا دل اس کا گرویدہ ہو جائے (یعنی اسے دوبارہ دیکھنے کی آرزو تیرے دل میں انگڑائیاں لینے لگے)''۔

دوم آنکه درمجالس چوسخن کند به معنی

همه را ز ہستی خود به حدیث می رباید

''دوسری علامت یہ ہے کہ جب وہ مجلس میں اسرار و حقائق بیان کرے تو اس کی باتیں سامعین کے دل موہ لیں اور سنتے رہنے کو جی چاہے''۔

سوم آں بود به معنی ولی اخص عالم

که زہیچ عضو او راحرکات بد نیاید

''حقیقت میں جہاں کے خاص ترین ولی کی تیسری نشانی یہ ہے کہ اس کے اعضاء سے ناشائستہ حرکات سرزد نہ ہوں (گویا اس کی خلوت و جلوت میں کسی قسم کا تضاد نہ ہو)''۔

(مقدمہ کلیات جامی از ہاشم رضا' بخش نہم' ص170 'مطبوعہ چاپ خانہ پیروز' تہران)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ہماری نشست و برخاست کن لوگوں کے ساتھ ہونی چاہیے؟

آپ نے فرمایا:

''من ذکر کم باللہ رؤیته وزاد فی علمکم منطقه وذکر کم بالاخرۃ عمله''

وہ شخص جس کو دیکھ کر تمہیں اللہ تعالیٰ یاد آ جائے' جس کی منطق (باتیں' افکار) تمہارے علم میں اضافہ کرے اور جس کا عمل و کردار تمہیں آخرت کی یاد دلائے (صورت' سیرت و کردار' گفتار و کردار' افکار)۔ (مسند ابی یعلیٰ 2382 'مسند عبدابن حمید 633)

مرشد کامل کی ضرورت و اہمیت

خداداد صلاحیت بلاشبہ ایک غیر معمولی نعمت ہے جس کے بغیر انسان کچھ حاصل نہیں کرسکتا' مگر یہ بھی ہے کہ جب تک کسی صاحب صلاحیت و استعداد کو کسی عالی نظر' نیک اور صاحب دل کی صحبت میسر نہ آئے تو اس کی صلاحیت فضول کاموں میں صرف ہو جانے کے باعث اکارت ہو جاتی ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ پانی کے قطرے میں گوہر آب دار بننے کی صلاحیت ہوتی ہے لیکن جب تک ایک مدت تک آغوش صدف میں نہ رہے' کبھی گوہر آبدار نہیں بن سکتا' گوہر اسی وقت بنے گا' جب اسے تربیت گاہ صدف میسر آئے گی ورنہ گوہر تاب دار بننے کی صلاحیت تامہ رکھنے والا وہی قطرہ گندے نالوں اور بول و براز کی نذر ہو کر انہیں کا

حصہ بن جاتا ہے۔

لہٰذا وہ تمام انسان جو کسی صاحب نظر اور صاحب روحانیت کی تربیت کا رخ نہیں کر پاتے' یا ان کے فیضان نظر سے محروم ہوتے ہیں' استعداد و صلاحیت رکھنے کے باوجود اور الفاظ کی دنیا کا دھنی ہونے کے باوصف اس کا قطرہ آب کے مانند ہیں جو آغوش صدف میں پرورش نہ پانے کے سبب گوہر آبدار نہ بن سکا اور جس نے اپنی گوہر آمائی کو بول و براز کے تعفن آباد کی نذر کر دیا۔ (نام و نسب' ص 55' حضرت سید نصیر الدین نصیر' گولڑہ شریف)

صلاحیت نباشد' ہیچ شے جز صحبت نیکاں
کہ قطرہ تانیفتد در صدف' گوہر نمی گردد

(سید نصیر الدین قدس سرہٗ)

علامہ مسعود ابن عمر عرف سعد الدین التفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح عقائد نسفی میں ولی کی تعریف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلْوَلِیُّ هُوَ الْعَارِفُ بِاللّٰهِ تَعَالٰی وَصِفَاتِهٖ حَسْبَ مَایُمْكِنُ الْمُوَاظِبُ عَلَی الطَّاعَاتِ' اَلْمُجْتَنِبُ عَنِ الْمَعَاصِیْ' اَلْمُعْرِضُ عَنِ الْاِنْهِمَاكِ فِی اللَّذَّاتِ وَالشَّهْوَاتِ. (شرح العقائد النسفیہ' ص 105' ناشر مکتبہ اسلامیہ محلہ جنگی' پشاور)

ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ عزوجل کی ذات اور اس کی صفات کی جس قدر ممکن ہے معرفت رکھتا ہو (2) عبادات پر مواظبت اور ہمیشگی کرنے والا ہو (3) گناہوں (کبائر) سے پرہیز کرنے والا ہو (4) لذات اور شہوات میں ڈوبے رہنے سے اعراض کرنے والا ہو۔

تراشہ نمبر 262

"اردو غان" "ذو الصوت الملائکی"

ذات مساء طیب' فی تسعینات القرن العشرین' وأثناء عملی فی المملکة العربیة السعودیة' اذن علینا المغرب فی طریقتنا فی رحلة العمرة من المدینة الی مکة' فانزوینا الی احد من المساجد' لنصلی المغرب! ودخلت فی الصف' وجذبنی الصوت الرائع الملائکی للامام' وهو یقرء سورة الضحی' حتی انهرمت دموعی من سحر التلاوة! وبعد ان انتهی الامام من الصلٰوة' التفت الیه' فالجمتنی المفاجاة' فخرجت لا قابل زوجتی' التی صلت فی الصفوف

الـخلفية، وبادرتني بمفاجأة أخرى وهي تسأل متعجبة ومتأثرة بمن هذا الامام المؤثر؟

فهتـفـت بهـا:انه "رجب طيب اردوغان" وسأذهب اليه وأحييه وجميع مـرافـقيـه في الحافلة التي تقف وراءك، ولكي ابلغه سلامنا جميعا الى أستاذه رئيس وزراء تركيا "نجم الدين أربكان" ولنعلن اعجابنا و سرور نابتجر بتهم الـرائـدة فـي قيـادة تـركيا، وفي انتخابات حرة هزت العالم، وكانت المفاجأة الثـالثة، انني وجدته لا يتحدث العربية والانـجـليزية، بل التركية فقط، وكان المترجم وسيطاينقل الى كلينا جوانب هذا لحوار واللقاء الطيب الدافئ.

ثـم تـوالـت الـمـفاجآت عند ما سألني عن مصر وأحوالها وأخبار أهلها، وكـانه يتابع كل دقائقها، وكانه ينظر الى ثقلها ويحترم قوتها ومكانتها ومكانة أهـلهـا وقيـادتهـا. وودعتـه ورفـاقة، واستشعرت خيرا، بأن هذا اللقاء الطيب الدافئ الاخوى من علامات قبول هذه العمرة المباركة۔

(حمدی شعیب، مصر)(المجتمع، العدد:1894، 4 ربیع الاول 1431ھ، 20-3-2010)

ملح وطرائف

حكى الاصـمـعـي: ضـلـت ابـلي فخرجت في طلبها في يوم برد قارس، فـالتـجـات الى حي، واذا بجماعة يصلون، وبقربهم شيخ ملتف بكساء، يقول وهويرتعد من البرد

ايـا رب ان البـرد اصبـح كـالحـا   و انــت بـحـالـي يـا الهـي اعلم

فـان كـنـت يومافي جهنم مدخلي   فـفـي مثـل هذا اليوم طابت جهنم

(المجتمع، العدد:1894، 4 ربیع الاول 1431ھ، 20-3-2010)

من عجائب القرٰان

مـاا كثر وجوه الاعـجـاز فـي الـقـرٰان وعـجائبه،منها على سبيل المثال، ورود الكلمات الاتية (بكافة مشتقاتها) على الوجه الثاني:

كلمة "ملائكة" 88 مرة، وذكرت كلمة "شياطين" 88مرة.

كلمة "مسلمين" 41مرة' وذكرت كلمة "جهاد" 41 مرة.

كلمة "زكوة" 88مرة' وذكرت كلمة "بركة" 88 مرة.

كلمة "محمد" 4مرات' وذكرت كلمة "شريعة" 4 مرات.

كلمة "الصالحات" 167 مرة' وذكرت كلمة "السيئات" 167 مرة.

كلمة "اليسر" 36مرة' وذكرت كلمة "العسر" 12 مرة (ثلاثة اضعاف)

"الابرار" 6مرات' وذكرت كلمة "الفجار" 3 مرات.

"المحبة" 83مرة' وذكرت كلمة "الطاعة" 83 مرة. (سُبْحَانَ اللّٰهِ)

(المجتمع' العدد: 1894' 4 ربیع الاول 1431ھ' 20-3-2010)

تراشہ نمبر 263

حج کی اسپرٹ امن ہے' جنگ نہیں

از...... اسد مفتی

جانور ذبح کر کے گوشت کھانا ہی اگر قربانی ہے تو اس کے لیے سال بھر انتظار کر کے اور اہتمام سے عید قربان منانے کی ضرورت کیا ہے؟ اسوہ ابراہیمی جس قربانی کا درس دیتی ہے وہ صرف جانور کی قربانی نہیں ہے۔ یہ تو قربانی کی علامت ہے۔ اصل مطالبہ تو پورے وجود کی قربانی ہے جس میں جان و مال' خواہش و مفادات' وقت و جذبات اور تعلقات کی قربانی شامل ہے۔ اقوام ذاتی مفادات کو قربان کر کے قومی مفادات کی تعمیر کرتی ہیں اور جب زوال پذیر ہوتی ہیں تو ان کے افراد ذاتی مفادات کی خاطر قومی مفادات کو بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ ہم پاکستانی اس زوال کا شکار ہو چکے ہیں کہ ہم نے حقیر ذاتی مفادات کی خاطر قومی ترجیحات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اس رویے نے وہ تمام امراض ہمارے ''قومی جسم'' میں پیدا کر دیے جو مفاد پرستی کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں۔

خودغرضی' نفس پرستی' حرص وطمع' تن آسانی' حسد و منافقت' احساس کمتری' کم ظرفی' بزدلی' کینہ پروری اور دل آزاری یہ سارے امراض جو ہمارے معاشرے و سماج میں پھیلے نظر آتے ہیں۔ یہ اسی مفاد پرستی کے نتائج ہیں۔ اگر یہ جراثیم نکل جائیں تو ہماری اخلاقی' سماجی'

سیاسی معاشرتی اور ذہنی صحت بھی بحال ہو جائے گی۔ وگرنہ صرف ایک جانور ذبح کر کے اللہ کے نزدیک کیسے سرخرو ہو سکتے ہیں؟ جانور بے عقل اور بے شعور ہوتا ہے وہ صرف جسم جان' ہڈی خون اور گوشت پوست کا مجموعہ ہوتا ہے اس لیے اخلاقی اصول اور مذہبی احکام کے تابع نہیں ہوتا۔ اس لیے بھی خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ اچھے جانور کی قربانی کرو' ایسا جانور جو تندرست' توانا' اندھا یا لنگڑا نہ ہو یعنی وہ ہر طرح صحیح سالم ہو جبکہ انسان عقل و ہوش کا حامل ہے' اخلاقی و سماجی و مذہبی اصولوں کا پابند ہے۔ برے بھلے کی تمیز رکھتا ہے۔ جس خدا نے بے عیب جانور کی قربانی کا مطالبہ کیا ہے اس کی حکمت اور عدالت قربانی کرنے والے کو بھی اخلاقی عیوب سے پاک وصاف اور امراض سے محفوظ دیکھنا چاہتی ہے۔

اگر قربانی کا جانور بے عیب ہو کر قربانی کرنے والا عیب دار ہو اور جانور تو اپنے مالک یعنی انسان کے لیے گردن کٹا دے مگر انسان اپنے رب کے حکم پر گردن نہ جھکا سکے تو خود فیصلہ کیجئے کہ بارگاہ الٰہی میں اس کی قربانی کیوں کر قبول ہو سکتی ہے جبکہ واضح طور پر اعلان ہو چکا ہے اللہ تو صرف پاک بازوں کی قربانی قبول کرتا ہے (ترجمہ:) اس سال لگ بھگ ایک لاکھ ستر ہزار پاکستانی فریضہ حج ادا کریں گے۔ حج صرف ایک بار فرض ہے جبکہ بقایا سارے حج محض نوافل ہیں حضور ﷺ نے بذات خود ایک مرتبہ حج ادا کیا تھا۔ مجھے یہ کہنے دیجئے کہ جو خواتین و حضرات حقوق اللہ کے مقابل نوافل کو فرائض کا درجہ دیتے ہیں اور حقوق العباد کو محض ثواب سمجھتے ہیں وہ بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت میں حقوق العباد یعنی معاشرہ اور سماج اخلاقی لحاظ سے (بلکہ ہر لحاظ سے) کھوکھلا ہو رہا ہے' ہو چکا ہے۔ آج حج حج نہیں رہا محض نام و نمود و نمائش بن کر رہ گیا ہے۔ لوگ آؤٹنگ سمجھ کر حج کو جاتے ہیں جیسے پکنک پر جاتے ہیں۔ ریاکاری سے اس سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ فوٹو گرافی' نعرہ بازی' گل پوشی' دعوت وطعام' ہجوم اور میلہ کا سماں بندھ جاتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ آدمی اپنے حج کے سفر کو ایک فریضہ سمجھ کر ادا کرے اور بلاوجہ نمایاں ہونے سے اپنے آپ کو بچائے۔ یہ خاص عبادت والا سفر ہے اس کی تشہیر عبادت کی روح کو ختم کر دیتی ہے۔ اس موقع پر سیاسی یا مذہبی تقاریر کی بھی ضرورت نہیں اور نہ ہی اسلامی فریضہ کو سیاسی رنگ دیتے ہوئے عازمین حج کا استحصال کرنا واجب ہے۔

یہاں میں ایک اہم بات کا انکشاف کرتا چلوں۔ عازمین حج کا گیارہ ارب روپے' زکوٰۃ کے سات ارب روپے اور ویٹنگ لسٹ میں شامل حج کے منتظر لوگوں کے چھ سو ارب روپے موجود ہیں۔ یہ سب ملا کر قریبا 25 ارب بنتے ہیں۔ کیا ان سے ایک کروڑ قحط زدہ پاکستانیوں کے لیے کوئی پروجیکٹ نہیں بنایا جا سکتا' کیا بھوک کے ہاتھوں مرنے والوں کی زندگیاں نہیں بچائی جاسکتیں' کیا یہ حج اکبر نہ ہوگا؟ کہتے ہیں: اس سال عرفات میں خیمے نصب کرنے اور دوسرے منسلک پروجیکٹوں پر 175 ارب سعودی ریال خرچ آیا ہے جبکہ آج ہی ایک یو این او کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں دو کروڑ سے زائد قحط کا شکار افراد موجود ہیں۔ آج حجاج کی تعداد ہمیشہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ ساری دنیا سے لگ بھگ 25 لاکھ فرزندان توحید حج کی سعادت حاصل کریں گے مگر عین اس وقت ساری مسلم دنیا میں پرتشدد اور دہشت گردی کی تحریکیں جاری ہیں۔ حج جیسے دینی فریضہ نے بھی انتہا پسندی اور پرتشدد واقعات کو کم نہیں کیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ حج کی حقیقت کو بھول گئے ہیں۔ حج کی اسپرٹ محبت ہے نفرت نہیں' حج کی اسپرٹ رواداری ہے تشدد اور انتہا پسندی نہیں مگر عجیب بات ہے کہ حج کی یہ خصوصیات کہیں بھی موجود مسلمانوں کی قومی پالیسی یا اُمت کی اجتماعی سوچ کا جزو نہ بن سکی۔ غور کیجئے آج مکہ میں زیادہ حجاج کا اجتماع ہوتا ہے اسی کے ساتھ مسلمان ساری دنیا میں اپنے مفروضہ دشمنوں کے خلاف جنگ چھیڑے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کی ضدیں ہیں۔ میرے حساب سے اگر مسلمان سچی اسپرٹ کے ساتھ حج کر کے لوٹے تو ساری دنیا میں امن کی فضا قائم ہو جائے۔ آج دنیا جنگ' تشدد اور دہشت گردی سے آخری حد تک اکتا چکی ہے۔ آج گلے کاٹنے کا نہیں گلے ملنے کا وقت آپہنچا ہے۔ آج کی دنیا کو مصلحانہ جنگ سے بھی اتنی نفرت ہے جتنی مفسدانہ جنگ سے۔ آج کی دنیا کو ایسے مذہب کی تلاش ہے جو اس تشدد' انتہا پسندی اور دہشت گردی کی آگ سے نکالے اور امن کی ٹھنڈی چھاؤں عطا کرے۔ آخر میں مجھے ایک تاریخی واقعہ یاد آرہا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد حکومت میں ان کے بچوں حسین' حسن اور مریم نے ایک بار فرمائش کی کہ اس بار عید پر ہمیں نئے کپڑے لے کر دیں۔ آپ نے بچوں سے کہا کہ میرے پاس تو جمع پونجی کچھ نہیں (کیونکہ اس وقت جمع شدہ دولت بیرون ملک بھیجنے کا رواج نہیں تھا) اگر مجھے تنخواہ مل گئی تو ضرور نئے کپڑے دلوادوں گا۔ چنانچہ آپ نے

اپنے وزیر خزانہ سے درخواست کی کہ مجھے پیشگی تنخواہ ادا کر دیں۔ وزیر خزانہ نے کہا: امیر مومنین کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ اگلے ماہ تک زندہ رہیں گے؟ تو آپ نے نفی میں جواب دیا۔ لہٰذا وزیر خزانہ نے عرض کی کہ تب آپ کو تنخواہ پیشگی نہیں دی جا سکتی۔ اس پر آپ نے بچوں کو بتا دیا کہ انہیں پرانے کپڑوں میں عید منانی پڑے گی لہٰذا پیارے قارئین! مفاد پرستی اور قربانی کبھی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

بھوکی بھیڑ کے جسم میں بس چمچ بھر خون   چرواہے کو دودھ دے یا تاجر کو اون

(روزنامہ جنگ، بروز 9 اکتوبر 2013 بروز بدھ)

نوٹ: مؤلف کا کام نگار کے مضمون کی تمام جزئیات سے اتفاق نہیں ہے۔

تراشہ نمبر 264

دھرتی کا روگ

از.....ریاض احمد سید

یہ سرداروں کی دنیا ہے جہاں سب بکتا ہے اور پیسے والے کچھ بھی خرید سکتے ہیں۔ یہاں تو آئیفل ٹاور کی بھی بولی لگ سکتی تھی اور دولت کے نشے میں چور ایک امریکی نے بکنگھم پیلس کی آفر بھی بھجوا دی تھی اتنی بڑی رقم کہ جس سے لندن کے کسی بھی علاقے میں اس سائز اور ڈیزائن کی درجن بھر عمارتیں تعمیر کی جا سکتی تھیں جس کے جواب میں شاہی محل کے ایک ادنیٰ اہلکار نے لکھ بھیجا تھا Britain not for sale یعنی برطانیہ بکاؤ نہیں ہے۔ کسی بھی شئے کی خرید و فروخت جائز فعل ہے۔ قانون میں بھی اور مذہب میں بھی۔ جب آپ اسے بیچ دیتے ہیں تو جملہ مقاصد کے لیے حق ملکیت خریدار کو منتقل ہو جاتا ہے مگر کچھ سودے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بیچنے والوں کے لیے زندگی کا روگ بن جاتے ہیں۔ ایسی خرید و فروخت بظاہر قانونی لیکن حقیقت میں مالکان کے حق پر ڈاکے کے مترادف ہوتی ہے۔ کہیں سے سڑک گزرتی ہے رنگ روڈ بنتی ہے یا شہر کو بائی پاس کرتا ہے تو اندر کی خبر رکھنے والے اندر ایسا چکر چلاتے ہیں کہ ڈویلپمنٹ کا ثمر غریب اور چھوٹے مالکان کو نہیں پہنچ پاتا۔ ایسی ایسی خوفناک کہانیاں چھوڑی جاتی ہیں کہ بچارے دل برداشتہ ہو کر آبائی اراضی مافیا کے ہاتھ اونے پونے بیچنے پر مجبور ہو

جاتے ہیں جوان کے ہاتھ سے نکلتے ہی سونا بن جاتے ہیں۔ اسی قسم کے لینڈ مافیا نے چند برس بیشتر پنجاب کے ایک ضلع میں فوجی چھاونی کی تعمیر کا شوشہ چھوڑ کر بیسیوں دیہاتوں میں زلزلہ کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ منظّم طریقے سے افواہ پھیلائی گئی کہ سرکار چھاونی کے لیے دس ہزار ایکڑ کے حساب سے زمین ایکوائر کرنے جارہی ہے بہتر ہے مافیا کے ہاتھ تین گنا قیمت یعنی تیس ہزار روپے ایکڑ بیچ دی جائے' جبکہ اراضی کی مارکیٹ قیمت 10 لاکھ فی ایکڑ سے بھی زیادہ تھی۔ وہ تو بھلا ہو وزارت دفاع کا کہ بروقت نوٹس لے کر سازش بے نقاب کر دی تھی۔

راقم اسلام آباد کے ایک نو آباد سیکٹر E/11-3 میں رہائش پذیر ہے۔ یہ بستی گولڑہ شریف کی زمینوں پر آباد ہے۔ جنہیں ایوب خان نے درگاہ کی عقیدت میں مستثنیٰ قرار دیا تھا۔ بعد میں مختلف سوسائیٹز نے یہ رقبے لیے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک پوش سیکٹر معرض وجود میں آ گیا۔ اسی آبادی کے شمال میں 54 ایکڑ کا ایک ٹکڑا ہے' جو ہے تو سی ڈی اے کی ملکیت' مگر ہمیشہ کے کنگال اسلام آباد کے ترقیاتی ادارے نے اس شرط پر ایک پرائیوٹ پارٹی کے حوالے کر دیا تھا کہ ڈویلپمنٹ پر خرچہ مذکورہ پارٹی کرے گی اور زمین میں آدھے کی شراکت دار ہوگی۔ چیف جسٹس کو بھنک پڑی تو سوؤ موٹو ہو گیا۔ سی ڈی اے (CDA) والوں کی خوب سرزنش ہوئی کہ سرکاری پراپرٹی کی بندر بانٹ کس قانون کے تحت ہو رہی ہے؟ ڈویلپر کو خرچہ دے کر فارغ کرو اور زمین بدستور سرکار کی رہے گی۔

مارگلہ کے دامن میں واقع 54 ایکڑ کے اس قطعہ اراضی کو بے شک دنیا کے چند بہترین واکنگ ٹریکس میں شامل کیا جا سکتا ہے اور واک کے شوقین مرد و زن صبح شام اس نعمت غیر مترقبہ سے جی بھر کر استفادہ کرتے ہیں۔ میں بھی اسی ٹریک پر واک کرتا ہوں۔ اکثر چہرے شناسا ہوتے ہیں کیونکہ اسی بستی کے ہیں اور ہیلو ہائے بھی ہو جاتی ہے' چند دنوں سے ایک اجنبی دیہاتی کو ادھر منڈلاتے ہوئے دیکھا تو تجسس ہوا مگر صرف نظر کیا کہ ہوگا کوئی اللہ کا بندہ! اس میں پریشانی والی کیا بات ہے؟ مگر موصوف کو تو کوئی شدید پریشانی لاحق تھی' جو دن بھر دیوانہ وار وہیں گھومتا رہتا ہے۔ ایک دن صبح ہی صبح مڈبھیڑ ہو گئی۔ میں کترا کر نکل جانا چاہتا تھا مگر موصوف نے زوردار سلام کے ساتھ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا' اور بولے: صاحب جی! سنا ہے کہ دو ایکڑ کا پلاٹ چار ارب میں بکا ہے عرض کی: ہاں! اخباروں میں کچھ ایسا ہی چھپا ہے خیبر پختونخواہ

کے کسی کاروباری گروپ نے فائیو اسٹار ہوٹل کے لیے خریدا ہے' مگر جناب مجھے تو اس کے صرف تین لاکھ ملے تھے' جس میں سے آدھے خرچے پر اٹھ گئے تھے' ساڑے چار ارب اور تین لاکھ کا کوئی جوڑ ہے سرکار؟ انہوں نے تو اس میں کچھ بھی نہیں کیا' ہل بھی نہیں چلایا؟ اس میں بنی ہوئی لکیریں میرے ہل کی ہیں جو میں نے آخری بار چلایا تھا یہ ہمارے پرکھوں کی زمین تھی۔ ہمارے ساتھ تو ہاتھ ہو گیا سرکار! ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ یہ جگہ ڈبل روڈ میں آئے گی اور سرکار نے مفت میں قبضہ کر لیا ہے۔ منہ اندھیرے کی یہ بات کسی سانحہ سے کم نہ تھی' مگر میں اسے کیسے سمجھاتا کہ تم تو زمین بیچ چکے اور تمہارا مقدر تمہیں مل چکا' مگر مجھے اس بے ضرر سے دیہاتی سے خوف آنے لگا اور میں نے اس ٹریک پر جانا چھوڑ دیا' مبادا دوبارہ آمنا سامنا ہو جائے۔ احباب ٹھٹھا اڑاتے کہ تم خواہ مخواہ جذباتی ہو جاتے ہو۔ خرید و فروخت چلتی رہتی ہے کسی کو نفع ملتا ہے' تو کسی کے حصے میں نقصان آتا ہے جس کے نصیب میں جو ہوتا ہے' مل جاتا ہے' اس میں پریشانی والی کیا بات ہے؟ مگر مجھے پریشانی یہ ہے کہ نصیب غریب کا ہی کیوں پھوٹتا ہے؟ اور اس کی مٹی ہاتھ بدلتے ہی سونا کیوں کر بن جاتی ہے؟

چند برس پہلے تک قریبی گاؤں سے ایک ماسی ہمارے گھر کام کرنے آتی تھی۔ انتہائی مہذب محنتی اور ایماندار۔ نہایت وثوق سے بتاتی تھی کہ گلی کے جملہ بائیس گھروں کی زمین کبھی ان کی ملکیت ہوا کرتی تھی' جو سرکار نے چار سو روپے کنال کے حساب سے تقریباً زبردستی ہتھیالی تھی۔ وہ بڑی حسرت سے بتایا کرتی تھی کہ یہاں ہمارا مکان ہوتا تھا' یہاں حویلی تھی اور یہاں کنواں ہوتا تھا۔ اسے تو وہ جگہ بھی یاد ہے۔ جہاں اس کی بارات بیٹھی تھی اور تنبو لگے تھے' اور جب اس جگہ پر بھی مکان بن گیا تو اس نے ہمارے گھر کام چھوڑ دیا تھا کہ اب اس گلی میں گزرنے کا یارا نہیں رہا۔ اس کا شوہر کچھ عرصہ دودھ لے کر آتا رہا پھر' اس نے بھی آنا چھوڑ دیا' کیونکہ بہ قول اس کے اس دھرتی پر قدم رکھتے ہوئے کلیجہ شق ہو جاتا ہے دھرتی کی اولاد کا دکھ مجھے بارہ برس پیچھے لے جاتا ہے' میری سرکاری دوکان کی سالانہ مینٹی نینس اور وائٹ واش کے لیے ٹھکیدار کے چند کارندے کام کر رہے تھے۔ ایسے ہی گپ شپ میں ایک سے پوچھ لیا کہ کہاں کے رہنے والے ہو؟ نہایت دل سوزی سے جواب دیا تھا: سر جی! اجڑیاں دا کیڑا وطن ہندا اے' پتہ چلا کہ اس کی آبائی جائیداد لاہور کے نواح میں واقع پاکستان کے غالباً بڑے بڑے

فارم ہاؤس میں ضم ہو چکی ہے۔ وہی معروف زمانہ فارم ہاؤس جس کی وصیتوں کے بارے میں یار لوگ ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں' کوئی اسے ماڈل ٹاؤن کے برابر بتاتا ہے اور کوئی اقبال ٹاؤن کا ہم پلہ قرار دیتا ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ بک جانے کے باوجود اس کا مرحوم باپ اس مدت تک باقاعدگی کے ساتھ اپنی زمینوں پر جاتا رہا۔ اسٹیٹ پر تعمیر ہونے والی مسجد ہماری زمین پر بنی ہے۔ جس سے ابا کو جذباتی لگاؤ تھا مرنے کے بعد وہاں دفن ہونا چاہتا تھا' مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ سب خواہشیں پوری ہونے کے لیے نہیں ہوتیں۔ ملتجب جگہوں پر قبریں نصیب والوں کی بنتی ہیں۔ ہم جیسوں کے مقدر میں فقط حسرتوں کے مزار ہوتے ہیں۔

(روزنامہ جنگ' لاہور' 9 اکتوبر 2013 بروز بدھ)

تراشہ نمبر 265

طبقات الارض کا سروے کروایا جائے

از...... اختر ملک' لاہور

بلوچستان میں قیامت خیز پہلا زلزلہ 1935 میں آیا تھا جس میں ہزاروں افراد ہلاک ہوئے اور بے گھر ہونے کے علاوہ بچے یتیم اور خواتین بیوہ ہو گئی تھیں اس کے بعد چند سال پہلے آزاد کشمیر صوبہ خیبر پختونخواہ اور پاکستان کے کئی علاقوں میں زلزلے کے جھٹکے محسوس تو کیے گئے لیکن آزاد کشمیر میں خوفناک تباہی نے پوری قوم کو اذیت میں مبتلا کر دیا۔

اب پھر بلوچستان میں قیامت خیز زلزلوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا ہے جس کے جھٹکے کراچی اور کئی دوسرے شہروں میں بھی محسوس کیے گئے۔ ماہرین طبقات الارض کا کہنا ہے کہ پاکستان کے کئی علاقے خوفناک پٹی پر موجود ہیں بلوچستان میں زلزلے کی شدت 7.2 فیصد تھی جو انتہائی خطرناک تھی' نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا' اگرچہ انہیں مت مسلمہ کی طرف سے دین اسلام سے بے اعتنائی کے حوالے سے عذاب الٰہی کا نتیجہ بھی قرار دیا جاتا ہے اس لیے جہاں پر ضروری ہے کہ قوم اپنے اعمال کی اصلاح کر لے وہاں پر زیر زمین زلزلوں کی پٹی کا سراغ لگانے کے لیے ماہرین طبقات الارض سے باقاعدہ سروے کرایا جائے اور زلزلے کی لپیٹ میں آنے والے علاقوں میں حفاظتی اقدامات اور ان کی تباہ کاریوں کو

روکنے کے لیے بھی ٹھوس منصوبہ بندی کی جائے۔ ان علاقوں کے عوام کو بھی اس سنگین خطرے اور اس کے اسباب سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ پوری طرح محتاط رہیں اور ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لیے حکومت اور عوام مل کر اقدامات کریں۔

(روزنامہ جنگ' لاہور' 9 اکتوبر 2013 بروز بدھ)

تبصرہ: طبقات ارض کے علاوہ طبقات انسان کا بھی سروے کرنا ضروری ہے اور علاج بھی۔

بے سبب زلزلہ عالم میں نہیں آتا ہے　　کوئی بے تاب تہہ خاک تڑپتا ہوگا

تراشہ نمبر 266

لغویات... سیاسة

(Political Dictionary)

''لقد دخلت السياسة اليوم في كل شئ' حتى اللغة. واللغة داخلة منذ القدم في كل شئ.. حتى السياسة''لغت کا قدیم زمانہ سے ہر شئی میں دخل تھا حتیٰ کہ سیاست میں بھی' لیکن آج سیاست بھی ہر شئی میں داخل ہوگئی حتیٰ کہ لغت میں بھی در آئی اور آگھسی ہے۔ مثلاً'' ارهاب '' کا لغوی معنیٰ'' اخافةیا تخويف''یعنی فقط ڈرانا تھا اور اصطلاح یعنی شرعی اور اسلامی مفہوم کے لحاظ سے ارہاب کے معنی یہ تھے اور ہیں'' هو اخافة العدو' ای ردعه عن العدو ان على بلاد المسلمين''دشمن کو مسلمانوں کے شہروں پر ظلم کرنے سے روکنا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:'' واعدوا لهم مااستطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم'' (الانفال:6)۔

اس سے مندرجہ ذیل امور واضح ہو جاتے ہیں۔

(1) اس آیت محولہ بالا میں مسلمانوں کو جو استطاعت بھر قوت کو تیار کرنے اور گھوڑے سرحدوں پر باندھ رکھنے کا جو حکم خداوندی ہے ان دونوں چیزوں سے مقصود دشمن کو ڈرانا اور ظلم و جارحیت سے روکنا ہے اور بس! کیونکہ جب وہ مسلمانوں کی قوت اور ان

کی جنگی تیاری کو دیکھے گا ان کے شہروں پر اپنے جارحانہ عزائم اور ظلم وتعدی کا اقدام کرنے سے باز رہے گا۔

(2) آیت کریمہ میں ''تــرهبـون'' کا ارشاد ہوتا ہے جس کے معنی کسی کو ڈرانے اور دہشت زدہ کرنے کے آتے ہیں یعنی تم اپنی بھرپور طاقت وقوت اور سامان حرب سے دشمن کو ڈراؤ تا کہ وہ امن کو تباہ نہ کرے اور ظلم نہ کر سکے اور آیت مبارکہ میں یہ نہیں فرمایا کہ ''تهاجـمون'' اور ''تـعتدون'' تم اس مقدور بھر قوت کے حصول اور آلات حرب کی تیاری کے بعد دشمن پر پیشگی حملہ کر دو اور اس پر اچانک ٹوٹ پڑو یا یہ نہیں فرمایا کہ دشمن پر ظلم وزیادتی کے پہاڑ توڑ ڈالو اور اس کی تہہ نہس کر کے رکھ دو اور امن عالم کو تہہ وبالا کر کے رکھ دو بلکہ فقط اتنا حکم ہے کہ دشمن کو نتھ ڈالنے کے لیے اور اسے ظلم سے باز رکھنے کے لیے بھرپور جنگی قوت حاصل کرو اور سرحدوں پر گھوڑے (اور آج کل کے تقاضوں کے مطابق اس کے حسب حال ٹینک توپیں' میزائل وغیرہ) باندھ کر (یا نصب کر کے) رکھو تا کہ دشمن کو جارحانہ قدم اٹھانے سے پہلے سو بار سوچنا پڑے کہ اگر میں کوئی کارروائی کرتا ہوں تو کہیں مجھے لینے کے دینے تو نہیں پڑ جائیں گے! اور وہ ظلم سے رک جائے گا اور ارھاب ودہشت کا مقصد یہی امن کو قائم رکھنا اور ظلم وجارحیت اور طاغوت کی بدمستی وبد معاشی کو روکنا' کنٹرول کرنا اور اس نیل کو نتھ ڈالنا اور بش اور جھاڑی کے نوکیلے کانٹوں کو کاٹ دار متوازی پاور کے ذریعے کند کر کے رکھنا ہوتا ہے۔ ارہاب ودہشت کا یہ مفہوم ہے۔ باقی تہذیبوں کے اس تصادم میں ارھاب ودہشت گردی کی ایسی اصطلاحات گڑھ کر اس سے جہاد جیسے پاکیزہ اور مقدس لفظ کو گرد آلود کرنا پرلے درجے کی بدتہذیبی ہے۔ گہری سازش اور دجل وفریب ہے۔

(3) رباط الخیل ''مــرابـطتهـا'' سرحدوں پر گھوڑے باندھنے سے مقصود یہ ہے کہ دشمن کے ممکنہ حملے کی صورت میں با آسانی جوابی کارروائی کر کے اپنا دفاع کیا جا سکے اور اس کے محتملہ جارحانہ عزائم کو خاک میں ملایا جا سکے' اس گھوڑے باندھنے اور گھوڑوں کے ذریعے غارت گری کرنے اور دشمن کے لشکر پر حملہ آور ہونے کی نوعیت بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے اس میں فرق کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

(4) ''ارھاب العدو ای اخافته لیرتدع عن العدوان' او محاولة العدوان علی بلاد المسلمین'' دشمن کو دہشت زدہ کرنا یعنی اس کو ڈرانا اور خوف زدہ کرنا تا کہ وہ ظلم سے باز رہے یا مسلمانوں کے شہروں پر جارحیت کا اقدام نہ کر سکے! غور کریں کہ اس ارھاب اور دہشت زدہ کرنے کی کارروائی میں تو سراسر دونوں فریق کا فائدہ ہے اور یہ ارھابی کارروائی تو امن وسلامتی کا ذریعہ ہے کیونکہ اس عمل میں خون ریزی کا انسداد اور روک مطلوب ہے اور وہ ہوتی بھی ہے خون چاہے دشمن کا ہو چاہے مسلمانوں کا دونوں کا اس میں یکساں تحفظ ہے کیونکہ جنگوں کی صورت میں خون ریزی یقینی بات ہے اور ارھاب یعنی دشمن کے مقابلہ میں بھر پور طاقت اور اسلحہ کی تیاری کرنا اور دشمن کو اس سے مرعوب خوف زدہ اور دہشت زدہ کر کے رکھنا جس کو ارھاب یا دہشت گردی کا نام دے دیا گیا ہے دشمن کے ظلم اور تعدی کو روکنے کا نام ہے اس میں دونوں کا بھلا ہے ایسی ارہابی کارروائیاں امن وسلامتی کی گارنٹی فراہم کرتی ہیں۔

ایک اہم نکتہ کی بات

''قالت رئیسة وزراء بریطانیا السابقة "مار جریت تشر" ان الردع النودی المتبادل' وقی اوروبا من الحروب مدة اربعین سنة' وھی التی لم تخل سنة فیھا من الحروب طوال تاریخھا'' برطانیہ کی سابقہ وزیراعظم مارگریٹ (بزرگ اژدہا) تھیچر کہتی ہیں: متبادل دفاعی ایٹمی پاور نے یورپ کو چالیس سال جنگوں سے بچائے رکھا وہ یورپ جس کی طویل تاریخ جنگوں سے بھری پڑی ہے اور اس طویل عرصہ میں کوئی ایک سال بھی ایسا نہیں گزرا جو جنگ سے خالی ہو۔

(5) پھر اس کا معنی یہ ہوا کہ ارھاب (یعنی دشمن کو خوف زدہ اور دہشت زدہ کرنے کی کارروائی) عملی اعتبار سے دشمن کے مدمقابل کی جانے والی وہ سلبی حالت ہے جس کو ردعمل کیا جانا زیادہ مناسب ہے (اور ظاہر ہے جہاں عمل ہو گا وہاں ردعمل بھی ہو گا) مثبت اور منفی ساتھ ساتھ چلیں گے تبھی توازن ہو گا اور واضح رہے کہ ارہاب دہشت زدہ کرنے اور ڈرانے کی یہ کارروائی قیام امن وسلامتی کی ضامن کارروائی کا نام ہے اس میں قتال ہے نہ حملہ' نہ ظلم ہے نہ ہی سختی اور نہ ہی تشدد نام کی کوئی چیز ہے' اور اس جگہ ارھاب (خوف زدہ

اور دہشت زدہ کرنا) اور عدوان (یعنی ظلم وزیادتی) کے درمیان فرق بھی واضح ہو گیا۔

(1) ''فالعدوان هو ممارسة فعل حسي حركي' لا مجرد اثارة حالة نفسيه لدى العدو يعبر عنها بالخوف او الرهبة'' ظلم ظاہری حرکت اور عمل و کردار کے کرنے کو کہا جاتا ہے مخالف اور دشمن کو محض نفسیاتی طور پر ہیجانی کیفیت سے دوچار کر دینے جس کو خوف یا دہشت سے تعبیر کیا جاتا ہے کا نام ظلم نہیں ہے۔'' يجب ان لا تظلم كلمة الارهاب بمعناها المحمود فقد وردت في القرآن الكريم اكثر من مره بمعنى مستحسن واستخدمها من همه الدس والهدم في دين الاسلام عن عمد او غفلة استخدام السيئ لاتمت للكلمة بمعني' واری الانصاف ان نستخدم كلمة (الترويع) بدلا عنها لانها الكلمة الصحيحة في المحل الصحيح فقد وردت كثير من الاثار بان رسول الله ﷺ اوصى فيما اوصى به الصحابة رضى الله عنهم كان يرسلهم في الغزوات والسرايا بان ولا تروعوا امنا''۔

ہمارے ایک عرب دوست عالم سید عبداللہ عراقی کا مشورہ ہے کہ کلمۂ ''ارھاب'' جو ایک محمود اور اچھے معنی کے لیے موضوع ہے اس لفظ پر ظلم وزیادتی نہ کی جائے کیونکہ یہ لفظ قرآن کریم میں ایک سے زیادہ بار یعنی کثرت سے اچھے اور مستحسن معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اب اس لفظ کو دانستہ طور پر یا غفلت و نادانی سے ایسے قبیح معنوں میں استعمال کیا جا رہا ہے اور یہ استعمال وہ لوگ کر رہے ہیں جن کا مقصد دین اسلام کے نورانی چہرے کو مسخ کر کے پیش کرنا ہے اور یقیناً ان لوگوں کا یہ عمل قابل مذمت ہے۔

گردیدن (ف) (1) پلٹنا' پھرنا' پلٹا کھانا (2) مطالعہ کرنا (3) ہونا (4) تلاش کرنا' سیر کرنا (فیروز اللغات' فارسی۔ اردو) گرد' خوف' پریشانی' حیرت دہشت (ف) یگانگت یک جہتی' دہشت انگیز (ف) ڈراؤنا' خوفناک' دہشت زدہ (ف) سہما ہوا۔ ڈرا ہوا ارھاب: خوف کھانا' ارھب۔ تھکے ماندے اونٹ پر سوار ہونا/ اونٹنی کو تھکا دینا' آستین لمبی کرنا' ترھب۔ عبادت کرنا ترھبہ۔ دھمکی دینا الراھب۔ شر لوگوں سے کنارہ کش ہو کر گرجا میں رہنا الرھیب۔ خوفناک شیر (المنجد) خلاصہ کلام یہ ہے از روئے لغت دہشت گرد کا معنی ہوا یگانگت کا متلاشی'

یک جہتی کا تلاش کرنے والا اور راھب کا معنی ہوتا ہے عزلت نشین' لوگوں سے کنارہ کش ہو کر گرجا میں خلوت گزیں ہو جانے والا اور الرھیب خوفناک شیر کو کہتے ہیں۔ اب گزارش یہ ہے کہ آپ اس لفظ کے تقدس کو کس وجہ سے پامال کرنے پر تلے ہوئے ہیں' بلکہ ہمارے اپنے عربی عالم اور فارسی دان بھی آخر کیوں؟ کچھ تو بتائے جو مضمر بہ جوف ہے غفلت ہے' مصلحت ہے یا دشمن کا خوف ہے۔ (المجمع العدد: 1481 8 شوال 1422ھ۔ 22-12-2001 'الکویت)

تراشہ نمبر 267

دہشت گردی ۔۔ پس چہ باید کرد

از...... سلیم صافی

جو لوگ ہم کلمہ بھائیوں کو ذبح کر رہے ہیں' مساجد کو بموں سے اڑا رہے ہیں' تعلیم اور تعلیمی اداروں کے دشمن ہیں اور علمائے کرام کو شہید کر رہے ہیں' وہ کسی ہمدردی کے مستحق نہیں۔ مجھے احساس ہے کہ ان دنوں پاکستانی عوام کی اکثریت دل و جان سے ان کی مخالف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں ان کے وکیلوں کا کردار ادا کرنے والے ریٹائرڈ جرنیل اور دانش ور بھی اب ان کو کرش کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ جماعت اسلامی اور جے یو آئی کی قیادت اسٹیج پر جو بھی موقف اپنائے لیکن نجی محفلوں میں آپریشن پر ان کے اعتراض کی نوعیت دوسری ہوا کرتی ہے۔ وہاں وہ کہتے ہیں کہ حکومت طالبان قیادت کو مارنے میں سنجیدہ نہیں۔ یوں مجھے احساس ہے کہ اس تناظر میں قوت کے استعمال کی مخالفت کرنے اور مذکرات کا مطالبہ کرنے پر مجھے کتنا مطعون کیا جائے گا لیکن میں پھر بھی اصرار کروں گا کہ محض طاقت کا استعمال مسئلے کا حل نہیں۔ (روزنامہ جنگ' 16 جون' 2009)

تراشہ نمبر 268

ہمارا سلطان سلیمان عالی شان

از...... ذوالفقار احمد چیمہ

ہر محفل میں حکیم اللہ کی موت کا ذکر ہو رہا ہے مگر ہم موت کی بجائے زندگی کا ذکر کریں

گے جو چھوٹی سکرین کے طفیل پانچ سو سال بعد حورم سلطان کو نصیب ہوئی ہے۔ ترکی کا ڈب کیا ہوا ڈرامہ ''میرا سلطان'' بہت مقبول ہے۔ جسے عوام خصوصاً خواتین بڑے شوق سے دیکھتی ہیں۔ میرال اوکے (Meral Okay) کا لکھا ہوا یہ ڈرامہ سلطنت عثمانیہ کے دسویں حکمران سلیمان خان، شاہی خاندان، حرم کی کنیزوں، غلاموں، مصاحبوں، شاہی محل کی غلام گردشوں میں جنم لینے والی کہانیوں اور اندرونِ خانہ ہونے والی سازشوں کی فلمی کہانی ہے۔ اگر اُس زمانے میں پرائیویٹ چینل ہوتے تو ہر تین منٹ کے بعد کسی محلاتی خبر کی بریکنگ نیوز چلتی۔ ڈرامے کا مصنف (جو چند ہفتے قبل وفات پا گیا ہے) ایک قسط میں جتنے موڑ ڈالتا ہے اتنی ہی کنیزیں مرواتا ہے۔ لگتا ہے ڈرامے کا ڈائریکٹر ہماری پنجابی فلموں کے کسی ڈائریکٹر کی شاگردی میں رہ چکا ہے جس نے ڈرامے میں لباس سمیت ہر قسم کی وہ بیہودگیاں وافر مقدار میں ڈالی ہیں جو پست درجے کی فلموں کا حصہ ہوتی ہیں۔ عثمانی سلطنت کے بارے میں پہلے بھی کچھ پڑھ سن رکھا تھا۔ ڈرامے کی کچھ قسطیں دیکھ کر سلطان سلیمان کے بارے میں مزید جاننے کا تجسس پیدا ہوا۔ کچھ تاریخی حقائق قارئین سے بھی share کرنا چاہوں گا۔ ڈرامہ دیکھ کر لگتا ہے کہ سلطان کا زیادہ وقت حورم اور دیگر کنیزوں کی کمپنی میں ہی گزارتا تھا اور وزیراعظم ابراہیم پاشا کے بھی یہی معمولات تھے۔ تاریخی حقائق ایسے نہیں تھے۔

جری اور بہادر عثمانیوں کی تقدیر کا آغاز چودھویں صدی میں انقرہ کے قریب ایک چھوٹی سی زمینداری سے ہوا۔ ایک صدی بعد وہ درہ دانیال کو عبور کر کے ایک تنگ آبنائے پر سے اپنی کشتیاں پار لے گئے اور قسطنطنیہ کی تہری فصلیں پارہ پارہ کر کے اس پر قابض ہو گئے۔ عثمانیوں کے عروج کی داستان حیرت انگیز ہے، وہ وسط ایشیا کے پہلے جنگجو تھے جنہوں نے یورپ پر یورش کی اور وہاں حکومت قائم کی۔ سولہویں صدی تک وہ ایک سُپر پاور بن چکے تھے جنہوں نے خیر الدین باربروسا کی مدد سے اس وقت کی سب سے بڑی نیوی تیار کی اور سمندروں پر تسلط قائم کیا۔ مسلم ترکوں کے پاس اسوقت اتنے بحری جہاز تھے کہ اس وقت کے تمام یورپی ممالک کے جہاز جمع کیے جائیں تو بھی وہ عثمانی سلطنت سے کم تھے۔ قسطنطنیہ (موجود استنبول) طاقتور رومن ایمپائر کا پایہ تخت تھا جسے مسلمانوں نے پہلے بھی کئی بار فتح کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ 1453ء میں ساتویں عثمانی ترک حکمران سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ تسخیر کیا اور سلطان محمد فاتح

کہلایا۔اس عظیم فتح کے بعد محمد فاتح نے مفتوح عیسائیوں کا قتل عام نہیں کیا بلکہ یہ قانون نافذ کیا کہ آج کے بعد مسلمان اور عیسائی رُتبے میں برابر ہوں گے۔سلطان محمد کے بیٹے بایزید نے تخت نشین ہو کر ایک اور حکم جاری کیا جس کی رو سے عثمانی ترکوں پر لازم تھا کہ وہ یورپ کے ان ملکوں کے باشندوں سے زیادہ تعلیم حاصل کریں جنہیں انہوں نے تسخیر کیا تھا۔ان دونوں سلطانوں کے ساٹھ سالہ دور میں ہر دو قوانین پر سختی سے عمل کیا گیا مگر بوڑھے باپ سے شکست کھائی اور اپنے سسرال کریمیا کے تاتاریوں کے پاس پناہ حاصل کی۔اس کے کچھ عرصہ بعد بایزید نے سلیم کا بلا بھیجا اور اس کے حق میں تخت سے دستبردار ہو گیا۔سلطان سلیم بڑا زیرک اور سخت گیر تھا۔اس کے دور میں ترکوں نے شمالی افریقہ کے علاوہ فلسطین سمیت پوری سرزمین عرب کو فتح کیا اور یورپ کی جانب یورش کی۔یورپی حکمران عثمانی ترکوں کو اپنے لیے بہت بڑا خطرہ سمجھنے لگے تھے۔سلطان سلیم کی وفات پر پاپائے روم لیودھم شکر بجالایا کہ کچھ عرصے کے لیے ترکوں کا خطرہ ٹل گیا کیونکہ ترکوں کا سلطان جو افق پر شہاب ثاقب کی طرح چمک رہا تھا یورپ میں داخل ہوتے ہی غروب ہو گیا۔اس کی وفات پر پاپائے روم نے خوشیاں منانے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ سارے رومتہ اکبری میں بھجن گائے جائیں۔سلطان سلیمان اپنے والد سلطان سلیم کی وفات کے بعد 1520ء میں 26 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔اس کی تخت نشینی پر ایک یورپین صحافی نے لکھا کہ ایک نوجوان میمنہ ایک خوفناک شیر کا جانشین بنا ہے کیونکہ سلیمان آرام کی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔یہ پیش گوئی غلط ثابت ہوئی۔ہیرالڈلیم میں لکھا ہے:

عثمانی روایت کے مطابق نئے سلطان سلیمان کی تاجپوشی یا حلف برداری کی رسم شہید صحابی حضرت ایوبؓ انصاری (جنہیں ہجرت کے وقت میزبان رسول ﷺ ہونے کا شرف حاصل ہوا) کے مزار پر ہوئی۔یہاں کے متولی اور بزرگ سلطان کو تلوار پیش کرتے' سلطان کی کمر سے تلوار باندھنے کے بعد بزرگ درویش ہاتھ پکڑ کر سلیمان کو ایک بلند چبوترے پر لے گیا۔عوام کا بہت بڑا اجتماع اس تقریب میں موجود تھا۔مرد بزرگ نے با آوازِ بلند کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو سلطان بنایا جا رہا ہے۔اے آلِ عثمان کے سرتاج! خدا تجھے نیک ہدایت دے کیونکہ اگر تو غلط راستے پر چلا تو خدا تیرا ساتھ نہ دے گا'' والد کو قبر میں اتارنے کے ساتھ ہی نئے حکمران سلیمان نے حکم دیا کہ اس کے والد کے مقبرے کے ساتھ ایک مسجد' بیماروں کے لیے

شفا خانہ مسافروں کے لیے سرائے اور حصول علم کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔عوام میں یہ تاثر بہت جلد پھیل گیا کہ سلطان سلیمان کے پاس جو بھی انصاف طلب کرنے کے لیے حاضر ہوا اس کے ساتھ انصاف کیا گیا خواہ وہ اجنبی ہو کسان ہو یا عیسائی رعایا ہو۔سلطان سلیمان نے بہت سی جنگوں کی خود کمان کی۔ بے پناہ بہادر اور ذہین سلطان کی یلغار اور تلوار کے آگے کوئی نہ ٹھہر سکا۔

ذرا سوچئے یورپ آج ہمارے لاکھوں نوجوانوں کے لیے امکانات اور آرزوؤں کی جنت اور عالمی سیاست کا پردھان ہے۔سلیمان کے برق رفتار گھوڑوں نے چند سالوں میں ہی آدھے یورپ کو روندھ ڈالا۔ سلطان نے جدھر کا رخ کیا فتح کے دروازے کھلتے چلے گئے۔شہر اور ملک یکے بعد دیگرے اس کے قدموں میں ڈھیر ہوتے گئے۔ پہلے ہی سال بلغراد فتح ہو گیا پھر بوڈا پسٹ اور ہنگری فتح ہوا اور اس کا حکمران لوئیس مارا گیا۔ وہ رہوڈز پر چار سو بحری جہازوں کے ساتھ حملہ آور ہوا اور اسے فتح کیا بلقان کی ساری ریاستیں اس کے زیر نگین آ گئیں۔روس غیر معروف تھا اور انگلستان اور جرمنی اسوقت کمزور ملک تھے۔فرانس کے حکمران نے سلطان سے دوستی کر کے عافیت حاصل کی۔ اٹلی کا بڑا حصہ سلطنت کا حصہ بنا ہنگری فتح کرنے کے بعد سلطان کی فوجیں آسٹریلیا کی دہلیز پر پہنچ گئیں تو وہاں کا حکمران فرڈیننڈ فرار ہو گیا۔ترک فوجوں نے کئی ماہ تک دیانا کا محاصرہ کیے رکھا۔موسم کی شدت محصورین کا ساتھ نہ دیتی اور سلطان واپسی کا قصد نہ کرتا تو آج یورپ کی تقدیر مختلف ہوتی۔سلطان نے مشرق کا رخ کیا تو تبریز تک جا پہنچا اسے چھوڑ کر بغداد پر تسلط قائم کیا۔یمن مسقط اومان مراکش تیونس الجزائر انڈونیشیا فلسطین اور عرض حجاز سب مسلم عثمانی سلطنت کے حصے تھے۔عثمانیوں نے ارض حجاز کی فتح کے بعد حرمین کی توسیع وتزئین بے پناہ عقیدت سے مکمل کی۔ بغداد کی فتح کے بعد سلطان سلیمان نے امام ابو حنیفہ اور حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہم) کے مقبروں کی تعمیر وتزئین کرائی۔

مشہور کہاوت ہے کہ جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے مگر سلطان کے انصاف کا یہ عالم تھا کہ ایک جنگ کے دوران سوار کو عصا سے اس لیے زدوکوب کیا گیا کہ اس نے کھیت میں پکی ہوئی فصل کو کچل ڈالا تھا اور پھر ایک بار اپنے ہی ایک بندوقچی کا سر اس جرم پر قلم کر دیا گیا کہ اس

نے باغ سے پھل چرائے تھے۔ پاپائے رقم کے قریب ترین صحافی یعنی کے اس کے پریس سیکرٹری نے لکھا ہے جنگ کے عالم میں ترکوں کا فوجی نظم وضبط اس لیے اعلیٰ ہے کہ وہ انصاف اور ضبط نفس پر مبنی ہے۔ اس لحاظ سے ترک رومیوں سے برتر ہیں۔ مسلم حکمرانوں میں سلطان سلیمان کی شخصیت کے بارے میں یورپی رائیٹرز نے سب سے زیادہ لکھا۔ شیکسپیئر نے بھی اپنی شاعری اور ڈراموں میں اس کا ذکر کیا ہے۔

غیر مسلم مورخین اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ طویل قامت اور باوقار تھا اس کی طبیعت سے متانت اور اپنے آپ پر اعتماد کا اظہار ہوتا تھا۔ جو اسے دیکھتا اس کی تعریف کرتا اور دعائیں دیتا تھا۔ وہ بہت ذہین' متوازن اور نفاست پسند تھا۔ دریائے ڈینیوب سے لے کر دریائے نیل کے دھانے تک کوئی دروازہ ایسا نہ تھا جو اس پر بند ہو تین براعظموں پر اس کا تسلط تھا۔ بلا شبہ عثمانی ترکوں کی حکومت اس وقت دنیا کی سب سے بڑی سلطنت تھی اور سلطان سلیمان اعظم دنیا کا طاقتور ترین انسان تھا جس کے دربار میں یورپی ملکوں کے نمائندے اسی طرح عاجزانہ اور خوشامدانہ انداز اختیار کرتے جس طرح آج کل تیسری دنیا کے ملکوں کے نمائندے امریکہ' یورپ اور چین میں کرتے ہیں۔ یہ حقائق تاریخ کا حصہ ہیں اور تاریخ کا یہ باب مسلمانوں کے لیے ہمیشہ باعث افتخار رہے گا۔ جب غلام ہندوستان کے شہری انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے تو ایک جلوس کے قریب ہی لاہور کی مال روڈ پر صفائی کرتے ہوئے ایک عیسائی خاکروب نے جواب دیا ایہہ ساڈے کولوں آزادی منگدے پھر دے نے۔

یہ ہم سے آزادی مانگ رہے ہیں۔ خاکروب نے اپنا رشتہ عیسائی انگریز حکمرانوں کے ساتھ جوڑ لیا اور یہ رشتہ آج بھی کمزور نہیں ہوا۔ تو کیا ہندوستان کے مسلمانوں کا ان عثمانی ترکوں کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں بنتا جنہوں نے حرم کی پاسبانی اور گنبد خضریٰ کی نگہبانی کے لیے ساری عقیدتیں اور محبتیں نچھاور کر دیں۔ ایک دانشور نے کئی بار کہا ہے کہ جب یورپ مؤرخین کی تحریر پڑھتا ہوں کہ سلطان سلیمان کے نام سے یورپی حکمرانوں کی ٹانگیں کانپتی تھیں اور اس کے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سے ان کے دل لرزتے تھے تو قلب و دماغ ہی نہیں روح تک جھوم اٹھتی ہے مگر جب اقبال پوچھتا ہے کہ شعر کی صورت میں لکھے تھے آباوہ تمہارے ہی مگر تم

کیا ہو۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو۔ تو سوائے ندامت کے کوئی جواب بن نہیں پڑتا۔
سلطان سلیمان چھیالیس سال تک وقت کی سپر پاور کا حکمران رہا۔ اس کی سلطنت کی وسعت اور شان وشوکت کے پیش نظر مورخ اسے سلیمان اعظم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور یورپ میں وہ Suleman the Magnificent سلیمان عالیشان کے نام سے معروف ہے۔
دنیائے اسلام میں اس کی قانونی اصلاحات کے باعث اسے سلیمان قانونی بھی کہا جاتا ہے۔
سلیمان کو علم وادب سے خاص شغف تھا۔ وہ تیغ اور قلم دونوں کا دھنی تھا۔ اس وقت کے یورپی مؤرخ عثمانی سلطنت کی طاقت اور وسعت کو ان کی جفاکشی اور بہادری سے منسوب کرتے مگر بہت سے راز دانوں کے نزدیک ان کی حیرت انگیز طاقت کا راز وہ درسگاہ تھی جو سلیمان کے جد امجد سلطان محمد فاتح نے تعمیر کرائی تھی۔

آج کل کے کیڈٹ کالج کے طرز پر بنائے گئے اس ادارے کا ڈسپلن انتہائی سخت تھا اس کے ہوسٹلوں میں آٹھ سال سے اٹھارہ سال کے چھ سولڑکے رہتے تھے۔ پہلی تین پوزیشنیں حاصل کرنے والے سلطان کے مقربین بنتے اور انہیں نظم ونسق کے اعلیٰ عہدے دیئے جاتے۔ سلطان سلیمان نے خود بھی اسی سختی اور پابندی کے ساتھ تعلیم وتربیت حاصل کی تھی۔ کئی یورپی مؤرخین کی رائے میں عثمانی لڑکوں کے اس مدرسے کی تعلیم وتربیت کا معیار یورپ کے تعلیمی اداروں سے کہیں بلند تھا۔ راز کھل گیا کہ ان کی عظمتوں اور اوجِ کمال تک پہنچنے کا موجب تعلیم ۔ حصولِ علم کا جنون تھا۔ جہاں تک حرم کا تعلق ہے یورپی مورخ ہیرالڈ ولیم لکھتا ہے کہ محل سرائے میں ایک دالان حرم کے حصے کو سلطان کے دیوان خانے سے جدا کرتا تھا۔ جب سلطان حرم میں داخل ہونے لگتا تو دستور کے مطابق پہلے کہلا بھیجتا۔ حرم کی عورتیں پردہ دار تھیں۔ ایک اور یورپین رائیٹر نے لکھا ہے کہ یہاں کی عورتیں خوبصورت اور خود ندامت ہوتی ہیں وہ جب باہر نکلتی ہیں تو نقاب پہنے ہوتی ہیں' سڑکوں پر وہ برقع کی آستینوں میں اپنے ہاتھ چھپا لیتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ ان کا ہاتھ بھی کسی کو نظر آئے تو انہیں بے حیا اور بیسوا سمجھا جائے گا۔ بحیثیت سلطان سلیمان کا گھر فوج کے خیموں میں تھا وہ بہت کم حرم سرا میں جایا کرتا تھا۔ مگر ترک حکمرانوں میں مطلق العنان بادشاہوں والی خامیاں بھی تھیں۔

بغاوت کے خطرے کے پیش نظر سلیمان نے اپنے وزیر اعظم ابراہیم پاشا اور دو بیٹوں

مصطفیٰ اور بایزید کو قتل کرا دیا۔ اس کے امن پر لگا ہوا یہ داغ کبھی نہ مٹ سکے گا۔ عثمانی ترک بے شک اپنے پیشروؤں جیسے نہ تھے۔ ترک فوج کا مقابلہ یرموک اور قادسیہ میں لڑنے والے مسلمانوں سے نہیں کیا جا سکتا کہ وہ درسگاہ رسالت مآب ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور آفتاب کی روشنی ان جیسے اعلیٰ کردار کے انسانوں کو پھر کبھی نہ دیکھ پائے گی۔ ذاتی کردار میں صلاح الدین ایوبی ان سے ارفع تھا مگر یہ بھی سچ ہے کہ اپنی تمام تر کوتاہیوں اور غلطیوں کے باوجود عثمانی ترک بشمول سلطان سلیمان آج کے دور کے ہم جیسے مسلمانوں سے بہتر مسلمان اور بہتر انسان تھے۔ (روزنامہ جنگ' 6 نومبر 2013ء)

تراشہ نمبر 269

مدارس دینیہ

مدرسہ سب سے بڑی کارگاہ ہے جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے جہاں دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی تیار ہوتے ہیں' مدرسہ عالم اسلام کا منبع نور اور تجلی کا سرچشمہ ہے جہاں سے پوری انسانیت کے لیے روشنی تقسیم ہوتی ہے مدرسہ مستحکم' طاقت ور' زندگی کی صلاحیت رکھنے والا اور حرکت ونمو سے لبریز ایک مرکز ہے۔ اس کا ایک سرا نبوت محمد سے ملا ہوا ہے اور دوسرا سرا عرش الٰہی سے ملا ہوا ہے۔ عرش سے روشنی گنبد خضراء ﷺ پر آ کر اترتی ہے اور پھر وہاں سے مساجد اور مدارس پر پڑتی ہے اسی برکت سے صبح وشام' دن رات ان اداروں سے "قال اللہ عزوجل وقال الرسول ﷺ" کی آواز بلند ہوتی ہے۔

جب اللہ کا عذاب زمین کے قریب آتا ہے تو چار باتوں کی وجہ سے ٹل جاتا ہے' جب مسجد میں آذان ہوتی ہے' جب حاجی حج میں تلبیہ پڑھتے ہیں۔ جب مجاہد نعرہ لگا کر میدان میں کود پڑتا ہے' جب معصوم بچے قرآن مجید پڑھتے ہیں تو ان کا جسم جھومتا ہے اس کی برکت سے ہم سب اللہ کے عذاب سے بچ جاتے ہیں۔ (الفاروق' کراچی' ذوالحجہ 1431ھ' شمارہ 12)

تراشہ نمبر 270

لاہور خوش نصیب ہے

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے سالانہ عرس کی تین روزہ تقریبات لاہور میں شروع

ہو گئیں' حضرت غوث الاعظم سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز حضرت عفیف الدین مبارک نے غوث اعظم کے ملفوظات پر مبنی اپنی تالیف ''الفتح الربانی'' میں لکھا ہے کہ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز فرمایا: اگر مجھے سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا عہد نصیب ہوتا تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا۔ یہ عرس 970 واں ہے اور اس کو ہزار سال ہونے میں اب صرف 30 برس باقی ہیں۔

ابو الحسن سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ان کی وصیت کے مطابق کندہ ہے: ''السماع زاد المضطرین'' (سماع ناپختہ کاروں کا زاد راہ ہے) ایسی بات صرف ابو الوقت صوفیاء کرام ہی کہہ سکتے ہیں' اس قول کی پہنائی میں نہیں جاتے اہل نظر جان گئے ہوں گے تصوف کی آٹھ کتابوں میں داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی ''کشف المحجوب'' کو نصاب تصوف کا درجہ حاصل ہے۔ یہ آٹھ کتابیں اُمہات التصوف کہلاتی ہیں' صوفی دراصل ایک عالم باعمل کو کہتے ہیں اور جو عالم بے عمل ہو اسے علماء سوء کہتے ہیں۔ صوفیاء علماء حق ہوتے ہیں اس لیے تصوف کو شریعت سے الگ سمجھنا بنیادی غلطی ہے' داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ 22 سال کی عمر میں اپنے مرشد کے حکم پر غزنی سے لاہور تشریف لائے اور پھر وہ لاہور ہی کے ہو گئے' وہ شہر معرفت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کی درگاہ پر حاضر ہونے والے خم خانہ سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ نے ان کی شان میں کہا:

سید ہجویر مخدوم امم مرقد او پیر سنجر را حرم

''داتا گنج بخش ہجویر کے سید اور امتیوں کے مخدوم ہیں ان کا مزار پرانوار سید معین الدین اجمیری چشتی کے لیے حرم کا درجہ رکھتا ہے''۔

اور خواجہ اجمیر نے لاہور آ کر 40 روز فیض پانے کے بعد فرمایا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

لاہور خوش نصیب ہے کہ اس میں اتنی بڑی روحانی ہستی آرام فرما ہے رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(سید اسرار بخاری' روزنامہ جنگ 24 دسمبر 2013)

پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی

[illegible] صاحب لکھتے ہیں:

پیر سید نصیر الدین نصیر [illegible] تولد ہوئے [illegible] 1365ھ [illegible] برس بیت گئے ہیں۔ [illegible] گولڑہ شریف میں [illegible] ہوئے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ سے لے کر پیر سید نصیر الدین نصیر تک دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بزرگوں میں سب سے [illegible] 53 برس [illegible] آپ نے بچپن سے [illegible] تک [illegible] میں [illegible] بعض [illegible] کے [illegible] 1959ء میں [illegible] جب [illegible] حضرت مولانا فتح محمد [illegible] حضرت پیر سید غلام معین الدین شاہ صاحب نے یہ حکم دیا کہ غلام نصیر الدین کی تعلیم و تربیت کے لیے آپ سے بہتر مجھے کوئی اور شخص نظر نہیں آتا لہٰذا جس طرح ممکن ہو سکے آپ غلام نصیر الدین کی دینی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری قبول کریں۔

دینی تعلیم کا آغاز ہوا۔ تعلیمی نصاب، کتب کا انتخاب، اوقات کی [illegible] مصروفیت سمیت [illegible] حتی کہ نصیر الدین کے دوستوں کا انتخاب جیسے امور بھی استاد صاحب کی صوابدید سے طے پائے۔ آپ کے دادا حضرت پیر سید غلام محی الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہر فیصلے پر اعانت کی مہر ثبت ہوتی۔ غلام نصیر الدین کے استاد حضرت مولانا فتح محمد چونکہ راولپنڈی میں واقع اپنے گھر پر بعد از مغرب منشی فاضل کی کلاس لیا کرتے تھے۔ اس لیے صبح سویرے بعد از نماز فجر ناشتہ کر کے راجہ بازار وہاں سے بذریعہ اومنی بس گولڑہ شریف پہنچتے۔ دن بھر تدریس میں گزارتے اور بعد نماز عصر بذریعہ بس اپنے گھر روانہ ہوتے۔ مصروفیت کے اس معمول میں بھی استاد کو یہ محسوس ہوا کہ نصیر الدین کی تعلیم و تربیت میں ان کی چند گھنٹوں کے لیے بھی غیر موجودگی کسی کمی کا باعث بن سکتی ہے' چنانچہ ایک موقع پر استاد محترم نے حضرت بابو جی کی اجازت سے کم عمری ہی میں اپنے شاگرد کو روزانہ اپنے ساتھ راولپنڈی لے جانے اور صبح ساتھ واپس لے آنے کا معمول اپنا لیا جو تقریباً 3 سال تک جاری رہا۔

قارئین کرام! یہ بات انتہائی قابل ذکر اور اہم ہے کہ عرصہ 3 سال تک لگاتار تقریباً روزانہ نصیر الدین صاحب اور ان کے استاد گولڑہ شریف سے لے کر راولپنڈی تک حضرت بابو جی کے ہم سفر ہوتے اور دوران سفر استاد شاگرد دونوں سے علمی معاملات پر مکالمہ ہوتا' بحث مباحثہ بھی ہوتا اور تسلی بخش جوابات پر استاد اور شاگرد دونوں کو دارین کا کامیابیوں کی دعاؤں سے نوازا جاتا۔ روزانہ آنے جانے کا یہ معمول بعد میں اس وجہ سے ختم ہوا کہ آپ کے استاد نے منشی فاضل کی کلاس لینے کو خیر باد کہہ دیا کیونکہ درس نظامی کی اعلیٰ اور انتہائی اہم کتب کے اسباق شروع ہو گئے تھے اور مولانا نے گولڑہ شریف ہی میں قیام فرما کر نصیر الدین صاحب کے درس وتدریس کا عمل جاری رکھنے کو بہتر سمجھا۔ دوران قیام راولپنڈی نصیر الدین منشی فاضل کی کلاس میں دوسرے طالب علموں کے ساتھ بیٹھتے رہے حتیٰ کہ پنجاب یونیورسٹی سے منشی کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ آپ کے ساتھ آپ کے گولڑہ شریف کے ہم سبق اور استاد بھائی مولانا ممتاز احمد نے بھی منشی فاضل میں کامیابی حاصل کی۔ جو ان دنوں جامعہ انوار العلوم ملتان میں خطیب اور مدرس کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ پیر سید نصیر الدین کو شعر وسخن اور خاص طور پر نعتیہ شاعری سے رغبت ومحبت ورثے میں ملی ہی تھی لیکن منشی فاضل کے نصاب میں شامل حضرت امیر خسرو' حضرت مولانا جامی' حافظ شیرازی' مولانا رومی' حضرت سعدی شیرازی' خلّاق المعانی حکیم قاآنی' اور حضرت مولانا غنیمت کنجاہی کے مندرجات نے آپ کے ذوق شاعری کو جلا بخشی۔

نصیر الدین نے تمام تر کتب فارسی' عربی' علوم منطق' فلسفہ' فقہ وحدیث وقرآن مجید راقم الحروف کے والد حضرت مولانا فتح محمد سے زانوئے تلمذ طے کر کے حاصل کیے۔ تاوقتیکہ آپ کے استاد دسمبر 1969ء میں عازم بارگاہ رب تعالیٰ ہوئے۔ چند اسباق حدیث اور تفسیر قرآن مجید (جورہ گئے تھے) پیر نصیر الدین نے حضرت مولانا فیض احمد خطیب ومفتی دربار عالیہ گولڑہ شریف سے مکمل فرمائے۔ پیر نصیر الدین نصیر نے اپنے علم وعمل سے بصورت تقاریر وخطابات' تصانیف خلق خدا سے ہمدردی۔ اپنوں اور پرایوں کی دردمندی اور حفظ مراتب روا رکھ کر اپنے آباؤ اجداد کی روایت کو برقرار رکھا۔

لجپال پریت نوں توڑ دے نئیں   جہدی بانہہ پھڑدے اونوں چھوڑ دے نئیں

''رب العالمین' رب کریم سے دعا ہے کہ خانوادہ پیر مہر علی شاہ میں ایسے ہی وارث پیدا ہوتے رہیں اور ہم راہ گم کردہ لوگ ان کے فیوض و برکات اور فرمودات حسنہ سے نوازے جاتے رہیں''۔ آمین ثم آمین (عبدالستار اعوان' نوائے وقت' 20 دسمبر 2013ء)

تراشہ نمبر 272

علم کی قدر

ایک استاذ بچوں کو پڑھاتے وقت فرماتے تھے:

میں تمہیں لاکھوں روپے کا قیمتی مسئلہ پڑھا رہا ہوں' طلباء بڑے خوش ہوتے تھے۔ ایک دن ایک طالب علم کا جوتا ٹوٹا' موچی کے پاس گیا اور کہا: بابا جی! جوتا ٹھیک کردو۔ اُس نے کہا: کیا دوگے؟ طالبعلم نے کہا: ایک مسئلہ بتادوں گا۔ موچی نے کہا: مسئلہ اپنے پاس رکھو' مجھے تو دو آنے دو۔

طالب علم حیران ہوا کہ استاذ صاحب تو مسئلہ کی قیمت لاکھوں روپے بتاتے تھے اور یہ دو آنے کے برابر بھی نہیں سمجھتا' دل میں کہا کہ استاد صاحب ساری عمر یوں ہی بہلاتے تھے۔ غمگین ہوکر واپس آگیا' استاذ صاحب نے اُداسی اور غمگین ہونے کی وجہ پوچھی تو سارا ماجرا کہہ ڈالا۔ وہ اصل مرض جان گئے' انہوں نے ایک ہیرا (الماس/ ڈائمنڈ) دیا اور فرمایا: جاؤ سبزی منڈی میں اس کی قیمت لگواؤ مگر فروخت نہ کرنا' وہ ہیرا لے کر گیا' کسی نے چمکیلا پتھر جان کر دو آلو اور دو شلجم قیمت بتائی اور لینے کو ہی تیار نہ ہوا' واپس ہوا تو استاذ نے فرمایا: اب صرافہ بازار جا کر جوہری کو یہ دکھاؤ۔ وہ چھوٹے صراف کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ پوری دکان اس کی قیمت نہیں بن سکتی۔ بڑے صراف نے کہا: تمام صرافہ بازار (پوری مارکیٹ) اس پر لوٹائی جا سکتی ہے۔ جب استاد صاحب کے پاس آیا تو انہوں نے فرمایا: دیکھا کسی چیز کی قیمت اس کی حقیقت جاننے والا ہی بتا سکتا ہے' (بہ قول شاعر اسماعیل متوالا

جوہری پرکھدے لالاں تے ہیریاں نوں دانش وراں دی نظر وچ سُخن موتی

یہی حال علم کا ہے' اضافہ راقم الحروف) جو لوگ علم کی قیمت نہیں جانتے' انہیں کیا پتا مسئلہ کیا ہوتا ہے؟ انہیں تو آنہ دو آنے چاہییں۔ (فقہی لطائف' از مفتی محمد سلیم صاحب)

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کو ان کی والدہ نے ایک تھیلی دی تھی' دوران تعلیم اس

سے اپنے اخراجات پورے کرتے رہے جب فارغ ہوئے تو پوری تھیلی الٹ کر تقسیم کر دی' احباب نے وجہ پوچھی تو فرمایا: اب مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسی دولت دی ہے کہ اس کے مقابلہ میں کسی دوسری دولت کی ضرورت نہیں یعنی علم کی لازوال دولت مل گئی۔

صاحب تفسیر روح البیان الامام الشیخ اسماعیل حقی ابن المصطفیٰ الحنفی المتوفی ۱۱۲۷ھ ایک واقعہ لکھتے ہیں:

حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ پر ایک مرتبہ فقر کا غلبہ ہوا تو آپ ایک دن فقاعی کے پاس آئے اور کہا: اگر آپ مجھے شربت دے دیں تو میں تجھے فقہ کے دو مسئلے بتا دوں گا' فقاعی نے جواباً کہا: مجھے کسی مسئلہ کی حاجت نہیں۔

قیمت درگراں مایہ چہ دانند عوام حافظا گوہر یک دانہ مدہ جز بخواص

''عوام انمول موتی کی قدر و قیمت کیا جانیں؟ اے حافظ! یکتا موتی خواص کے سوا کسی کو نہ دیں''۔

خاصاں دی گل عاماں اگے نہیں مناسب کرنی مٹھی کھیر پکا محمد کتیاں اگے دھرنی

(میاں محمد رحمۃ اللہ علیہ)

خاصاں دی گل خاصاں اگے ہے مناسب کرنی مٹھی کھیر پکا محمد خاصاں اگے دھرنی

(تابش قصوری)

اتفاق یہ ہوا کہ ایک دن فقاعی نے قسم کھالی کہ اگر میں اپنی بیٹی کو جہیز میں ہر وہ چیز جو دنیا میں ہے نہ دی تو میری بیوی کو تین طلاقیں ہیں۔ فقاعی نے علماء زمانہ سے رجوع کیا تو سب نے یہی فتویٰ دیا کہ تو اپنی اس قسم میں حانث ہو گیا اور تیری بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں اور وہ تجھ پر حرام ہو گئی ہے کیونکہ تیرے لیے اس قسم کو پورا کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

فقاعی امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آیا (اور اپنا سارا ماجرا کہہ ڈالا) امام صاحب نے فرمایا: جب میں نے تجھ سے شربت طلب کیا تھا تو میرے دل میں پکا ارادہ تھا کہ تجھے یہ مسئلہ بتاؤں گا اور اس کے ساتھ ایک دوسرا مسئلہ بھی سکھاؤں گا مگر اب درپیش یہ مسئلہ میں تجھے اس وقت تک نہیں بتاؤں گا جب تک تجھ سے ایک ہزار دینار نہیں لے لیتا تاکہ تجھے علمی مسئلہ اور فتویٰ کی قدر و قیمت اور شان کا پتا چلے' چنانچہ فقاعی نے ایک ہزار دینار ادا کر دیئے تو آپ

نے مسئلہ کا حل بتاتے ہوئے فرمایا: اگر تم اپنی بیٹی کو جہیز میں قرآن کریم دے دو گے تو تم نے اپنی قسم پوری کر دی اور بری الذمہ ہو جاؤ گے اور تمہاری بیوی پر طلاق نہیں پڑے گی۔

معاصر علماء نے جب امام صاحب سے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ O'' (الانعام:۵۹) اور ہر تر اور خشک چیز لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے O

چنانچہ تمام علماءِ عصر نے آپ کے اس جواب کو قبول کرتے ہوئے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

علــم دریسـت نیـک قیـمـت جهل دردیست سخت بے درمان

علم' خوبصورت انمول موتی ہے جہالت' ایسا شدید درد ہے جو لاعلاج ہے

(روح البیان' ج6 ص706' دارالکتب العلمیہ' بیروت' لبنان)

تراشہ نمبر273

علم کا پھل

(اختر شیرانی' ماہنامہ چشم بیدار 28 مئی 2015ء انتخاب علی حمزہ)

تاریخ کا معروف عالم اصمعی کہتا ہے کہ میرا طالب علمی کا زمانہ بڑی مصیبتوں کا زمانہ تھا' کوئی پیسہ پاس تھا نہ آمدنی کا ذریعہ' اس لیے فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی بسر ہوتی تھی اور روکھی سوکھی بھی نصیب نہ ہوتی تھی' ہر حال میں میرا معمول یہ تھا کہ ادھر صبح ہوئی اُدھر میں پڑھنے کے لیے گھر سے باہر نکلا' میرے راستے میں ایک بنیے کی دکان پڑتی تھی۔ یہ بنیا روزانہ مجھ سے پوچھتا: کہاں جا رہے ہو؟ میں جواب دیتا: فلاں محدث کے پاس پڑھنے جا رہا ہوں۔ جب میں پڑھ کر واپس آتا تو بھی یہی سوال کرتا' جواب پا کر مجھے چھیڑتا' میرے پڑھنے لکھنے کا مذاق اُڑاتا اور کہتا: کیوں عمر ضائع کر رہے ہو' پڑھنے لکھنے میں کیا رکھا ہے؟ کوئی صنعت یا حرفت سیکھو پڑھنا لکھنا پیسے والوں کا کام ہے اور تمہارے پاس پھوٹی کوڑی تک تو ہے نہیں' فاقے کر کے پڑھا تو کیا پڑھا؟ لاؤ یہ کتابیں اور کاغذ میرے حوالے کرو' ان کو ایک مٹکے میں ڈال کر روزانہ

پانی دیا کروں گا۔ ایک ہفتے کے بعد نبیذ (جو اور کھجور کے بغیر نشہ والی شراب) کا موسم شروع ہو جائے گا' آ کر دیکھنا کا غذ اور پانی دیسا کا ویسا ہی رہے گا۔

میں اس کی یہ فضول باتیں سن سن کر بہت کڑھتا مگر پڑھنا نہ چھوڑا' آخر میری مفلسی اس حد تک پہنچ گئی کہ بدن پر کوئی چیتھڑا اسلامت نہ رہا اور گھر سے باہر نکلتے ہوئے شرم آنے لگی۔

ایک دن اسی فکر میں غمگین اور اداس گھر کے دروازے پر کھڑا تھا کہ اتنے میں ایک خادم آیا اور بولا: بصرہ کے امیر محمد بن سلیمان تمہیں بلاتے ہیں۔ میں نے اس خادم سے کہا: امیر بصرہ مجھے کیا جانیں؟ میں فقیر آدمی وہ امیر آدمی' میری ان کی جان پہچان نہیں کسی اور کو بلایا ہوگا۔ خادم نے جواب دیا: آپ ہی کو بلایا ہے' میں نے کہا: ان پھٹے پرانے چیتھڑوں میں ان کے پاس کیسے جاؤں؟

یہ سن کر خادم لوٹ گیا اور میری غریبانہ حالت سے امیر کو مطلع کیا' تھوڑی دیر میں وہی خادم واپس آیا اور میرے لیے قیمتی پوشاک بہت سے عطر اور خوشبوئیں ساتھ لایا ایک ہزار دینار کی تھیلی اس کے سر پر تھی' وہ بھی میرے حوالے کی اور بولا: جلدی سے کپڑے بدلیے اور چلیے آپ سے بہت ضروری کام ہے۔

چنانچہ میں کپڑے پہن' عطر مل اور چولا بدل کر امیر محمد کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ امیر بہت عزت اور تواضع سے پیش آیا اور مجھے بلانے کی وجہ اس طرح بیان کی کہ "امیر المؤمنین ہارون کے صاحبزادے محمد امین کے لیے ایک اتالیق کی ضرورت ہے' اس کی خدمت کے لیے میں نے تمہیں نامزد کیا ہے' بغداد جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

میں نے ضروری کتابیں ساتھ لیں اور امیر کے معتمدوں اور مصاحبوں کے ساتھ بغداد روانہ ہو گیا وہاں پہنچ کر امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوا اور دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: میوۂ دل اور ثمرۂ جان محمد امین کی اتالیقی کے لیے تمہیں منتخب کیا گیا ہے یہ انتخاب استخارے اور استشارے کے بعد عمل میں آیا ہے' تمہیں چاہیے کہ اس کی تعلیم و تربیت کے لیے دل و جان سے محنت کرو۔ کوئی ایسی بات اسے نہ سکھاؤ جس سے اس کے مذہبی نظریات میں خرابی پیدا ہو کیونکہ شاید کبھی وہ مؤمنین کا امام بن جائے۔

میں سلام کر کے رخصت ہوا' دوسرے روز مجھے مکتب دکھایا گیا اور محمد امین کو میرے پاس لایا گیا' پھر نچھاور کی رسم ادا کی گئی۔ اس رسم کی بدولت بہت سی دولت میرے ہاتھ آ گئی۔ دس ہزار دینار نقد علیحدہ ملے اور اتنی ہی سے تنخواہ کا بڑا حصہ اور دوسری رقمیں جو مجھے وقتاً فوقتاً ملتی رہتیں میں بصرہ بھجوا دیا کرتا تاکہ وہاں میرے لیے عالی شان عمارتیں تیار کی جائیں اور ان کو ہر طرح کے نفیس اور قیمتی ساز وسامان سے سجایا جائے۔

چند سال میں محمد امین نے ہر طرح کی عملی استعداد حاصل کر لی۔ میں نے امیر المؤمنین کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کا امتحان لے لیا جائے' اس امتحان کے بعد میرے حق میں امیر المؤمنین کا اعتقاد بہت بڑھ گیا' پھر فرمایا: ہماری خواہش ہے کہ اس جمعہ کو محمد امین خطبہ پڑھے۔ میں نے عرض کی: میں نے اس سلسلہ میں بھی توجہ کی ہے اور اسے وہ زبردست خطبہ یاد کرایا ہے۔

الغرض امیر المؤمنین جمعہ کے روز دار الخلافت سے مسجد میں تشریف لائے' محمد امین نے امامت کی' خطبہ پڑھا اور نماز پڑھائی' بغداد کے رئیسوں' خلیفہ کے امیروں اور مصاحبوں نے ہزاروں اشرفیاں نچھاور کیں جو میرے ہاتھ آئیں' پھر امیر المؤمنین نے خوش ہو کر فرمایا: کوئی آرزو ہو تو بتاؤ۔

میں نے جواب میں عرض کی کہ امیر المؤمنین کی عنایت سے سب کچھ حاصل ہو گیا صرف اتنی گزارش ہے کہ چند روز کے لیے بصرہ ہو آؤں اور وہاں کے لوگوں کو امیر المؤمنین کی مہربانیوں اور بخششوں کا حال سنا آؤں' امیر المؤمنین نے اجازت دی اور امیر بصرہ کے نام فرمان لکھا کہ بصرہ کے تمام معززین کو لازم ہے کہ ہفتہ میں دو روز اصمعی کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے علمی کمالات سے فیض اور فائدہ اٹھایا کریں۔

الغرض میں بڑی عزت شوکت کے ساتھ بصرہ پہنچا اور اپنے قدیم مسکن میں جا کر اترا' شہر کے معززین مجھ سے ملنے کے لیے آنے جانے لگے ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بے ہودہ بنیا بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلا آتا ہے میں نے اسے دیکھا تو کہا: میں نے تمہارے کہنے کے مطابق اپنی کتابوں کو گھڑے میں ڈال کر پانی بھر دیا تھا' دیکھو کیا مزے دار نبیذ تیار ہوا ہے؟ بے چارہ شرما کر معذرت اور معافی کی باتیں کرنے لگا اور بولا: میں جو کچھ کہتا تھا بے عقلی اور

بے وقوفی سے کہتا تھا' آج معلوم ہوا کہ کہ علم اگرچہ دیر میں پھل لاتا ہے مگر پھل بہت اچھا لاتا ہے۔

تراشہ نمبر 274

تصوف' شریعت وطریقت

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ظاہر و باطن میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا ہی تصوف ہے' اسی پیروی کا نام شریعت بھی ہے اور طریقت بھی۔ ظاہر کی پیروی شریعت ہے' باطن کی پیروی طریقت ہے۔ ہم تو ظاہر میں بھی پیروی نہیں کر رہے بلکہ ہمارا طرز عمل تو باغیانہ ہے' باطن میں کیا پیروی کریں گے' سنیئے شریعت اور پیروی سنت رسول اکرم ﷺ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

حضرت امام مالک (متوفی 179ھ/795ء) فرماتے ہیں:

جس نے علم فقہ حاصل کیے بغیر راہِ تصوف اختیار کی وہ زندیق ہوا اور جس نے علم فقہ حاصل کیا' تصوف کے راستہ پر نہیں چلا وہ فاسق ہوا' جس نے ان دونوں کو جمع کیا وہ صحیح مؤمن ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (متوفی 561ھ/1165ء) فرماتے ہیں:

اگر حدودِ شریعت میں کسی حد میں خلل آیا تو جان لے کہ تو فتنہ میں پڑا ہوا ہے' بے شک شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی 370ھ/980ء) فرماتے ہیں:

جس حقیقت کو شریعت رَدّ فرمائے وہ حقیقت نہیں بے دینی ہے۔

حضرت جنید بغدادی (متوفی 297ھ) فرماتے ہیں:

جس نے نہ قرآن یاد کیا' نہ حدیث لکھی (یعنی شریعت سے آگاہ نہ ہوا) طریقت میں اس کی اقتداء نہ کریں' اسے اپنا رہبر نہ بنائیں کہ ہمارا یہ علم طریقت بالکل کتاب سنت کا پابند ہے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی (متوفی 638ھ/1240ء) فرماتے ہیں:

خبردار! علم ظاہر جو شریعت کی میزان ہے اسے ہاتھ سے نہ چھوڑنا بلکہ جو کچھ اس کا حکم

ہے فوراً اس پر عمل کرو۔

حضرت امام غزالی (متوفی 505ھ/1111ء)، حضرت شیخ سری سقطی (متوفی 250ھ/864ء) کی دعا کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس نے پہلے حدیث وعلم حاصل کر کے تصوف میں قدم رکھا وہ فلاح کو پہنچا، اور جس نے علم حاصل کرنے سے پہلے صوفی بننا چاہا اس نے اپنے آپ کو ہلاک میں ڈالا۔

حضرت شیخ عارف ریوگری (متوفی 634ھ/1236ء) فرماتے ہیں:

اے عارف! جب تک اپنے اقوال و اعمال و احوال میں بغیر کمی بیشی کے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت سنیہ اور شریعت رفیعہ کی پیروی نہ کرے گا، بلاشبہ تو مقبولوں اور اصلوں کے زمرے میں نہ ہوگا۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی (متوفی ۹۷۳ھ/1565ء) فرماتے ہیں:

(ا) تصوف کیا ہے؟...... بس احکام شریعت پر بندے کے عمل کا خلاصہ ہے، علم تصوف چشمۂ شریعت سے نکلی نہر ہے۔

(ب) تمام اولیاء کرام کا اجماع ہے کہ طریقت میں صدر بننے کا لائق نہیں مگر وہ علم شریعت کا دریا ہوا۔

حضرت شیخ احمد سرہندی (متوفی ۱۰۳۴ھ/1624ء) فرماتے ہیں:

طریقت و شریعت ایک دوسرے کے عین مطابق ہیں، بال برابر بھی ان دونوں میں فرق نہیں جو چیز شریعت کے خلاف ہے وہ مردود ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی 1052ھ/1642ء) فرماتے ہیں:

تصوف فقہ کے بغیر نہ صرف یہ کہ کافی نہیں بلکہ صحیح ہی نہیں، تصوف کی طرف رجوع فقہ کے ساتھ جائز ہے۔

حضرت شیخ عبدالغنی نابلسی (متوفی 1143ھ/1730ء) فرماتے ہیں:

اے عاقل! اے حق کے طالب! دیکھو...... یہ علمائے مشائخ طریقت یہ کبرائے ارباب حقیقت سب کے سب شریعت مطہرہ کی تقسیم کر رہے ہیں۔

حضرت حاجی محمد امداد اللہ چشتی مہاجر مکی (متوفی 1310ھ/1892ء) تحریر فرماتے ہیں:

پہلا مرتبہ (زبان سے اقرار) شریعت ہے اور دوسرا مرتبہ (دل کی تصدیق) طریقت' ان سے کوئی مرتبہ بھی دوسرے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ حدیث شریف ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہی ہے'' کی مراد یہی دل کی تصدیق ہے۔

(تقریظ برانوار التجید فی ادلۃ التوحید' از مفتی محمد انوار اللہ سابق مدیر المہام امور مذہبی ریاست' حیدرآباد دکن)

حضرت امام احمد رضا بریلوی (متوفی 1340ھ/1941ء) فرماتے ہیں:

یقیناً طریقت راہ ہی کا نام ہے اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بہ شہادت قرآن عظیم خدا تک نہ پہچائے گی بلکہ شیطان تک' جنت میں نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں' کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن عظیم باطل و مردود فرما چکا' لا جرم ضرور ہو کہ طریقت یہی شریعت ہے۔

(مقال العرفاء باعزاز شرع و علماء' ص 7 'مطبوعہ بزم قاسمی کراچی 1337ھ)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہر صوفی' ہر ولی شریعت کی بات کر رہا ہے' ظاہر و باطن میں شریعت پر عمل ہی تقویٰ ہے' متقی ہی صوفی اور ولی ہے جس کے لیے قرآن کا ارشاد ہے: اس کے اولیاء تو پرہیزگار ہی ہیں۔ (الانفال:34)

(ماہ نامہ المظہر' کراچی' شمارہ 157' فروری 2015ء' جلد 13)

تراشہ نمبر 275

ایک خاص سوال کا جواب اس تراشے سے دیا جاسکتا ہے

میر عبدالعزیز کرد کا شمار بلوچستان کی تحریک آزادی کے چند رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ وہ قلات نیشنل پارٹی مستونگ کے صدر رہے' انہوں نے 1933ء میں حضرت علامہ اقبال سے بلوچستان کے مسائل کے بارے میں ملاقات کی۔ ان کے ہمراہ ان کے ایک رفیق جناب محمد حسین عنقا بھی تھے۔ انہوں نے اس ملاقات کی تفصیلات اپنے مضمون ''قطب عالم عارف ہند حضرت علامہ اقبال'' مطبوعہ روزنامہ احسان' لاہور' اقبال نمبر مئی 1938ء میں یوں بیان کیں:

دوران گفتگو حضرت علامہ نے متعدد مشورے دیئے جن میں ایک یہ تھا کہ مغرب سے آئی ہوئی اصلاحات سے بیمار قوموں کو شفاء حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس لیے آپ شریعت اسلامیہ

کی طرف رجوع کریں۔ میر عبدالعزیز کرد نے آخر میں عرض کیا: ڈاکٹر صاحب! آپ کی تعلیمات نے ملت اسلامیہ میں نئی روح پھونک دی ہے' آپ نے ہم کو جگایا لیکن ہم سب کو آپ سے یہ شکایت ضرور ہے کہ عملی طور پر آپ نے کوئی کام نہیں کیا۔

اس پر حضرت علامہ نے فرمایا: بیٹا کیا میرا یہ عمل تھوڑا ہے کہ آپ لوگوں کو ایک گہری نیند سے جگایا دیا ہے اور تمہارے سامنے کردار و عمل کا ایک راستہ تیار کر کے رکھ دیا ہے' اب یہ تمہارا کام ہے کہ راستہ پر چلو اور میری تعلیمات پر عمل کرو' میرا کام تمہیں درس دینا ہے' آگے یہ تمہارا کام ہے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر مردانہ وار جہاد کرتے پھرو۔ دنیا میں آج تک کوئی ایسی ہستی پیدا نہیں ہوئی جس نے خود ہی ایک نظریہ قائم کیا اور خود ہی اس پر عمل پیرا ہو کر اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہو۔

ایک لمحہ توقف کیے بغیر سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے اس مرد باخدا نے فرمایا: ہاں! البتہ ایک ایسی ہستی ضرور ایسی ہے جس نے خود ہی ایک نظریہ پیش کیا اور خود ہی اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا' جانتے ہو وہ کون تھے؟ وہ محمد عربی ﷺ تھے۔

محمد عربی ﷺ کا نام اس عارف کامل نے ایک ایسی پُرسوز اور دردناک لہجے میں ادا کیا کہ شدت تاثیر سے آنکھیں بند ہو گئیں اور میں نے آنکھیں کھولیں تو حضرت علامہ اقبال کی نگاہیں ہمارا جائزہ اس طرح سے لے رہی تھیں جس طرح ایک شکاری اپنے شکار پر تیر چھوڑنے کے بعد جائزہ لیتا ہے کہ نشانہ ٹھیک بیٹھا ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا: بجا ہے جناب! میں قائل ہو گیا ہوں' آپ نے ملت اسلامیہ کو بیدار کر کے واقعی بہت بڑا عمل کیا ہے' ایک ایسا عمل جس کا کوئی نظیر نہیں۔

تراشہ نمبر 276

میری زندگی میرا استاد

(1) میں نے اپنی زندگی سے یہ سیکھا ہے کہ عقل کی مثال ایسے ہے جیسے کھیت ہے اور طویل مدت تک اس میں ہم جو فکر کے بیج بوتے ہیں تو یہ زراعت کرنے اور آب پاشی کے عمل کا درجہ رکھتے ہیں اور عقل کے حقل (مت کے کھت) سے ہم جو (افکار) بوئیں گے وہی کاٹیں گے چاہے وہ افکار سلبی ہوں چاہے ایجابی ہوں۔

(2) زندگی سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ مدرسہ یا جامعہ میں ہم سبق پہلے لیتے ہیں اور امتحان کا بعد میں سامنا ہوتا ہے جبکہ زندگی وہ مدرسہ یا جامعہ ہے جہاں امتحانات پہلے ہوتے ہیں اور سبق امتحانوں کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

(3) زندگی سے میں نے سیکھا ہے کہ کسی دانا اور حکیم آدمی کے ساتھ تھوڑی سی دیر گفتگو یا مختصر سا مکالمہ مہینے بھر کی پڑھائی اور تحقیق کے برابر ہے۔

(4) زندگی سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ انسان کے لیے غلط راستے پر ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتے ہوئے چلتے اور سرپٹ دوڑنے سے صحیح راستے پہ کچھوے کی چال ہی سہی چلتے رہنا' بہرحال بہتر ہے۔

(5) زندگی سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ کام کرنا چاہیے اس کام کے کرنے پر ندامت ہی اٹھانی پڑے' بہرحال آدمی کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ کام نہ کرنے پر حسرت ویاس کا شکار ہو۔

(6) زندگی سے میں یہ سیکھا ہے کہ تیرا اپنے سے زیادہ ذہین لوگوں کو اپنے ہاں ملازم رکھنا جس سے تم اپنے اہداف کو پا لیتے ہو یہ اس بات پر مہر ثبت کرتا ہے کہ تم ان سے زیادہ ذہین اور سمجھدار ہو۔

(7) زندگی سے میں یہ سیکھا ہے کہ ایک ماہر چھلانگ لگانے والے اور بلندیوں کو سر کرنے والے کی توجہ اپنے ہدف پر مرکوز ہوتی ہے اور وہ نیچے کو نہیں دیکھتا کیونکہ خطرات ذہن کو پراگندہ کر دیتے ہیں۔

(8) زندگی سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ یہاں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ ہیں جو سفینے کی طرف تیر کر پہنچ جاتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو ساحل پر کھڑے سفینے کے آنے کے انتظار میں وقت ضائع کر دیتے ہیں۔

(9) میں نے زندگی سے یہ سیکھا ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا محل تمام لوگوں سے اُونچا ہو تو اس کے لیے آپ کے پاس دو طریقے ہیں:

(i) ایک یہ کہ آپ اردگرد کے ان تمام محلات و مکانات کو منہدم کر دیں جو آپ کے محل سے اونچے ہیں تاکہ آپ کا محل سب سے اُونچا نظر آئے۔

(ii) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے محل کو دوسرے محلات سے اُونچا تعمیر کر لیں اور یاد رہے کہ جب بھی آپ کو اس طرح کی صورتِ حال کا سامنا ہو تو آپ ہمیشہ دوسرا راستہ ہی اختیار کیجئے گا۔

(10) زندگی سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ انسان ستاروں پر کمندیں ڈالنے اور چاند کو اپنے آنگن میں اتارنے کے خواب کے ضرور دیکھ سکتا ہے' اس پر کوئی قدغن نہیں مگر ساتھ ہی وہ یہ مت بھولے کہ اس کے دونوں پیر بہر حال زمین پر ہیں۔

(11) زندگی سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ یہ درست ہے کہ جو شخص کوئی عمل نہیں کرے گا وہ کوئی خطاء بھی نہیں کرے گا (مگر بے عملی اور بے کاری سے بڑھ کر خطا کیا ہوگی؟)۔

(12) زندگی سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ لوگ اس درخت پر پتھر مارتے ہیں جو پھل دار ہوتا ہے۔

(13) زندگی سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ ہماری حیات میں مشکلات کے نہ ہونے سے سعادت اور خوش بختی حاصل نہیں ہوتی بلکہ ان مشکلات پر غالب آ جانے سے سعادت کی راہیں کھلتی ہیں۔

(14) میں نے زندگی میں اوّل و آخر یہی سیکھا ہے کہ بندہ ہر حال میں اللہ کی حمد اور اس کے حبیب مکرم حضرت محمد ﷺ پر درود شریف پڑھتا رہے۔

(عربی: عبدالکریم سالم یمن' ترجمہ: غلام نصیر الدین' پاکستان' مجلّہ ''المجتمع العدد' الکویت' شمارہ 1664' 8 رجب 1446ھ/13 اگست 2005ء)

تراشہ نمبر 277

خدا کو یاد کر پیارے

حضرت قبلہ استاذی علامہ عبدالحکیم شرف قادری برکاتی قدس سرہٗ العزیز لکھتے ہیں:

پیر طریقت حضرت پیر علاؤ الدین صدیقی صاحب نیریاں شریف' آزاد کشمیر نے ایک دفعہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن پاک میں ہے: ''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ'' ایمان والے اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی (کامل) ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک ہمیں اپنے باپ' اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب

نہ جانے یعنی قرآن پاک کی آیت کہتی ہے کہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اور حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ سب سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کرو تو کیا یہ آیت اور حدیث شریف میں مخالفت پائی جاتی ہے؟

انہوں نے فرمایا: آیت اور حدیث میں کوئی مخالفت نہیں ہے کیونکہ جب تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہیں کرو گے اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتے اور جب کوئی شخص سب سے زیادہ نبیا اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کرے گا تو وہ کامل مؤمن ہوگا' وہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا۔ سبحان اللہ! کیا خوب تطبیق ہے۔

اختتامیہ

ملفوضاتِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ میں ہے' آپ فرماتے ہیں:

(1) اچھی باتیں مثلاً ''سُبْحَانَ اللّٰهَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ''

(سنن ابن ماجہ)

ان کا اخروی نفع تو یہ ہے کہ ہر کلمہ سے ایک پیڑ (درخت) جنت میں لگایا جاتا ہے۔

اسی کو فرمایا جاتا ہے:

(2) ''وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا O ''(الکہف:46)اور باقی رہنے والی اچھی باتیں ان کا ثواب تمہارے رب کے یہاں بہتر اور وہ امید میں سب سے بھلیO (کنزالایمان)

(3) اور دوسری جگہ فرمایا جاتا ہے:

''وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّاO ''(مریم:76)اور باقی رہنے والی نیک باتوں کا تیرے رب کے ہاں سب سے بہتر ثواب اور سب سے بھلا انجامO (کنزالایمان)

اور فی الحال ان کا نفع یہ ہے کہ وہ کلمات منہ سے نکال کر ہوا میں مجتمع رہتے ہیں' قیامت تک تسبیح و تقدس کریں گے اور اپنے قائل کے واسطے مغفرت مانگیں گے۔

اسی طرح کلمات کفر منہ سے نکل کر ہوا میں مجتمع رہتے ہیں' قیامت تک تسبیح و تقدس کریں گے اور اپنے قائل پر لعنت کرتے رہیں گے۔(الملفوظ' حصہ 3 ص 364' انجمن ضیاء طیبہ' کراچی)

نذرانۂ شاگردانہ

وجیہ صورت، حسین سیرت، فقیہ بخدمت اقدس قبلہ، اصولی متکلم جلیل القدر،

محدث دانائے موجوع ومحمول

استاذ	....	استاذ گر
محقق	....	محقق گر
مصنف	....	مصنف گر
مفتی	....	مفتی گر
ناظم	....	ناظم گر
محدث	....	محدث گر
بانی ومؤسس (مدارس)	......	بانی ومؤسس گر

استاذی المکرّم حضرت اعظم مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی قدس سرہٗ العزیز

آپ کا ادنیٰ سا شاگرد: غلام نصیر الدین

کتابیات

1 - کنزالایمان (ترجمۂ قرآن)
2 - تفسیر کبیر
3 - تبیان القرآن' لاہور
4 - روح البیان
5 - شرح صحیح مسلم' لاہور
6 - حلیۃ الاولیاء
7 - ہدایۂ آخرین
8 - فتاویٰ رضویہ (جدید)' لاہور
9 - فتاویٰ نذیریہ
10 - فتاویٰ علمائے حدیث
11 - فتاویٰ ثنائیہ
12 - فتاویٰ ستاریہ
13 - طلوع مہر' اسلام آباد
14 - مہر منیر' اسلام آباد
15 - آغوش حیرت' اسلام آباد
16 - نام ونسب' اسلام آباد
17 - توضیح البیان' لاہور
18 - مقالات سعیدی' لاہور
19 - اہل سنت کی آواز
20 - انسانی نفسیات
21 - خاک راہِ دردمنداں
22 - حیات استاذ العلماء' لاہور
23 - الفاروق
24 - کشکول برکاتی' کراچی
25 - مخزن الادویہ
26 - بہار ایجادیٔ بیدل' لاہور
27 - تحریک اور کارکن' لاہور
28 - تاریخ الاطباء
29 - فقہ السیرۃ
30 - تذکرہ اکابر اہل سنت' لاہور
31 - گلستان
32 - میرے زمانے کے ولی
33 - قطب مدینہ
34 - حقیقت معجزہ
35 - تمہید الایمان
36 - مذاہب اسلام
37 - کتابوں کی درسگاہیں
38 - ختم نبوت' کراچی
39 - سحر ہونے تک' کراچی
40 - افکار معلم' لاہور
41 - تفہیمات' لاہور
42 - تجلیات مہر انور' کراچی

43 - بہارِ شریعت

44 - مثنوی مولوی معنوی، ہندوستان

45 - دینی مدارس

46 - شہاب نامہ، لاہور

47 - خیر المجالس

48 - محاضرات القرآن المجید، لاہور

49 - قلائد الجواہر فی مناقب عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، مصر

50 - زمین ساکن ہے، لاہور

51 - ہفت روزہ مجلّہ "الدعوۃ"

52 - مجمع الزوائد

53 - جہانِ دیدہ (دنیا میرے آگے)، کراچی

54 - عظمتوں کے پاسباں

55 - جاوید نامہ، کلیاتِ اقبال (فارسی)

56 - روزنامہ جنگ، لاہور

57 - روزنامہ نوائے وقت، لاہور

58 - روزنامہ "DAWN" لاہور

59 - ماہنامہ "چشم بیدار" لاہور

60 - ماہنامہ "عرفات" لاہور

61 - ماہنامہ "ایشیاء" لاہور

62 - ماہنامہ "اخبارِ اُردو" اسلام آباد

63 - ماہنامہ "تعلیم و تربیت" لاہور

64 - المصباح، لاہور

65 - ماہنامہ "ترجمان القرآن" لاہور

66 - ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہور

67 - ماہنامہ "الرُشد" لاہور

68 - ماہنامہ "الشرف" لاہور

69 - ماہنامہ "اجوڈ" لاہور

70 - ماہنامہ "ندائے اجوڈ" لاہور

71 - ماہنامہ "منہاج القرآن" لاہور

72 - ماہنامہ "پیام" اسلام آباد

73 - ماہنامہ "السعید" ملتان

74 - ماہنامہ "الہام" بہاول پور

75 - ماہنامہ "بزمِ خیرازِ زید" کراچی

76 - ماہنامہ "اُردو ڈائجسٹ" کراچی

77 - ماہنامہ "معارفِ رضا" کراچی

78 - ماہنامہ "دعوت التوحید" کراچی

79 - ماہنامہ "ملیہ" کراچی

80 - ماہنامہ "مصلح الدین" کراچی

81 - ماہنامہ "کاروانِ قمر" کراچی

82 - ماہنامہ "ضربِ مومن" کراچی

83 - ماہنامہ "الفاروق" کراچی

84 - ماہنامہ "المظہر" کراچی

85 - ماہنامہ "ساحل" کراچی

86 - مجلّہ "فقہ اسلامی" کراچی

87 - خبرنامہ "ہمدرد" کراچی

88 - عربی مجلّہ "الکویت" کویت

89 - عربیہ مجلّہ "مصری" کویت

90- عربی مجلہ "التقوی"

حضرت پیر سیّد غلام نصیر الدین نصیر گیلانی
سجادہ نشین گولڑہ شریف کے مکتوب گرامی کا عکس

(۱)

۴۸۷

از گولڑہ

1-9-76

محب گرامی. سلام مسنون. آپ کا نوازش نامہ موصول ہوا
اس سے قبل بھی ایک نوازش نامہ ملا تھا، مگر افسوس ہے کہ مشاغل اور دیگر انہماک نے
فرصت جواب نہ دی، دیگر خرابی خیال ندارم خداگواہ ہست .
بہرحال حسب فرمائش ارسال کر رہا ہوں، مناسب ہے کہ ایک دو باتیں گوش گزار کر دوں.
ہمارا اشارہ ان حضرات کی جانب ہے جہاں تک عقائد اور نظریات کو غلط انداز سے ثابت دریں
یہ بات تو اسے تا حال تسلیم نہیں کرتا کہ عقائد اور فقہی معاملات میں ان کی حد تک اختلاف
ہے، وہ اہل مشرب کے ہیں اور ہم دوسرے انداز فکر کے مالک ہیں، ہمارا انتساب مشائخ
اور تصوف سے ہے، اور وہ لوگ شدت سے اس بات ہی کے منکر ہیں.
رسالہ ان کی تنقید کوئی بات قابل ... نہیں.
دوسری بات یہ ہے، کہ حضرت پیر صاحب بانی عقیدت عرض تھے، ورنہ کسی شخص
کی لطافت ذہنی کا یہ عالم ہو کہ علمی رموز و غوامض کو چشم زدن میں حل کر سکتا ہے
اور ... مشہور ... اور اس پر طول ... حاصل ہو، وہ فن ... سے آگاہ نہیں
یہ کیسے ممکن ہے، آپ اندازہ فرمائیں کہ مولانا عبدالحق ... جیسے عظیم المرتبت
مفکر نے جسکو اقبال ... اور خود کو ... کہا ہے فرماتے ہیں
کہ من ندانم ... ، شعر ... ۹ از آب حیات.

(۲)

اس شعر کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فنی رموز سے یکسر نابلد ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے
کہ میرا مقصود بیان معنیٰ ہے نہ کہ الفاظ و حروف کی مینا کاری۔ اگر معنی اور لفظ دونوں
ہم پلہ ہوکر شعر کیا کہیئے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ مبتذل ہوتا ہے۔ مولانا روم کی
مثنوی میں اس قسم کی چیزیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ اگر برائے سند مطلوب ہوں
تو پیش کر سکتا ہوں۔ ایسے لوگوں کا تمام کلام وجدان و کیف کا نتیجہ ہے
اس سے ان لوگوں کی شخصیت میں فرق نہیں پڑ سکتا۔ یہ وجد و کیف اور سکر کا
مقام ہے، متعدد بزرگان دین کے کلام میں ایسی چیزیں مل جاتی ہیں۔ بہرحال یہ بات
درست ہے کہ مولوی حشمت اللہ صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ پیر و ریب
کہ مولوی ادیب اور صاحب فن بھی ہیں۔ بلکہ اکثر مولوی حضرات مولوی ہی ہوتے ہیں
لیکن اس کے باوجود مولوی یقینی صاحب نے تذکرہ تعارف میں لکھا کہ اتنا کچھ لکھ گئے،
پہلے اس سلسلے میں جو نادر صاحب اعلیحضرت کا شعر دیں رباعی ہے وہ درست ہے
لیکن تسبک کو ایک طرف رکھ کر اگر ابراہیم ... تو ... معلوم
ہوتی ہیں، دیکھیے کہ ان کا کلام ... ہے۔ ... معتبرہ ہمارا ہے
ایسے لوگوں نے ایک رباعی ملاحظہ ہو۔ رباعی

برمنبر وعظ ... دولت : زیں شیوہ مآل کار آخر چو شناخت
سودے تھک رسول و پاکان از تو ، شاہ ہر کہ دہان ... از خیبر کو شکست

(۱)

حضرات جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج کل کے مسلمان دینی
و مذہبی علوم سے متنفر ہوتے جا رہے ہیں۔ اور انگریزی تعلیم کو فخر
محسوس کرتے ہیں اور جب دینی علوم شرعیہ معدوم ہو گئے ہیں۔
ان کو بہ نظر حقارت دیکھتے ہیں سب خود سوچیں کہ وہ
لوگ مذہبی معاملات میں کیسے شرکت کر سکتے ہیں جو کہ
جنہیں مذہب کا پتہ ہی نہیں۔ لہذا مسلمانوں کی یہی
وجہ ہے کہ انبیاء علماء اور اولیاء کرام پر زبان درازیاں
کرتے ہیں۔ دراصل یہ والدین کا قصور ہے کہ جب
لڑکے پیدا ہوتے لائق ہوتے ہیں۔ تو بجائے دینی مدارس
کے انگریزی کالجوں میں پتلون پہنا کر رخصت
کر دیتے ہیں۔ بچے بے چارے کالجوں کی تعلیم
سے فارغ ہو کر لامحالہ نوکری کی تلاش کرتے ہیں۔
نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ساری عمر کالج اور [illegible]

(۲)

نوکری کے چکر میں ضائع ہو جاتی ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی

[illegible] ۹ بجے کے چکر میں میرے صاحب کے دفتر میں۔

گلستان بوستان، گنج عطار، کریما و تحریر جیسی نصیحت آمیز

کتب کو پڑھنا عار سمجھتے ہیں۔ حالانکہ پاکستان کا وجود میں آنا

انہی صوفیوں کے اجداد اور انہی کے نام لیوا کی

بلندی کا باعث ہوا۔ مگر بدقسمتی سے ہمارے

مسلمان بھائی انگریزوں کی اتنی نقل کر رہے ہیں مغرب

کے شعلہ ہو گئے۔ خیر عنقریب قیامت کا ظہور

ہونے والا ہے۔ سب کچھ جل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ

ہمیں ایسی دین محمدی پر چلنے کی توفیق دے

اور اسی پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین

مستغفر ۱۱۹ رہ عفی عنہ زین العابدین [illegible]

(سید) [illegible] گولڑہ (18-11-79) [illegible] المعروف [illegible]

کلام پیر نصیر الدین نصیر

غزل

عجب لذت تماشائے تو دارد ہمہ عالم تمنائے تو دارد

ز حیرت پا بگلِ ہر سروِ بستاں چہ شوخی قدِ بالائے تو دارد

خجل پیشِ نگاہت جام و مینا چہ مستی چشمِ شہلائے تو دارد

نہ آں خوشبو معطر شد جہانے کہ گیسوئے دلارائے تو دارد

خنک چشمے کہ شد محوِ جمالت خوشا آں دل کہ سودائے تو دارد

دلم ہر چند ترکِ آرزو کرد ولے ہر دم تقاضائے تو دارد

نصیرؔ کشتۂ تیغِ فراقت

بدل حسرت ز لبہائے تو دارد

غزل

کرد تاراج دلم فتنہ نگاہے عجبے
گل رخے شعلہ وشے غیرتِ ماہے عجبے

باہمہ نامہ سیاہی نہ ہراسم از حشر
رحمتِ شافعِ حشر ہست پناہے عجبے

زلفِ شکیں بجبیں گیسوئے تاریک برخ
برق در ابرِ سیاہ و شب ماہے عجبے

رہزنِ ما برباید دل و دین ہوش و خرد
گاہے گہے سرِ راہے زنگاہے عجبے

خاک پائے سگ درگاہِ محمد بودن
اے نصیر از پئے ما شوکت و جاہے عجبے

حسن حبیب را با تو سنجیدم نہ بر آن قیاس
پلۂ حبیب بر فلک رفت و تو ماندی بر زمیں

حافظ صبور باش کہ در راہ عاشقی
ہر کس کہ جان نداد بہ جانان نمی رسد

غیرتم ہمت آں خاندان پا برکم
کہ بہ جسوں نہ ببیند و گرچہ خطا کنند.

تا عجب اگرچہ ما ملند گشتیم از گناہ
خوب ترید گذشت رحمت او از گناہ ما

رسیدی از دیدہ بے تامل گذشتی آخر العہد تغافل
اگر شنیدی چشیدن دل شنیدنی داشت نالۂ ما

۴۰۶

دیدۂ ما سبزہ گرد جلوۂ گلزار نیست

خود گلستانیم ما را با گلستان کار نیست

کافر عشقم بقول حضرت خسرو نصیر

ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

غلام نصیر الدین نصیر

گولڑہ شریف

ضلع راولپنڈی

مغربی پاکستان

23-11-70

(وما علینا الا البلاغ)

غنی شدیم ز جاہ و جلال قسامے نہ
لبس ز دستِ تاج بخشی بہر مسکین نہ

نوح

عیش کے بدلے ہمیشہ غم مجھے سہنا پڑا
جس طرح قسمت نے رکھا اُس طرح رہنا پڑا

نوح

اِدھر برق تپاں رکھدی اُدھر برق تپاں رکھدی
خدا نے میری زندگی بھی عجب شکنجے درمیاں رکھدی

از فقیر ... غفرلہ ما تقدم من ذنبہ

کلام حضرت پیر سیّد غلام معین الدین مشتاق صاحب

عرف: بڑے لالہ جی سرکار

نتیجۂ حضرت سید لالہ جی مشتاق مدظلہ العالی

اپنی غربت سے تری شان سے ڈر لگتا ہے
آپ سے حسن کے سلطان سے ڈر لگتا ہے

جی تو چاہتا ہے ترے عشق کو افشا کر دوں
تیری عزت سے تری آن سے ڈر لگتا ہے

دیدہ و دانستہ جو انجان بنا بیٹھا ہو
ایسے نادان سے انجان سے ڈر لگتا ہے

راہرو راہ محبت کا خدا حافظ ہو
اس خطرناک بیابان سے ڈر لگتا ہے

رنگ بدلے گی یہ فرقت میں نہ جانے کیا کیا
اے خدا اب مجھے اس جان سے ڈر لگتا ہے

وہ تو مائل بکرم ہو بھی گئے ہیں لیکن
مجھکو بدلے ہوئے نادان سے ڈر لگتا ہے

پھر نہ پھر جائے کہیں مجھ سے عنایت کی نظر
اس نئے عہد سے پیمان سے ڈر لگتا ہے

اے محبت کے پرستار سنبھل کر چلنا
راہ الفت میں ہر اک آن سے ڈر لگتا ہے

قہر کی مجھ پہ نظر ہو کہ عنایت کی نظر
اس بت شوخ کی ہر شان سے ڈر لگتا ہے

کس قدر پاک ہے رسوائی کا اپنی انکو
راہ میں ملنے سے پہچان سے ڈر لگتا ہے

دفعتاً اس نے جو روکا ہے جفاؤں سے ہاتھ
ہائے اس زود پشیمان سے ڈر لگتا ہے

نام سنتے ہی مرا مجھ سے لپٹ کر بولے
مجھکو اس حشر بداماں سے ڈر لگتا ہے

بات تو اتنی ہی تھی پہنچی کہاں تک یارب
ایسے اٹھتے ہوئے طوفان سے ڈر لگتا ہے

توڑ دیتے ہیں مرا دل وہ سنا کر مجھکو یہ
مجھکو دو روزہ مہمان سے ڈر لگتا ہے

اس کی رحمت کی کوئی حد ہی نہیں مشتاق
اپنا ہی تنگیٔ داماں سے ڈر لگتا ہے

سے

اپنے نام کے قریب مرا بھی نام لکھ دے ......

مگر ...... وقت وقت کی بات ہے

غلام نصیر الدین

زہے عزو جلال بوترابے فخر انسانے

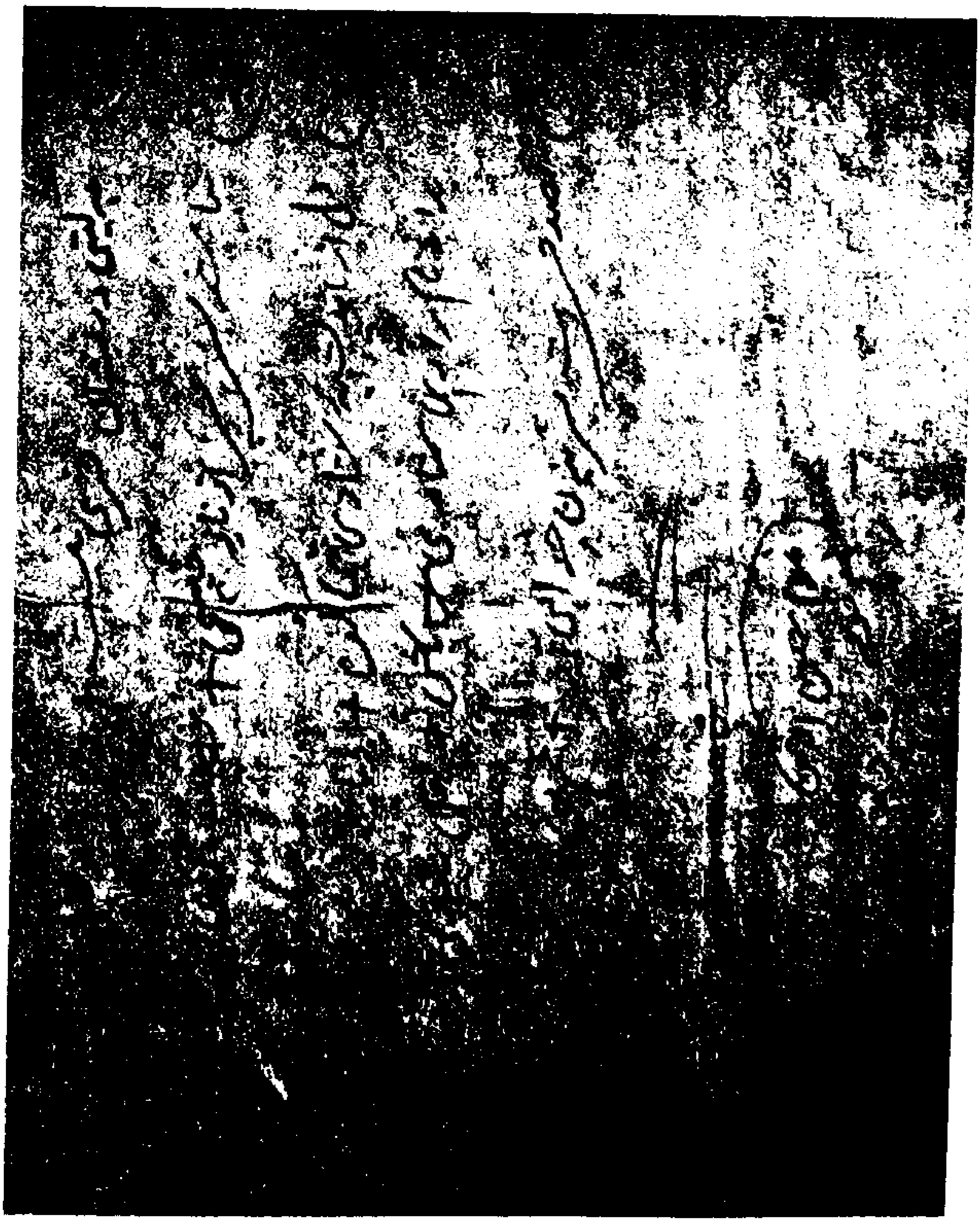
علی المرتضیٰ مشکل کشائے شیر یزدانے

حضرت لالہ جی سرکار سیّد غلام معین الدین رحمہ اللہ تعالیٰ

کی تحریر کا عکس جو آپ کے ہم درس

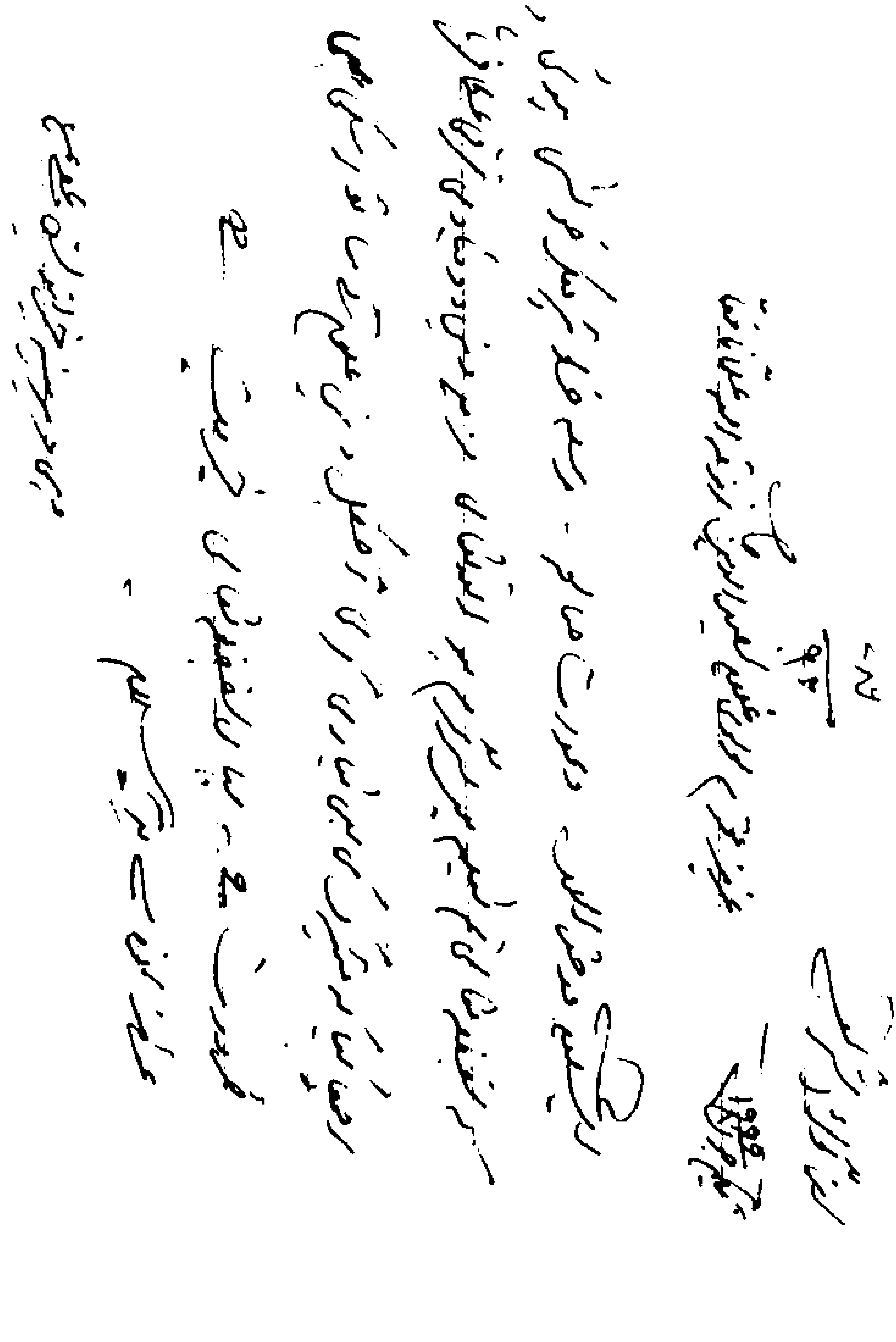
حافظ خدا بخش چشتی علیہ الرحمۃ کی کتاب یوسف زلیخا فارسی مولانا جامی

کے اندرونی صفحہ پر موجود ہے



مکتوب گرامی استاذی المکرّم علامہ مولانا فیض احمد فیض

مؤلف: مہرِ منیر، گولڑہ شریف



استاذ محترم قبلہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی قدس سرہ کے فقیر کے نام خط کا عکس جو آپ نے ہارون آباد کے پتہ پر تحریر فرمایا

فون : 67762

دار العلوم جامعہ نظامیہ رضویہ (رجسٹرڈ)

لوہاری منڈی لاہور

بتاریخ ______ والہ نمبر ______

عزیز محترم مولانا [illegible] الدین صاحب زید مجدہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج گرامی۔ خیریت مطلوب۔

آج آپ کا خط ملا۔ قبل ازیں مولانا محمد اسلم سعیدی صاحب کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ آپ کا کوئی عزیز سامان لے کر [illegible] جا رہا تھا تو راستہ میں حادثہ پیش آ گیا [illegible] اور وہ زخمی ہوا۔ اور آپ کا صندوق [illegible] ہیں؟ اگر ایسا ہوا ہو تو بہت افسوسناک حادثہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے۔ آپ نے خط میں کوئی ذکر نہیں کیا۔

آپ نے لاہور میں رہنا پسند فرمایا۔ یہ فیصلہ بہت اچھا ہے۔ آپ کو جامعہ نظامیہ رضویہ میں ہی کام کرنا ہوگا۔ مولانا [illegible] علیہ الرحمہ اور میرا یہی مشورہ ہے۔ ہماری طرف سے یہ خط آپ کو جامعہ میں تقرری کا پروانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے اس فیصلہ کو دین و دنیا میں جامعہ اور آپ بلکہ تمام امت کے حق میں باعث برکت فرمائے۔ آمین

والدین صاحب برادران و قرابت کو میری طرف سے [illegible] مولانا [illegible] اور دیگر

نظامت اس کو کہتے ہیں! نصیر الدین

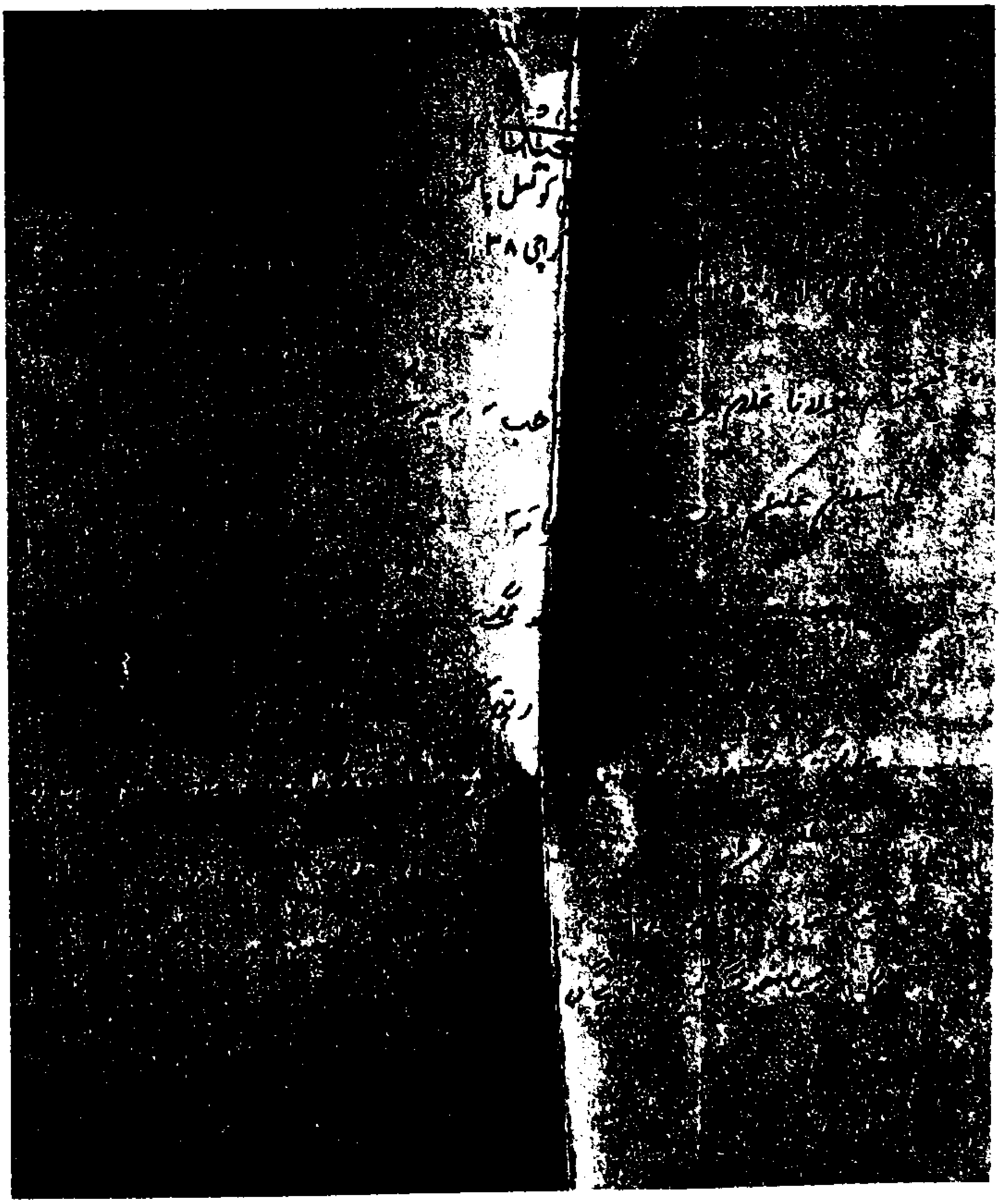
مولانا نصیر الدین صاحب

عبد المصطفیٰ کو داخل کر لیں، وہ آپ کے
قریب برآمدہ میں بیٹھے، تاکہ درجہ اولیٰ میں بھی
رہے۔

محمد عبدالقیوم

عزیزی محمد نصیر الدین صاحب زید مجدہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
جامی والی تقدرس کی نحو ناقص رہ گئی ہے
اس لئے ان کو جامی کے ساتھ ہدایۃ النحو مکمل کرائیں
پھر حضرات کو ہدایۃ النحو زبانی سن لیا کریں۔
خود ہی تاکید ہے۔ محمد عبدالقیوم

استاذ گرامی حضرت قبلہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب قدس سرہ العزیز



محمد منشاء تابش قصوری

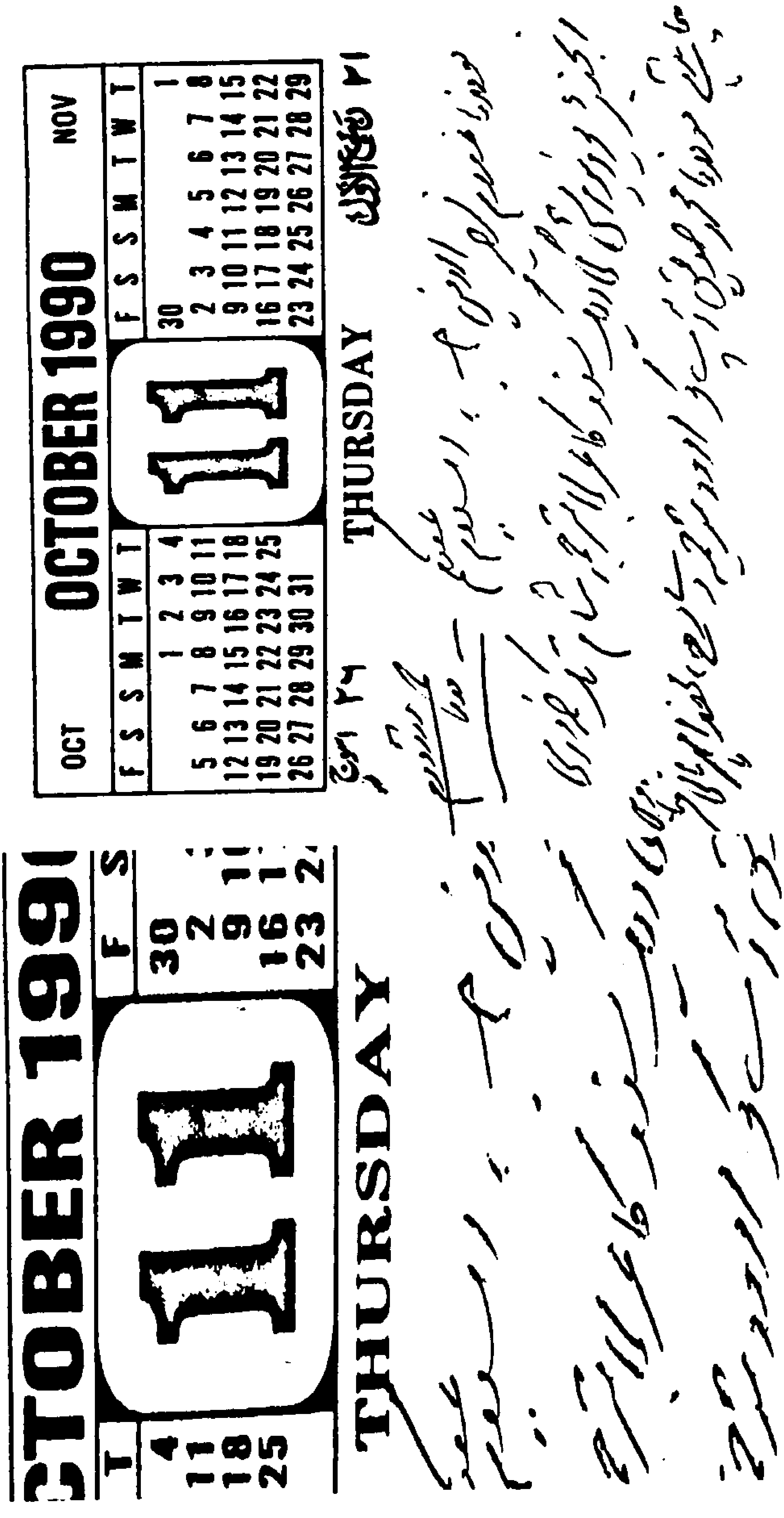
مدرس
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

خطیب
جامع مسجد ظفریہ مریدکے شیخوپورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجازت نامہ دلائل الخیرات شریف

حضرت شیخ ابوعبداللہ محمد بن سلیمان الجزولی قدس سرہٗ نے دلائل الخیرات شریف
کی اجازت مرحمت فرمائی شیخ احمد کو، انہوں نے شیخ محمد کو انہوں نے شیخ احمد کو
انہوں نے سید عبدالرحمٰن کو انہوں نے شیخ احمد مکی کو انہوں نے شیخ ابوطاہر مکی
کو انہوں نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو انہوں نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
کو انہوں نے شاہ ابوالحسین نوری مارہروی کو انہوں نے شاہ احمد رضا خان بریلوی
کو انہوں نے قطب مدینہ ضیاء الدین احمد مدنی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کو اور انہوں نے
محمد منشا تابش قصوری کو اور راقم السطور نے اس مبارک کتاب مستطاب
دلائل الخیرات شریف پڑھنے کی اجازت دی الشیخ، مولانا علامہ نصیر الدین نصیر
چشتی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ لاہور، کو، نیز حضرت علامہ
شیخ الدلائل شیخ عبدالحق محدث الہ آبادی مدفون مکۃ المکرمہ نے اجازت عطا کی قطب مدینہ
مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمۃ مدفون جنت البقیع المدینۃ المنورہ کو اور انہوں نے اجازت
سے شاد کام کیا محمد منشا تابش قصوری کو اور راقم الحروف کی طرف سے اجازت ہے الشیخ
مولانا علامہ نصیر الدین نصیر چشتی مدظلہ کو، دعا ہے اللہ تعالیٰ بجاہ حبیبہ الاعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
ہمیشہ پڑھنے کی توفیق مرحمت فرماتا رہے آمین۔ فقط- محمد منشا تابش قصوری، مریدکے الاہجد
۲۵ ذیقعدہ مبارکہ ۱۴۳۷ھ/۱۰ ستمبر ۲۰۱۵ء یوم الخمیس


OCT
OCTOBER 1990
NOV
THURSDAY
TOBER 199
THURSDAY

مکتبہ رضویہ داتا دربار مارکیٹ، لاہور نمبر ______
فون 7226193 تاریخ ۱۶ ... ۱۴۱۷ھ

محترم و اکرم مولانا علامہ نصیر الدین چشتی گولڑوی صاحب زید مجدہ اللہ تعالیٰ و برہانہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حامل ہذا جامعہ نظامیہ رضویہ سے دورہ حدیث کر چکے ہیں اور اب جامعہ نعیمیہ کے قاضی کورس میں داخلہ لینا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ جو تعاون کر سکتے ضرور کریں۔

مدینہ طیبہ کی سہانی یادوں میں سے ایک کی سوغات بھی ہے۔ جمعنا اللہ تعالیٰ فی حرمہ وحرم حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ بعد مرۃ

والسلام

محمد عبد الحکیم شرف قادری

دارالعلوم اہلسنت و جماعت
جامعہ قادریہ رضویہ (ٹرسٹ)
مصطفیٰ آباد سرگودھا روڈ لائلپور

JAMIA QUADERIA RAZVIA
(TRUST)

فون 50777

محدث اعظم پاکستان
علامہ مولانا ابو الفضل محمد سردار احمد صاحب قادری
بہ فیضان کرم ...
مہتمم ... محمد عبدالباقی صاحب

حوالہ نمبر

تاریخ ——————

۴۸۶ / ۹۲

محترم سعیدی صاحب زید مجدکم

سلام مسنون — خیر و عافیت — ادعیہ

کافی عرصہ کے بعد بلا واسطہ مخاطب سے کلام رہا ہوں غالباً یہ جھجک
لوچتا رہا۔ مگر الحمد للہ کہ آج موقعہ ملنے پر آپ سے اپنی ضرورت
پیش کرنے سے کوئی ہچکچاہٹ محسوس کیے بغیر مسرت محسوس کر رہا
ہوں۔ حالات ایسے ہیں۔ کہ ہمیں ایک قابل مدرس کی اشد ضرورت
ہے۔ جو متداول کتابیں پڑھا سکے۔ میں نے ناظم صاحب کو یہ
ہی مشورہ دیا۔ کہ سعیدی صاحب کے مشورہ سے ہو۔ تو بہت بہتر
ہوگا۔ اس وقت ہمیں اشد ضرورت ہے۔ اور یہ کام
آپ کے ذمہ میں نے ڈالا ہے۔ امید ہے۔ کہ کم از کم
بہ خواہش تو آپ اپنے حلقہ اثر و رسوخ سے کام لیتے
ہوئے مدد فرمائیں گے۔ والسلام

[illegible]

ولی نبی عفی عنہ
جامعہ قادریہ رضویہ فیصل آباد

وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَأُولٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى

اور جو اس کے پاس مومن ہو کر آئے کہ اُس نے نیک کام کیے ہوں تو ایسے ہی لوگوں کیلئے بلند درجے ہیں (طٰہٰ: ۷۵)

التذکرۃ (عربی)

فی احوال الموتیٰ و امور الآخرۃ

سفرِ آخرت کی منازل (مترجم)

موت، قبر، عالمِ برزخ، حشر و نشر کے احوال، شفاعت، حساب و کتاب، حوضِ کوثر، میزان، پُل صراط، جنت اور دوزخ کے بارے میں تفصیلاً، اُمتِ مسلمہ میں ہونے والے فتنوں کا تذکرہ، امام مہدی کی تشریف آوری اور علاماتِ قیامت، ایک عظیم مفسر اور محدث کے قلم سے

تصنیف

امام علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر انصاری قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ

المتوفی ۶۷۱ھ

ترجمہ

مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی

ناشر

فرید بُک سٹال ۳۸۔ اُردو بازار لاہور